یہی علم ہے کہ جو ابتدا سے آدم تا ایندم اس عالم میں جو جو سین گذرے ہیں اور جو گذرتے جاتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر کرکے ہر ایک سین کی صفائی کھا اس زبردست کاریگر کے کمال پر بےساختہ واہ واہ نکلوا دیتا اور اس کے انتظام و اہتمام پر احسنت و مرحبا کہلوا دیتا ہے۔ اور یہی حمد الٰہی کا دیباچہ ہے۔ لاہوت و ملکوت و جبروت و ناسوت کی طرف آیئے تو سب اسی کو نقطۂ مرکز سمجھکے چکر لگاتے نظر آئینگے۔ محسوسات کیطرف دیکھئے تو سب کچھ اسکی صنعت گری کا نمونہ۔ ریل و تار و گھڑی کی ایجاد پر ایک عالم ہے کہ عش عش کر رہا ہے۔ لیکن غور سے دیکھو تو خود اعضاؤ جوارح انسانی کی ساخت سے ہی ان سب کا چربہ لیا گیا ہے۔ وہ کیا حکمت ہے جو ایک شخص کے مافی الضمیر کو الفاظ کی شکل میں زبان تک لاکر بلا کسی ذرا سے توقف کے بھی دوسرے کے کانوں تک پہنچا کر ذہن نشین کرا دیتی ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو معدہ میں غذا کو لے جاکر گلاتی اور چار گھنٹوں میں اُسے چند گھنٹوں کے اندر صدہا[1] میل کا دورہ لگوا کر جزو بدن بنا دیتی ہے؟ وہ کیا آلہ ہے کہ ایک یا دو بار روزانہ غذا دینے سے ایک وقت مقررہ تک چلتا اور غذا نہ پانے سے درماندہ ہوکر اپنے کاروبار سے معطل ہو جاتا ہے؟ یہ سب اُسی تار و مطلق کا بنایا ہوا وجود انسانی ہی تو ہے۔ جسکی ادھوری سی نقل سے نے ریل و تار اور گھڑی جیسی مفید چیزیں مہیا کر دی ہیں۔ بارش کو آجکل کے حکماء یورپ بخارات کا نتیجہ بتاتے ہیں اور اسکے ثبوت میں ہزارہا روپے کے خرچ سے ایک چھوٹے سے قطعہ اراضی پر توپیں چھوڑنے سے مینہ برسا کر بھی دکھا دیتے ہیں مگر دنیا بھر کے بخارات کے سلسلہ کو جاری کرنے اور

---

[1] حکمائے حال نے دریافت کیا ہے کہ انسان میں جسقدر موٹی باریک رگیں ہیں اگر اُن کو پیچھے بعد دیگرے لمبان میں جمع کیا جائے تو صدہا میل تک وہ سلسلہ جاتا ہے۔

اسکو کروڑ ہا من پانی برسا دینے کا ذریعہ بنانے والا صرف وہی خدا ہے۔ جو اگر کسی
نیت سے یہ کام جاری کرتا تو شاید کیا یقیناً کوئی وجود زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ آگ۔ پانی
ہوا اور خاک جو چار بڑے بڑے عناصر مانے گئے ہیں۔ اُن میں سے ایک
بھی نہ ہو تو کوئی وجود ترکیب نہیں پا سکتا۔ اور کم و بیش ہوں تو کارآمد نہیں ہو سکتا
مگر خالق اکبر کی کاریگری دیکھئے کہ اس نے کچھ سلسلہ ہی ایسا مقرر کر رکھا ہے
کہ ہر ایک مادہ اپنے مقدار و حیثیت کے مطابق ترکیب و پرورش پاتا اور
عالم ہستی میں آکر اسکی قدرت کاملہ کا ظہور دکھا دیتا ہے۔ اصول وہ باندھ رکھے
ہیں کہ جن میں کبھی تغیر و تبدل ہی ہونے میں نہیں آتا۔ آنکھوں کا کام دیکھنا
ناک کا کام سونگھنا۔ ہاتھ پیر کا کام چلنا پھرنا۔ منہ کا کام کھانا۔ دانتوں کا کام
چبانا۔ زبان کا کام بولنا وغیرہ وغیرہ۔ جو کچھ قدرت نے مقرر کر دیا۔ ہر ایک اور ہر
جنس میں اسکی تعمیل ہو رہی ہے۔ عام طور پر پیدا ہونا۔ بڑھنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا
مرجانا بھی جو اس نے مقرر کر دیا ہے تو ممکن نہیں کہ کوئی اسمیں تغیر و تصرف
کر دکھائے۔ اور جب یہ نہیں تو خرد ان ہمارے عقل و علوم کی درماندگی ہی اسکی
ذات جل شانہ کی معترف ہو کر اسکی حمد و ثنا کا مظہر ہو جاتی ہے۔ اہل مذاہب اسے
رحمٰن و رحیم۔ یزدان اور گاڈ کہتے ہیں تو دہریہ بھی علت العلل ماننے میں مجبور
ہیں۔ غرضکہ کسی زبان سے اسکی ہستی کا انکار اور اسکے فیضان کا اباء ہو سکتا
حیوانات۔ نباتات۔ جمادات جس کو دیکھئے سب اُس کا کلمہ پڑھ رہے ہیں

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

اے غیب تو شہادت تو یکسر پیدا — پوشیدگیت عیاں تر از ہر پیدا
حیرت زدہ ام اینچہ پیدا و نہاں است — در پنہاں پیدا و در نہاں در پیدا

غرضکہ تمام کتاب کائنات جس کا مطالعہ لاکھوں برس میں بھی کیا جائے ختم نہیں ہو سکتا
اُس کا ہر صفحہ تو کیا ہر ایک جملہ بلکہ ہر ایک نقطہ و شوشہ تک اسکی قدرت و وحدت

سے لبریز ہے۔ اور حضرت انسان کا تو یہ حال ہے کہ یہ اس کا دیباچہ بھی
دیکھنے نہیں پاتے کہ عدم آباد سدھار جاتے ہیں۔ پس یہ بیچارے حمد الٰہی کا حق
ادا کرنے کے کہاں قابل ہو سکتے تھے۔ حالانکہ یہ کتاب کائنات بھی جو ہمارے
نزدیک اپنی ضخامت و طوالت میں کوئی نظیر نہیں رکھتی بجائے خود اسکی معرفت
اور کمال قدرت کے سرمایہ میں صرف ایک پہلی کتاب ہے۔ اسی لئے دانایان
اسرار نہانی اور سرشاران جام روحانی نے بصد عجز و ادب اس اقرار کے ساتھ
سپر اندازی کی ہے کہ سبحانک ما عبدناک حق عبادتک۔ سبحانک ما
عرفناک حق معرفتک سبحانک ما ذکرناک حق ذکرک سبحانک ما شکرناک
حق شکرک۔ لک الحمد حمداً یوافی نعمک ویکافی مزید کرمک احمدک
بجمیع محامدک ما علمت منها وما لم اعلم وعلی جمیع نعمک ما علمت
منها وما لم اعلم ۵

وصف تو چہ پرسم از خموشی — گوئیم باستعارہ کم کہ بخروش
ہرگہ ز شعشعۂ شرار گیسم — فریاد برآورد کہ خاموش

نعت نبوی جو حمد الٰہی کے بعد انسان کے اخلاقی و مذہبی فرائض میں
داخل ہے۔ اعتقادا و ادب کو ایک طرف بھی رہنے دیا جائے تو اس کے
واسطے بھی فطرتاً انسان ویسا ہی مجبور و مامور نظر آتا ہے جیسا حمد الٰہی کے
لئے۔ کیونکہ یہ جتنا کچھ انتظام دنیا نظر آتا ہے۔ اور جسقدر اصلاحات و تہذیب
جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بلکہ آئندہ بھی جو کچھ ہو۔ سب کا ماخذ ہے مذہب۔ اور
مذہب ہی وہ چیز ہے جس نے سب سے پہلے ہمیں یہ بتلایا۔ کہ فلاں فعل اچھا
اور فلاں کام برا ہے۔ قوانین دنیا سب انہیں کی نقلیں اور تمدن و معاشرت
کے ضوابط انہیں کے خلاصے ہیں۔ غرضکہ سب سے پہلے جو چیز ہماری رہنمائی
کرتی ہے۔ کہ زندگی کے ظاہری و باطنی مراحل و منازل کیسے طے کرنے
چاہئیں وہ مذہب اور صرف مذہب ہے ۵

انبیا بہر سے لقمہا در تردد میشوند کز شفقت غافلاں شاید بخود محرم شوند

در محبت نہا ست یکسر غرض ترغیب سجود تا دریں صورت پے سجدے گریباں خم شوند

سعی ناموس کرم مصروف ایں شغل ہست لیس

کیں خراں بیروں جہند از بغیلے و آدم شوند

پس ہزار اندو ہزار اہل زبان ان پاک نفسوں کی حُسن سعی اور احسانات عظیم کا شکریہ کن الفاظ بیان کر سکتے ہیں ؎

دیدۂ ہا کہ کشودند بہ سوئے تحقیق کہ دریں عرصہ چہ تا بیشتر تابش نازند

دامن ہمت شاں گرد تعلق نکشد ہمہ وارستہ از نغمہ بہ بند ساز زند

نیست افسردہ چہ باجوہر آزادی شاں با نفس ہمچو سحر انجمنے پرواز زند

گر ہمہ آئینہ عرض دو عالم گردد نہ نمایند بکس لب کہ حیا پرواز زند

غرض ہمت کسے محرم کیفیت شاں

گر خفا یائے مقیمان قبا بستہ نازند

اور پھر بالخصوص ان میں سے سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے شکریہ کے لیے کوئی کہاں سے زبان لا سکتا ہے جو باعتبار مرتبے کے بھی ان سب کے تاج اور باعتبار خدمت کے بھی سب سے افضل و اعلےٰ ہیں تقلیدی حلقہ سے باہر نکل کر بھی دیکھا جائے تو جسقدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں اور جسقدر بھی شریعتیں وہ لاتے رہے ہیں وہ صرف دنیا کی ابتدائی حالت کے مطابق تھوڑے سے عرصہ کے لیے متفرق اور منتج ہوئی ہیں۔ لیکن نبی عربی روحی فداک، ابد الآباد تک کے لیے ایسی مکمل لے کر نازل ہوئے کہ جس میں حک و تحریف اور ترمیم و تنسیخ کا کھٹکا ہی نہ رہا۔ اور شریعت بھی ایسی کامل کہ جسمیں جو کچھ بھی ڈھونڈو سب موجود۔ لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین۔ علاوہ اسکے پہلے انبیاء علیہم السلام نے گو نہایت ہی

عمدہ سلوک اپنی اپنی امتوں سے کئے ہیں۔ لیکن بسبب ضرورت تکالیف پہنچنے
پر تنبیہ و تادیب کبھی درگذر نہیں فرما سکے (جسمیں کہ وہ حق بجانب بھی تھے)
لیکن اس نبی برحق نے بار صد طرح طرح کی تکلیفیں نہیں کیا؟ اذیتیں نہیں اٹھائے
زخم کھائے اور دانت شہید کرائے مگر کبھی اپنی رحمت کو عداوت سے
نہ بدلا۔ اور یہی دعا کرتے رہے اللّٰھم اھد قومی انھم لا یعلمون
ایسا غمخوار امت کہ جو ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہو جس کا لطف و عطوف
صرف خیالات ظاہری تک ہی محدود نہ ہو۔ بلکہ بشکل شفاعت قیامت میں
بھی وہی اپنا سہارا ہو۔ اسکی مدحت کا حق ادا ہو سکتا ہے

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن کمال بے ادبی ست

پس سوائے اسکے کہ انسان زبان عجز بیان سے اپنی نارسائی کا اقرار
کرے اور چارہ ہی کیا ہے

زلاف حمد و نعت اولے است بر خاک ادب خفتن
سجدے میتواں بردن درودے میتواں گفتن

سبب تالیف کتاب — علم سیر و تواریخ کو انسانی طبائع سے کس قدر
جو خصوصیت اور دلچسپی قدرتی طور پر حاصل ہے۔ وہ کسی بیان کی محتاج
نہیں۔ اور اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قوموں کی رہنمائی میں یہی چیز
ہے جو سب سے مفید ہوا ہے۔ کیونکہ یہی وہ علم ہے۔ جو اخلاف کو پکار پکار
کر اسلاف کے کارنامے اور ان کے اسباب عروج و زوال کے افسانے سناتا
اور انکی آیندہ روش زندگی کے لیے ایک مشعل کا کام دیتا ہے یہی وہ علم ہے
جو کبھی تو بہادری کی داستانیں سنا کر ان کے خون کو گرماتا۔ کبھی صبر و تحمل
اور عفو و بخشش کی کہانیاں سنا کر ان کی تیزیوں کو ٹھنڈا کرتا۔ اور کبھی بزرگانِ قوم
و ملت کی ان جانگداز کوششوں کے سین دکھاتا جن سے انھوں نے دنیا میں

سیتج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی - آیندہ نسلوں کو ایسی ہی کوششوں کی مصروفیت کا خیال دلواتا اور کبھی ان مضر اسباب کو دکھا کر جن سے انکی قومی عظمت و سطوت کو نتائج بد کی دیمک نے تباہ کر دیا تھا - ہوشیار و خبردار رہنے کی تلقین کرتا ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اور ملک کی قومی - مذہبی اور ملکی مجالس میں عموماً تمام شاعر اور خطیب اسی علم کے علم بلند کر کے اپنی سیف زبانی کے جوہر دکھاتے اور حسب قول مدعا میں کامیاب ہوتے دیکھے جاتے ہیں - جتنی قوموں نے حکومتی سکہ جمایا ہے سب کا رہنما یہی علم ہے - لہذا یہ کہنا کہ اس علم کی کتابیں انہیں اقوام کے لٹریچر میں زیادہ تر نظر آئیں گی - جو اسوقت سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں - بالکل ایک امر واقعہ ہے - عربی اور فارسی میں بھی یہ سرمایہ کچھ کم نہیں - مگر جسقدر تاریخی کتابیں ہیں وہ اُسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں - جب مسلمانوں کا عروج کمال پر تھا - ہندؤں کی کتابیں بھی جسقدر اس شعبہ میں پائی جائینگی وُہ بھی ان کے زمانہ موافق کی ہی تصنیف سے ہیں لیکن ابکہ قریباً تمام دنیا میں یوروپین اقوام کا دور دورہ ہے - ہر ایک مضمون اور ہر ایک ملک کے تاریخ و جغرافیہ کے متعلق کئی کئی نایاب کتابیں یوروپ کی ہی زبانوں میں موجود پائی جاتی ہیں - بلکہ کئی ایک ایسی کتابیں بھی یوروپین لوگوں نے شائع کی ہیں جو اسوقت خود ان قوموں تک کو میسر نہیں ہو سکیں - جن کے حالات میں انہیں کے ہم قوم مصنفوں نے انہیں لکھا تھا -

اسلام کی تاریخ کو دوہرانے کی اسوقت کئی ایک ضرورتیں ہیں - اوّل تو یہ کہ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں عربی و فارسی کے اختیاری ہونے کے باعث نونہالان قوم کو بالعموم اُن کتابوں تک دسترس نہیں ہوتی - جن میں ان کے بزرگوں کے کارنامے بھی - تفصیل کے ساتھ قلمبند ہوں اور مدرسے میں جو تاریخیں ان کو پڑھائی جاتی ہیں - چونکہ وُہ صرف پولیٹیکل پہلو پر لکھی ہوئی

إن الدین عند اللہ الاسلام

دربارِ اسلام

جلد اول

یعنی
حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سوانحاتِ مختصر

مؤلفہ
ملک فیروز الدین مالک [illegible]

ہوتی ہیں ۔ اسلیئے اُن کی معلومات میں کوئی مفید اضافہ نہیں ہو سکتا ۔ اور فکر معاش و قلتِ روزگار کیوجہ سے عام لوگوں کو اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ مدرسے کے خارج اوقات یا معمولی طور پر فراغت کے بعد ایسی کتابوں کی تلاش و جستجو اور مطالعہ کے لیئے وقت نکال سکیں جو اس زمانہ کے مصنفوں نے لکھی تھیں جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر انہیں جمع کیا ہو ۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ و حال کا طرزِ تحریر اور طریق استدلال بہت کچھ بدل گیا ہے ۔ اور آجکل نوجوان ان کتابوں سے بھی خوش نہیں ہوسکتے ۔ اگلے زمانہ کی جس قدر تاریخیں ہیں وہ سب ایک خاص جوش مذہبی یا ولولۂ قومی سے لبریز ہیں ۔ جن کا دارومدار اکثر روایت پر ہے ۔ اور گو کوئی شک نہیں کہ تنقید روایت کے جو اصول اس زمانہ کے مصنفین نے مقرر کر رکھے تھے ۔ وہ بہت کچھ قابل وثوق اور لائق سند بھی ہیں ۔ لیکن آجکل کا اصول بالکل جُداگانہ ہے جسمیں اول تو سرے سے ہر ایک شخص کی سوانح عمری میں صرف بحیثیت ایک سادہ انسان کے بحث کرنا زیادہ تر پسند کیا جاتا ہے اور دوسرا روایت پر درایت کو ترجیح دیکر وہی روایات قبول کی جاتی ہیں جو بالکل عقل اور ضرورت کے مطابق پائی جائیں اور یہ ایک ایسا اقتضائے وقت ہے کہ اسپر ہر زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے ۔ چنانچہ خود مسلمانوں کی ہی پہلی مذہبی اور تاریخی کتابیں اور انہیں کے ترقی یافتہ زمانہ خلفائے عباسیہ وغیرہ کی تصانیف اپنی اپنی خاص روش سے اس فرق کو ظاہر کر دیتی ہیں جو اقتضائے وقت سے ان میں سرایت کر گیا ۔

تیسری ضرورت یہ ہے کہ اسوقت یوروپین اقوام کی ظاہری شان و شکوہ والی صورت میں جلوہ گر ہے کہ لوگ اُسے تقلیدی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں گو مذہبی طور پر وہ کیسی ہی کچی اور کمزور ہی ہوں ۔ اور مسلمانوں کی آجکل کی ظاہری شان تو اس قابل بھی نہیں رہی کہ لوگ انہیں تقلیدی نظر سے دیکھ سکیں لیکن ان کا مذہب ضرور ایسا پختہ اور صاف [illegible]

نہیں کر سکتا ۔ پس گو مسلمانان دیگر ممالک کی دیگر کتابیں ایک مشہور پرانی اور تحقیقی
طرز پر اصل مشہور ہے ۔ اور جو ہمارے تبدیل کئے شاید تبدیل بھی نہیں ہو سکتی
مگر موجودہ صورت میں جو کتابیں بھی اُردو میں میسر نہیں ۔ جن سے اسلام کی صحیح
تصویر سامنے آ سکے ۔ اور جن پر غیر مذاہب والوں کو بھی عبور کا موقع مل سکے
تاکہ وہ کم سے کم ہماری مثالی اسلامیت کو کچھ سمجھ سکیں ۔

اُردو میں اسلامی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ کیونکہ اوّل تو یہ زبان
ہی نو عمر ہے اور دوسرا اس میں لکھنے پر ایک اور مصیبت ہے کہ اس کی نگرانی کسی
ایک ہی قانون کے تابع اور ارشاد شدہ شہنشہ کے تحت نہیں ہے ۔ بلکہ مختلف الطبائع
اور مختلف الخیال لوگ اس کے عمل و محافظ رہے ہیں ۔ جن میں سے بعض تو بالکل
زمانہ موجودہ کے پیرو گزرے ہیں جیسے سر سید احمد خاں مرحوم جنہوں نے
اکثر مسائل اور واقعات کو کچھ اس طرح موجودہ سائنس کے مطابق کر کے
لکھا کہ اُن سے پہلے کسی نے وہ مطلب اُن واقعات و مسائل کا نہ سمجھا تھا جو
انہوں نے سمجھا اور لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی ۔ اور بعض ایسے اسلام قدیم
کے شیدائی مصنف ہوئے ہیں کہ جنہوں نے جو کچھ سمجھا اسے گو ہمیشہ بحیثیت علمی
مرتبہ کے تو اس پر بہت کچھ احسان فرمایا مگر زبان اُردو اس سے کچھ زیادہ متمتع نہ
ہو سکی ۔ کیونکہ اس لئے اپنے چاہنے والوں میں بعض کا کوئی پرسان نہ پایا ۔

پس اس حالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایسا سلسلہ تاریخ اُردو میں تیار نہ ہو سکا
جو دوسری اقوام کو ان جدید مسلمانوں کو اول سے لیکر آخر تک ان لفظوں میں پوری
طرح یہ داستان سنا سکے ۔ جو واقعی طور پر خیالات قدیم کو لئے ہوئے موجودہ رنگ
کے مطابق ہو ۔

اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک جو متفرق کتابیں تصنیف
ہو چکی ہیں ۔ جیسا کہ پہلے کچھ ذکر کیا جا چکا ہے وہ دو طرز کی ہیں ۔ یا تو بالکل
پرانی طرز کی جیسے کہ مولوی عبدالرحیم صاحب ... کی سیرت النبی اور ... [illegible]

نئے فیشن کی جیسے کہ مولوی سید محمد احسان اللہ صاحب گورکھپوری کی تاریخ اسلام
یا مولانا شبلی کی الفاروق۔ اور اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں قسم کی
کتابیں بجائے خود بڑی عزت و تعظیم کے لائق ہیں۔ لیکن بہرحال وہ مسلمانوں
کے ایک محدود گروہ کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں یعنی پرانے فیشن کی کتابیں پرانے
فیشن کے آدمیوں کو اور نئے فیشن کی نئے فیشن کے لوگوں کو۔ حالانکہ ایسی کتابیں
جو مسائل شرعی پر شامل نہ ہوں بلکہ صرف تاریخی واقعات پر ہی مختص ہوں۔ ایسی
طرز کی ہونی چاہئیں جو سب مسلمانوں کو موافق آسکیں اور صرف ایک ہی فرقہ کے
خیالات نہ دکھائیں تاکہ اُن کو مسلمانوں کی قوم کے خیالات و روایات کا اصلی
آئینہ کہا جا سکے۔ اور گو میں کہہ نہیں سکتا کہ میں اس خیال میں کامیاب کبھی
ہو سکا ہوں یا کیا۔ لیکن بہرحال یہی خیال اس کتاب کا سبب تھا جس نے
میرے دل میں ایک ایسا سلسلہ لکھنے کی تحریک پیدا کی۔ اور اس میں سے یہ
پہلی جلد لکھ کر ناظرین کے روبرو پیش بھی کر دی۔

اصول کتاب اپنے نزدیک میں نے یہ رکھا ہے کہ اگر کوئی غیر قوم کا
شخص اسکو دیکھنے کی تکلیف گوارا کرے تو اصلی طور پر اسکو معلوم ہو جائے
کہ اسلام کے بڑے بڑے اصلی معتقدات کیا ہیں۔ اور انکی روایات تاریخی
کس طور پر کیا کچھ ہیں۔ دوسرا یہ کہ خود مسلمان بھی اسکو دیکھیں تو انکو اپنی روایات
قدیم اور اعتقاد کے خلاف نہ پائیں۔

اس اصول کو مد نظر رکھ کر مؤلف کو سوائے اسکے چارہ نہیں رہتا کہ وہ تاریخ
کی نسبت تو صرف اسقدر تحقیق کرلے کہ آیا فی الواقع ان کو تمام آ[illegible] مؤرخین اسلام
نے ہر ایک پہلو پر صحیح پایا ہے مگر اس سے زیادہ اپنی طرف سے کوئی تعلیم و تنقید
نہ کرے۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ ہر ایک ان گذشتہ وقائع کی بابت ہر مصنف اپنے
مذاق و خیال پیدا کیا ہے۔ اور واقعات میں اسی [illegible] مذاق کو قائم رکھ لیا ہے
اپنے واقعات پر کچھ زیادہ صاف [illegible] چاہئے۔ ہر ایک [illegible] ہر تو ایک

نظر آئینگے۔ مگر ایک چھوٹا سا تغیر ان کے انداز بیان لب و لہجہ اور تلاش سلسلۂ
واستخراج نتیجہ و ادائے مطلب میں ضرور پایا جائے گا۔ بلکہ بعض میں
تو یہاں تک بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک واقعہ کو ایک نے تو زور کے ساتھ لکھدیا
ہے اور دوسرے نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ایسے حالات
میں مجھے بھی سوائے موجودہ زمانہ کی طرز درایت سے کام لینے کے چارہ
نہ تھا۔ چنانچہ اس میں بھی جو واقعات درج کئے گئے ہیں۔ گو یہ وہی واقعات
ہیں جو عربی۔ فارسی۔ بلکہ اُردو کی بھی بعض کتابوں میں یہی بھرے پڑے ہیں
لیکن میں نے حتی الوسع ان کی نسبت اسقدر احتیاط کی ہے کہ ہر ایک واقعہ
کے متعدد مصنفین کے خیالات و الفاظ دیکھنے اور سُننے کے بعد جو اصلی
تصویر اسکی اپنی سمجھ میں آئی ہے۔ اُس کا عکس کتاب میں کھینچ دیا
گیا ہے۔ نہ کسی بات کو اس خیال سے چھپایا گیا ہے کہ اسپر غیر قومیں
اعتراض کرتی ہیں اور نہ کسی بات کو اتنا بڑھایا گیا ہے کہ جو اسکی واقعیت
سے تجاوز کر جائے۔

طرز بیان میں زبان کی خوبی روزمرہ کی درستی۔ الفاظ کی بندش اور
خاص اختصاص دہلوی یا لکھنوی زبان کی لطافت پیدا کرنے کا التزام نہیں کیا
گیا۔ کیونکہ اول تو میں اہل زبان میں سے نہیں ہوں۔ پس تکلف بطور آورد
ایسی بات پیدا کرنا فضول تھا۔ دوسرا میں ان جھگڑوں میں پڑکر داد لینے کو
کچھ فخر بھی نہیں سمجھتا۔ دہلی یا لکھنؤ کا اتنا فخر تو کوئی چھین نہیں سکتا۔ کہ
زبان کی پیدایش اور نشو و نما ان کے گھروں میں ہوئی ہے۔ لیکن ہندوستان
کی بڑھتی ہوئی مردم شماری اور اُردو کی عالمگیر اشاعت کو دیکھتے ہوئے اگر
چند ایکڑ یا کسی خاص شہر یا اناطہ میں اسکو محدود کر دینے یا اسپر اختیارات
اتنا نہ رکھنے کا دعوے کیا جائے گا۔ تو مختلف مضامین علمی کے زیور بھی
ہرگز اسکے زیب گلو نہ ہوسکیں گے۔ پس میرے نزدیک کوئی ایسا شخص جو اگر

مدعا ہے دلی کو آسانی اور سلاست کے ساتھ لکھ سکے۔ اس بات کے لئے مجبور نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ صرف ایک خاص شہر کی زبان کی خصوصیات کا بھی حافظ ہو۔ عربی مسلمانوں کی ایک مسلمہ مذہبی زبان ہے۔ اور جہاں تک ابتدائے اسلام ہوئی ہے۔ وہ بھی عرب ہی کا خط ہے۔ مگر موجودہ عربی کو دیکھا جائے۔ تو اس عربی سے بہت کچھ تغایر رکھتی ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رائج تھی۔ پس یا تو مصر و شام اور روم سے نئی عربی کے بگڑ جانے کا فتویٰ صادر کرنا مناسب ہے اور یا پنجابیوں کو بھی اس بات کے لئے موردِ الزام کرنا ٹھیک نہیں کہ وہ کیوں خاص ایک دو شہروں کی خصوصیاتِ زبان کی متابعت نہیں کرتے۔

بہرحال اس کتاب کے اندازِ بیان میں صرف اسقدر لحاظ رکھا گیا ہے کہ نئی روشنی کے لوگ جن کے کان فلسفیانہ خیالات سے آشنا ہو گئے ہیں جب وہ بھی اسلامی تاریخی واقعات کو اس اصلیت کے ساتھ سنیں جیسی کہ فی نفسہ مسلمان جانتے ہیں تو غیر بکوفت نہ ہوں۔ چنانچہ اسی غرض سے جابجا موجودہ زمانہ کی نظیروں اور بعض مقامات پر یوروپین مورخوں کی شہادتوں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اور چونکہ طرزِ تحریر کا جوشیلا ہونا بھی کتاب کیلئے عیب ہوتا ہے۔ اسلئے گو ادب کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا لیکن واقعات کو نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ ان کی اصلی تصویر ناظرین دیکھ سکیں۔ اور خود بھی ان پر کوئی رائے قائم کرنے کے قابل ہو جائیں کیونکہ یک رخہ تحریر سے جس طرح سریع الاعتقاد طبائع چند شرح کے لئے متاثر و موافق ہو جاتی ہیں ویسے ہی یکطرفہ رائے والے لوگ بلکہ بلند نظر اصحاب متنفر بھی ہو جاتے ہیں۔ پس چونکہ اس التزام کے لئے ایک ہی قسم کی کتابوں سے مدد نہ مل سکتی تھی۔ اس لئے اس کی ترتیب کے لئے مجھے دونوں قسم کی کتابوں کے دیکھنے کی ضرورت

پڑی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قدیم و جدید کتابوں سے اس کا سوادلیا گیا ہے

۱۔ ترجمہ طبری۔
۲۔ ترجمہ ابن خلدون۔
۳۔ سیرت النبی ابن ہشام۔
۴۔ روضتہ الصفا۔
۵۔ مدارج النبوت۔
۶۔ معارج النبوت۔
۷۔ سیرت النبی اردو۔
۸۔ تاریخ الاسلام۔
۹۔ تمدن عرب۔
۱۰۔ دی فلیتہ آف اسلام مصنفہ مسٹر امیر علی
۱۱۔ دی لائف آف محمد " "
۱۲۔ عقائد الاسلام مصنفہ مولوی عبدالحق حقانی
۱۳۔ تفسیر حقانی "
۱۴۔ تفسیر القرآن۔ مصنفہ سر سید احمد خان بہادر۔
۱۵۔ تذکرۃ الکرام۔ وغیرہ وغیرہ

اسکے علاوہ اور بھی کئی ایک کتابوں سے نوٹ لینے کی ضرورت پڑی۔ جیسے کہ سفرنامہ روم و شام۔ مصنفہ شبلی و الفاروق ونداکی وغیرہ۔

بعض مصنفوں میں دستور ہے کہ واقعات کی تصدیق کے لیئے وہ نوٹ دیکر کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اگرچہ یہ دستور بہت اچھا ہے مگر میں نے اس کا التزام اسلئے نہیں رکھا۔ کہ اس سے ایک بے فائدہ طوالت ہوتی۔ اور اسکے علاوہ چونکہ میں نے ہر ایک روایت کو متعدد کتابوں میں دیکھنے کے بعد لکھا ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کا نام لکھدینا شاید درست بھی نہ ہوتا۔

ترتیب کتاب۔ تاریخی کتابوں میں عموماً سالوار واقعات لکھنے کا دستور ہے اور بحیثیت روزنامچہ نویسی کے یہ ترتیب بھی نادرست نہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں بجائے اسکے جو طریق رائج ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام مضامین الگ الگ بیان کیئے جائیں۔ اور یہ طریق اسلئے پسندیدہ ہے کہ اس سے ہر شخص بآسانی اپنی ضرورت کے مضمون کو دیکھ لیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں نے بھی اسی طریقہ کو مدنظر رکھا ہے۔ اور اسکی پہلی جلد کو ایک مقدمہ اور تین ابواب پر منقسم کیا ہے۔

مقدمہ کتاب میں اسلام سے پہلے دنیا اور بالخصوص عرب کی حالت دکھائی گئی ہے اور پہلی آسمانی کتابوں سے اسلام کی نسبت بعض پیشین گوئیاں لکھکر اور اسلام کی ضرورت کو ثابت کر کے اسلامی تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے جسمیں وہ بڑے بڑے عقائد بیان ہوئے ہیں جو ارکان اسلام میں داخل ہیں۔ پھر اسلام سے پہلی آسمانی کتابوں کے ساتھ قرآن کا مقابلہ دکھا کر ایک فہرست مضامین قرآن کی دی ہے۔ اور ساتھ ہی اسلام کی ابتدا اور تعمیر بیت اللہ کا ذکر کر کے مختصر طور پر تاریخ کعبہ بھی دی گئی ہے اور انہیں مضامین کے ضمن میں بہت سے متفرقات و معمولی باتوں کا ذکر کر کے اسکو ختم کیا گیا ہے۔

باب اول میں نیر اسلام کا طلوع اور آنحضرت صلعم کے سادہ حالات زندگی جمع کئے گئے ہیں تاکہ جو لوگ بانیان مذاہب کو صرف ایک فلاسفر اور ریفارمر سمجھتے ہیں وہ اس نظر سے بھی دیکھیں تو حضور علیہ السلام کے حالات زندگی جن کا مقابلہ کسی بڑے سے بڑے فلاسفر اور حکیم کے حالات زندگی بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق و آداب اور ستھری کیا جواہری قاعدوں کے ساتھ (جب یہ بھی معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم بالکل ایک ناتربیت یافتہ سوسائٹی میں پیدا ہوئے تھے اور خود بھی بالکل امی تھے) دیکھنے والے کے دل پر آپ کے مؤید من اللہ اور صادق ہونے کا نقش کر دیں۔ اور اپنی عدیم المثال صداقت و پاکبازی معصومیت اور زہد و اتقا۔ حیا بے ریائی اور صبر و تحمل سے دنیا کو دکھا دیں کہ سچے نبی کیسے ہوا کرتے ہیں۔ اور پھر ان سچوں میں بھی آپ کا پایہ کتنے درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اس باب میں واقعات روزمرہ کے سوا جہاد و معجزات اور آنحضرت صلعم کے دیگر فضائل و شمائل کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ایک مجمل سوانح عمری لکھی گئی ہے جس میں صرف نبوت کی ایک عکسی تصویر دکھائی گئی ہے۔ کیونکہ دوسرے واقعات کے تذکرہ سے بیان کردہ تصویر کی سادگی چھوٹ جاتی۔ جسکو مفصل سوانح دیکھنا چاہئے وہ باب دوم کے فصل اول میں صرف جہاد اور سریات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور اس کے ابتدا میں جہاد و جزیہ کی اصلیت پر ایک بحث بھی لکھی گئی ہے۔

جنگ کے متعلق جسقدر واقعات لیے گئے ہیں متعدد روایتوں کے دیکھنے کے بعد جو کچھ انکی اصلیت نظر آتی گئی بلا مبالغہ لکھدی گئی ہے شاعرانہ رنگ یا فسانہ نگاری سے کام نہیں لیا گیا۔ جسکے بعد اُمید ہے کہ غالباً کوئی بے تعصب شخص ایسی جنگوں کو ظالمانہ یا جابرانہ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ ضروری اور مفید بتا سکتا ہے۔

اسی باب کے دوسرے اور تیسرے فصل میں وفود متعددہ کی حاضری اور اُن کے ساتھ حسن سلوک شاہان وقت کو دعوتِ اسلام بھیجکر عرب اسلامی کا قوت کے ساتھ بدلنا اور اسلام کے ابتدائی عروج کی ایک صاف صورت ذہن نشین کرائی گئی ہے

باب سوم میں آنحضرت کے اخلاق و اداب ازواج مطہرات اور معجزات نبوت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی ضمن میں ان اعتراضوں کا بھی کسی قدر جواب دیا گیا ہے۔ جو ان معاملات میں مخالفین کیا کرتے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے کثرت ازدواج کے تعدد ازواج کو اور بجائے غلامی کی محکوم زندگی کے مساویانہ حقوق کو مروج فرمایا ہے۔ اور معجزات کا ظہور بھی آپ سے کچھ بعید نہ تھا۔

ان تمام ابواب کی تقسیم در تقسیم اس طرح سے کر دی گئی ہے۔ کہ دیکھنے والا بیک نگاہ جو مضمون چاہے نکال لے اور اس مضمون کے متعلق جس قدر ضروریات ہوں اُن سے واقف ہو جائے۔

بہرحال جو کچھ ہو گیا ہے۔ ناظرین کے پیش نظر ہے۔ ارباب علم و فضل اگر کوئی غلطی دیکھیں تو مؤلف کو اطلاع دیکر ممنون کرم فرما دیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں تصحیح ہو جائے۔ اور اگر کچھ لطف آجائے یا پسند آجائے تو دعائے خیر سے یاد کریں۔

خاکسار

فیروز الدین غفرلہ خلف مولوی جان محمد صاحب مرحوم لاہوری) مالک اخبار مشیر ہند لاہور
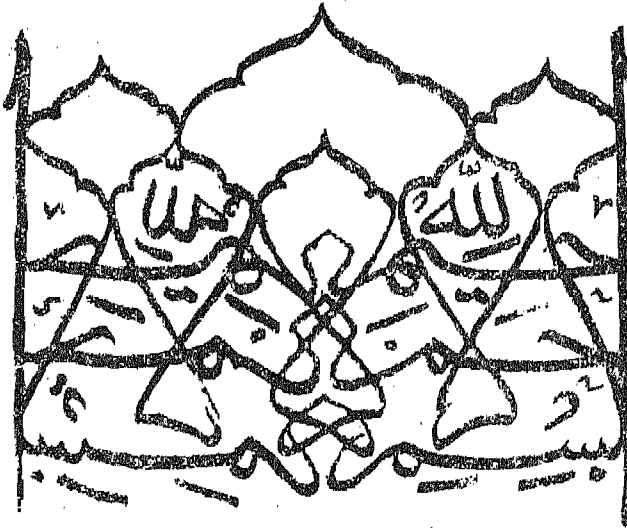
اسلام کی ابتدا

اسلام کے لغوی معنے ہیں " اللہ تعالےٰ کے رستے پر گردن رکھدینی"
اور ظاہر ہے کہ فطرتاً ہر شخص اپنے خالق کے احکام وفرمان پر گردن رکھنے کو مجبور
ہوا کرتا ہے۔ پس اس اعتبار سے اسلام بھی ایک ایسا مذہب ہے جو ابتدائے عالم
سے ہی قایم چلا آتا ہے بلکہ انسانی ساخت سے بھی پہلے قضا وقدر میں اس کی
انداخت پڑ چکی تھی۔ کیونکہ دراصل اسکی محافظت ومصاحبت اور ملازمت کے
بغیر انسان کا وجود ہی بیکار تھا۔ مگر جس اسلام کا یہ تذکرہ لکھا جاتا ہے۔ وہ اسلام
متعارفہ یا دین محمدی ہے۔ یعنے وہ اسلام جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت پیدا
اور جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک

ہیں جوان اور با اختیار ہو کر حکمران و کامران ہوا۔

مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام اور آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسولوں کی متابعت کی ہے۔ باایں ہمہ کہ اسلام کا لفظ اسوقت موجود ہی نہ تھا اور اسکے تمام قوانین و ضوابط بھی پردۂ غیب میں ہی تھے مگر تاہم وہ لوگ بھی اسلامی اعتقاد کے موافق ناجی اور دیندار ہیں کیونکہ توحید الٰہی کے وہ بھی معتقد تھے اور اپنے وقت کی شریعت کے بھی پابند۔ اسلئے اصطلاحی طور پر انہیں بھی مسلمان ہی کہا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جسطرح کسی نو آباد یا نو مفتوح ملک پر فتح پاتے یا آباد کرتے ہی پہلے روز جملہ آئین و قوانین نافذ نہیں کر دئے جاتے بلکہ رفتہ رفتہ اور بتدریج باشندگان ملک کی طبائع اور استعداد کے موافق تھوڑی تھوڑی پابندی کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کہ جب تک کوئی مکمل اور مہذب قانون نافذ ہو لے اسکے باشندوں کے ایسے تمام افعال و حرکات کو بھی قابل معافی تصور کیا جاتا ہے جو ایک مہذب جماعت کے نزدیک مذموم اور قابل سرزنش متصور ہوں۔ کیونکہ ان کا مبتدی اور نو آموز ہونا ہی صرف ان کی رہائی بلکہ تربیت کے لئے بھی کافی وجہ ہو سکتی ہے اسیطرح اسلام اور اہل عالم کا بھی حال ہے کہ وہ وسیع جہان جو ایک عرصہ تک قدرت الٰہی کا منظر بننے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اسکے رہنے والوں کی عقل و شعور کے مطابق رفتہ رفتہ بتدریج ان کو ایسے مہذب قانون اور مبارک ضابطہ کی پابندی کے لئے تیار کیا جاتا رہا جو جزو و کل پر حاوی اور ہر طرح سے مکمل بلکہ اکمل ہو لیکن جب تک اہل عالم میں اس کی پابندی کی استعداد اور قابلیت پیدا نہ ہو گئی۔ پہلے پہل ابتدائی مدارج کے قواعد اور عارضی اور مختص الوقت قوانین کے اجراء سے ان میں مہذب اور ضابطہ بننے اور اس قانون سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت حاصل کرنے کا مادہ پیدا کیا جاتا رہا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ایک اسلام جیسے پاک مقدس و مطہر معاش و معاد کے مجموعہ اور مذہبی واجب التعمیل قانون کے اجراء کے قابل ہو گئے سادہ سی بات کو ایک اور آسان مثال

سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ سب لوگ گیہوں۔ چاول۔ میوہ جات و بقولات
اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں بوجہ اپنی ضروریات زندگی کے جزو لاینفک ہونے
کے عزیز رکھتے ہیں اور اُنکے بڑے سے بڑے پیمانے کے حصول اور انہیں بلا وقفہ اِن
سے متمتع ہونے کی خواہشمند پائے جاتے ہیں اور فی الواقع یہی چیزیں بقا کے قوت اور باعث
زندگانی متصور ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی جب کہ مولود بچہ پیدا ہوتا ہے تو باوصف کمال
الفت کے اُس کے والدین اِن چیزوں کا استعمال اُسکو نہیں کراتے۔ بلکہ
خالص ماں کے دودھ سے جو بہ نسبت دوسری اغذیہ کے نہایت رقیق اور ہلکا
ہوتا ہے۔ اُسکی پرورش شروع کی جاتی ہے۔ کیونکہ ویسے ہی لطیف اور ہلکے دودھ
کی برداشت کی قابلیت اُس وقت اُسکے جسم میں پائی جاتی ہے۔ جسکے بعد پھر آہستہ
آہستہ نرم نرم غذاؤں اور لطیف خوراکوں سے اُسکو مانوس کر دیا جاتا ہے۔ تا
آنکہ پھر ہماری طرح وہ سخت سے سخت اور مقوی سے مقوی غذاؤں کے انہضام
کی قوت پیدا کر لیتا ہے تو ان کے استعمال کی بھی اجازت دی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا
جب تک بچہ کو کوئی عقل و تمیز نہیں ہوتی ماں باپ بھی اُسکے ساتھ بچوں کی سی
ہی توتلی باتیں کیا کرتے ہیں۔ لیکن جوں جوں عقل و تمیز بڑھتی جاتی ہے توں توں
وہ خود بخود معاملات کے سمجھنے اور اُن پر رائے قائم کرنے اور دنیا میں سرد و گرم
زندگی بسر کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ اسی طرح جب یہ دنیا پیدا کی گئی تو اسکو بھی
ایک کامل و مکمل قانون کے نفاذ سے پہلے رفتہ رفتہ مختلف ڈھنگوں اور مختلف طریق
سے ابتدائی مدارج سکھلائے جاتے رہے تا کہ وہ اسلام جیسے ایک سچے ہادی و
مہدی کے زیر فرمان ہونے کے لائق ہو جائے۔

لولاک لما خلقت الافلاک حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسبت جو یہ مرقوم ہے کہ آپ ہی کی ذات مبارک باعث تکوین موجودات ہوئی
اور باوصف خاتم المرسلین ہونے کے آپ ہی فخر الاولین اور سید المرسلین ہیں
تو یہی توجیہ نہایت موزونیت کے ساتھ بلا کسی تکلف کے یہاں بھی چسپاں ہو جاتی

ہے کہ ہرچند اللہ تعالےٰ کو اصلاحِ عالم کا دائمی کام آنحضرت سرورِ عالم ؐ سے لینا منظور تھا۔ اور اسکے لئے آپ کا وجودِ مُبارک ایسا ضروری تھا کہ لیجوائے "لولاك لما خلقت الافلاك" اگر آپ کا بنانا مقصود نہ ہوتا تو آسمان وزمین کی پیدائش کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر تاوقتیکہ دنیا حضرت ؐ کے وجودِ مُبارک سے مشرف ہونے کے قابل نہ ہوگئی اور تاوقتیکہ اہلِ عالم آپ کی ایسی بے لاگ اور بے عیب اور مہذب و شائستہ اور ہرشق و ہر صنف کی حاوی تعلیم کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے لائق نہ ہوگئی آپ کا وجودِ مُبارک ظاہر نہ فرمایا گیا اور ابتدائی مدارج کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتے رہے۔ تاکہ وہ دُنیا اور اہلِ دنیا کو اس گرانمایہ اور بےبہا قیاس خزانہ کے سنبھالنے کے لائق بنادیں اور ہرچند کہ جن لوگوں نے اُنکی پیروی کی۔ اور اُنکی ہدایتوں کے عامل ہوئے اور قوانین موجودہ وقت کی پابندی کرتے رہے وہ بھی ہرطرح سے لائقِ انعام اور قابلِ اکرام قرار دئے گئے۔ اور اسی لئے سزاوار تقرب و بخشش حضرتِ کردگار بھی ہوتے رہے۔ لیکن جب تک بی اے۔ ایم اے۔ کی کلاسیں ہی نہ کھلی تھیں کوئی شخص گریجوایٹ کس طرح ہوسکتا تھا۔ پس اگر گذشتہ تعلیمات کو ہم انٹرنس۔ مڈل اور پرائمری سے تعبیر کریں اور اسلام کی تعلیم کا نام گریجوایٹ ڈگری رکھیں تو غالباً ہندوستان کے رہنے والے بھی بخوبی قیاس کرسکیں گے۔ کہ جب تک یہاں ابتدائی تعلیم کا رواج ہو نہیں گیا اور جب تک ملکی مذاق اُس کیطرف رجوع نہیں ہوگیا۔ تب تک کالج یا یونیورسٹی بنانے کا خیال تک گورنمنٹ نے مطلق نہیں کیا۔ حالانکہ گورنمنٹ ابتداء سے ہی ملک میں اعلےٰ تعلیم پھیلانے اور کالج بنانے کی خواہشمند تھی۔ چنانچہ موقع پاتے ہی اُس نے اپنے خیال کو جا بجا ظاہر بھی کردیا یہی حالت اسلام کی ہے۔ کہ گو خدا کو ابتداء سے یہی مذہب جاری کرنا تھا۔ مگر جب تک اہلِ دنیا اسکے قابل نہیں ہوئے یہ بھی پردۂ اخفا میں رہا۔ اور جب ذرا بھی دنیا کو سنبھلنے کی ہمت ہوتی۔ جھٹ سے جاری کردیا گیا۔

اسلام کی نسبت پہلی آسمانی کتابوں کی بشارتیں

ہرچند ہبوطِ آدمؑ سے لیکر شروع اسلام کے زمانہ تک دنیا پر بیشمار پیغمبر نازل ہوتے رہے ہیں۔ لیکن جید اور اولوالعزم صاحبِ کتاب تین پیغمبر حضرت موسیٰ۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام ہوئے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ جو رسول آتے رہے ہیں گو ان میں سے بھی بعض پر کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ مگر وہ چونکہ نہایت ہی مختصر تھیں۔ اسلئے انہیں صاحبِ شریعت کا خطاب نہیں دیا گیا۔ کیونکہ وہ کتابیں اپنی سے پہلے منزلہ شرائع کی تائید یا وضاحت کے لئے ہوتی تھیں۔ جیسے کہ اب بھی کسی نافذ شدہ قانون کی تشریح توضیح یا کسی دفعہ کے مفہوم سمجھانے کے لئے سرکلر اور یادداشتیں وغیرہ جاری ہوتی رہتی ہیں جن سے کوئی نیا قانون مرتب نہیں ہوتا بلکہ صرف اسی مروجہ قانون کی تفہیم مقصود ہوا کرتی ہے۔ اسی بناء پر ان پیغمبروں کی بھی (جو خود صاحبِ شریعت نہ تھے) کوئی علیحدہ تاریخ نظر نہیں آتی۔ بلکہ نام بھی صرف چند ہی کے مشہور ہیں۔ حالانکہ انکی تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔ اور واقع میں بھی بہت زیادہ تھی۔

اسلام متعارفہ سے پہلے صاحبِ شریعت پیغمبروں کی کتابوں کے نام توریت زبور۔ انجیل ہیں۔ توریت حضرت موسیٰؑ کی زبور حضرت داؤدؑ کی اور انجیل عیسےٰؑ کی آسمانی کتابیں ہیں اور کوئی شک نہیں یہ کتابیں بھی فی الواقع رشد و ہدایت سے لبریز اور مصلحتِ وقت کے عین مناسب تھیں جو اصلاحِ عالم اور مناسبِ وقت ہدایات کے ساتھ اسلام اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بھی خلقِ خدا کو اپنی الہامی پیشین گوئیوں سے برابر مطلع کرتی رہی ہیں کہ ہم اک ازلی و ابدی شریعت کا پیش خیمہ ہیں۔ جیسا کہ ہر سہ کتب کی مندرجہ ذیل بشارتوں سے ظاہر ہے کہ وہ ایک زبردست اور ہمیشہ رہنے والی جامع شریعت کے لئے رستہ صاف کر رہے تھے۔

توریت باب ۱۸ آیت ۱۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اُسکی طرف کان دھریو"

اور پھر خداوند تعالیٰ کا کلام نقل کیا گیا ہے "میں اُن کے لئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہیگا نہ سُنیگا تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا"

دوسری جگہ یہ ہے کہ "اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا فاران[1] کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوگا۔ اور اُسکے ساتھ ہزاروں پاک لوگ ہوں گے۔ اور اُسکے داہنے ہاتھ آتشی شریعت ہوگی"

زبور میں حضرت داؤدؑ جناب رسالتمآبؐ کی نسبت فرماتے ہیں (زبور ۴۵) "میرے دل میں اچھا مضمون جوش مارتا ہے۔ میں اُن چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنایا ہے بیان کرتا ہوں۔ میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف ڈالا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے تجھکو ابد تک مبارک کیا۔ اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کرکے اپنی ران پر لٹکا اور اپنی بزرگواری سے سوار ہو اور سچائی ملائمت اور صداقت کے واسطے اقبالمندی سے آگے بڑھ۔ تیرا دہنا ہاتھ تجھکو بہت ہیبت ناک کام سکھلائیگا۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے نیچے گرتے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگجاتے ہیں۔ تیرا تخت اے خداوند ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب خداوند تیرے خدا نے تجھکو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا۔ تیرے سارے لباس سے مُر اور عُود اور تج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے

[1] فاران مکے کے پہاڑ کا نام ہے۔ جہاں سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ۱۲

صحابوں کے درمیان انہوں نے تجھ کو خوش کیا ہے (۹) بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ ملکہ اوفیر کی سونے سے آراستہ ہو کر تیرے دہنے ہاتھ کھڑی ہے (۱۰ [illegible] ۱۵) (۱۶) تیرے بیٹے تیرے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے تو انہیں تمام زمین کے سردار مقرر کرے گا (۱۷) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تیری ستائش کریں گے"

انجیل۔ انجیل متی کے اکیسویں باب میں لکھا ہے کہ "یسوع نے انہیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہے ہماری اور تمہاری نظروں میں عجیب۔ اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اور ایک قوم[1] کو جو اس کا میوہ لاوے دی جاوے گی جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا۔ پر جس پر وہ پتھر گرے گا اسے پیس ڈالے گا"

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سے یوں فرماتے ہیں کہ "اگر تم مجھے دوست رکھتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو اور میں باپ سے مانگتا ہوں وہ تمہیں فارقلیط[2] دیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (۱۶) اور فارقلیط روح القدس

[1] یعنی عرب کی طرف اشارہ ہے۔ جنہیں لوگ نہایت جاہل اور ذلیل سمجھتے تھے ۱۲

[2] اصل عبرانی انجیل میں احمد کے نام سے بشارت درج تھی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں پیرکلیطوس ہوا۔ اور اس کا معرب فارقلیط بنایا گیا۔ برنباس کی انجیل جو بجائے یہودا اسکریوطی کے حضرت مسیح کے حواریین میں داخل ہو گیا تھا چونکہ اس میں بھی صاف طور پر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک درج تھا۔ اسلئے وہ اب نہیں دیکھی جاتی۔ مگر بہرحال اسلام کے علماء کلام نے اس امر کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے لئے ہی کی گئی تھیں۔ جن کا انہوں نے خود عیسائیوں کی کتابوں سے ثبوت دیا ہے۔ جس کو محقق مورخوں اور ماہرین علم کلام نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ زیادہ تحقیق منظور ہو تو کتب علم کلام ملاحظہ فرمایئے ۱۲

جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب چیزیں سکھلاویگا اور سب باتیں
جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہی ہیں یاد دلاوے گا" (۲۹) "اور اب میں نے تمکو اُس کے
آنے سے پہلے خبر دی تاکہ جب وہ آوے تب تم ایمان لاؤ۔ بعد اسکے میں تم سے
بہت کلام نہ کروں گا۔ اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اُسکی
سی کوئی چیز نہیں ہے"

۱۵ باب۔ انجیل یوحنا) (۲۶) "پھر جبکہ وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لئے باپ
کیطرف سے بھیجوں گا۔ آویگا۔ تو وہ میرے لئے گواہی دیگا اور تم بھی گواہی دو گے"
(باب ۱۶ آیت ۷) "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر
ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا۔ پر اگر میں جاؤنگا
تو میں اُس کو تم پاس بھیجوں گا اور وہ آنکر دنیا کو گناہ پر اور نیکی پر اور حکم پر ملزم ٹھہرائیگا
(۱۳) "جب وہ فارقلیط آوے گا تو تمہیں راہِ حق بتلاوے گا۔ کیونکہ وہ اپنی
طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو سنے گا سو کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا" (۱۴)
"اور وہ میری بزرگی بیان کرے گا۔ اسلئے کہ وہ میری چیزیں پاکر تمہیں خبر کرے گا"
(۱۵) "جو چیز باپ کی ہے سو وہ میری ہے۔ اسلئے میں نے تم سے یہ کہا کہ وہ میری
چیزیں پاکر تمہیں خبر کرے گا"

عرب اور اسلام

بعض لوگوں کو یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کو عرب سے کیونکر خصوصیت تھی
اور یہ بجائے عرب کے کسی دوسرے ملک میں کیوں نازل نہ ہوا۔ اسلئے مختصر طور پر
اسکا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ اوّل تو جب حضرت آدمؑ عالمِ دنیا پر آئے تو اکثر
کے نزدیک اُن کا مقامِ نزول خاص عرب ہی کا ملک تھا۔ چنانچہ بابل اور نینوا کے
شہر (عرب) کی زبانوں کو اُمّ الالسنہ قرار دیا گیا ہے)۔ اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن اس
قول کے برخلاف جن لوگوں نے نزولِ آدمؑ کا شرف اسی ہند کو بخشا ہے۔ اگر اسکو ہی

صحیح مانا جائے تو بھی یہ متفق علیہ امر واقعہ ہے۔ کہ اللہ تعالے کے حکم سے دنیا میں
خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی
عرب میں بنایا تھا۔ جہاں حضرت شیث ؑ ان کے بیٹے اس تعمیر میں ان کے
شریک و معین تھے۔ حضرت آدم ؑ کی قبر کی نسبت بھی اختلاف ہے۔ بعض کے
نزدیک وہ خاص مکہ میں دفن ہوئے۔ اور بعض کے نزدیک بیت المقدس میں
کہ وہ بھی عرب کے ہی متصلہ ملکِ شام میں واقع ہے۔ بہرحال جدہ اور عرفات
(جہاں حضرت آدم ؑ کی حوا ؑ سے ملاقات ہوئی تھی اور جدہ عربی زبان میں دادی
کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہاں حوا ؑ کی قبر ہے) کے مقامات اس امر کے شاہد ناطق ہیں
کہ حضرت آدم ؑ کو عرب سے ایک خاص تعلق رہا ہے اور ایک روایت کے مطابق آپ نے
خانہ کعبہ کے چالیس حج بھی کئے ہیں۔ خانہ کعبہ کی تعمیر جب حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے
وقت میں حضرت اسمعیل ؑ کی شراکت سے کی تھی۔ تو وہ بھی اسی بنائے قدیم یعنے
تعمیر آدم ؑ کے نشانوں پر تھی تاکہ یہ قدیمی نشان بدستور قائم و برقرار رہے۔ پس انہیں
مناسبتوں سے بنی اسرائیل یا عیسائی وغیرہ وغیرہ جتنے پیغمبر ہوئے ہیں۔ اسی عرب
ہی کے آس پاس ہوتے رہے ہیں۔ جیسے کہ شام میں حضرت نوح ؑ۔ حضرت ابراہیم ؑ
حضرت یحییٰ ؑ۔ حضرت ذکریا ؑ وغیرہ انبیاء علیہم السلام۔ حضرت شعیب ؑ بھی عرب کے
ہی کنارہ پر رہتے تھے۔ کوہ طور اور کوہ حوریب بھی عرب ہی کے مغربی کنارہ پر تھے
جہاں اللہ تعالے نے اپنی تجلی ظاہر فرمائی تھی۔ حضرت مسیح ؑ ناصرہ کے تھے اور
بیت المقدس میں اُن کی تربیت ہوئی تھی۔ پس ان واقعات سے پایا جاتا ہے کہ
اسلام پر ہی کچھ موقوف نہیں بلکہ عرب ابتداء آفرینش سے ہی رشد و ہدایتِ
روحانی کا منبع چلا آتا ہے [۵]

این سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عام طور پر بھی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ علاقہ عموماً محض جنگل ریگستان

[۵] : ایک پہاڑی کا نام ہے جو کہ معظمہ کے پاس ہے ۱۲

اور آ جا رہا ہے۔ باشندے عموماً ان پڑھ اور آجکل کی اصلاح کے موافق
ان سول لائزڈ (غیر مہذب) کہنے چاہئیں۔ اسلئے یہ بھی ایک خاص حکمت
الٰہی سمجھنی چاہیئے کہ اس نے تمام دنیا کے لئے نور ہدایت وہاں سے چمکایا جہاں
سے کسی طرح کے تصنع وغیرہ کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ اور یہ بات اللہ تعالےٰ کی
کمال قدرت کی دلیل ہے کہ اس نے اونٹ چرانے والے ان پڑھوں میں
ایک ایسا اولوالعزم نبی پیدا کر دیا کہ جو دنیا بھر کے لائق حکیموں فلاسفروں اور
عالیجاہوں کی نہایت خوبی کے ساتھ اصلاح کر گیا اور یوں کوئی ڈھٹائی سے
لاکھ کہا کرے مگر اسکے آوردہ قانون پر کسی طرح کا کوئی اعتراض بھی آجتک نہ جم سکا
اس کے علاوہ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق کعبۃ اللہ کا مکان اللہ تعالےٰ
کے حکم سے آدم علیہ السلام نے بیت المعمور کی سیدھ پر بنایا تھا اور بیت المعمور
آسمانوں پر ایک مقدس عبادتگاہ ہے۔ جہاں فرشتے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا
میں مصروف تسبیح تہلیل رہا کرتے ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ اسی مقام پر حضرت
آدمؑ کی توبہ بطفیل حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ نے
قبول فرمائی تھی۔ اس سے بھی اس مقام کی برکت و عظمت ظاہر ہوتی ہے اور
ان مناسبتوں سے وہ مقام ہمیشہ کے لئے قبلۂ حاجات بننے کا مستوجب بھی
پایا جاتا ہے۔ قطع نظر اسکے بعض مقامات نحوست و سعادت کے لئے بھی خاص
اثر رکھا کرتے ہیں۔ یہ بحث بھی بہت کچھ قابل قدر ہے اور عرب اس کے
مناسب حال بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان ہے
جہاں ظاہری تکلفات اور بیہودہ نمائشات کا جلوہ نہ اس سے پہلے نظر آتا تھا۔ نہ
اب موجود ہے اور عام طور پر ایسے مقامات کے باشندے جو قدرتاً سادہ زندگی بسر
کرنے کے عادی ہیں زیادہ تر اولوالعزم بھی ہوتے ہیں اور اعتقادی حیثیت سے مضبوط
بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور بہ نسبت ایسے ملکوں کے جن میں تکلفات اور نمائشات اور
آسائشوں کی بھر مار ہوتی ہے۔ تنہا اور خاموش مقامات میں قلوب قدرتی طور پر

زیادہ رجوع اور کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک وجوہ ہیں جن سے بخوف طوالت گریز کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خیال ہوا کرتا ہے۔ کہ ایک ہی ملک میں بہت سے پیغمبروں کا وقتاً فوقتاً نازل کرنا دوسرے ملکوں کو رشد و ہدایت سے محروم کرنا ہے لیکن غور کیا جائے گا تو یہ اعتراض بھی کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ آدم علیہ السلام جو اسقدر وسیع دُنیا کی آبادی کو بھیجے گئے تھے۔ آخر ایک ہی حصہ میں آباد ہوئے گئے تھے۔ خواہ وہ عرب کو تسلیم کیا جائے یا کسی اور ملک کو آخر انہیں کی اولاد سے یہ دُنیا ایسی آباد ہو گئی کہ اسوقت جبکے اکثر قطعات کثرت آبادی کے باعث باوصف اسقدر کشادگی کے بھی نہایت ہی تنگ نظر آتے ہیں۔ پس جسطرح یہ لوگ خود بخود جہان میں پھیلتے اور دُنیا کو بھرتے چلے گئے۔ حالانکہ ان کی ابتداً صرف ایک ہی مقام سے ہوئی تھی۔ اُسیطرح مذہب بھی ایک جگہ سے چلکر دُنیا بھر کا ذرہ ذرہ لگا سکتا تھا اور لگاتا رہا اور لگا رہا ہے۔ بالفرض اگر کوئی ملک اِس کام کے لئے منتخب کردیا جاتا تو بھی یہ اعتراض دُور نہ ہوسکتا تھا جسکے بعد ماننا پڑے گا کہ ہر جگہ مذہب جاری ہوسکتا تھا۔ پھر سب سے بہترین ملک وہی سمجھنا چاہئے جسکو سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد سے آباد فرمایا اور جس میں سب سے پہلے خدائے برحق کی عبادت کے لئے مسجد کی بناء بھی پڑ چکی تھی اور وہ عرب ہی کا ملک تھا چنانچہ اِسوقت بھی جبکہ اعتقادی طور پر دنیا کا کوئی مذہب اور دنیا کا کوئی حصہ سن بھاتی افراط و تفریط سے خالی نہیں یعنی کو یورپین عیسائیت کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ تمام یورپ میں دہریت اور معقول پسندی کا زور ہے۔ جرمن۔ فرانس اٹلی۔ غرض جدہر دیکھو زبانی جمع خرچ کے سوا خاک بھی نہیں۔ لیکن عرب اپنے اسلامی عقائد میں ویسا ہی مضبوط اور قائم ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ علاوہ بریں جو مذہب اللہ تعالےٰ کو تمام دُنیا کے لئے قیامت تک رائج کرنا منظور تھا۔ اس کی سچائی کے لئے بھی کوئی ایسی ہی کافی بلکہ بے نظیر دلیل مطلوب تھی کہ منصف مزاج جسے دیکھکر پھر کسی شک و شبہ میں نہ رہ سکیں۔ پس اس سے بہتر اور

کیا ہو سکتا تھا۔ کہ اُس کو ایک ایسے ملک میں پیدا کیا گیا۔ کہ اُسوقت جو دینی اور دُنیوی خرابیوں میں تمام جہان سے بدتر حالت میں مبتلا تھا اور علوم و فنون تو کجا۔ تمدن و معاشرت کی بھی وُہ مٹی پلید ہو رہی تھی کہ نیاہ سجدا اور بے علمی اور بے تمیزی تو اُسکے آب و گِل میں ہی سرشت ہو چکی تھی۔ پس ایسے ملک سے ایک نبی اُمّیؐ کا ایسی قابلِ عمل اور لایقِ تعریف شریعت کے ساتھ ظاہر ہونا (جیسا کہ اسلام ہے) منصف مزاج لوگوں کے نزدیک پُوری پُوری دلیل اِس کی سچائی کی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی بی۔ اے۔ ایم۔ اے انگریزی یا اُردو میں کوئی رسالہ یا کتاب لکھ ڈالے تو اُسے کچھ تعجب سے نہیں دیکھا جاتا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر کوئی اَن پڑھ آدمی ایک معمولی چٹھی بھی لکھدے تو اِس امر کو خارق عادت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسی مکمل اور جامع شریعت۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کا اُمّی ہونا اور بھی اِس دلیل کو پختہ کر دیتا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ کو ایک بدیہی دلیل سے اہل عالم کو یہ دکھانا منظور تھا کہ ایک جاہل مطلق اور ناتربیت یافتہ ملک میں سے ایک نبی اُمّیؐ کے ذریعہ ہم نے رشد و ہدایت کا جو فرمان بھیجا ہے اِس پر کسی کو بھی شک و شبہ کا موقع نہ ملے۔ علاوہ ازیں عرب کی خصوصیت کی بھی ایک معقول دلیل ہے کہ اسوقت اُس میں ہر مذہب و ملت کے وُہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اپنے مذاہب کو غلط بنایا یا سمجھا ہوا تھا۔ مثلاً ہندوستان میں صرف بُت پرست لوگ تھے۔ ایران میں صرف ستارہ پرست اور آتش پرست اور دو خداؤں کے ماننے والے رہتے تھے یُورپ میں تثلیث کا غلط خیال پھیلا ہوا تھا۔ اور نصرانیت کا زور تھا۔ غرضکہ ہر جگہ گو مختلف عقائد فاسدہ کا تسلط ہو رہا تھا۔ مگر قریباً ہر ملک میں ایک ہی عقیدہ کے لوگ زائد تھے برخلاف اسکے عرب میں یہ ساری خرابیاں موجود تھیں اور سب مذہبوں کے بگڑے ہوئے اِس میں جمع تھے۔ یہود تھے نصاریٰ تھے۔ زندیق تھے صابئین تھے بت پرست تھے۔ غرضکہ ایسے ملک میں ایسی شریعت غرّا کا مبعوث ہونا بہ نسبت دوسرے ممالک کے زیادہ مفید اور مناسب تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کی ضرورت

ہر مذہب و ملت کے ماننے والے اس کا قریباً برابر دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا
مذہب الہامی ہے اور کسی وقت میں ان کے پیشوا نے اسکو خدا کی وحی کے
موافق رواج دیا تھا اور یہ بات فی نفسہ بھی قرین قیاس ہے۔ لیکن ایک ایسا
مذہب جو ابد تک اصلاح عالم کے لئے کافی ہو اور جسکے احکام ہر زمانہ میں فطرت انسانی کے
مطابق پائے جائیں اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو سوائے اسلام کے دوسرا
نہ پایا جائے گا لو فرضاً جو مذاہب دنیا پر پھیلے ہوئے ہیں (بالخصوص وہ ادیان جو
اہل کتاب ہیں) ان کو اللہ تعالے نے بھیجا ہے یہ مان لیا جائے تو پھر بھی جیسا کہ پہلے بیان
ہو چکا ہے وہ دنیا کی ابتدائی قابلیت اور طبیعت کے مطابق تھے نہ کہ ہمیشہ کے لئے
اسپر بھی قابل لحاظ ہے کہ ایک تو وہ منجانب اللہ بھی ابدی تہذیب کے لئے کافی نہ
اتارے گئے تھے۔ اور دوسری یہ خرابی اہل دنیا نے ان میں از خود پیدا کر دی
کہ ان کو اپنے مطلب کے موافق وضع کرنے میں بیباک ہو گئے۔ توریت و زبور و
انجیل یہ ایسی کتابیں تھیں کہ جنکی نسبت قرآن کریم میں بھی اللہ جلشانہ نے نہایت
معزز اور مکرم خطاب فرمائے ہیں اور ان کو ہدایت اور نور سے تعبیر فرمایا ہے لیکن
ان کے برگزیدہ رسولوں کے بعد عام اہل دنیا نے ان کی طرف کامل توجہ
نہیں کی۔ اور جو کچھ کی بھی ہے تو ایسی کہ اپنی عقل و ادراک کے موافق ان میں
جا بجا تحریفیں شروع کر کے اصل مطلب کو بھی غتربود کر دیا۔ چنانچہ مقابلہ کرنے سے
معلوم ہو سکتا ہے کہ کتب مذکورہ جو بار بار اور کئی ایک مقامات میں چھپی ہیں تو انکی
ہر ایڈیشن میں ضرور کچھ نہ کچھ پہلے سے فرق موجود ہے اور چونکہ یہ فرق صرف انسانی
عقول کی دست درازی اور دخل دہی کا ہی نتیجہ ہے۔ اسلئے ضرور وہ قابل ترمیم
ہوتا رہتا ہے اور واجب العمل نہیں ہو سکتا ہے۔

عادت اللہ اسی طرح جاری رہی ہے کہ جب تک کسی شریعت کے احکام

تعمیل برابر ہوتی چلی گئی - وہ دین باعث نجات رہا - اور جب اُس میں افراط
و تفریط ہونے لگی تو اُس تعلیم کی یاد دہانی کے لیئے یا تو کوئی رسول آ گیا اور یا
اگر استعداد زمانہ نے کچھ بھی شگوفہ کاری کی - تو اُسی شریعت میں چند احکام کی تشریح
و توضیح کر کے ایک پوری کتاب اور بھیجدی گئی - اِس اصول سے غالباً کوئی انکار
نہیں کر سکتا - پس اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام جس وقت برپا ہوا ہے - اِس کی کہاں
تک ضرورت تھی -

اسلام جس وقت پیدا ہوا ہے اُس وقت عقائد فاسدہ کی ہر مذہب و ملت میں
اسقدر بھرمار تھی - کہ بناء بجز امتداد زمانہ کے باعث نبیوں کا کوئی صحبت دیدہ
شخص موجود نہ تھا - اور کتب آسمانی عقول انسانی کی دست نگر ہوا کرتی تھیں -
توریت کے ماننے والے بجائے اسکے کہ اِس نورانی کتاب سے اپنی اندرونی تاریکیاں
کو دور کرتے اُلٹا اُس کو اپنی بداعمالیوں کی سپر بنائے بیٹھے تھے - سود لیتے تھے
لڑکوں کا مال مارتے تھے - جو دولتمند تھے نعوذ باللہ ثانی خدا بنے پھرتے تھے -
سو سو در در سو سو سوال کرتے تھے اور جن کو کچھ نہیں لگاؤ تھا وہ اپنے پیشواؤں
کی جہالت اور کم فہمی کے باعث آگ کی پرستش کرتے اور طرح طرح کے ناپاک
افعال کو پاک توریت سے منسوب کرتے تھے - انجیل کے ماننے والے
عیسائی تو کمال ہی کر گذرے - کہ اُنہوں نے اپنی خوش فہمی سے مسئلہ تثلیث
نکال کھڑا کیا - عیسیٰ علیہ السلام نے عام اذہان اور عام عقول کے مطابق
جو کہیں اللہ تعالےٰ کو مہربان باپ سے تعبیر فرمایا تو اُنہوں نے بس اُسی لفظی
باپ کو پلّے باندھ لیا - اور ایسی بدصورتی سے ایک عام مقولہ کو تخصیص دیکر
ساری مخلوق کے معنوی باپ کو خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت عیسیٰؑ کا باپ
مقرر کر دیا - اور طرح طرح کے حاشیہ لگا کر اُسکو ایک جزو اعظم بلکہ دارو مدار عقائد
کا ٹھہرا دیا - ایران میں زردشت ایک شخص تھے جو علوم نجوم وغیرہ میں کمال رکھتے
تھے - اور بادشاہ وقت کے پیر و مرشد بھی بن گئے تھے - انہوں نے ایک نئی

مذہب کی بنیاد رکھدی اور لباشے علم نجوم کے لئے آتش پرستی اور کواکب پرستی
کی تعلیم جاری کردی۔ چنانچہ بعض مورخوں کے نزدیک بیاس جی ہندوں کے
ابتدائی شارع نے بھی وہیں سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ جسکو اپنے مذہب میں
داخل کرکے اپنی عقل رسا سے بُت پرستی کو بھی آپ نے ایزاد کردیا تھا۔ اب
خواہ بانیوں کی نیت اس میں نیک ہی ہو مگر اُن کے شاگردوں نے اسے
اور بھی سجایا اور رفتہ رفتہ امر اصلی یعنے خدا پرستی کی جگہ بُت پرستی اور آتش پرستی
اور ستارہ پرستی ہی باقی رہگئی۔ خدا بھی اس اصول کے مطابق ایک عضو معطل
ہوگیا جس کا ستارہ نیک ہو۔ (ان کے عقیدہ میں بھلا خدا اُسکو کیسے گزند پہنچا
سکتا تھا۔ بُت پرست اقوام کے علما اکثر یہ جواب دیتے ہیں کہ بُت کو عبادت
میں اسواسطے داخل کیا گیا ہے کہ عام آدمی بہ نسبت ایک غیر محسوس اور غیر متشکل
خدا کے ایک ظاہری شبیہ کو مد نظر رکھکے زیادہ متوجہ ہوسکیں گے۔ اور بانی
مذہب اس بُت کو صرف نظیر ظاہری کا مدار دنیا کے ہر قوت کا مالک خالق کون و
مکان کو ہی جانتا اور اسی کی تعریف و توصیف میں گیت گاتا تھا۔ مگر اس سے
سمجھ لینے سے فائدہ کیا جو قابل عمل نہ ہو۔ لوگوں کو ان کے اس منطق دیکھنے
کی ضرورت کیا پڑی تھی۔ انہوں نے قوتوں کا مالک بُت کو ہی قرار دیدیا۔
غرضکہ بانی کی سادہ طبعی خلقت کی ہلاکت کا باعث ہوگئی۔ اور خدا سے لاشریک
کے قدرت وافعال میں کئی ایک شریک کھڑے کرلئے گئے۔ یونان میں ایک
اور ہی مذہب کا چرچا تھا جسکے بانی حکمائے یونان گذرے ہیں۔ انہوں نے
عقول عشرہ کا مسئلہ ایجاد کرکے تدبیر عالم کا مدار ان کو قرار دے رکھا تھا اور
ان کی پرستش ہوتی تھی۔ غرضکہ ہر جگہ نئے نئے نیرنگ اور عجیب عجیب عقائد
پائے جاتے تھے۔ اور سوائے چند نفوس کے عام طور پر خدا کی مخلوق اپنے
خالق سے بہت دور جا پڑی ہوئی تھی۔ خدا کی پاک کتابوں کی تعلیم کے
بالکل برعکس عمل ہوتا تھا۔ اکثر مقامات پر طوائف الملوکی تھی اور بدامنی کے

باشندے نہایت بُری زندگی بسر کر رہے تھے - جن مقامات پر حکومتیں تھیں وہاں عیش و نشاط اور میخواری اور فسق و فجور کی اسقدر کثرت تھی کہ روحانی تعلیم کی طرف کسی کو خیال ہی نہ تھا - عرب کے جاہل باشندے اگر کہیں جاتے تھے تو کوئی ایک مذاہب کے غلط طریق سیکھ کر نادانستہ خود بھی اُن کی پیروی کرنے لگ جاتے تھے - بادشاہوں کو بالعموم ہر ملک و قوم میں سجدہ کیا جاتا تھا اور طرح طرح کی خانہ ساز بد رسمیں تمام ملکوں میں پھیلی ہوئی تھیں - ایک ایک شخص سینکڑوں عورتیں ایک ساتھ رکھ سکتا تھا اور اپنی قریبی رشتہ دار عورتوں سے بھی ہم بستری جائز سمجھی جاتی تھی - ماں بہن کی بھی مطلق تخصیص نہ تھی - حلال و حرام کی تمیز مطلق باقی نہ رکھی تھی - سور - مردار - کتے بلے غرضکہ نہایت کریہہ اور ناپاک چیزیں بے تامل کھائی جاتی تھیں - لاکھوں کروڑوں بندگان خدا غلامی کی دردناک مصیبت میں مبتلا تھے اور غلاموں کے ساتھ ایسے ناواجب اور ناقابل برداشت سلوک کئے جاتے تھے کہ جنکے سُننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں - لوٹ مار اور قتل و غارت کا دریا نہایت زور و شور سے بہ رہا تھا - اور شیطانی انتقام ہر ایک کا نصب العین بنا ہوا تھا - عبادت کے طریقے بالکل فراموش ہو گئے تھے اور جو بعض لوگ تھے بھی تو وہ اس طرح کی خانہ ساز ریاضت کرتے تھے کہ جن کو سُنکر تعجب آتا ہے یعنے اپنے اعضائے شہوانی اور لذاتی کو قطع کر دیتے تھے - آنکھوں پر پٹیاں باندھ چھوڑتے یا سرے سے آنکھیں ہی نکلوا ڈالتے کہ کسی کو دیکھ ہی نہ سکیں اور بعض بہادر تو آلہ تناسل ہی کٹوا دیتے کہ زنا پر قادر ہی نہ رہے - ایسے زاہدوں کو راہب کہا جاتا تھا - غرضکہ عبادت اگر مروج بھی تھی تو ان خلاف قواعد قدرت طریقوں سے جن پہ نہ قانون اور خود تصنیف مراسم کا دنیا میں رواج ہو گیا تھا اور یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ جس طرح روحانی تہذیب کے لئے بہت

حالات سمِ قاتل اور زہرِ ہلاہل کا حکم رکھتے تھے۔ ویسے ہی دُنیوی تمدن و معاشرت کے لئے بھی ایک سخت مصیبت اور بھاری بدبختی و بدطالعی تھی جس سے مخلوقِ خدا بے طرح ایک ایسی چکی میں پس رہی تھی جس کا اوپر کا پاٹ مصائبِ دُنیوی اور نیچے کا روحانی گمراہی سے بنا ہوا تھا۔ اور ممکن نہ تھا کہ اس چکی میں پڑ کر کوئی دانہ اپنے آپ کو بچا سکے۔ ؎

آدمی کیوں طالبِ راحت ہے دورِ چرخ میں
چین دانے کو بزیرِ آسیا ملتا نہیں

ایسے حالات میں جبکہ روحانی روشنی کفر و الحاد اور فسق و فجور کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں چھپ چکی تھی۔ اور ظلم و ستم کی آندھی پورے زور و شور سے چھوٹے اور بڑے پودوں اور درختوں کو اپنے تیز جھونکوں کے ساتھ جڑھ سے اکھیڑ رہی تھی۔ سخت ضرورت ایک ایسے معتدل قانون اور زبردست طاقت کے ظہور کی تھی جو اپنی غیبی تائید اور خدائی قوت سے ان مصائب و مظالم کا استیصال کر سکے شاید بعض لوگ خیال کریں گے کہ جس وقت کو ایسا مہیب اور ایسا دردناک زمانہ دنیا کے لئے بتلایا جاتا ہے۔ رومتہ الکبریٰ کی سلطنت اور یزدجرد کا اقبال اس وقت عین عروج پر تھا۔ مگر تھوڑے سے تامل کے بعد یہ تسکین ظاہری فی الفور کافور ہو جائے گی۔ کیونکہ وہاں بھی عیسائی پوپوں اور ستارہ پرست کاہنوں نے اپنے ناپاک طرزِ عمل سے اخلاقی اور روحانی جذبات کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ صرف دکانداری کے لئے ان کا تقدس تھا جس سے لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے۔ ورنہ خود اُن کے اندر اس قدر اندھیرا تھا کہ وہ کسی کو کچھ بھی دکھانے کے قابل نہ تھے علمی اشتغال بالعموم ان سلطنتوں میں بھی محو ہو گئے تھے۔ البتہ سلاطین کے پھیلانے کے لئے چند متعصبانہ مسائل کا علدرآمد دکھایا جاتا تھا اور خود عیسائیوں میں ایسی سخت عداوتیں اپنے ہی باہمی فرقوں سے قائم ہو گئی تھیں کہ ایک دوسرے کو ہمیں ڈالنے پر تلا کھڑا تھا۔ تہذیب سے درستیٔ اخلاق کی بجائے صرف نمائش

اور اظہار تفاخر مقصود تھا - اور اسی میں یہ لوگ کچھ نامور بھی تھے - دولت د
جن لوگوں کے پاس تھی - وہ غریب بنی نوع انسان کے رنج و غم سے نہ
فارغ ہی تھے بلکہ اُن پر مصائب کی ریل پیل کرنے کے لئے بھی تلے بیٹھے تھے
جسقدر بھی اُس زمانہ کا عروج تھا وہ عروج نمائشی تھا - نہ کہ عروج اصلی اور تقدس مذ
خود پروں اور کاہنوں کی یہ حالت تھی کہ تارک الدنیا کہلا کے وہ ایسے ایسے ناگ
افعال کرتے تھے کہ جن پر خود شیطان کو بھی شاید ہی دسترس ہو - القصہ جس طرح دینی
ہر جگہ برباد و خوار ہو رہی تھی - ویسے ہی دنیوی حالات بھی سخت قابل اصلاح ہو گئے
تھے - ادیان سابقہ کی یہ کیفیت تھی کہ علمائے وقت نے کثرت ہدایت کرتے کرتے
انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا تھا - دوسرا ایک کو دوسرے کے مذہب سے تعصب اسقدر تھا
جسکی کوئی انتہا نہ رہ گئی تھی - اور سب سے بڑی بات یہ کہ کوئی ایسا نہ تھا کہ وہ کوئی ا
مکمل قانون پیش کرسکتا جو واقعی اصلاح عام کے لئے کافی مانا جاتا - مثلاً موسیٰ
کا دین مبارک صرف تائید ایزدی سے رائج ہوا تھا - ہر موقع پر اِن کی قوم کے
ساتھ ہر طرح کی رعایات کی گئی تھیں - اور خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے مع
بھی عطا ہوئے تھے - ہر ہر موقع پر انکی امداد اور ہر ایک مقابلہ میں اُن کی حمایت
کی گئی تھی - مگر باایں ہمہ اِن کی قوم اِن سے معجزات مانگتی اور خدا کو بالمشا
آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کرتی تھی - پس جس قوم کا یہ حال اپنے پیغمبر کی
موجودگی میں ہو - وہ بعد ازاں کیونکر قائم رہ سکتی تھی اور بالخصوص جب سلطنت
بھی ہاتھ میں نہ ہو - حالانکہ اسی ذریعہ سے ابتدا میں انکو قوت دی گئی تھی
تو جو خود بغیر امداد غیبی کے ایک قدم بھی نہ چل سکتی تھی - دوسری اقوام
کس طرح منزلیں پہنچا سکتی اور جو خود معجزے دیکھ کر جانے کی عادی ہو
وہ دوسروں کو بغیر معجزوں کے کیسے مستفیض کرسکتی تھی - علاوہ انہیں ا
خود مسائل بھی ایسے سخت قابل اصلاح ہو گئے تھے کہ وہ کسی طرح اُن کو
[illegible] اپنے کو دنیا اور دین کے پلیٹ فارم پر یکدلگی کے ساتھ چلا

کر سکتے تھے۔ خدائے کریم نے اُسوقت جبکہ دُنیا بتوں کو سجدہ کرتی تھی۔ اور
بادشاہوں کو معبود سمجھکر پوجا جاتا تھا۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو ایک درخت
پر نورانی روشنی کیصورت دکھائی تھی۔ جو نہ آگ سے مشابہ تھی نہ چراغ
سے اور نہ شمع سے۔ جس سے غالباً مقصود یہ تھا کہ اہلِ دنیا جو بتوں اور بادشاہوں
کو سجدہ کرتے ہیں انہیں اس راز سے آگاہ کیا جائے کہ قادرِ مطلق کی ذات واحد
و برحق کو ظاہری اجسام و افعال سے ہرگز کوئی وجہ مشابہت نہیں چنانچہ ایک ایسا جلوہ
دکھایا گیا کہ جو سب محسوس اور مروجہ اشیاء سے علیحدہ تھا تاکہ یہ ذہن نشین
ہو جائے کہ آگ۔ پانی۔ پتھر۔ بت اور جاندار انسان وحیوان کوئی معبود ہونے
کے لائق نہیں اور ذاتِ برحق ان سے ایک علیحدہ چیز ہے درخت پر تجلی ہونا
بھی ایک خاص مصلحت تھی کہ اُس کو آسمان یا زمین سے کوئی تعلقِ مکانی
نہیں وہ ایک نورانی تجلی نور بخشنے والی سمجھنی چاہیئے۔ چنانچہ بعد ازاں جب
ہو سے اور اُن کے چالیس ہم قوموں کو بھی خواہشِ دیدار ہوئی تو فرمایا کہ
تم مجھے نہیں دیکھ سکتے اور جب پھر بھی اصرار ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اچھا اُس
پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ ہم ایک نورانی پرتو ڈالتے ہیں۔ اسی کو نہ دیکھ سکے۔ تو
مجھے کیسے دیکھو گے۔ اور واقعی جب وہ پرتو ظاہر ہوا تو موسیٰ اور ان کے
چالیسوں ہم قوم تاب نہ لا سکے۔ چندھیا گئے۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ غرضکہ
موسےٰ علیہ السلام اور اُنکی قوم کو سمجھایا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی ذات مثل و مانند
سے پاک ہے اور کوئی آنکھ اسکو دیکھ نہیں سکتی اور یہ ایک بڑی پختہ توحید
کا سبق تھا مگر اُن لوگوں نے آگ کی ہی پرستش شروع کر دی جو بالکل خدائی
تلقین کے برخلاف تھی پس وہ قوم جو اپنی شریعت کے ماخذ اور اصول کو ہی اُلٹا
سمجھ بیٹھی تھی۔ کس طرح اصلاحِ عالم کا بیڑا اُٹھانے کے قابل ہو سکتی تھی ایسا ہی
دوسری اقوام کا حال تھا کہ اُنھوں نے بھی اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کرتے
اُن کو اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ انسان کی دینی اور دنیوی اصلاحات کر سکیں۔

انجیل جو اسوقت تک ملتی ہے۔ وہ آسمانی انجیل نہیں۔ جو خدا کی طرف سے عیسےٰ کو دی گئی تھی۔ بلکہ وہ اُن کے شاگردوں کے جمع کردہ اقوال ہیں جو انہوں نے حضرت مسیحؑ سے سنکر لکھے اِن کا رُتبہ زیادہ سے زیادہ شاید کتب حدیث تک پہنچ سکتا ہے مگر اس میں انسانی غلط فہمی اپنا کام کر گئی اور اسکو کسی طرح قابل عمل نہ چھوڑا۔ انجیل میں قطع نظر اس امر کے کہ روحانی تجلیات کو ایک عجیب غریب فسانہ کی صورت میں لکھا گیا ہے روزمرہ کے احکامات بھی ایسے عجیب ہیں کہ جن پر عمل کرنا حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ مثلاً انجیل کی تعلیم ہے۔ کہ "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر وہ چپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی اُسکے آگے رکھدو" تو کیا اب اسپر کوئی شخص عامل ہو سکتا ہے؟ اور عمل کرے تو انتظام دنیا ٹھیک چل سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں وقس علیٰ ہذا۔ اللہ تعالےٰ نے مسیح علیہ السلام کو بے باپ کے پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا تھا کہ جسپر کسی کو کوئی شک و شبہ نہ رہ جاتے مگر اول تو اسی وقت کے یہود مسیح علیہ السلام کے سخت مخالف ہو گئے تھے اور جو لوگ موافق اور معتقد ہو کے عیسائی بھی ہوئے انہوں نے مخالفین سے بھی زیادہ خوش فہمی سے کام لیا اور باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کا مسئلہ ایجاد کر کے اپنی جودت طبع کا ثبوت دینا چاہا۔ گر یہ مسئلہ کچھ ایسا رقیق اور پادر ہوا ثابت ہوا کہ آج تک نہ وہ خود اسکو سمجھ سکے اور نہ کسی کو سمجھا سکے۔ پس ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنے مسائل کو ہی برہان و دلائل سے ثابت کرنے سے عاری ہو وہ دوسروں کی روحانی اصلاح کیسے کر سکتا تھا۔ رہی زبور تو وہ انجیل سے بھی پہلے اصلاحِ عالم کا جوا اپنے کندھوں سے اوتار کر دوسروں کے سر دھر چکی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں اپنے کام کے اعتبار سے اور تینوں کے معتقد اپنے اعمال کے لحاظ سے اس قابل نہ تھے کہ وہ تمام جہان کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اسکو پورا کر سکیں اور سخت ضرورت ایک ایسی جامع اور رافع شریعت کی تھی جو اعلےٰ سے اعلےٰ باریکیاں اور موٹی سی موٹی باتیں دُنیا کو سمجھائے اور جس طرح خدا پرست بنے

اور بہت سے معارف آگاہ بنائے گئے مندرجہ ذیل اصول تعلیم کرنے پڑے جیسے کہ چھوٹے
چھوٹے دنیوی دہندوں کی اصلاح پر بھی حاوی اور محیط ہو سکے۔ چنانچہ اسی
مطلب کے پورا کرنے کے لئے اسلام آیا اور اس نے جو کا یا پلٹ دنیا اور
دین دونوں کے معاملات و اعتقادات میں کر دکھائی۔ وہ فاصل ہی کا حصہ
تھا اور ہے قرآن نے ہی یہ فیصلہ دیا ہے۔

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون ٥

ترجمہ - اور لکھدیا ہمنے ان پر اس میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر۔ ہاں جس نے بخشدیا تو وہ پاک ہو گیا اور جو اللہ کے حکموں کو نافذ نہ رکھے وہی ظالم ہے۔

اسی پر اسوقت دنیا بھر کے قوانین فوجداری کو آپ دیکھیں گے۔ اگر انجیل
کی تعلیم مکمل تھی تو اب انگریزوں نے کیوں یہی اصول اختیار کیا۔ علاوہ ازیں چھوٹی
چھوٹی معیشتی ہدایات اور اعلیٰ سے اعلیٰ اصول قرآن ہی کے ذریعہ نہایت صفائی
اور شستگی سے ذہن نشین کرا دئے گئے جن کا اثر یہاں تک ہوا کہ عرب کے
اجہل اور نا مہذب لوگ دیانت۔ امانت اور نیک چلنی۔ صفائی۔ عبادت اور شائستگی
میں دنیا کے کسی اعلیٰ مذاق اور خوش لباس باشندوں سے بھی نہایت اعلیٰ
درجہ پر خدا اور اسکی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے کے لائق ہو گئے اور اپنے
بے مثل و لاثانی قوانین کے باعث دنیا بھر کے مصلح۔ دنیا بھر کے معلم دنیا
بھر کے ناصح۔ دنیا بھر کے حکیم اور دنیا بھر کے محسن ہو گئے۔ غرضکہ قرآن نے
ایسی کامل و مکمل شریعت دنیا کے روبرو پیش کر دی کہ ہر ایک عامی اور ہر ایک
حکیم ہر ایک مفلس اور ہر ایک بادشاہ۔ ہر ایک بچے اور ہر ایک جوان ہر ایک مسافر

اور ہر ایک مقام کے لئے یکساں فائدہ مند اور ہر لحاظ سے رسالت ثابت ہوگئی۔ اور
جس نے اُن تمام کمیوں کو جو شرائع سابقہ اور ادیانِ گزشتہ میں باقی رہ گئی تھیں نہایت
لیاقت اور فراخ دلی کے ساتھ پورا کر کے اُن تمام توہمات باطلہ کی بیخ و بنیاد کو پاتال
سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ جو ادیان و اُمم سابقہ کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوئے
تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی عقل جب اس سے پہلے ان نقصانات کو پورا
نہ کر سکی تھی۔ اور اصلاح عالم کا کام بڑی بڑی جلیل القدر اور تعلیم یافتہ سوسائٹیاں
اور بادشاہتیں بھی انجام نہ دے سکی تھیں تو عرب کا ایک نبی اُمّی روحی فداک
کیونکر کر سکتا تھا۔ جب تک خود خدا ہی اُس سے سب کچھ نہ کراتا اور نکتہ نکتہ اور
حرف حرف خود ہی نہ سکھاتا۔

قرآن سے دیگر اہل مذاہب کی کتابوں کا مقابلہ

ادیان سابقہ کی بربادی کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن مذاہب کے
علماء نے دنیاوی لالچ یا اپنے فوائد یا سادہ لوحی کے باعث اصلی آسمانی کتابوں
میں تحریف شروع کر دی تھی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی باتیں مفقود ہو کر بجائے اس کے
خیالات کی بھرتی شروع ہوگئی۔ لہٰذا اس دین برحق کی کتاب یعنے قرآن مجید کی آیات
کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ اور رسول خدا حضرت محمد
مصطفےٰ صلعم کے ذریعہ حفاظ قرآن مجید کو انعام اخروی کی خوشخبری سنائی۔ جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود شیعہ و سُنّی اور دیگر فرقہ ہائے اسلامی کے باہمی تخالف اور باوجود
کئی ایک جابر و متعصب بادشاہوں کے زور آزما ہونے کے بھی قرآن کا ایک
لفظ تو کجا ایک نقطہ اور شوشہ تک اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ اور نہ انشاء اللہ آئندہ
جنبش کھا سکے گا۔ زیادہ تصریح کے لئے توریت۔ زبور۔ انجیل۔ قرآن میں
ایک کتاب کی ابتدائی سات سات آیتیں درج ذیل کردی جاتی ہیں۔ جس سے
خود ہی عقل سلیم فیصلہ کرلے گی کہ محرّف اور غیر محرّف اور الہامی و انسانی

کلام کونسا ہے ۵

رات محفل میں ہر اک ستارہ گرم لاف تھا
صبح کو خورشید جو نکلا تو مطلع صاف تھا

توریت - ایک جسکو بقول اہل کتاب حضرت موسیٰ کے صدہا سال پیچھے علماء یہود نے جمع کیا اور جس طرح کوئی کسی مردہ کی ہڈیاں جمع کر کے اُس کا نام وہی رکھ لے اُنہوں نے اس مجموعہ کا نام توریت رکھا - مطبوعہ مرزاپور نارتھ انڈیا ۱۸۶۹ء باب اول
(۱) ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا (۲) اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پہ جنبش کرتی تھی (۳) اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اجالا ہو گیا (۴) اور خدا نے اجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کیا - (۵) اور خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو شام اور صبح پہلا دن ہوا (۶) اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے (۷) تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جدا کیا - اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا -

زبور - بقول اہل کتاب اس کے مصنف کا ابتک صحیح پتہ نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام یا کوئی اور شخص ہے - مطبوعہ مرزاپور نارتھ انڈیا ۱۸۶۹ء اول زبور (۱) مبارک وہ آدمی ہے کہ جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا - اور خطاکاروں کی راہ پہ کھڑا نہیں رہتا اور ٹھٹھا کرنے والوں کے جلسے میں نہیں بیٹھتا (۲) بلکہ خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اُس کی شریعت میں سوچا کرتا ہے (۳) سو وہ اُس درخت کی مانند ہوگا کہ جو پانی کی نہروں کے پاس لگایا جائے اور اپنے وقت پہ میوہ لاوے - جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھولتا پھلتا رہے گا (۴) شریر ایسے

نہیں بلکہ وہ بھوسی کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے (۵) سو شریر عدالت میں کھڑے نہ رہیں گے نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں (۶) کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے۔ پر شریروں کی راہ نیست و نابود ہوگی (یہاں تک اوّل زبور تمام ہوا)

انجیل - (یہ بقول نصاریٰ چار شخصوں متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تاریخ کے طور پر اُن کے حالات کو جمع کیا۔ مطبوعہ مطبع مرزا پور سنہ ۱۸۶۲ء) (۱) یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ (۲) ابراہام سے اسحاق پیدا ہوا۔ اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا۔ اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے (۳) اور یہوداہ سے فارص اور زارح تامر کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور فارص سے اسروم پیدا ہوا اور اسروم سے ارام پیدا ہوا (۴) اور ارام سے عمیناداب پیدا ہوا اور عمیناداب سے نحسون پیدا ہوا اور نحسون سے سلمون پیدا ہوا (۵) اور سلمون سے بوعاز راحاب کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اور بوعاز راحاب سے عوبید راعوت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا (۶) اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا۔ اور داؤد بادشاہ سے سلیمان اس عورت سے جو اوریاہ کی جورو تھی پیدا ہوا (۷) اور سلیمان سے رحبعام پیدا ہوا اور رحبعام سے ابیاہ پیدا ہوا اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔

قرآن مجید - (عرب میں شہر مکہ اور مدینہ میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء پر بواسطہ جبریل علیہ السلام خدا کی طرف سے نازل ہوا اور بلاکسی تغیر و تحریف اب تک اہل اسلام میں موجود ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
(۱) الحمد للہ رب العالمین
(۲) الرحمن الرحیم
(۳) مالک یوم الدین

ترجمہ - شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے (۱) سب خوبیاں اللہ کو ہیں جو تمام عالم کا پرورش کرنیوالا (۲) جو نہایت مہربان اور رحیم (۳) اور جزا کے دن کا مالک ہے۔

(۴) ایاک نعبد و ایاک نستعین (۵) اھدنا الصراط المستقیم (۶) صراط الذین انعمت علیھم (۷) غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (آمین)	(۴) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (۵) ہمکو سیدھی راہ پہ چلا (۶) راہ اُن لوگوں کی کہ جن پہ تو نے انعام کیا (۷) نہ اُن کی کہ جن پر غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کی۔ (قبول کر)

اسلامی تعلیم

پہلے ادیان کے حالات اور اُن کی تعلیمیں جو کچھ رہ گئی تھیں چونکہ بوجوہات بہت کچھ قابل اصلاح ہو چکی تھیں اور اہل دُنیا کی طبائع اُن آئین و قوانین کی بندش سے بالکل باہر ہو رہی تھیں جسکے باعث خدا سے اُس کی مخلوق بہت دور جا پڑی تھی اور اسی دُوری کے باعث کچھ ایسے روحانی حجاب اُسکے درمیان حائل ہو گئے تھے کہ سوائے سخت جدوجہد کے جن کا اُٹھنا نہایت ہی مشکل ہو گیا تھا۔ لہذا اسلام نے نہایت بااقتضائے وقت راست کیش عبادت کے آئین و ضوابط ایسے مقرر کئے جو گو نئے تو نہ تھے مگر ساتھ ہی اُسکے کسی کی تقلید بھی نہ تھی اور اُن تمام بلیات کے خوف سے بھی بالکل محفوظ و مامون ہو چکے تھے جو دوسرے ادیان کے قوانین کو دیمک کی طرح لگ کر چاٹ گئی تھیں جن کی نہایت مختصر تصریح نامناسب نہ ہوگی۔ یعنے

اول تو اسلام نے وحدانیت کو اصل الاصول ایمان قرار دے کر صاف الفاظ میں کہدیا کہ نبی ولی بزرگ خویش و اقربا حاکم بادشاہ چاند سورج ستارے آسمان وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق اور سب کے سب اُسکے عزو اقتدار کے آگے عاجز و درماندہ ہیں۔ دو جہان کیا ابدالآباد کی حکومت کا مالک وہی خدا ہے جو بے ہمتا۔ قادر توانا تمام کائنات کا خالق

اور ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر اور شاہد غیر غائب ہے۔ ہر چھوٹی سے
چھوٹی حاجت اور ہر بڑی سے بڑی مہم اُسی کی منظوری اور مہربانی سے
سر انجام پا سکتی اور ہر ایک مُراد اُسی کے دربار سے بر آسکتی ہے تنگی
فراخی۔ عزت۔ ذلت۔ تندرستی بیماری۔ حیات و ممات سب
اُسی کے بندگانِ حکم ہیں اور بجائے خود کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں
پہنچا سکتے۔ کوئی چیز اُس خالق کی مشابہ یا مماثل نہیں نہ کسی کو اُسکی صفات
کاملہ میں کسی نوع یا کسی طریق سے بھی شرکت حاصل ہے وہ اپنے افعال میں
کامل خود مختار اور پورا جبار و قہار ہے۔ کوئی شخص اسکے رو برو دم مارنے
یا اُسکے احکام پر جرح و قدح کرنے کا نہ مستحق ہے اور نہ جرأت ہی پا سکتا ہے
بادشاہ ہو یا غریب۔ عابد شب بیدار ہو یا رند بادہ خوار۔ سب اُسکے حکم
کے بندہ اور اُسکے آئین و قوانین کے آگے سر افگندہ ہیں نہ کوئی چیز
اُس میں حلول کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی میں حلول کرتا ہے۔ کوئی ظاہری
آنکھ اسکو دیکھ نہیں سکتی اور کوئی ظاہری ہاتھ اسکی تصویر نہیں بنا سکتا
نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا۔ نہ اُس کی کوئی برادری نہ کوئی ناطہ۔ غرضکہ
وہ اپنی ذات اور صفات کاملہ میں تنہا ایک اور بالکل ایک ہے۔ ع

حق بری از پاک و ناپاکی ہمہ ۔۔۔ وز گران جانی و چالاکی ہمہ
لم یلد لم یولد او را لایق است ۔۔۔ والد و مولود را او خالق است

یہ وہ توحید ہے کہ اسلام سے پہلے کسی مذہب نے اس صفائی اور
فصاحت کے ساتھ اُسکی تشریح نہ کی تھی اور مجمل و مبہم طور پر چھوڑ دینے کے باعث
لوگوں نے اپنے فہم رسا سے اس میں وہ دستکاریاں کر دی تھیں کہ ان کی
توحید صاحبہ کا قدِ بالا نام خدا شرکت بھی چار انگل بڑھ گیا تھا جیسے کہ ہنود
[illegible] کی اور دوسری بت پرست قوموں کے دستور و رواج سے اب بھی
ظاہر ہے۔ ستارہ پرستی۔ صنم پرستی اور عجائب پرستی وغیرہ سب انہی

کاریگری سے ہے جسنے تمام مذاہب کو گھیر رکھا تھا۔ پس اگر اسلام اس وضاحت سے توحید کے معنے نہ سمجھاتا تو پھر بھی خلقت کی ہلاکت کا احتمال تھا لہذا اُسنے نہایت احتیاط اور دوربین دوراندیشی سے وہ تمام رستے بند کردیئے جن کی طرف سے کبھی نقصان پہونچنے کا احتمال ہوسکتا تھا۔ گویا اس طرح توہمات باطلہ کا ڈربا ہی پھونک دیا گیا جو واقعی ایک بہت بڑی نمایاں خدمت ہے کہ جس سے خالق و مخلوق کی صحیح تفریق اور درمیانی وسائل کی کامل توضیح ہوگئی۔

توحید کے بعد بہت بڑی ضرورت یہ تھی کہ پیغمبر کے مناصب مدارج سے آگاہی دیجاتی۔ کیونکہ ہر ایک دین کے ماننے والوں نے اپنے اپنے پیغمبر کو اسقدر بڑھایا ہے کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ اس لئے قرآن نے ہر ایک اولوالعزم پیغمبر کی تاریخ بھی بیان کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ پیغمبر مامور و موئد اور خدا کے نزدیک محبوب و معزز ضرور ہیں مگر خدا ان میں سے کوئی نہ تھا۔ نہ کسی میں اُس نے حلول کیا نہ مس۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی فرما دیا۔ قل انما انا بشرا مثلکم یوحی الیّ کہدو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بندہ ہوں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مجھپر وحی آتی ہے چنانچہ کلمۂ شہادت میں جہاں خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ وہاں حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور نبوت کی بھی گواہی دی ہے۔ مولینا روم صاحب نے فرمایا ہے۔

کر انی عبده گویند بجائے قول سبحانی

اسکی لگتی ہوئی تفسیر یہی ہے کہ بجائے دوسرے بانیان مذاہب اور بادشاہان وقت کے جو اپنے آپ کو خدا کہلانے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ آپنے اپنی نسبت عبده ورسوله ہی پر اکتفا فرمایا۔

اس کے بعد عبادت کی طرف بھی اسلام نے دیکھا تو صاف معلوم کر لیا کہ

جو طریقے عبادت کے مختلف ادیان میں فی الحال مروج ہیں۔ اُن سے وہ مقصود
بخوبی حاصل نہیں ہوتا جو عبادت سے ہونا چاہیئے۔ اوّل تو اصول ہی بگڑ بگڑا
کے کچھ سے کچھ ہو رہے ہیں اور اگر اُن سے شائستگی پر وہ دور بھی کر دیا جائے
اور صرف اصلی ڈھچر کو ہی لیا جائے تو بھی وہ زمانہ کی آئندہ رفتار کے موافق
اس غرض کو پورا نہیں کر سکتا۔ جسکے لیے عبادت کو شرط انسانیت قرار دیا
جاتا ہے۔ لہذا اُس نے عبادت کے وہ طریقے مقرر فرمائے جو انسان کو
فائز المرام کرنے اور اس ضرورت کے رفع کر لینے کے لیے زمانہ خواہ کتنے ہی پلٹے
کھائے ہمیشہ برابر قائم اور منضبط اور کامیاب رہ سکیں اور ہر حالت میں
اُس رشتہ عبودیت کو محفوظ رکھ سکیں جس کا ہر انسان کو نگاہ رکھنا نہایت
اور ضروری ہے۔ پس اُس نے طریق عبادت کے مقرر کرنے میں اُن تمام امور
کو پیش نظر رکھ کے جو سوز و گداز۔ عشق و محبت الٰہی۔ صفائی قلب۔ تزکیہ نفس
اور اسکے ساتھ باضابطہ اور باقاعدہ ہونے کے لیے لازمی تھیں۔ نماز۔
قربانی و حج۔ زکوٰۃ اور جہاد کو ان پابندیوں اور خاص قیود کے ساتھ عبادات
میں داخل کیا جن سے ان کی اصلی غرض کسی طرح بھی فوت نہ ہونے پائے۔
نماز میں اوّل تو ان تمام طریق ادائے عبادت کو جمع کیا گیا جو مختلف مذاہب کے
لوگ کرتے ہیں۔ مثلاً بعض صرف دو زانو بیٹھ کر ہی یاد الٰہی کرتے ہیں۔ بعض ہمیشہ
سجدہ میں پڑنا ہی عبادت تصور کرتے ہیں۔ اور بعض گھنٹوں کھڑے رہتے
ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس اسلام نے وہ تمام طریق ادائے نماز میں جمع کر دیئے
جو خداوند تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عاجزی اور کم مائیگی کے اظہار کے
لیے ضروری تھے۔ یعنے قیام و قعدہ۔ رکوع و سجود سب یکجا کر کے خدا کو
ہر حالت میں اپنا عظیم الشان معبود اور اپنے آپ کو ہر طرح اُسکا ناچیز غلام
اور عاجز بندہ ثابت کرنے کے طریق کو مد نظر رکھ لیا۔ علاوہ ازیں جو کلمات
پڑھنے کے لیے تجویز فرمائے۔ وہ بھی ایسے جامع اور مانع ہیں کہ دوسرے

مذاہب کو باوصف زیادہ کے اس قدر ترقی کر جانے کے بھی آج تک اُن
سے بہتر تو کیا اُن کے برابر بھی نصیب نہ ہو سکے۔ جو حمد و ثنا اپنے مالک کی
اور جو عجز و الحاح اپنی ذات اور اپنی سوسائٹی کی نسبت ایک مسلمان اُن مقررہ
الفاظ کے ذریعہ چند منٹ میں ادا کر دیتا ہے۔ غالباً کوئی فصیح و بلیغ اسپیکر
گھنٹوں میں بھی ویسی عمدگی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا۔ اور ایسا ہی ہر ایک
عضو سے جس طرح نماز میں کام لیا جاتا ہے۔ کوئی دوسرا مذہب اسکی نظیر نہیں
لا سکتا۔ اگر غور [illegible] سے دیکھا جائے تو نماز پڑھتا ہوا ہر ایک مسلمان
اپنے عجز و درماندگی کی [illegible] کامل تصویر نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز
کے اوقات کی تعیین میں [illegible] دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے کہ کسی دوسرے
مذہب کو نصیب نہیں۔ یعنی اُن [illegible] اور [illegible] شغل کا جو اصل
اصول ہے۔ [illegible] ان میں منضبط کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے
کہ تمام عبادات [illegible] اس واسطے کی جاتی ہیں کہ انسان دائمی
طور پر خدا کو ہر وقت حاضر و ناظر اور اُسکو اپنے ہر ایک فعل سے آگاہ و واقف
سمجھ کر ہر دم اُسکے خیال میں محو و مدہوش رہے اور دنیاوی کاروبار بھی کرے
تو وہ خیال اُس سے جدا نہ ہو۔ حتیٰ کہ دم نزع بھی بجائے کرب و اضطراب
میں جانے والے کو اسی مطلوب حقیقی کا خیال لگا رہے۔ اور
اسی کے ذوق شوق میں جان و جہان سے گذر جائے۔ اسی بات کے لئے
تمام مذاہب نے ذکر و فکر کی مختلف صورتیں قائم اور مختلف طریقے مقرر
کئے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں کوئی نہ کوئی کمی رہ گئی۔ کیونکہ نہ تو عوام الناس دنیوی
کاروبار کو چھوڑ کر صرف ذکر الہی میں مصروف رہنے کو گوارا کر سکتے تھے۔ اور
نہ ایک دفعہ صبح یا شام کے چند منٹوں کا یاد کرنا اُن کے لئے اس خیال کو پختہ کر
سکتا تھا۔ باقی رہا تفکر اُس کی قابلیت ابتک سوائے اخص الخواص لوگوں کے
کسی کو نصیب نہیں۔ پس سخت ضرورت تھی کہ اوقات نماز ایسے مقرر کئے جائیں

جو ہر شخص کے لئے یکساں فائدہ مند ہوں اور اصل خیال بھی پورا ہونیکے ساتھ
ہی انسان اسے ایک ناقابل برداشت - اور گردن شکن بار بھی نہ سمجھنے
لہذا عامیوں کے لئے پانچ وقت مقرر کر دیئے گئے - اور خواص کے لئے اسکے
علاوہ بھی جو جسقدر برداشت کر سکیں - بہرحال عوام کے لئے جو وقت مقرر کئے
گئے باوجود دنیوی شغلوں کے وہ خیال معاد کے لئے ایسے موزون و مناسب ہیں کہ
جنکا کوئی ٹھکانا نہیں - صبح - ظہر - عصر - شام اور عشا یہ پانچ وقت نماز فریضہ
کے اسلام نے مقرر کئے ہیں - اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صبح اٹھتے ہی خدا
کی یاد دل کی تسکین کیلئے ضروری ہے - اور کیسا کچھ قرین تسکین کا یہ وقت ہوا کرتا ہے جسمیں
خدا کی طرف جھکنا گویا فطرتی طور پہ ضروری ہو گیا ہے کیونکہ فطرت ہر صبح خود بخود ہر ایک
دل کو اپنے خالق کی طرف بلانے کے لئے خود مؤذن کا کام دیتی ہے - اور در و
دیوار ایک کشش چہار سمت سے صاف آواز ہے

اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

کی صبح اٹھ رہی ہے - یہ ہر خاص و عام بجز بدنصیب غافلوں کے کوئی بھی
زندہ دلی اس فیضان کے حصول سے محروم رہنا ہرگز پسند نہیں کرسکتا - ایسے
ہی ظہر کا وقت مقرر ہے جو نصف دن کے کاروبار کرنے اور کھانا کھانے
اور قیلولہ کرنے کے بعد آتا ہے - یعنے دن کے حصہ نصف ثانی کا ابتدا یہ
وقت بھی اس لحاظ سے نہایت ہی ضروری تھا کہ ایک تو ہر شخص اپنے کھانا دینے
والے کا شکریہ ادا کرے - اور نیز دن کے حصہ اول میں جو مصروف کاروبار
رہنے سے کسی قدر خیالات پریشان ہو گئے ہیں وہ پھر مجتمع ہو جائیں اور اب
اس حصہ ثانی میں جو کاروبار شروع ہوں - ان میں حق تعالےٰ کے ذکر و فکر
کے شغل کے تقدم رہنے سے طبیعت جادۂ اعتدال پر آ کر اکتساب برکت اور
حصول خیر و سعادت کے قابل بن سکے - تیسرا وقت عصر کا ہے - یعنے دن چھپنے
سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے - یہ وقت بالعموم سیر و تفریح کا ہوتا ہے - ٹہلنے پھرنے

بھی اور نہیں تو بچوں کو ہی باتاریجا سکے بہانے دل بہلا لیتے ہیں۔ اور
تفریح خاطر سے دن بھر کی محنت و مشقت کا تکان رفع کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ
ایسا وقت ہے کہ جس سے بہت بڑا اثر انسان کے خیالات پر پڑ سکتا ہے۔ لہذا
اس میں بھی بہت ہی مختصر طور پر یاد الٰہی کو لازمی قرار دے کر لغویات اور
فواحش و لغویات سے مجتنب رہنے اور بچانے کے کسی لغو خیال کے انسان کے
لئے صنعت الٰہی میں غور و فکر کرنے کا رستہ کھول دیا گیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ
علماء اس نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہتے ہیں جسکی زیادہ تاکید ہے۔ دیکھو قول کریم
و نص مبارک کہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا
للہ قانتین ط۔ اس کے بعد شام کا وقت ہے۔ یعنے جب سیر و تفریح سے فارغ
ہو کر آدمی واپس ہوتا ہے۔ اور یہی وہ وقت ہے جس سے اس دوسرے
حصہ کا آغاز ہوتا ہے۔ جسپر خداوند عالم نے دنیا کے زمانہ کی تقسیم فرمائی
ہے۔ یعنی رات۔ جس نے دن کے سارے وقت کے لئے تمام دنیا پر اپنا تسلط کر لیا
ہوتا ہے اور گو اس وقت میں صبح کی سی پوری دلفریبی اور دلبستگی اور دلآویزی
تو نہ ہو لیکن پھر بھی اس سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہے تو سہی ایک
لطف تو ضرور اس وقت بھی پایا جاتا ہے لہذا سخت ضرورت تھی کہ ایسے
وقت میں جبکہ شہنشاہ روز کی سلطنت کا خاتمہ اور ملکہ شب کی حکومت کا
آغاز ہوتا ہو۔ لیلائے شب اپنی زلف پریشان کھولے ہوئے اسیری عالم کے لئے
بڑھی آرہی ہو۔ تو ایسے انقلاب عظیم کے موقع پر کیوں نہ انسان اپنے مالک
معبود حقیقی کیطرف متوجہ اور مشغول ہو کر روحانی ترقیات کی نعمت عظمیٰ سے
بہرہ یابی کی فکر کرے اسکے بعد عشاء کا وقت ہے۔ یعنے جب کھانا کھا لینے اور
ہر طرح کے مشاغل دنیوی سے فارغ ہونے کے بعد انسان میں استراحت
حاصل کرنے اور خواب خوش سے بحکم وجعلنا نومکم سباتاً رفع
تکان محنت روزانہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت کا نماز کے لئے حقیقی

کرنا چاہیے کچھ ضروری اور اشد ضروری تھا۔ تو وہ ابھی کسی بیان کا محتاج نہیں۔ کیونکہ
دن بھر کے کاروبار کے خاتمہ اور وقت بیداری کے پایان پر جب آرام کا وقت
شروع ہوا تو اس وقت کا ذکر و فکر دن بھر کی لغزشوں کا مصلح اور نعمائے
الٰہی کا شکر گذار ہونے کے علاوہ آئندہ وقت آرام کا محافظ و نگہبان بھی ہوتا ہے
خواص کے لئے تہجد اشراق چاشت وغیرہ کے اوقات اسکے علاوہ ہیں جو
قرب الٰہی و عبادت کی قبولیت۔ خیالات کی صفائی اور تزکیہ و تصفیہ اخلاق
کے لئے خیر رساں اور نتائج کے جواہر کی تھیلیاں اپنے زیر دامان رکھتے ہیں۔ لیکن
چونکہ عام طبائع پر ان کا تقرر شاید گراں گذرتا۔ اسلئے وہ خاص شیدائیوں اور شائقوں کے
لئے وقف فرما دئے گئے۔ اب اچھی طرح غور کرو اور منصفانہ نگاہ سے فیصلہ کرو کہ
انسان کو دنیاوی کاروبار میں مشغول ہونے اور معاش کے کسب طلب میں مصروف رکھنے
کے ساتھ اس حقیقی روحانیت اور عشق الٰہی کے قائم و برقرار رکھنے کے لئے ایسا
انتظام کسی دوسرے مذہب میں بھی موجود تھا یا ہے؟ کتابیں کہتی ہیں کہ نہ تھا اور
سوائے اسلام کے اب بھی نہیں۔ دوسرے پہلو پر بھی نگاہ فرمائیے کہ
اس سے بہتر انتظام و سنت بکار ہر دل پر اسکے لئے کوئی اور بھی ہو سکتا
تھا؟ حجت بازی اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیا جائے تو صاف جواب یہی ہے
کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں وحدانیت و رسالت کے اقرار
کے بعد سب سے زیادہ زور اسی نماز پر دیا گیا ہے چنانچہ قول فیصل یہ ہے کہ
الفرق بین المسلم والکافر الصلوٰۃ ومن ترکھا عمداً فقد کفر
ھدم بنیان الایمان ۔ اور فی الواقع یہی خلاصہ عبادت و ریاضت بھی
اس کے بعد روزہ کو دیکھو روزہ کے یہ معنے ہیں کہ دن بھر انسان اپنے قوائے
حیوانی و شہوانی کی حفاظت کرے۔ کھانا پینا۔ جماع۔ جھوٹ وغیرہ تمام فواحش
لذائذ سے کنارہ کشی کیجائے۔ اسلام سے پہلے بھی روزہ کا دستور مختلف مذا
ہب میں موجود تھا۔ عیسائیوں۔ یہودیوں اور ہندوؤں میں اب بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے۔

لیکن وُہ دستور یا تو بہت ہی سخت تھے یا نہایت ہی نرم۔ لہذا اس میں بھی کامل اصلاح کی ضرورت تھی۔ پس اوّل تو صرف ایک مہینہ اسکے لئے مقرر کیا گیا۔ اور باقی ایام خواص کے لئے انکی اپنی استعداد اور مرضی پر چھوڑ دئے گئے۔ اور اُس مہینے میں علاوہ اس بندش ظاہری کے اور چند باتیں عبادت وریاضت میں اضافہ کرکے اس ایک مہینے کو گیارہ مہینوں کا کفارہ اور عادات وخواہشات دنیوی کا سوزندہ اور تجلیاتِ الٰہی و ترقیاتِ روحانی کا سرچشمہ بنا دیا گیا تاکہ انسان صبر وقناعت اور پاکبازی کا عادی بن سکے۔ اور نیز اُن نعماتِ الٰہی کی قدر وقیمت کا بھی موازنہ کر سکے۔ جو اسکو ہر وقت بے روک ٹوک میسر ہیں۔ اور ایک مہینے کا ان اشغال کے لئے خاص کر دینا اسوجہ سے اور بھی مفید ومناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان پورے اہتمام کے ساتھ منضبط ہوکر بہ جمعیتِ خاطر توبہ واستغفار کے لئے تیار اور رحمت الٰہی کا پورا اُمیدوار ہو سکے۔ اور ایک مہینے کی لگاتار مشق جس طرح اُسکے گناہوں کے جلانے اور کفارے کے لئے کارآمد ہو۔ ویسے ہی اُسکی عادات واطوار پر نیکوکاری اور پرہیزگاری کا بھی ایک کافی اثر ڈال سکے۔ اِس مہینے کا نام **رمضان** ہے۔ جس کے معنے جلانے والے کے ہیں۔ اور یہی مراد اُس سے لی جاتی ہے کہ وُہ سوزندۂ معاصی ہے۔ دوسرے مذاہب کے روزوں کے ساتھ اسلام کے رکھائے ہوئے روزوں کا مقابلہ کیجئے تو روحانی تجلیات کا جلوہ اور زمانہ کی عادات وصحت کا لحاظ سوائے اسلام کے دوسروں میں بہت ہی کم نظر آئے گا۔

اب زکوٰۃ کی طرف خیال کرو کہ جسکے مطابق ہر مسلمان کو جو قرضدار نہ ہو اپنے مال کا چالیسواں حصّہ سالوار غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرنے کا پابند کر دیا گیا ہے تاکہ سوسائٹی کے غریبوں کی گذر اوقات ہو جانے کے علاوہ دولتمند طبقہ یا آسودہ لوگوں میں بخل اور بیدردی کا مرض نہ پیدا ہو سکے۔ فیاض اور خاص لوگ

اس سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ اقل حد ہے۔ جسکے بغیر ایسان کامل نہیں رہ سکتا۔ اور صاف ظاہر ہے۔ کہ مصلحت اور دور اندیشی سے اس تعداد کے تعین میں کیسی کچھ پختگی ظاہر ہو رہی ہے۔ جسے عوام و خواص گراں سمجھکر اُسسے سرتابی نہ کر سکیں۔

اس کے بعد قربانی و حج کا مسئلہ ہے۔ جسکے موافق ہر ایک ایسے مسلمان کے لئے جو کعبۃ اللہ کے آنے جانے کے لئے اپنی سواری اور خوراک و پوشاک و ضروریات کے مصارف۔ اور اس تمام عرصہ کے لئے اپنے متعلقین کے نان و نفقہ مروجہ کے اخراجات کے بفراغت برداشت کی استطاعت رکھتا ہو۔ اُسپر بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے۔ تاکہ تمام جماعت معتقدین لوگ اپنے مرکز اصلی کو فراموش نہ کر سکیں اور خدا کی سب سے پہلی عبادتگاہ کی محبت کو تازہ رکھیں اور اس زمین پر اسلامی جماعت کے ظہور سے نسبت رکھنے کے علاوہ اتفاق و اتحاد باہمی سے بھی بخوبی بہرہ ور ہوں۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس مقامات پر سالانہ جمع ہونے اور زیارت کرنے کی مراسم اس سے پہلے بھی تمام اقوام میں موجود تھیں۔ چنانچہ یونان میں اپالو اور ڈلفائی۔ یہودیوں میں بیت المقدس یعنے مسجد اقصیٰ یا ہیکل اور ہندوستان میں سومنات وغیرہ سب اسی قسم کے معبد تھے اور اب بھی ہیں کہ جہاں ان کے معتقد سالانہ آستانہ جاتے تھے اور ان کو اپنا قبلہ تسلیم کرتے تھے۔ اور خود کعبۃ اللہ بھی عرصہ دراز سے اسی کام میں آتا تھا۔ یعنے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ برابر وہاں حج کو جاتے تھے۔ لیکن کوئی معیار زائرین کے لئے کسی مذہب میں مقرر نہ تھی۔ اصل الاصول اس رسم کا ولولہ روحانی اور محبت مذہبی سے اشتغال و انہماک کے علاوہ باہمی میل جول اور تبادلہ خیالات بھی ہے تاکہ ہر قوم کے افراد بلکہ اپنے مذہب کی حمایت میں سرگرم رہیں۔ یوں الگ الگ تو طوطے پر ہوکر ہر کس و ناکس کا آنا جانا اس مطلب کے لئے کچھ مفید نہیں ہوسکتا تھا۔ لہذا اسلام

نے نہایت دوراندیشی سے غربا کے گروہ کو اس تکلیف سے قطعی بری فرما کر صرف ان لوگوں پر اس کی فرضیت قائم رکھی۔ جو باعتبار اپنے تموّل اور تموّل کیساتھ ولولہ مذہبی کو سوسائٹی پر ایک قدر و وقعت اور اثر بھی رکھ سکتے ہوں۔ کیونکہ صاحبان ثروت ہی وہ اشخاص ہیں جو کسی طرح سے مذہب کی تقویت میں امداد کرسکتے اور اپنے ولولوں کے پورا کرنے پر قدرت پا سکتے ہیں۔ اور چونکہ یہ سفر محض استرضائے الہٰی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسلئے اُس کو اعلےٰ درجہ کے عمل میں رکھا گیا۔ تاکہ اس کی تحریص و ترغیب ہر ایک طبیعت میں پائی جائے۔ جو ایک اعلےٰ درجہ کا اصول ہے۔ اسی ضمن میں قربانی کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ جو حاجی تو حاکر وہاں ادا کرتے ہیں اور دوسرے ذی استطاعت مسلمان اپنے اپنے ہاں اسی موقع حج پر بعد عید کے ادا کر دیتے ہیں۔ یہ رسم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے جنہیں سب سے عزیز چیز خدا کی راہ پر قربان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اور آخر شرائط امتحان الہٰی میں پورا اُترنے پر بجائے حضرت اسمٰعیل کے ایک مینڈھے کی قربانی کی آسانی فرمائی گئی تھی۔ اس رسم میں قطع نظر ایک جلیل القدر پیغمبر کی یادگار کے (جس نے کعبتہ اللہ کی معماری کی تھی) اشارہ یہ ہے کہ راہ خدا میں انسان کو اپنی خواہشات کو قربان کرنا چاہئے چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوےٰ منکم۔ یعنے ان قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہونچتا۔ بلکہ تمہارا تقوےٰ اُس پاس پہنچتا ہے اسکے علاوہ باہمی میل جول اور سوسائٹی کے غریب ارکان کی گوشت خوری کو بھی اس سے مدد ملجاتی ہے اور بعض لوگوں نے اسکی کھالوں اور گوشت وغیرہ کے مصارف ایسے مقرر کر رکھے ہیں کہ جس سے بہت کچھ امداد کار ہائے خیر کو ملجاتی ہے اس کے علاوہ یہہ نشان بھی کہ ہر ایک قربانی دہندہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے قوم میں ایک قسم کی بہادری کے قیام کا بھی ذریعہ ہے۔ جس کی بہت بڑی ضرورت دنیا میں رہنے کے لئے ہوتی ہے۔

اب جہاد کو دیکھو کہ اسکی کہاں تک ضرورت تھی۔ اسلام نے جو جہاد
مقرر کیا ہے اسکے وہ معنے تو ہیں نہیں جو بعض سرحدی پٹھان سمجھتے ہیں کہ
ایک چھرا باندھکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور کسی انگریز یا ہندو کو مارکر غازی
یا شہید بن گئے۔ بلکہ اسلام نے جو جہاد قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی قوم کے
لئے ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لئے اگر کسی متعصب یا جاہل گروہ
یا بادشاہت کی طرف سے مزاحمتیں یا بندشیں پائی جائیں۔ تو مذہبی آزادی حاصل
کرنے کے لئے جان ومال سے کوشش کیجائے۔ اصلیت جہاد کی تو یہ ہے
اور اسی ضرورت نے اس مسئلہ کو جزو مذہب کردیا ہے۔ کیونکہ ابتداء میں مسلمانوں
اور خود حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو کفار اور مخالفین نے وہ سخت اذیتیں
پہنچائیں کہ جو حیطۂ برداشت سے بالکل باہر تھیں اور خدا کی عبادت اور شعائر
اسلام کی پابندی ایسی مخدوش اور خطرناک ہوگئی تھی کہ بغیر اسکے اپنی حفاظت
محال ہوگئی تھی۔ اسکے آگے ایک اور درجہ بھی جہاد کا ہے۔ جس سے بعض
لوگ معترضین کے ڈر اور مصلحت ملکی کے اعتبار سے انکار بھی کرجاتے ہیں
حالانکہ اس میں کوئی ایسی بات پائی نہیں جاتی۔ یعنے جہاد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ
شیوع اسلام کے لئے دوسرے ملکوں پر فوجکشی کیجاتے لیکن اگر غور کیا جاوے
تو اسکی ضرورت صاف صاف نظر آجائے گی۔ کیونکہ اسلام کوئی مقامی مذہب تو
ہے نہیں بلکہ یہ وہ مذہب ہے جسکو تمام دنیا کے لئے خدا نے پسند فرمایا ہے۔
اور اسلئے اس کی تبلیغ تمام جہان کے لئے جیسی کچھ ضروری ہے وہ خود ظاہر ہے
اب اعتراض یہ ہے کہ تلوار کے ذریعہ اشاعت کیوں کیجاتی ہے لیکن ذرا اسلامی
مسائل کو بھی تو دیکھو کہ صرف تلوار کو کب ذریعہ اشاعت قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے
صاف حکم دیدیا ہے کہ جہاں تم جاؤ اسلام کی تبلیغ کرو۔ اگر وہ لوگ معقولیت اور بحث
ومباحثہ کے بعد اسلام کو قبول کرلیں تو وہ تمہارے برابر اور بالکل تم جیسے ہوگئے
اور یہ نہ کریں تو تسلیم حکومت کے بعد تمہیں جزیہ دینا قبول کریں یعنے وہ خفیف

جو مسلمانوں کو بحیثیت فرمانروائی غیر اقوام کی حفاظت کی بابت لینا چاہیئے - اور یہ بھی
نہ دیں اور بغاوت ہی اختیار کریں تو تلوار سے فیصلہ کرو - اور پھر بھی بحالت
مسلمانوں کی فتح کے کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ہدایت نہیں کی گئی - بلکہ
مرضی پر موقوف ہے کہ مسلمان ہو کر جماعت کے ساتھ شامل ہو جائیں یا حفاظتی ٹیکس
ادا کریں - جس سے زیادہ نرمی کسی سلطنت اور کسی مذہب میں کبھی نہیں جاتی
اب انصاف کرو کہ جو قوم تبلیغ اسلام اور دنیا بھر کی حکمرانی کے لیئے اپنے آپکو
مامور و مجبور سمجھ لے - اُس کی لڑائی کے آئین اس سے زیادہ اخلاقی کہاں تک
ہو سکتے ہیں - جو آج تک باوصف تہذیب و اخلاق کے چکا چوند ہو جانے
کے بھی کوئی سلطنت نہیں کرتی - روسیوں کے مظالم - نپولین کی فتوحات
سکندر کی فتحیں - اور خود انگریزوں کی فتح سوڈان وغیرہ کے حالات پڑھ
جاؤ اور دیکھو تلوار کے زور سے اپنا سکہ کون بٹھاتا ہے - اور نرمی و محبت کے ساتھ
کون کام کرتا ہے - اس موقع پر مولینا شبلی نعمانی کے سفرنامہ روم سے ایک
واقعہ درج کرنا بھی ضروری ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"یہاں میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشہ دیکھا جسکا اثر دیر تک میرے
دل پر رہا - ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں
مبتلا ہیں - ایک شکنجہ میں دابی جا رہی ہے - ایک کی پیٹھ پر جلتی ہوئے لوہے
کی پٹری رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگل کھال اُتر گئی ہے
اسیطرح اوروں کو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دیجاتی ہے - یہ عورتیں
صورت اور وضع و لباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں - اکثر کمسن اور
خوبصورت اور نازک اندام ہیں - سخت تعجب ہوتا تھا - کہ کن ظالم ہاتھوں نے
اُن حسن کی دیویوں پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کی ہوگی - دریافت سے معلوم ہوا کہ
اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی - تو تمام
مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کیئے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے

سہہ سکتا تھا اُن کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور سب سے کمی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں ایسی عبرت انگیز واقعہ کی یادگار ہیں۔ اسوقت مجھے خیال ہوا کہ آیا یہ ہی عیسائی ہیں جو ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔"

یہ تو تھے مذہبی عبادات و ریاضات کے طریقے۔ اب یہ دیکھو کہ پاکبازی اور حُسنِ اخلاق کی تعلیم اسلام نے کس موثر طریق سے دی ہے۔ یعنے سب سے تمام محاسن اور خوبیوں کو اسلام نے عقائدِ مذہبی میں شامل کرکے اُن سے ثواب کی توقع دلادی ہے۔ اور تمام معائب اور بداخلاقیوں کو شرعی گناہ قرار دے کر اُن کی سزائیں مقرر کردی ہیں۔ اور اُن سے تمام عبادات و ریاضات کے اکارت ہوجانے کے علاوہ جہنم کی تہدید سنائی ہے۔ اسپر مفصل لکھا جائے۔ تو ایک دفتر اہیں مسائل کے سمجھنے اور سمجھانے کو چاہیئے۔ مگر مختصر طور پر یہ سمجھو کہ والدین کی فرمانبرداری۔ بادشاہِ وقت کی اطاعت۔ رتبہ شناسی معاملات کی صفائی۔ راستگوئی۔ راستبازی۔ صُلح پسندی۔ دیانتداری۔ کسبِ حلال۔ تحصیلِ علوم محنت پسندی۔ صلہ رحمی۔ ہمدردی مذہبی بلکہ ہمدردی انسانی۔ معتدل فیاضی وغیرہ وغیرہ جتنے محاسن فضایل اور اخلاق میں شامل ہیں۔ ان سب کے لئے مذہبی طور پر ہر مسلمان کو ثواب کا مستحق ٹھہرادیا گیا ہے۔ جس سے بہتر کوئی ذریعہ اُن کی تحریص و ترغیب کا نہ ہوسکتا تھا۔ اور ایسا ہی سرکشی۔ قتل۔ غارت۔ چوری۔ زناکاری۔ شرابخوری۔ والدین کی نافرمانی۔ بادشاہ سے بغاوت۔ بدعہدی۔ معاملات میں ناراستی۔ حتیٰ کہ کم تولنا اور فریب و دغابازی بخیلی یا اسراف۔ مُفت خوری اور آرام طلبی۔ بے علمی۔ وغیرہ وغیرہ جتنے معائب نہ صرف جرائم کی حد تک پہنچتے ہیں۔ بلکہ جو افعال سوسائٹی میں عیب کی نگاہ سے بھی دیکھے جانے کے مستوجب ہیں۔ اِن سب کو شرعی طور پر معاصی قرار دے کر قطعی طور پر اِن سے پرہیز کی ہدایت کردی۔ اور بڑی بڑی سنگین

دنیوی سزائیں اور آخرت کی رسوائی کے وعید ان کے لئے مقرر فرما دیئے۔ جس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ جرائم سے محترز رکھنے کا ہو نہیں سکتا۔ قانون کے رو سے قاتل خواہ مجرم قتل عمد کا ہو خواہ قتل انسان مستلزم السزا کا لیکن مستوجب سزا اسیوقت ہوتا ہے جب وہ جرم کا مرتکب ہو لے یا اُس کا اقدام کرے مگر شرع کے بموجب اس فعل کا خیال کرنا ہی اسے مستوجب سزا بنا دیتا ہے اسیطرح زنا کی پاداش میں بھی قانون کے رو سے مجرم مرتکب ہونے پر مستوجب سزا ہوتا ہے لیکن شرع میں اس فعل کا خیال بھی داخل جرم ہے۔ پس اس سے زیادہ انسداد جرائم کی اور کیا تدابیر ہو سکتی ہیں۔

اسکے علاوہ تفاخر اور ریاکاری کا دروازہ اسلام نے اس طرح سے بند کر دیا کہ کسی دوسرے مذہب میں اُسکی نظیر نہ ملیگی۔ کتابوں سے اُفرست۔ اپنے آپ کی بڑائی۔ احسان فروشی اور نمایش کی عادات گویا ہر انسان میں موجود ہوتی ہیں۔ جو واقعی مذموم اور لغو اور بعض مواقعات پر مہلک اور نقصان رساں بھی ہو جاتی ہیں۔ جن کے لئے نہ کسی قانون میں کوئی مواخذہ اور نہ شریعت میں کوئی تعزیر ہے۔ لیکن اسلام نے صفائی کے ساتھ فیصلہ کر دیا کہ ایسے افعال سے اعمال صالح زائل ہو کر انسان محض کورے کا کورا اور رحمت الٰہی سے بہت دور رہجاتا ہے۔

غلاموں کے ساتھ جو بدترین سلوک کئے جاتے تھے۔ اور کوئی مذہب یا حکومت اُن کا استیصال نہ کر سکتی تھی۔ اسلام نے ہی ان کی اصلاح کر کے مالک و مملوک کو یکساں کر دیا۔ اور ایک طرح سے غلامی کا انسداد فرما دیا۔ یعنے اوّل تو حکم دیا کہ جو خود کھاؤ وہی غلام کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی اُسکو پہناؤ۔ سفر میں خود سوار ہو تو اسکے لئے بھی سواری کا بندوبست کرو۔ علاوہ ازیں شارع علیہ السلام نے اپنے غلام آزاد کر دیئے اور پھر غلام کے آزاد کر دینے سے ثواب عظیم کی خوشخبری سُنا کر اس گروہ میں نئی خوشحیات ابدی کی روح پھونکدی وہ آزاد ہو گئے۔ ماسوائے

اسکے ہر ایک غریب کو پکڑ کر غلام بنا لینا بھی اسلام نے ہی بند فرمایا۔ اسنے پیشتر
اور سابقہ غلاموں سے آیندہ کے لئے غلامی کردہ صرف انہیں اشخاص پر محدود کردیا
جو اسیرانِ جنگ میں سے ہوں اور بباعث بے زری کے فدیہ دے کر بھی
رہا نہ ہو سکیں۔

یہ باتیں تو تمدن و معاشرت کے متعلق ہوئیں۔ اب یہ دیکھو کہ آداب و قواعدِ زندگی
اسلام نے کس شرح و بسط سے تعلیم فرمائے ہیں۔ یہاں تک کہ کھانا کس طرح کھانا
چاہیئے۔ سونا اور بیٹھنا کس طرح چاہیئے۔ حتیٰ کہ پاخانہ کس طرح جانا چاہیئے۔
یہ ہے شریعتِ مکمل کہ جس سے کوئی بات رہ نہ جائے اور ہر طرح کے چھوٹے
سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملات پر ناطق فیصلے موجود ہوں۔ دیکھا
دیکھی رسوم کا پایا جانا دوسری بات ہے۔ لیکن غیر مذاہب کی کتابیں ڈھونڈو اور
دیکھو کہ آیا ایسی تفصیل کے ساتھ کوئی شریعت اسلام متعارفہ کے بغیر اور بھی موجود ہے
مگر غضب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے مصنفوں نے اسلام کی جو تصویر اپنے
ناظرین کو دکھائی ہے وہ اس اسلام سے بالکل متغائر ہے۔ یوروپین مصنفوں نے اسلام
کو جس صورت سے انگریزی پبلک کو دکھایا ہے وہ ایک سخت خونخوار جنگ جو۔ غیر مہذب اسلام ہے
جو ہر شخص کو غلام بنا لیتا اور ہر جگہ تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرتا پھرتا ہے۔ حالانکہ
اصلی اسلام میں اور اس یوروپ کے فرضی اسلام میں زمین و آسمان کا فرق
ہے مگر مجبوری ہے کہ قلم درکفِ دشمن است۔ اسکے علاوہ جس امر نے اس
خیال کو یوروپین مصنفوں کے نزدیک زیادہ تر راسخ کردیا وہ ہے خود ہم لوگوں کی
مثال جو اسلامی تعلیم کے موافق بالکل نہیں۔ بلکہ ایک رواج ملکی و مراسم قومی کے
طور پر جو چیز ہم میں باقی رہ گئی ہے۔ اس کا نام ہم نے اسلام سمجھ رکھا ہے۔ خواہ
وہ اسلام سے کتنا ہی الگ کیوں نہ ہو۔

قرآن شریف کے مضامین

ذیل میں ایک مختصر فہرست مضامین قرآن کی درج کیجاتی ہے۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو تلاش و تجسس میں دقت نہو۔ ہر مضمون کے آگے سورۃ کا نام اور رکوع کا نمبر شمار بھی لکھدیا گیا ہے۔ اب اہلِ دانش خود غور فرما سکتے ہیں کہ ایسی جامع و مانع کتاب کوئی اور بھی دیکھی گئی ہے؟ یا توریت و زبور و انجیل جن کا ابتدائی مقابلہ دکھایا جاچکا ہے۔ ایسے کامل قانون سے کوئی بھی لگا کھا سکتی ہیں؟ اور آیا ایسا اکمل قانون ان کی تنسیخ کے لئے بالکل کافی ہے یا نہیں؟ مذہبی تعصب اور عناد کو چھوڑ دیا جائے تو غالباً کیا یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسی جامع قانونِ روحانی اور رہنمائے تمدن و معاشرت کے آگے کسی کو بھی تابِ دم زدن نہیں ہو سکتی۔ جس نے فاضلانہ مسائل سے لیکر عامیانہ معتقدات و مراسمِ رسم کے بیان و اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

قرآن شریف میں بالعموم تین قسم کے مضامین آتے ہیں۔ جنکو ہم قسم وار الگ الگ درج ذیل کرتے ہیں۔

قسم اوّل۔ الہیات عبادات و اخلاق

صفاتِ الٰہی۔ فاتحہ (۱) بقرہ ۳۴۔ آیۃ الکرسی۔ آلِ عمران۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۱۱۔ ۱۳۔ ۱۹۔ ۱۔ اخلاص (۱) حشر (۳)۔ نساء ۱۲۔ ۱۹۔ انعام ۷۔ ۱۲۔ قصص ۷۔ ۹۔ عنکبوت ۶۔ روم ۳۔ لقمان ۴۔ فاطر ۲۔ ۵۔ یٰس ۵۔ مومن ۱۔ ۷۔ شوریٰ ۲۔ ۵۔ زخرف ۷۔ حجرات ۲۔ ذاریات ۳۔ حدید ۱۔ ۴۔ مجادلہ۔ تغابن ۱۔ بروج ۱۔ جاثیہ ۴۔ بنی اسرائیل ۵۔ نور ۶۔

خدا کی قدرتیں اور اسکی الوہیت پر دلائل موجودات کے حالپر غور اور عبرت

بقرہ ۳۔ ۲۰۔ حٰم سجدہ ۲۔ آلِ عمران ۱۔ ۲۰۔ انعام ۱۱۔ اعراف ۷۔ یونس ۳۔ رعد ۱۔ ابراہیم ۵۔ نحل ۱۔ حج ۸۔ ۹۔ فرقان ۵۔ روم ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ سجدہ ۱۔

زمرا - یٰسٓ ۵ - مومن ۷ - جاثیہ ۱ - رحمٰن - تبارک ۲ - نباء ۱ - نمل ۵ - لقمان
۳ - یٰسٓ ۳ - نحل ۲ -

شرک کی مذمت - نساء ۷ - مائدہ ۱۰ - ۱۴ - حج ۸ - ۱۰ - رعد ۳ - نحل ۱ - ۲ - ۳ - ۴
فرقان ۱ - ۲ - زمرا - ۴ - ۷ - شوریٰ ۱ - فاطر ۲ - ۵ - بنی اسرائیل ۴ - حٰم سجدہ
۱ - احقاف ۱ - انعام ۳ - یٰسٓ ۳ - اعراف ۱ - ۵ - ۲۲ - انفال ۳ - بقرہ
۲۲ - یونس ۲ - ۳ - ۵ - ۷ - ۱۱ - آل عمران ۹ - احزاب ۲ - سبا ۳ -

نصاریٰ یہود مجوس وغیرہ کے باطل عقیدوں کا بطلان - مائدہ ۳ - ۱۰ - ۱۶ - توبہ
۵ - مریم ۶ - آل عمران ۸ - اخلاص ۱ - مومنون ۴ - انبیاء ۲ - نحل ۷ - زمرا -

غیب کا علم اللہ ہی کو ہے - بقرہ ۴ - آل عمران ۱۸ - نمل ۵ - لقمان
۳ - ۴ - سبا ۲ - جن ۲ - اعراف ۲۳ - مومن ۸ - ملک ۲ - نحل ۱۲ - احزاب
۸ - یونس ۷ - بنی اسرائیل ۹ -

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و حقوق اور بشارات - فتح ۱ - ۴
آل عمران ۴ - ۷ - ۹ - ۱۳ - ۱۵ - ۱۷ - انبیاء ۷ - توبہ ۱۶ - یٰسٓ ۱ - صف ۱ -
(بشارت فارقلیط احمد) نجم ۱ - اعراف ۱۹ - ۲۰ - بقرہ ۱۷ - ۱۸ - عنکبوت ۵
جمعہ ۱ - قلم ۱ - بقرہ ۱۳ - ۱۷ - نساء ۹ - ۱۱ - ۱۶ - ۲۲ - مائدہ ۱۲ - ۴ ۳ - انفال ۱
۲ - ۴ - ۹ - توبہ ۳ - ۵ - ۸ - ۱۶ - حجر ۵ - بنی اسرائیل ۱ (معراج کا ذکر) ۹ (شفاعت
کا ذکر) ۱۲ - نور ۷ - ۹ - احزاب ۱ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - فاطر ۳ - محمد ۴ -
فتح ۳ - حجرات ۱ - مجادلہ ۲ - قمرا - طلاق ۲ - تحریم ۲ - مزمل ۱ - مدثر ۱ - والضحیٰ ۱ -
انشراح ۱ - کوثر ۱ - (بشارت مثیل موسیٰ ۳)

قرآن شریف - فرقان ۱ - بنی اسرائیل ۱ - نساء ۸ - اعراف ۱ - ۶ - ۴ ۲ - واقعہ
۳ - انعام ۱۹ - قدر ۱ - ابراہیم ۱ - حٰم سجدہ ۱ - یوسف ۱ - حجر ۱ - بنی اسرائیل
۹ - ۱۰ - ۱۱ - قمرا - مزمل ۲ - حشر ۳ - طٰہٰ ۷ - سبا ۵ - کہف ۱ - بقرہ ۱ - نجم ۱
تحریم ۱ - جاثیہ ۳ - شعراء ۱۱ -

قرآن شریف کا فصاحت میں بے نظیر ہونا ۔ بقرہ ۳ ۔ یونس ۲ ۔ ۴ بنی اسرائیل ۱۰ ۔ ہود ۲ ۔
روح قدس کا ذکر ۔ بقرہ ۳۳ ۔ مائدہ ۱۵ ۔ بنی اسرائیل ۱۰ ۔
فرشتوں کا ذکر ۔ فاطر ۱ ۔ انعام ۸ ۔ نحل ۷ ۔ انبیاء ۲ ۔ مدثر ۱ ۔ تحریم ۱ انفطار ۱ ۔ زخرف ۷ ۔ ق ۱ ۔ سجدہ ۱ ۔ قدر ۱ ۔ بقرہ ۱۲ ۔ حاقہ ۱ ۔ نحل ۹ مومن ۱ ۔ رعد ۸ ۔
کتب سابقہ کا ذکر ۔ بقرہ ۱۵ ۔ ۱۶ ۔ آل عمران ۱ ۔ ۸ ۔ نساء ۱۹ ۔ ۲۲ ۔ مائدہ ۵ ۔ ۶ ۔ ۷ ۔ انعام ۱۹ ۔ مائدہ ۷ ۔ اعلیٰ ۱ ۔ اعراف ۱۹ ۔
ثبوت تحریف کتب سابقہ ۔ بقرہ ۹ ۔ نساء ۷ ۔ مائدہ ۳ ۔ ۶ ۔
پیغمبروں کا ذکر ۔ بقرہ ۸ ۔ ۱۶ ۔ ۲۳ ۔ ۳۳ ۔ انعام ۱۰ ۔ ۱۵ ۔ انبیاء ۔ مجادلہ ۲ یونس ۵ ۔ نحل ۸ ۔ نساء ۲۲ ۔ مومن ۸ ۔
انبیاء کا معصوم ہونا ۔ بنی اسرائیل ۷ ۔ انبیاء ۵ ۔ ۶ ۔ جن ۴ حجر ۳ ۔ سبا ۳ ۔
فضائل اہل بیت و ازواج پیغمبر ۔ نور ۲ ۔ ۳ ۔ احزاب ۱ ۔ ۴ شوریٰ ۳ ۔ دہر ۔
فضائل صحابہ و مہاجرین و انصار ۔ انفال ۲ ۔ ۱۰ ۔ توبہ ۲ ۔ ۶ ۔ ۱۳ ۔ نور ۳ ۔ ۷ ۔ احزاب ۳ ۔ شوریٰ ۴ ۔ فتح ۳ ۔ فیل ۱ ۔ عصر ۱ ۔
تعریف اولیاء اللہ و ثبوت کرامات اولیاء ۔ یونس ۷ ۔ نمل ۳ ۔
تکریم بنی آدم ۔ بنی اسرائیل ۷ ۔ تین ۱ ۔
روح کی حقیقت ۔ حجر ۳ ۔ بنی اسرائیل ۱ ۔ سجدہ ۱ ۔ ص ۵ ۔
نفس کی قسمیں (امارہ ۔ لوامہ ۔ مطمئنہ) یوسف ۷ ۔ قیامہ ۱ ۔ فجر ۱ ۔
انسان کا امانت الٰہی کو اٹھانا ۔ احزاب ۹ ۔
عہد میثاق ۔ اعراف ۲۲ ۔

احکامِ قضا و قدر - بقرہ ۱-۲۶-۳۲ - آل عمران ۳-۵-۸-۱۳-۱۶ - نساء ۱۱-
۱۲ - توبہ ۷ - یونس ۵-۱۰ - ہود ۹-۱۰ - یوسف ۹ - رعد ۶ - حجر ۲ - نحل ۵
۸-۱۳ - بنی اسرائیل ۲ - کہف ۲-۸ - مریم ۲ - حج ۹ - عنکبوت ۲ - سجدہ ۲ -
احزاب ۲ - فاطر ۲ - یٰس ۵ - صافات ۳ - مومن ۷ - شوریٰ ۵ - قمر ۳ - حدید
۳ - تغابن ۲ - دہر ۲ - تکویر ۱ - قصص ۶ - روم ۴-۵ - زخرف ۴ - انعام
۲-۱۰ - اعراف ۲۲-۲۳ - زمر ۴ - انفال ۳ - جاثیہ ۳ -

خدا کی رزاقی - بقرہ ۲۶ - آل عمران ۳-۴ - انعام ۱۹ - ہود ۱ - رعد ۳ -
بنی اسرائیل ۳ - طٰہٰ ۱.۱ - حج ۹ - مومنون ۴ - نور ۵ - قصص ۸ - عنکبوت ۲-۶
روم ۴ - سبا ۴-۵ - زمر ۵ - مومن ۲ - شوریٰ ۲-۳ - ذاریات ۱-۳ -
جمعہ ۲ -

خدا اپنی نعمت کب چھین لیتا ہے؟ اس کا اصول - انفال ۷ - رعد ۲
سختی کے بعد آسانی - طلاق ۲ - انشراح ۱ -
نظر لگ جاتی ہے - ن ۲ -
جادو کی تاثیر کا ثبوت - بقرہ ۱۲ - اعراف ۱۴ - یونس ۸ - طٰہٰ ۳ - فلق ۱ -
انسان کو خدا نے عبث نہیں بنایا - مومنون ۶ - قیامہ ۲ - ذاریات ۳ -
خدا کی رحمت اور قہر - انعام ۲-۶ - اعراف ۷-۱۲-۱۹ - یوسف ۸-۱۰ -
حجر ۴ - زمر ۲ -

موت کے احکام - آل عمران ۱۵-۱۹ - نساء ۱۱ - انبیاء ۳ - قصص ۹ - عنکبوت ۶
سجدہ ۱ - زمر ۵ - ق ۲ - رحمان ۲ - واقعہ ۳ - جمعہ ۱ - منافقون ۱ - عبس ۱ -
مذمت دنیا - لقمان ۴ - حدید ۳ - عنکبوت ۷ - آل عمران ۲-۱۴-۲۰ - نساء ۱۱
انعام ۳-۴ - اعراف ۵-۶ - انفال ۴ - یونس ۳ - بقرہ ۲۵ - یونس ۷ - ہود ۲
رعد ۳ - ابراہیم ۱ - نحل ۱۳-۱۴ - بنی اسرائیل ۲ - کہف ۴-۶ - طٰہٰ ۸ - قصص ۲
سبا ۵ - فاطر ۱ - مومن ۵ - احقاف ۳ - منافقون ۲ - تغابن ۲ - روم ۱ - نازعات ۲

انفطار ۱- احزاب ۴-
تجارت آخرت۔ صف ۲- فاطر ۴- توبہ ۱۴- بقرہ ۲۵-
اسلام کا ذکر۔ بقرہ ۲۵- آل عمران ۲- ۱۷- انعام ۱۵- زمر ۳- صف ۱-
مائدہ ۱-
دعوت جن۔ احقاف ۴- جن ۱-
اطاعت رسول۔ نساء ۸- ۹- ۱۱- ۲۳- مائدہ ۶- ۱۲- آل عمران ۴- انفال
۲- نور ۷- احزاب ۳- ۷- محمد ۴- فتح ۱-
مساجد کا ذکر۔ بقرہ ۱۴- توبہ ۳- ۴- جن ۱-
قبلہ۔ بقرہ ۱۴- ۱۷- آل عمران ۲-
طہارت اور حیض سے پاک ہونے کا ذکر۔ فرقان ۵- مدثر ۲- بقرہ ۲۸-
وضو غسل تیمم۔ مائدہ ۲- نساء ۷-
اذان کا ذکر۔ مائدہ ۸- جمعہ ۲-
نماز کے احکام۔ بقرہ ۵- ۱۰- ۱۳- ۳۱- آل عمران ۵- نساء ۱۱- ۱۵- انعام
۹- یونس ۹- ہود ۱۰- ابراہیم ۵- حجر ۶- بنی اسرائیل ۹- طٰہٰ ۱- ۸- حج ۱۰- نور ۷
عنکبوت ۵- روم ۲- ۴- لقمان ۲- احزاب ۴- ق ۳- طور ۲- نجم ۳- واقعہ ۳
مجادلہ ۲- حاقہ ۲- مزمل ۱- ۳- مدثر ۱- دہر ۲- اعلیٰ ۱- علق ۱- بینہ ۱- کوثر ۱
ماعون-
نماز جمعہ کے احکام۔ جمعہ ۲-
ذکر الٰہی۔ بقرہ ۱۸- آل عمران ۴- ۲۰- اعراف ۲۴- رعد ۴- عنکبوت ۵
احزاب ۶- زخرف ۴- محمد ۲- مزمل ۱- دہر ۲-
دعا کے احکام۔ بقرہ ۲۳- اعراف ۱۰- ۱۴- ۲۲- نمل ۵- مومن
۲- ۶- ۷- رحمان ۲-
استغفار و توبہ۔ بقرہ ۲- ۲۸- آل عمران ۱- ۲- ۹- ۱۴- نساء ۳- ۹- ۱۶-

۱۳-مائدہ ۱۰-انعام ۶-اعراف ۱۹-انفال ۴-توبہ ۱۳-ہود ۱۰-۱۳-۵-۶-۷-نحل ۱۵ ابراہیم ۴-نور ۴-۹-فرقان ۶-قصص ۷-مومن ۱-۶-حم سجدہ ۱۰-ذاریات ۱ محمد ۲-حدید ۳-تحریم ۲-نوح ۱-مزمل ۲-نصر ۱-

کبائر سے بچنا صغائر کی معافی کا باعث ہے-نساء ۵-انعام ۱۴-نجم ۲-

سچا مومن یا خدائی آدمی-بقرہ ۱-۳-انفال ۱-۱۱-توبہ ۱۱-۱۳-ہود ۹ رعد ۳-مومنون ۱-۴-فرقان ۶-لقمان ۱-احزاب ۵-حم سجدہ ۴-احقاف ۲ ذاریات ۱-طور ۱-معارج ۱-انفطار ۲-

مومنوں کا ذکر-انفال ۱-۲-۳-مومنون ۱-۴-نور ۳-۷-محمد ۱-۴-حجرات ۲ مریم ۶-توبہ ۹-۱۳-انبیاء ۳-فرقان ۶-مجادلہ ۲-حجر ۳-یونس ۷-زمر ۴-فصلت ۴-۵-زخرف ۷-شوریٰ ۳-واقعہ ۳-مومن ۱-۶-ابراہیم ۵-احزاب ۵-۹-قصص ۲۰-سجدہ ۳-عنکبوت ۱-رعد ۴-ق ۳-طور ۱-قمر ۳ حدید ۴-نساء ۲-نازعات ۲-انفطار ۱-

مشرکوں کا ذکر-توبہ ۲-۳-۴-۵-۱۴-نحل ۵-۷-۱۱-۱۲-۱۴-زخرف ۲ لقمان ۳-زمر ۳-واقعہ ۳-کہف ۱۱-یونس ۲-۳-فرقان ۲-احقاف ۱-انبیاء ۲-

منافقوں کا ذکر-بقرہ ۲-۲۵-نساء ۱۲-ماعون ۱-توبہ ۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-حدید ۲-منافقون ۱-

کافروں کا ذکر-بقرہ ۱-۱۹-عمران ۱۲-۱۹-نساء ۲۰-انعام ۳-۱۱-اعراف ۵ توبہ ۱۰-ابراہیم ۳-اعراف ۲۷-عنکبوت ۱-۶-روم ۵-حم سجدہ ۴-بینہ ۱-

یہود کا ذکر-بقرہ ۵-۱۴-عمران ۷-مائدہ ۳-۹-۱۴-نساء ۷-۲۲-اعراف ۲۰-توبہ ۵-مریم ۲-حدید ۴-صف ۲-حشر ۱-

عیسائیوں کا ذکر-بقرہ ۱۴-۱۶-مائدہ ۳-۷-۱۱-توبہ ۵-مریم ۲-حدید ۴-صف ۲-

بنی اسرائیل کا ذکر-بقرہ ۴-۵-۶-۷-۱۵-۱۰-۱۱-۳۲-۱-اعراف ۱۷-۱۸
۲۰-۲۱-یونس ۹-دخان ۱-۲-مومن ۳-۹-طٰہٰ ۴-۵-شعراء ۴-نساء ۲۲
مائدہ ۳-۴-۱۰-۱۱-جاثیہ ۲-بنی اسرائیل ۱-

شیطان کا ذکر-بقرہ ۴-۱۳-۲۱-۲۵-۳۷-۳۴-اعراف ۲-۳-۴
حجر ۲-۳-ص ۵-کہف ۷-بنی اسرائیل ۳-۶-۷-مریم ۳-۶-حشر ۲-
انفال ۲-۶-فرقان ۳-فاطر ۱-زخرف ۶-نساء ۱۸-۱۱-نحل ۸-۱۳-
انعام ۱۴-مائدہ ۱۲-ملک ۱-شعراء ۱۱-عمران ۱۸-صافات ۱-ناس ۱-

مشرکوں اور کافروں کیواسطے استغفار کی ممانعت-توبہ ۱۰-۱۴-

موت کے وقت توبہ معتبر نہیں-نساء ۳-

نماز تہجد کی فضیلت-مزمل ۱-۲-فرقان ۶-

زکوٰۃ کے احکام-بقرہ ۵-۱۰-۱۳-۳۷-نساء ۱۱-انعام ۱۷-توبہ ۵-۸-۱۳
حج ۶-۱۰-نور ۷-روم ۴-احزاب ۴-حم سجدہ ۱-مجادلہ ۲-مزمل ۲-بینہ ۱-

صدقات-بقرہ ۳۲-۳۴-۳۶-۲۷-۳۴-۳۶-۳۷-۳۸-آل عمران ۹
۱۰-توبہ ۱۰-رعد ۳-ابراہیم ۵-نحل ۳-بنی اسرائیل ۳-فرقان ۶-قصص ۸
روم ۴-سبا ۵-مجادلہ ۴-حدید ۱-منافقون ۲-تغابن ۲-بلد-لیل ۱-والضحیٰ ۱-

نذر و منت کا پورا کرنا-بقرہ ۳۷-حج ۴-

صدقہ میں منت اور ایذا اور ریا نہیں چاہیئے-بقرہ ۳۶-نساء ۶-انفال ۴-

بخل و امساک کی ممانعت-آل عمران ۱۸-نساء ۶-توبہ ۱۰-بنی اسرائیل ۳
محمد ۴-حدید ۳-حشر ۱-حاقہ ۱-فجر ۱-لیل ۱-ہمزہ ۱-ماعون ۱-

فضول خرچی کی ممانعت-انعام ۱۷-اعراف-بنی اسرائیل ۳-

روزہ اور اعتکاف کا حکم-بقرہ ۲۳-

حج کے احکام-بقرہ ۱۵-۱۹-۲۴-۲۵-آل عمران ۱۰-مائدہ ۱-۱۳-
حج ۴-۵-صافات ۳-کوثر ۱-

قربانی - حج ۵ - بقرہ ۸ -

طواف کا ذکر - بقرہ ۲۵ - حج ۴ -

علم و علماء کی فضیلت - عنکبوت ۴ - ۶ - فاطر ۴ - مجادلہ ۲ - انبیاء ۱ -

فضیلت تعلیم - عمران ۱۹ - توبہ ۱۵ - نحل ۱۶ - حم سجدہ ۵ -

احکام عبادت - بقرہ ۳ - نساء ۶ - رعد ۵ - حجر ۶ - بنی اسرائیل ۳ - حج ۱۰ - عنکبوت ۶ - زمر ۱ - ۲ - ذاریات ۳ - انشراح ۱ - بینہ ۱ -

اتباع شریعت و استقامت - فاتحہ ۱ - اعراف ۱ - ہود ۱۰ - زمر ۶ - شوریٰ ۲ - جاثیہ ۲ -

قرآن کی تلاوت اور اس میں تدبر - نساء ۸ - اعراف ۲۴ - نحل ۱۳ - بنی اسرائیل ۹ - فاطر ۴ - ص ۳ - محمد ۳ - واقعہ ۳ - مزمل ۱ - قیامہ ۱ -

مشرکین کو گالی مت دو - انعام ۱۳ -

فساد کی ممانعت - بقرہ ۷ - ۲۵ - مائدہ ۹ - اعراف ۷ - قصص -

غریبوں کو ان کی غربت کی وجہ سے ذلیل نہ جانو - انعام ۶ -

اشک ریزی علامت ایمان ہے - مائدہ ۱۲ -

غیبت کا حکم - حجرات ۲ -

والدین سے نیکی کرنا - بقرہ ۱۰ - ۲۶ - بنی اسرائیل ۳ - عنکبوت ۱ - لقمان ۲ - احقاف ۲ -

خلوص نیت - نساء ۲۱ - زمر ۱ - مومن ۷ -

نیکی اور بدی کا عوض - انعام ۱ - حم سجدہ ۶ - مومن ۵ - نمل ۳ - انبیاء ۴ - شوریٰ ۴ - ق ۲ - عنکبوت ۱ - نجم ۲ - زمر ۴ - بنی اسرائیل ۱ - روم ۵ - رحمان ۳ -

پارسائی کا ذکر - بقرہ ۲۱ -

بدی کے عوض نیکی کرنا - مومنون ۶ - حم سجدہ ۵ - رعد ۳ -

عفو کی فضیلت - آل عمران ۱۳ - ۱۹ - شوریٰ ۴ - جاثیہ ۲ - اعراف ۲۴ -

جو کفار ضرر رساں نہ ہوں ان سے حسن سلوک منع نہیں - بنی اسرائیل ۶ -

ممتحنہ ۲ - جاثیہ ۲ - مائدہ ۳ - طٰہٰ ۲ -

بے دینوں سے دوستی کی ممانعت - نساء ۲۰ - ۲۱ - آل عمران ۳ - مائدہ ۸
توبہ ۳ - ۱۲ - حج ۱ - قصص ۹ - مجادلہ ۳ - ممتحنہ ۲ -

سچ کا بول بالا - شوریٰ ۳ - بنی اسرائیل ۹ -

سچ بولنا - نساء ۱ - توبہ ۱۵ - احزاب ۵ - ۹ -

جھوٹ کی بُرائی - عمران ۶ - نحل ۱۵ - بنی اسرائیل ۴ - حج ۴ - شعراء ۱۱ - قلم ۱ -

جھوٹی گواہی کی ممانعت - عمران ۱۹ -

جاہلوں سے اعراض - اعراف ۲۴ -

مجاہدہ کا حکم - مائدہ ۶ - حج ۱۰ - عنکبوت ۷ -

تزکیۂ نفس - شمس ۱ -

تقوےٰ (خدا ترسی اور پرہیزگاری) - بقرہ ۲۳ - ۲۵ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ -
۳۹ - آل عمران ۱ - ۸ - ۱۱ - ۱۳ - ۱۴ - ۲۰ - نساء ۱ - مائدہ ۱ - ۳ - ۶ - ۹ - ۱۲
- ۱۳ - انفال ۴ - ۹ - توبہ ۱ - ۵ - ۱۵ - ۱۶ - ہود ۴ - نحل ۴ - مریم ۴ - طٰہٰ ۸ - حج
۱ - لقمان ۴ - احزاب ۷ - ۹ - ص ۴ - زمر ۲ - ۸ - دخان ۳ - حجرات ۲
ذاریات ۱ - رحمان ۳ - حدید ۴ - حشر ۲ - تغابن ۲ - طلاق ۱ - قلم ۲ - مدثر ۲ - مرسلات
۱ - نبا ۲ -

توکل - آل عمران ۱۳ - ۱۷ - ۱۸ - نساء ۱۱ - ۲۳ - مائدہ ۳ - ۴ - انعام ۱۳ -
انفال ۷ - توبہ ۷ - ۱۶ - یونس ۹ - ہود ۱۰ - یوسف ۲ - فرقان ۵ - شعراء ۱۱ - نمل
۶ - احزاب ۱ - ۳ - زمر ۴ - طلاق ۱ - مزمل ۱ -

صبر - بقرہ ۵ - ۱۹ - ۲۲ - ۲۳ - آل عمران ۲۰ - انفال ۶ - ۹ - ہود ۴ - ۱۰ -
یوسف ۲ - ۱۰ - نحل ۱۳ - ۱۶ - کہف ۴ - مریم ۴ - لقمان ۲ - زمر ۲ - احقاف ۴ -
معارج ۱ - مدثر ۱ -

شکر - بقرہ ۱۸ - ۲۱ - ۲۹ - آل عمران ۱۵ - مائدہ ۲ - ابراہیم ۲ - ۵ - نحل ۱۵

عنکبوت ۲- لقمان ۲- سبا ۲- فاطر ۱- زمر ۷- ضحے ۱-

رضا - بیّنہ ۱-

خدا کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے - بقرہ ۱۸- آل عمران ۱۸- مائدہ ۷- توبہ ۲-

احکام تہذیبِ اخلاق - بقرہ ۱۰- آل عمران ۱۴- نساء ۱۷- ۲۱- اعراف ۲۴- رعد ۳- حجر ۶- بنی اسرائیل ۳- ۴- طٰہٰ ۱۸- حج ۱۰- مومنون ۶- نور ۳- فرقان ۶- شعراء ۱۱- لقمان ۲- حٰم سجدہ ۵- شوریٰ ۴-

نیکی پر مدد کرنے اور گناہ پر مدد نہ کرنے کا حکم: - مائدہ ۱-

بُری اور بھلی سفارش کا حکم - نساء ۱۱-

امر معروف و نہی عن المنکر کا حکم - آل عمران ۱۱- ۱۲- لقمان ۲- نساء ۹- ذاریات ۳- طور ۲- حج ۶-

جھگڑے اور تفرقہ کی ممانعت - آل عمران ۱۱- انفال ۶-

بہتان کی ممانعت - نساء ۱۶-

تکبر اور خود پسندی کی ممانعت - نساء ۶- اعراف ۲- نحل ۳- ۴- بنی اسرائیل ۴- لقمان ۲- نجم ۲-

عیب جوئی اور بُرے نام رکھنے کی ممانعت - حجرات ۲-

عورتوں کا ذکر (حجاب، ستر) نور ۳- احزاب ۵- ۷- ۸- نساء ۶- ممتحنہ ۲-

لونڈی غلاموں کے آداب - نور ۸-

نکاح بیوگان کا حکم - نور ۴-

سلام علیکم کا حکم - نساء ۱۱- انعام ۶- نور ۸-

صلح کروانا - حجرات ۱- نساء ۱۹-

مسلمان باہم بھائی ہیں - حجرات ۱-

شراب اور جوئے کی ممانعت - بقرہ ۲۷- مائدہ ۱۲-

ہجو اور غیبت کی ممانعت۔ حجرات ۲۔ ہمزہ ۱۔
ہنسی ٹھٹھا کرنے کی ممانعت۔ حجرات۔
فضول شعر کی برائی۔ شعراء ۱۱۔ یٰسٓ ۵۔
یتیموں کا ذکر۔ بنی اسرائیل ۳۔ نساء ۱۔ بقرہ ۲۷۔
وفاءِ عہد کا حکم۔ مائدہ ۱۔ بنی اسرائیل ۴۔ نحل ۱۳۔
ناچ رنگ کی ممانعت۔ لقمان ۱۔
لغویات کی ممانعت۔ مومنون ۱۔ فرقان ۶۔
انشاء اللہ کہنے کا حکم۔ کہف ۴۔ تکویر ۱۔
بدون اجازت کسی کے گھر میں جانے کی ممانعت۔ نور ۴۔
امانت میں خیانت مت کرو۔ نساء ۸۔ حج ۶۔ مومنون ۱۔ یوسف ۷۔ انفال ۳۔
خرید و فروخت میں وزن پورا ہونا چاہیئے تطفیف ۱۔ رحمٰن ۱۔ شعراء ۱۔ اعراف ۱۔
عدل و انصاف کا حکم۔ نحل ۱۳۔ نساء ۸۔ ممتحنہ ۲۔ انعام ۱۹۔
معرفتِ الٰہی کا نور۔ حدید ۲۔ ۴۔ نور ۵۔ انعام ۱۵۔ فاطر ۳۔
رشتہ داروں کو نصیحت۔ شعراء ۱۔ تحریم ۱۔ طٰہٰ ۸۔
بداخلاق آدمی کی اطاعت مت کرو۔ قلم ۱۔
بدگمانی کی ممانعت۔ نساء ۲۔ حجرات ۲۔
مشورہ کا حکم۔ آل عمران ۱۷۔ شوریٰ ۴۔
بری سرگوشی کی ممانعت۔ نساء ۱۷۔
احکامِ بیعت۔ فتح ۱۔ ۳۔ ممتحنہ ۲۔
مصیبت خدا کی طرف سے ہے۔ تغابن ۲۔ نساء ۱۱۔ شوریٰ ۳۔
حدید ۳۔
حسد کی مذمت۔ نساء ۵۔ ناس ۱۔
ریا کی مذمت۔ نساء ۶۔ ۲۱۔ ماعون ۱۔

صفت ایثار۔ حشر ا۔
خدا کی رضامندی۔ بقرہ ۲۵۔ آل عمران ۱۷۔ توبہ ۷۔ ۸۔ ۹۔ بیّنہ ۱۔
خدا کے احسان اور ناشکری انسان۔ بقرہ ۲۶۔ تین ۱۔ بنی اسرائیل ۷۔
نحل ۱۔ ابراہیم ۵۔ لقمان ۳۔ فرقان ۵۔ عادیات ۱۔ عصر ۱۔ بنی اسرائیل ۹۔
روم ۴۔ سبا ۲۔ حجر ۱۔ حج ۲۔
ظالم کی حمایت کی ممانعت۔ ہود ۱۰۔
رشوت اور ناحق مال کھا جانے کی ممانعت۔ آل عمران ۸۔ مائدہ ۶۔
۹۔ بقرہ ۲۳۔ نساء ۵۔
بیاج لینا حرام ہے۔ بقرہ ۳۸۔ آل عمران ۱۴۔ روم ۴۔
آدابِ مجلس۔ مجادلہ ۲۔
آدابِ مناظرہ۔ نحل ۱۶۔ عنکبوت ۵۔
کھانا کھانا۔ نور ۸۔
زنا و لواطت کی ممانعت۔ بنی اسرائیل ۳۔ نساء ۳۔ نور ۳ و ۱/۲۔
واعظ باعمل ہونا چاہیے۔ صف ۱۔ بقرہ ۵۔
خدا کی محبت۔ بقرہ ۲۰۔ ۲۵۔ مائدہ ۸۔ آل عمران ۴۔
نصرتِ دین۔ محمد ۱۔ روم ۵۔ مجادلہ ۳۔ انفال ۱۔ بقرہ ۳۶۔ یونس ۸۔
مائدہ ۶۔ آل عمران ۱۷۔ حج ۶۔
دنیا کی اقبالمندی مقبولیت کا نشان نہیں۔ مومن ۹۔ انعام ۱۔ توبہ ۷۔
بقرہ ۳۰۔ ن ۱۔ اعلیٰ ۱۔ شعراء ۷۔ بنی اسرائیل ۲۔ اعراف ۲۳۔
حلال و حرام کا حکم۔ بقرہ ۲۱۔ مائدہ ۱۔ ۱۲۔ ۱۴۔ انعام ۱۴۔ ۱۶۔
۱۷۔ نحل ۱۵۔
علمِ دین مت چھپاؤ۔ بقرہ ۱۹۔ ۳۱۔
نجات۔ بقرہ ۱۔ ۴۔ ۹۔ ۱۳۔ ۱۹۔ ۲۲۔ ۳۷۔ ۳۸۔ عمران ۴۔ ۱۹۔ انعام ۹

نساء ۸ - ۱۸ - ۱ - ۲۴ - مائدہ ۹ - ۱۱ - ۱۲ - اعراف ۵ - ۱۹ - ہود - ۳ - ۱۰ - یونس
۱ - ۳ - ۶ - کہف ۴ - ۱۲ - فرقان ۶ - قصص ۷ - عنکبوت ۱ - ۶ - لقمان ۱ -
سجدہ ۲ - سبا ۱ - ۵ - فصلت ۱ - شوریٰ ۳ - جاثیہ ۴ - احقاف ۲ -
محمد ۱ - ۲ - تغابن ۱ - طلاق ۲ - رعد ۲ - ۳ - ابراہیم ۴ - نمل ۳ - طٰہٰ ۳ -
حج ۲ - ۷ - مومنون ۱ - مومن ۵ - نجم ۳ - مدثر ۲ - نازعات ۲ - انشقاق ۱ -
بروج ۱ - لیل ۱ - طور ۱ - بینہ ۱ - عصر ۱ - صف ۲ - صافات ۲ - نور ۳ - زمر ۴ - ۶

آخرت میں اس زمین و آسمان کا بدل جانا - ابراہیم ۷ -

حوض کوثر - کوثر ۱ -

روز آخرت کی مقدار - معارج ۱ -

نیکوں کو دائیں اور بدوں کو بائیں ہاتھ اعمالنامہ ملیگا - انشقاق ۱ -

اعضا کا بنیاد بداعمال پر گواہی دینا - زمر ۷ - حم سجدہ ۳ -

خدا کا دیدار دنیا میں نہیں آخرت میں ہوگا - انعام ۱۳ - اعراف ۱۷ - قیامہ

روز قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا - اعراف ۲۳ - لقمان ۴ -

بعث اور اسکا ثبوت - حج ۱ - ق ۱ - روم ۳ - ۴ - ۵ - بقرہ ۴ - نساء ۱۲ - یونس ۱
ہود ۱ - رعد ۱ - نحل ۱۱ - بنی اسرائیل ۵ - مریم ۵ - مومنون ۳ - نمل ۳ - سجدہ ۱ - لقمان
۳ - سبا ۱ - ۳ - جاثیہ ۳ - ۴ - یٰس ۵ - مومن ۶ - احقاف ۴ - نوح ۱ -
حم سجدہ ۵ - قیامت ۲ - اعراف ۳ -

ایمان یاس مقبول نہیں - مومن ۹ -

علیین اور سجین کا ذکر - تطفیف ۱ -

منکر نکیر عذاب قبر عالم برزخ کا ذکر - ابراہیم ۴ - مومن ۵ - مومنون ۶ -

آثار محشر - زخرف ۱ - کہف ۱۱ - انبیاء ۷ - انعام ۲۰ - دخان ۱ - نحل ۶ -

صور پھونکے جانے کا ذکر - ق ۳ - زمر ۷ - مدثر ۱ - نجم ۱ - نمل ۷ - مومنون ۶ -

سورۃ قیامت - زلزال ۱ - انفطار ۱ - تکویر ۱ - حاقہ ۱ - قارعہ ۱ - عبس ۱ - آخر

قمر ۳ - جاثیہ ۴ - دخان ۲ - روم ۶ - فرقان ۳ - زمر ۷ - معارج ۱ - مرسلات ۱ - قیامت ۱ -

اعمال کا تلنا - انبیاء ۴ - اعراف ۱ -

پلصراط پر چلنا - حدید ۲ -

شفاعت کا ذکر - بقرہ ۶ - ۳۴ - طٰہٰ ۶ - مومن ۲ - نجم ۲ - انبیاء ۲ - زمر ۲ - ۵ - مدثر ۳ - مریم ۶ - نبا ۲ - سبا ۳ - بنی اسرائیل ۹ - والفتح ۱ -

بہشت کا ذکر - بقرہ ۳ - اعراف ۴ - محمد ۲ - کہف ۱۲ - والصافات ۲ - ص ۲ - طور ۱ - رحمان ۳ - واقعہ ۱ - دہر ۱ - نبا ۲ - تطفیف ۱ - غاشیہ ۱ - زمر ۸ - حج ۲ - اعراف ۵ - فاطر ۴ - توبہ ۹ - سجدہ ۲ - حجر ۴ - زخرف ۷ -

دوزخ کا ذکر - بقرہ ۳ - نساء ۸ - اعراف ۵ - ۶ - ابراہیم ۳ - ۷ - مریم ۵ - انبیاء ۷ - فاطر ۴ - زمر ۸ - دخان ۳ - صافات ۲ - ق ۲ - رحمان ۲ - شعراء ۵ - حاقہ ۱ - مدثر ۱ - دہر ۱ - نبا ۱ - غاشیہ ۱ - فجر ۱ - حجر ۳ - زخرف ۷ -

اعراف کا ذکر - اعراف ۵ - ۶ -

قرآنی دعائیں - بقرہ ۱۵ - ۲۵ - ۳۳ - ۴۰ - آل عمران ۱ - ۵ - ۱۵ - ۲۰ - فرقان ۶ - ابراہیم ۶ - مائدہ ۱۱ - ۱۵ - بنی اسرائیل ۴ - مومنون ۶ - اعراف ۲ - شعراء ۳ - مومن ۱ - حشر ۱ - ممتحنہ ۱ - تحریم ۲ - کہف ۱ - اعراف ۱۱ - ۱۴ - ۱۹ - یونس ۹ - ہود ۴ - یوسف ۱۱ - انبیاء ۶ - احقاف ۲ -

قسم دوم - معاملات - تمدن و معاشرت

احکام ہجرت - نساء ۱۴ - نحل ۶ - ممتحنہ ۲ -

جہاد کا اصول - بقرہ ۲۴ - حج ۶ -

جہاد کے احکام - بقرہ ۱۹ - ۲۴ - ۲۶ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - آل عمران ۱۴ - ۱۶ - نساء ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - انفال - توبہ - ہر دو صورتہ - نحل ۱۴ - حج ۶ - محمد ۱ - صف ۱ - ۲ -

خمس کا حکم۔ انفال ۵۔
فے کا حکم۔ حشر ا۔
حکم جواز خطبہ (منگنی) بقرہ ۳۰۔
احکام نکاح۔ نساء ا۔ ۴۔ مائدہ ا۔ نور ۴۔ احزاب ۵۔ ۶۔
محرمات نکاح۔ نساء ۴۔
مشرکہ مرد اور عورت سے نکاح کی ممانعت۔ بقرہ ۲۷۔
مومن زانیہ سے نکاح نہ کرے۔ نور ا۔
احکام مہر۔ نور ا۔ بقرہ ۳۱۔ نساء ا۔ ۴۔ احزاب ۶۔
احکام مباشرت۔ بقرہ ۲۳۔ ۲۸۔
مکاتبہ کا حکم۔ نور ۴۔
عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم۔ نساء ۳۔ ۶۔ ۱۹۔
رضاعت کے احکام۔ بقرہ ۳۰۔ احقاف ۲۔
طلاق اور رجعت اور خلع کے احکام۔ بقرہ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔
نساء ۳۔ طلاق ا۔
احکام عدت۔ بقرہ ۲۸۔ ۳۰۔ احزاب ۶۔ طلاق ا۔
ظہار کا حکم۔ مجادلہ ا۔
احکام وصیت۔ بقرہ ۲۲۔ ۳۱۔
ترکہ اور میراث کے احکام۔ نساء ا۔ ۲۔ ۵۔ ۲۴۔ انفال ۱۰۔ احزاب ا۔
اسلام میں متبنے کا عدم جواز۔ احزاب ا۔
عورتوں کو زیور پہننے کا جواز۔ نحل ۲۔
حلت بیع و تجارت۔ بقرہ ۳۸۔ ۳۹۔ نساء ۵۔
قرض اور رہن وغیرہ کے احکام۔ بقرہ ۳۸۔ ۳۹۔
مفلس قرضدار کو مہلت دینا۔ بقرہ ۳۸۔

قرضِ حسنہ - بقرہ ۳۲ - تغابن ۲ -

قسم کے احکام - بقرہ ۲۸ - مائدہ ۱۲ - نحل ۱۳ - تحریم ۱ -

گواہی کے احکام - بقرہ ۳۹ - نساء ۲۰ - مائدہ ۱۴ - نور ۲ - طلاق ۱ -

ظلم کی ممانعت - نساء ۵ - مائدہ ۷ - انعام ۵ - اعراف ۵ - ہود ۲ - ۱۰ - یوسف ۴ - ابراہیم ۴ - طٰہٰ ۶ - حج ۷ - ۹ - فرقان ۲ - ۴ - نمل ۲ - مومن ۲ - ۱۴ - شوریٰ ۵ - دہر ۲ -

قصاص وغیرہ کے احکام - بقرہ ۲۲ - نساء ۱۳ - مائدہ ۷ - انعام ۱۹ - بنی اسرائیل ۴ -

خودکشی کی ممانعت - بقرہ ۲۴ - نساء ۵ -

حد ڈکیتی و رہزنی - مائدہ ۵ -

چوری کی سزا - مائدہ ۶ -

زنا کی سزا - نور ۱ - نساء ۳ - ۴ -

قذف (تہمت زنا) کی حد - نور ۱ - ۳ - احزاب ۷ -

قسم سوم - قصص و امثال انبیاءِ سابقین

حضرت آدمؑ و حوا کا ذکر اور آدمی کی پیدائش - بقرہ ۴ - عمران ۶ - حجر ۳ - حج ۱ - مومنون ۱ - سجدہ ۱ - فاطر ۲ - مومن ۷ - حجرات ۲ - قمر ۱ - قیامت ۲ - دہر ۱ - عبس ۱ - علق ۱ - اعراف ۲ - ۳ - ۲۲ - بنی اسرائیل ۷ - طٰہٰ ۷ - انبیاء ۳ - یٰسٓ ۴ - ص ۵ -

حضرت ادریسؑ - مریم ۴ - انبیاء ۶ -

حضرت نوحؑ - اعراف ۸ - ہود ۳ - ۴ - بنی اسرائیل ۱ - شعراء ۶ - ۸ - نوح ۱ - مومنون ۲ - قمر ۱ - فرقان ۴ - صافات ۳ - نجم ۳ - انبیاء ۶ - عنکبوت ۲ - تحریم ۲ - حاقہ ۱ -

حضرت ہودؑ - اعراف ۹ - ہود ۵ - ۱۲ - شعراء ۷ - عنکبوت ۴ - حٰم سجدہ ۲ -

ذاریات ۳ - نجم ۳ - قمر ا - حاقہ ا - احقاف ۳ -

حضرت صالحؑ اور قوم ثمود کا ذکر - اعراف ۱۰ - ہود ۶ - شعراء ۸ - نمل ۴ - حجر ۶ - بنی اسرائیل ۶ - عنکبوت ۴ - حم سجدہ ۲ - ذاریات ۳ - قمر ۲ - حاقہ ۱ - فجر - شمس ۱ -

حضرت ابراہیمؑ - نساء ۸ - ۱۸ - مریم ۳ - اعلیٰ ۱ - عمران ۱۰ - بقرہ ۱۵ - ۱۶ - انبیاء ۵ - شعراء ۵ - عنکبوت ۲ - ۳ - ۴ - صافات ۳ - زخرف ۳ - ہود ۷ - حجر ۴ - ذاریات ۲ - ابراہیمؑ ۶ - ممتحنہ ۱۱ - توبہ ۱۴ -

حضرت لوطؑ - اعراف ۱۰ - انبیاء ۵ - نمل ۴ - شعراء ۹ - عنکبوت ۳ - ۴ - ہود ۷ - حجر ۴ - ۵ - قمر ۳ - ذاریات ۲ - صافات ۴ - تحریم ۲ -

حضرت اسمٰعیلؑ - بقرہ ۱۶ - مریم ۳ - انبیاء ۶ -

حضرت اسحٰقؑ - بقرہ ۱۶ - مریم ۴ -

حضرت یعقوبؑ - سورۂ یوسف اکثر اور بقرہ ۱۶ - نساء ۲۴ -

حضرت یوسفؑ - سورۂ یوسف کل - مومن ۴ -

حضرت ایوبؑ - انبیاء ۶ - ص ۴ -

حضرت شعیبؑ - اعراف ۱۱ - ہود ۸ - ۹ - عنکبوت ۴ - حجر ۵ - شعراء ۱۰ -

حضرت موسےٰؑ - بقرہ ۴ - ۶ - ۱۱ - نساء ۲۲ - انعام ۱۹ - مائدہ ۴ - اعراف ۱۳ تا ۱۹ - یونس ۸ - ۹ - ہود ۱۰ - ابراہیمؑ ۱ - بنی اسرائیل ۱ - ۱۲ - کہف (موسیٰ اور خضر کی ملاقات) ۹ - ۱۰ - مریم ۴ - طٰہٰ ۱ - ۲ - ۳ - انبیاء ۴ - مومنون ۳ - فرقان ۴ - شعراء ۲ - ۳ - ۴ - نمل ۱ - قصص ۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - عنکبوت ۴ - صافات ۴ - مومن ۳ - ۵ - حم سجدہ ۶ - زخرف ۵ - دخان ۱ - ذاریات ۲ - صف ۱ - نازعات ۱ -

حضرت یوشعؑ و کالب کا ذکر - مائدہ ۴ -

حضرت موسےٰؑ و خضرؑ کی ملاقات - کہف ۹ - ۱۰ -

حضرت الیاسؑ۔ صافات ۴۔

حضرت الیسعؑ۔ انعام ۱۰۔

حضرت شمویلؑ۔ بقرہ ۳۲-۳۳۔

حضرت داؤدؑ۔ بقرہ ۳۳۔ بنی اسرائیل ۶۔ سبا ۲۔ ص ۲۔ نمل ۲۔

حضرت سلیمانؑ۔ ص ۳۔ نمل ۲-۳۔ سبا ۲۔ انبیاء ۶۔

حضرت یونسؑ یا ذوالنونؑ۔ یونس ۱۰۔ صافات ۵۔ قلم ۱۔ انبیاء ۶۔ نساء ۲۔

حضرت ذکریاؑ۔ عمران ۴۔ مریم ۱۔

حضرت یحییٰؑ۔ عمران ۴۔ مریم ۱۔

حضرت مریمؑ۔ عمران ۴-۵۔ تحریم ۲۔ مریم ۲۔ انبیاء ۶۔ نساء ۲۳۔ مائدہ ۱۶۔

حضرت عیسیٰؑ۔ بقرہ ۱۱-۳۲۔ عمران ۴-۵-۶۔ نساء ۲۲-۲۳-۲۴۔ زخرف ۶۔ مریم ۲۔ مائدہ ۳-۷-۱۰-۱۵-۱۶۔ صف ۱-۲۔ حدید ۴۔ مومنون ۳۔ یٰس ۲۔ انبیاء ۶۔

دوسرے مشہور واقعات کا ذکر

اصحاب کہف کا ذکر۔ کہف ۱-۲۔

خندق والوں کا ذکر۔ بروج ۱۔

ذوالقرنین کا ذکر۔ کہف ۱۱۔

تبعؑ کا ذکر۔ دخان ۲۔ ذوالکفل انعام ۱۰۔

عزیز نبی کا ذکر۔ بقرہ ۳۵۔ توبہ ۵۔

حکیم لقمان کا ذکر۔ سورۂ لقمان ۲۔

یاجوج ماجوج کا ذکر۔ کہف ۱۱۔ عنکبوت ۱۷۔

ہابیل قابیل۔ مائدہ ۵۔

قارون کا ذکر۔ قصص ۸۔ عنکبوت ۴۔

ہامان کا ذکر قصص ۱-۴

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر

آنحضرتؐ ابراہیمؑ کی دعا ہیں۔ بقرہ ۵ (پیدائش ۱۷ باب ۲۱)
حضرت موسیٰؑ کی مثیل ہیں۔ مزمل ۱ (استثناء ۱۸ باب ۱۸)
حضرت عیسےٰؑ کی بشارت ہیں۔ صف (یوحنا ۱۶ باب ۱۴)

آنحضرتؐ کا ذکر نصارے و یہود توریت و انجیل میں پاتے ہیں

اعراف ۹-۲۰- (حجی ۲ باب ۷) (۵۰ زبور ۲)- (یسعیاہ ۲۵ ۴ باب ۱۰-۱۴)
(یوحنا ۱- باب ۲۱)

آنحضرتؐ کو اہل کتاب بیٹوں کی مانند پہچانتے ہیں۔ بقرہ ۱۷-
آنحضرتؐ نبی اُمی ہیں۔ اعراف ۱۹- جمعہ ۱ شوراے ۵ عنکبوت ۵-
آنحضرتؐ ساری دنیا کے نبی ہیں۔ اعراف ۲۰-
آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں۔ احزاب ۵-
آنحضرتؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ انبیاء ۷ا-
آنحضرتؐ مومنوں پر رؤف و رحیم ہیں۔ توبہ ۱۶-
خلق عظیم پر مخلوق ہیں۔ قلم ۱-
آنحضرتؐ کی خطائے بشری اللہ تعالےٰ بخش چکا ہے۔ فتح ۱-
آنحضرتؐ جن و بشر کے رسول ہیں۔ (احقاف اور جن)
آنحضرتؐ بشیر و نذیر ہیں۔ بقرہ ۶- ہود ۱- فرقان ۵- فتح ۱- مائدہ ۳ بنی اسرائیل ۲- رعد ۱- حجر ۱- حج ۷- یٰس ۱- ص ۳-۴-۶- احقاف ۱- ذاریات ۳- نجم ۲- ملک ۲- نازعات ۲-
آنحضرتؐ کو خلعت نبوت عطا ہونا۔ علق ۱- مدثر ۱-
آنحضرتؐ کا کام تبلیغ ہے جبر نہیں۔ بقرہ ۳۴- عمران ۲- نساء ۱۱- مائدہ ۱۰-۱۲-۱۳- اعراف ۱- رعد ۴-۶- نحل ۱۱- ق ۳- زمر ۷- احزاب ۶- نحل ۲

آنحضرتؐ کے معجزات کا ذکر

معجزۂ فصاحتِ قرآن جو قیامت تک قائم ہے۔ بقرہ ۲۔ یونس ۴۔ بنی اسرائیل
۱۰۔ وغیرہ (۵۴ زبور ۳)
معجزۂ شق القمر۔ قمر ۱۔ (۵۴ زبور ۵) یسعیاہ ۴۳ ۲۔ باب ۳۰۔
معجزۂ معراج۔ بنی اسرائیل ۱۔ نجم ۱۔
آنحضرتؐ کے داہنے ہاتھ کا حیرتناک کام دکھانے کا معجزہ۔ انفال ۲
(۴۵۔ زبور ۵)
مطلق معجزات کا ذکر۔ عمران ۹۔ قمر ۱۔
نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ کا معجزہ۔ عمران ۷۔ (اعمال ۵
باب ۲۹ و ۲۳ باب ۹)
یہود کے ساتھ مباہلہ کا معجزہ۔ بقرہ ۱۱۔ جمعہ ۱۔ (یسعیاہ ۲۸ باب ۱۸)

آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں

قتل سے بچنے کی پیشین گوئی۔ مائدہ ۱۰۔ بروفق بشارت استثناء
۱۸۔ باب ۲۱ کے۔
قرآن شریف کے مثل قیامت تک نہ لا سکنے کی پیشین گوئی۔ (لا یاتون بمثلہ) بقرہ ۳۔ بنی اسرائیل ۱۰۔
فتح روم کی بابت پیشین گوئی جس میں فتح بدر کی بشارت بھی شامل ہے۔ روم ۱۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے غلبہ کی پیشین گوئی تمام ادیان پر۔ فتح ۴۔ توبہ ۵۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں تشریف لانے کی پیشین گوئی۔ فتح ۴۔

آنحضرت ؐ کے بعد صحابہؓ کو خلافت ملنے کی پیشین گوئی۔ نور۔
نبی اسمٰعیل کو وعدہ کی زمین (کنعان) ملنے کی پیشین گوئی۔ نبیاء،
(۱۷ پیدائش ۹) (زبور ۱)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرکار تمام کفار پر غالب آنے
کی پیشین گوئی جو قرآن شریف میں ہزار جگہ پر ہے۔
تسہیل ناظرین کے لئے مختصر فہرست پارہ و سورۃ ہائے قرآن کی بھی
درج کردی جاتی ہے تاکہ کسی مضمون کے نکالنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

نام پارہ	نام سورۃ
الم ۱	بقرہ۔
سیقول ۲	"
تلک الرسل ۳	آلِ عمران۔
لن تنالوا ۴	النساء۔
والمحصنات ۵	"
لا یحب اللہ ۶	المائدہ۔
واذا سمعوا ۷	الانعام۔
ولو اننا ۸	الاعراف۔
قال الملاء ۹	الانفال۔
واعلموا ۱۰	التوبۃ
یعتذرون ۱۱	یونس۔ ہود۔
ومامن دابۃ ۱۲	یوسف۔
وما ابری ۱۳	الرعد۔ ابراہیم۔
ربما ۱۴	الحجر۔ النحل

نام پارہ	نام سورۃ
سبحٰن الذی ۱۵	بنی اسرائیل - الکہف -
قال الم اقل ۱۶	مریم - طٰہٰ -
اقترب ۱۷	الانبیاء - الحج -
قد افلح ۱۸	المومنون - النور - الفرقان -
وقال الذین ۱۹	الشعراء - النمل -
امن خلق ۲۰	القصص - العنکبوت -
اتل ما اوحی ۲۱	الروم - لقمان - السجدہ - الاحزاب -
ومن یقنت ۲۲	السبا - فاطر - یٰس -
ومالی ۲۳	والصّٰفّٰت - صٓ - الزمر -
فمن اظلم ۲۴	المومن - حٰم السجدہ -
الیہ یرد ۲۵	شوریٰ - زخرف - دخان - جاثیہ -
حٰم ۲۶	احقاف - محمد - فتح - حجرات - ق - ذاریات -
قال فما خطبکم ۲۷	طور - نجم - قمر - رحمٰن - واقعہ - حدید -
قد سمع اللہ ۲۸	مجادلہ - حشر - ممتحنہ - صف - جمعہ - منافقون - تغابن - طلاق - تحریم
تبارک الذی ۲۹	ملک - قلم - حاقہ - معارج - نوح - جن - مزمل - مدثر - قیامہ - دہر -
عم ۳۰	نبا - نازعات - عبس - تکویر - انفطار - تطفیف - انشقاق - بروج
"	طارق - اعلیٰ - غاشیہ - فجر - بلد - شمس - لیل - ضحیٰ - انشراح
"	تین - علق - قدر - زلزال - عادیات - قارعہ - تکاثر - عصر - ہمزہ
"	فیل - قریش - ماعون - کوثر - کافرون - نصر - لہب - اخلاص
"	فلق - ناس -

یہ تو مضامین قرآن کی فہرست تھی - جس کے دیکھنے کے بعد غالباً

ہر ایک ذی شعور انسان خود ہی قائل ہو جاسکے گا کہ مذہب اسلام کیسا کچھ جامع و مانع اور کلیات کیساتھ جزویات پر بھی حاوی و محیط ہے۔ اسکے بعد ہم ایک صحیح حدیث جناب رسول خدا صلعم کی درج کیجاتی ہے یعنی ان احکام کا خلاصہ ہے کہ آپنے اسلامیت کی جو معیار مقرر فرمائی ہے وہ اس سے ظاہر ہوگی اور دیکھنے والے دیکھ لینگے کہ کیا باعتبار عبادت و طہارت کے اور کیا باعتبار ہمدردی و ملائمت کے اور کیا باعتبار صداقت و امانت کے اسلام کیا کچھ مکمل و اکمل مذہب ہے وہ حدیث یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (۱) ان تؤمن باللہ (۲) والیوم الآخر (۳) والملئکۃ (۴) والکتب (۵) والنبیین (۶) والبعث بعد الموت (۷) والقدر خیرہ وشرہ من اللہ (۸) وان تشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ (۹) و تقیم الصلوۃ بوضوء سابغ بوقتہا (۱۰) وتؤتی الزکوۃ (۱۱) وتصوم رمضان (۱۲) وتحج البیت ان کان لک مال (۱۳) وتصلی سبعۃ عشرۃ رکعۃ فی کل یوم ولیلۃ

فرمایا پیغمبر خدا نے رحمت اللہ کی نازل ہو انپر اور سلام (۱) یہ کہ خدا پر ایمان لاؤ (۲) اور روز آخرت پر ایمان لاؤ (۳) اور فرشتوں پر ایمان لاؤ (۴) اور آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ (۵) اور پیغمبروں پر ایمان لاؤ (۶) اور مرنے کے پیچھے اٹھنے پر ایمان لاؤ (۷) اور جس اندازہ سے بھلائی اور برائی آسکو پہنچتی ہے وُہ خدا کیطرف سے ہے (۸) اور گواہی دو اسکی کہ کوئی معبود اسکے سوا نہیں اور بیشک محمد اسکے رسول ہیں (۹) نماز کامل طور سے پورے وضو کے ساتھ وقت پر ادا کرو (۱۰) اور زکوٰۃ دو (۱۱) اور رمضان کے روزے رکھو (۱۲) اور مالدار ہو تو حج کعبہ کا کرنا (۱۳) اور سترہ رکعتیں رات دن میں پڑھو۔

(۱۴) والوتر لا تترکہ فی کل
لیلۃ (۱۵) ولا تشرك بالله شيئاً
(۱۶) ولا تعقن والديك (۱۷)
ولا تاكل مال اليتيم ظلماً (۱۸)
ولا تشرب الخمور (۱۹) ولا تزنی
(۲۰) ولا تحلف بالله كاذباً (۲۱)
ولا تشهد شهادة الزور (۲۲)
ولا تعمل بالهواء (۲۳) ولا تغتب
اخاك المسلم (۲۴) ولا تقذف
المحصنت (۲۵) ولا تغل لاخاك
المسلم (۲۶) ولا تلعب (۲۷)
ولا تله مع اللاهين (۲۸) ولا
تقل للقصير يا قصير تريد
بذالك عيبه (۲۹) ولا تسخر
باحد من الناس (۳۰) ولا
تمش بالنميمة بين الاخوين (۳۱)
والشكر الله تعالى على النعمة
(۳۲) وتصبر على البلاء والمصيبة
(۳۳) ولا تامن من عقاب الله
(۳۴) ولا تقطع اقربائك (۳۵)
وصل اقربائك (۳۶) ولا تلعن
احداً من خلق الله (۳۷) و
اكثر من التسبيح والتحميد والتكبير

(۱۴) اور وتر کو کسی رات ترک
نہ کرو (۱۵) اور خدا کے ساتھ کسی
طرح کا شرک نہ کرو (۱۶) اور ماں باپ کی
نافرمانی نہ کرو (۱۷) اور مال یتیم کا غصب کر کے
نہ کھاؤ (۱۸) اور شراب اور نشہ نہ پیو (۱۹)
اور زنا نہ کرو (۲۰) اور خدا کی جھوٹی قسم نہ کھاؤ
(۲۱) اور جھوٹی گواہی نہ دو (۲۲) اور
بیجا خواہش نفسانی پر عمل نہ کرو (۲۳) اور
اپنے بھائی مسلمان کی غیبت نہ کرو (۲۴) اور
نیک عورت کو زناکار نہ کہو (۲۵) اور اپنے مسلمان
بھائی کے مال کی خیانت نہ کرو (۲۶) اور کوئی بازی
نہ کھیلو (۲۷) اور کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل کود نہ کرو (۲۸)
اور پستہ قد کو عیب لگانے کے ارادہ سے چھوٹا
نہ کہو (۲۹) اور کسی آدمی سے مسخراپن
نہ کرو (۳۰) اور دو آدمیوں میں
چغلی نہ کھاؤ (۳۱) اور شکر کرو
خدا تعالے کا اس کی نعمتوں پر
(۳۲) اور بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرو
(۳۳) اور غضب الہی سے ڈرتے رہو
(۳۴) اور نزدیک والوں کو نہ چھوڑو (۳۵)
اور اپنے رشتہ داروں سے ملتے رہو (۳۶) اور خدا کی
خلقت میں کسی پر لعنت نہ بھیجو (۳۷) اور
سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر اور لا الہ

والتہلیل (۳۸) ولا تدع حضور الجمعۃ والعیدین (۳۹) و اعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطیک وما اخطاک لم یکن لیصیبک (۴۰) ولا تدع قراءۃ القرآن علی کل حال۔	الا اللہ زیادہ کیا کرو (۳۸) اور جمعہ اور عیدین کی حاضری نہ چھوڑو (۳۹) اور یقین کے ساتھ جاننا کہ جو ہونی ہے وہ ٹلتی نہیں اور اَن ہونی ہوتی نہیں (۴۰) اور قرآن کا پڑھنا کسی حال میں نہ چھوڑو۔

یہ ایک مختصر نمونہ ہے احکام اسلامی کا اور جسکی نسبت اگر یہ دعوے کیا جائے کہ کسی بھی دوسرے مذہب کی بنیاد ایسے حکیمانہ اصول پر دکھائی نہیں دیتی تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ مذہب کا کام صرف نیکی کی تلقین کرنا ہی نہیں۔ بلکہ اُن نیکیوں کا سکھلانا ہے جو قابلِ عمل اور لایقِ رواج ہوں اور اسی لحاظ سے یہ کہنا کہ اسلام نے ہی وہ نیک تعلیم دی ہے۔ جو قابلِ عمل ہو۔ کچھ نا واجب نہ ہوگا۔
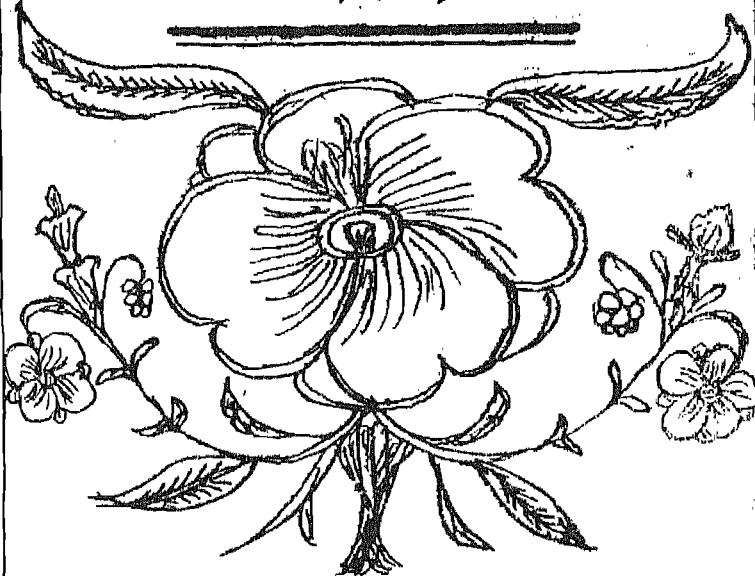
ملک عرب کا مختصر حال

تاریخی واقعات کے شروع کرنے سے پہلے غالباً دنیا کا نقشہ اور بالخصوص عرب کے نقشہ اور جغرافیہ کا مختصر طور پر ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ واقعات اور مقامات کے سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

نقشہ دنیا کے متعلق اسقدر واقفیت کرا دینی اور بھی ضروری ہے کہ "دربار اسلام" کے لئے صرف پرانی دنیا کا نقشہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس وقت اسلام پیدا ہوا ہے بلکہ اس کے بہت عرصہ بعد بھی اس پرانی دنیا کا تمام تاریخوں اور صحف انبیاء میں مذکور ہے نئی دنیا یعنے امریکہ و آسٹریلیا کو دریافت ہوئے تو صرف تین ہی سو برس ہوئے ہیں۔ پس نئی دنیا کے مقامات کا دکھانا اس کتاب کے لئے کوئی ضرور نہیں۔ نئی دنیا کو کلمبس نامی ایک اولوالعزم ملاح زادے نے سنہ ۱۴۹۲ء میں دریافت کی تھی۔ جہاں کے باشندے بالکل وحشی اور انسانیت سے ناآشنا پائے گئے تھے۔ اب وہاں یورپ سے جا کر لوگ آباد ہوئے ہیں اور جو تھوڑے بہت پہلے باشندے تھے وہ بھی مہذب بنا دئے گئے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے پہلے وہاں کے لوگ ملقین روحانی اور تعلیم ملکوتی کے قابل ہی نہ تھے تو کچھ عجیب بات نہ ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسکے دریافت ہونے سے چند عرصہ ہی قبل وہاں انسانی آبادی ہوئی ہو۔ بہرحال اس سے اس کتاب کو کوئی بحث نہیں۔ اور نہ اسلام کے واقعات اور تعلیم کے لئے اس نئی دنیا کی واقفیت اور عدم واقفیت کا کچھ اثر پڑ سکتا ہے۔

پرانی دنیا میں ایشیا، یورپ اور افریقہ یہ تین براعظم شمار ہوتے ہیں۔ باقی اُسی کی اندرونی تقسیمیں ہیں۔ پرانی دنیا کے شمال میں ممالک روس اور سویڈن ناروے ہیں۔ جنوب میں بحر ہند۔ مشرق میں بحر الکاہل۔ اور مغرب میں بحر اوقیانوس۔

عرب اُس ملک کا نام ہے جو ایشیا کے مغرب میں واقع ہے۔ اس ملک کے شمال

طرف ایشیائی رُوم۔ جنوبی سمت بحیرہ عرب۔ مشرقی جانب خلیج فارس (جسکے خاور سمت ملکِ ایران ہے) اور مغربی صوب بحرِ قلزم ہے۔ جسکے باختر رُخ مصر وغیرہ بلاد ایا سینیا ممالک افریقہ ملتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عرب ایک جزیرہ نما ہے اور ملکِ شام (جسکو کنعان بھی کہا جاتا تھا۔ یا یہ کہ کنعان ایک قصبہ اسی کے ایک حصّہ میں تھا جو یعقوبؑ کا دارالخلافہ تھا) بھی عرب ہی کا ایک حصّہ ہے مگر شام کی اراضیات چونکہ قابلِ زراعت اور آباد ہونے کے لائق تھیں۔ اسلئے ابتدائی ایّام میں وُہ ملک زیادہ آسانی اور ہمواری سے آباد ہوا ہوگا۔ اور عرب بسبب ریگستان اور بیابان ہونے کے کم رونق اور کم آباد ہوا ہوگا۔ اسی لئے عرب اور شام کی تخصیص لوگوں میں ہوئی ہوگی۔ ورنہ ایک ہی ملک ہے جس میں نہ کوئی دریا اور نہ کوئی دوسری ایسی بیّن حدِ فاصل ہے جو ایک کو دوسرے سے علیحدہ دکھا سکے۔ بہرحال جو عرب اب شمار ہوتا ہے اُس کا طول پندرہ سو میل اور عرض قریب بارہ سو میل کے ہے اور اس میں بھی دو ٹکڑے ہیں۔ ایک یمن دوسرا حجاز۔ حجاز میں تہامہ۔ نجد اور یمامہ بھی شامل ہے۔ یمن کا دارالخلافہ صنعا ہے اور حجاز کا مکّہ معظمہ۔

مکّہ میں ہی وُہ مکان واقع ہے۔ جو کعبہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کو حضرت آدمؑ اور ابراہیمؑ اپنے وقتوں میں حج کے لئے بنا گئے ہیں (اس کا مفصّل بیان آگے کیا جائے گا) اسی جگہ جناب رسُولِ خدا محمّد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔

مکّہ کی زمین پتھریلی ہے اور اس کے اردگرد خشک پہاڑیاں واقع ہیں زمین ناقابلِ زراعت اور پرلے درجہ کی خشک ہے کھیتی باڑی بالکل نہیں ہوتی۔ طائف نام ایک قصبہ مکّہ سے ستّر میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ جہاں کی زمین سرسبز اور قابلِ زراعت اور بارآور ہے۔ مکّہ کی ضروریات کے لئے بھی وہیں سے غلّہ اور بقولات وغیرہ آتے ہیں۔ مکّہ کی آبادی طولاً دو میل اور عرضاً ایک میل ہے۔ صفا

اور مروہ دو پہاڑیاں بھی یہیں واقع ہیں۔ جہاں دوڑنا ارکانِ حج میں داخل ہے
کنواں صرف ایک ہے جو زمزم کے نام سے مشہور ہے اور اس کا پانی متبرک سمجھ کر جو خوش
اعتقاد مسلمان دُور دُور لے جاتے ہیں۔ اور اس میں واقعی یہ تاثیر ہے کہ بگڑتا
نہیں۔ پہلے مکہ میں یہی ایک چشمہ تھا۔ بلکہ مکہ کی آبادی کا باعث یہی اس کو سمجھنا چاہئے
اگر رحمتِ الٰہی اس چشمہ کو نہ کھول دیتی۔ تو مکہ کا آباد ہونا مشکل تھا کیونکہ تمام
عرب میں پانی کا قحط تھا۔ لیکن اب وہ صورت نہیں ہے اور ایک عمدہ نہر
سلطان سلیمان مرحوم والیِ ترکی کی والدہ کی بنوائی ہوئی موجود ہے۔ اور بہت افراط
سے پانی بہم پہنچاتی ہے۔ نیز ایک نہر المقتدر خلیفہ خاندانِ عباسیہ کی بھی بنوائی
ہوئی جاری ہے جس سے اب مکہ معظمہ بالکل پانی کی طرف سے سیراب ہو گیا ہے۔

مکہ سے مدینہ بارہ منزل یعنے دو سو ستر میل کے فاصلہ پر ایک عمدہ اور آباد
شہر ہے۔ جہاں زراعت اور دستکاری وغیرہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ یہ خوش نما مقام
بھی عرب میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اور اب تو اس سے مسلمانوں کو ایک
خاص محبت اور دلبستگی کی وجہ بھی ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں جنابِ رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کے ہاتھوں تنگ ہو کر بحکم الٰہی مدینہ میں ہی
اقامت اختیار فرمائی تھی۔ جہاں بعد انتقال تک رونق بخش رہے اور وہیں
روضۂ مبارک بنایا گیا۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد بھی خلفائے راشدین یعنی
تین صاحبوں یعنے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کا دار الخلافہ مدینہ ہی
تھا اور ان کے مزارات پر انوار بھی اسی جگہ بنائے گئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق
عتیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابر تو حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں ہی موجود ہیں۔ اور حضرت عثمان اور امام
حسن اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مزار بھی روضہ
رسول صلعم کے پاس جنت البقیع میں الگ الگ بنے ہوئے ہیں۔ اور تقریباً
ہر ایک مسلمان جو حج بیت اللہ کے لئے مکہ جاتا ہے۔ مدینہ منورہ میں جا کر رسول

منوّرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک اور دوسرے بزرگانِ دین کی مزارات کی زیارت سے بھی نذر و مشرف ہوتا ہے اس سے اور بھی اس شہر کی رونق بڑھ گئی ہے اور کئی لوگ ہجرت کر کے بھی وہاں جا رہتے ہیں۔ غرضکہ جو کشش اور محبت ایک دارالخلافہ کی ہونی چاہیئے وہ اب تک مدینہ کو حاصل ہے۔

عرب کے واسطے آمد و رفت اور تجارت کے لئے جدّہ اور ینبوعہ کے دو بندر ہیں جدّہ مکّہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور ینبوعہ سے مدینہ پانچ منزل کی راہ ہے یہی دو بندر عرب کی تجارت کا مرکز ہیں۔

شام اور مصر دونوں عرب کے ہمسایہ اور متصلہ ممالک ہیں۔ شام تو جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے عرب کا ہی ایک حصّہ ہے۔ جو صرف آبادی اور سرسبزی کے باعث علیحدہ شمار ہونے لگا۔ علیٰ ہذہ مصر بھی عرب کا قریبی ہمسایہ ہے جو زیادہ آباد اور زرخیز ہے۔ اور اسی وجہ سے اس پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی بادشاہ بھی رہا ہے۔ اور تکلفات بھی موجود رہے ہیں۔ بہرحال عرب کی تجارت انہیں ممالک سے پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔

عرب کی وجہ تسمیہ کی نسبت مورخوں کا خیال ہے۔ کہ یہ یعرب بن قحطان کے نام پر نامزد ہوا ہے۔ قحطان عامر بادشاہ کے بیٹے کا نام تھا۔ جو یمن اور اس کے جنوبی حصّہ ملحقہ سمندر کا حکمران تھا۔ یہ خاندان تقریباً تین ہزار برس تک مختلف حیثیتوں سے اس ملک پر حکمران رہا ہے۔ یعرب کا بیٹا یشجب[۱] نام ہوا ہے۔ جس کے

---

[۱] یشجب کا ہی لقب بعض کے نزدیک سبا تھا۔ جس کا قرآن شریف میں مذکور ہے بلقیس جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آ کر آپ کی زوجیت سے مشرف ہوئی تھی۔ اسی قوم کی آخری فرمانروا تھی۔ اور ذوالقرنین (سکندر بن فیلقوس مقدونیا کا باشندہ تھا۔ اور عام لوگوں نے جو اسے ذوالقرنین سمجھا ہے یہ صحیح نہیں) بھی اسی سبا کا پڑوتا تھا۔ جس نے اپنے وقت میں ایک عالیشان بند تیار کیا تھا کہ برسات کا پانی تمام نالوں

دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چار لڑکے لخم۔ جذام۔ غسان۔ عاملہ تو ملک شام کی طرف جا آباد ہوئے۔ اور چھ یمن ہی میں رہ گئے۔ جن کے نام ہیں ازد۔ اشعر۔ حمیر۔ کندہ۔ مذحج۔ انمار۔ چنانچہ ہر ایک کی اولاد اپنے اپنے مورث اعلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اب تک وہی رعایت ملحوظ ہے۔ جناب سرور کائنات کی پیدائش سے ستر برس پہلے تک یمن میں خاندان بنی یعرب کی ہی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا اسی وجہ تسمیہ کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

عرب کے باشندے سکونت کے اعتبار سے تین مدارج میں شمار ہوتے ہیں۔ عرب قدیم۔ اصل عرب اور مستعربہ۔ عرب قدیم کا تو اب کوئی پتہ نہیں۔ غالباً یہ وہ لوگ تھے۔ جو اپنی نافرمانیوں کے باعث بعض انبیا کے وقت میں تباہ و برباد ہو گئے۔ مورخین نے عرب قدیم میں مندرجہ ذیل اقوام کو لکھا ہے۔ عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جادیس۔ جرہم اول۔ عمالقہ جن کا مختصر حال یہاں لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ عاد۔ یہ قوم عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کے نام سے مشہور تھی۔ جو عرب کے جنوبی حصہ میں بمقام احقاف حکمران تھی اور عمان حضر موت تک ان کے تحت میں تھا۔ شداد بادشاہ جس کا نام عام و خاص میں مشہور و معروف ہے اسی عاد کا بیٹا تھا۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ صدی۔ ہرد۔ ہباد۔ ان کے بتوں کے نام بتائے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسی قوم کی ہدایت کو ھود پیغمبر

(حاشیہ صفحہ ۷۴) اور بلند مقامات سے آکر اس میں جمع رہا کرے اور پھر اسی بند سے چھوٹی چھوٹی نہریں بنا دی تھیں کہ جس سے کھیتی باڑی نہایت عمدگی کے ساتھ سیراب ہوتی تھی۔ چنانچہ اُن دنوں یہ علاقہ ایک قطعہ گلزار بن گیا تھا مگر لوگوں نے ان آسائشوں کی قدر نہ کی۔ اور بیٹھے بیٹھے فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے جس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس بند کو یک لخت اور نفعتاً توڑ دیا۔ جس سے تمام ملک سیلاب سے برباد ہو گیا۔ یہ قصہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ اسی بند کو سد عرم کہتے تھے اور اس کے کھنڈر اب تک بھی پائے جاتے ہیں۔

مامور کئے گئے تھے مگر قوم نے بجائے ان کی تعمیل احکام اور اپنے عقائد فاسدہ کی اصلاح کے ان کو دیوانہ بنایا - اور کچھ نہ سُنی آخرش غضبِ الٰہی ایک قحط کی صورت میں نازل ہو کر تین برس تک ان کی اچھی گوشمالی کرتا رہا - اور جب پھر بھی نہ سمجھے تو پھر ایک خوفناک آندھی نے ان کو برباد کر دیا - اور سوائے حضرت ھود ؑ اور ان کے چند معتقدین کے سب قوم کی قوم فنا ہو گئی -

۲ - ثمود - یہ قوم ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح ؑ کی اولاد تھی اور مدینہ سے شام کے درمیانی حصہ میں (جسکو عرب ملکِ حجر کہتے تھے) انکی بود و باش تھی - اس قوم کے بڑے بڑے سنگین مکانات ہوتے تھے - اور اچھی خوشحال زندگی تھی مگر بُت پرستی نے ان کو بھی تباہ کر دیا - انہیں کی ہدایت کو صالح پیغمبر بھیجے گئے تھے - جن کو بطور معجزہ ایک اونٹنی بھی عطا ہوئی تھی مگر قوم ثمود نے مارے حسد اور تعصب کے اس اونٹنی کو ہی مار دیا - پھر انہیں قہرِ الٰہی میں مبتلا ہونا پڑا - چنانچہ ایک سخت زلزلے نے مہیب آواز کے ساتھ ظاہر ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا - جس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام ہو کر مکہ میں یہاں چلے آئے -

۳ و ۴ - قسم اور جادیس - ان دونوں قوموں کا سوائے اس کے پتہ نہیں ملتا - کہ یہ بھی بڑی بڑھی قومیں تھیں - مگر باہمی جدال و قتال میں یہ بھی مر کھپ گئیں اور اب ان کا کوئی آثار باقی نہیں پایا جاتا - اور نام بھی صرف زمانہ جاہلیت کے اشعار سے ہی دریافت ہوتے ہیں -

۵ - بنی جرھم - حضرت نوح ؑ کے ساتھ جو لوگ کشتی میں پناہ گزین ہو کر بچ گئے تھے - ان میں سے ایک کا نام جرہم تھا - اسی کی اولاد بنی جرہم کے نام سے مشہور ہوئی - یہ لوگ قوم عاد کے معاصر تھے - اور یہ بھی اپنے تمرد اور زیادتی کے باعث تباہ ہو گئے - جن کا نام لیوا اب کوئی نظر نہیں آتا -

۶ - عمالقہ - یہ قوم باقوال مختلف عمالقہ بن لاوذ بن سام بن نوح ؑ یا عمالقہ بن ‌الیفز بن عیسو

کی اولاد سے تھی اور بڑی اولوالعزم و دلیر تھی۔ یہ لوگ حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے ایام وزارت مصر میں اسی قوم نے مصر کا جنوبی حصہ سوڈان فتح کرلیا تھا۔ یہ بھی بتا دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مصر کا بادشاہ ولید بن مصعب نامی یہ شخص تھا جس نے شاہان مصر کے لئے فرعون کا لقب تجویز کیا تھا۔ اور یہ شخص سن عیسوی سے پندرہ سو برس پہلے حضرت موسےٰ کے وقت میں ہوا ہے۔ فرعون عربی لفظ ہے جسکے معنے منتقم یا سورج کے ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ ولید ہی حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں بادشاہ تھا مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

یہ تو عرب قدیم کا حال تھا جو اب بالکل معدوم ہیں۔ رہے اصل عرب یہ وہ لوگ ہیں جو عرب قدیم کے بعد یہاں آباد ہوئے تھے۔ انہیں میں سے بنی یعرب کو سمجھنا چاہیئے۔ یعرب کا بھی ایک بھائی جرہم نامی ہے۔ جو اس جرہم سے غیر ہے۔ جس کا ذکر عرب قدیم میں ہوچکا ہے۔

عرب کے بعد تیسرا درجہ ہے مستعرب یعنے وہ لوگ جو اصل عرب سے بعد آکر آباد ہوئے۔

اس تقسیم اور ترتیب سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عربوں میں اپنے خاندان کی گذشتہ اور تاریخی نسبت کا خیال کہاں تک لگا ہوا ہے۔ اور یہ تو اتفاقی نسبت کا ذکر ہے وہاں اعلےٰ گھوڑوں کے کرسی نامے بھی برابر محفوظ رکھے جاتے اور کار آمد ہوا کرتے ہیں۔ عرب باپ سے نسب نامہ مرتب کرتے ہیں اور ماؤں کی قومیت کا کچھ لحاظ نہیں سمجھتے۔ اسی واسطے شادی دوسرے قبائل میں بھی ہوجاتی ہے کیونکہ اس سے کوئی اثر نسب پر نہیں پڑتا۔

عرب کے مراسم و مذاہب

مذاہب اسلام سے پہلے عرب میں یوں تو ہر ایک قبیلہ اور ہر ایک خاندان کا کوئی

نہ کوئی جدا اُنکا نہ ہی عقیدہ تھا۔ مگر عام طور پر وہاں بُت پرستی مروج تھی۔ اور
بعض لوگ تو سرے سے لا مذہب ہی تھے۔ اس کے علاوہ الہامی مذاہب
میں سے مذہب صابی۔ مذہب ابراہیمی۔ مذہب یہود اور مذہب عیسوی
بھی موجود تھا۔ مذہب صابی کے پیرو ایک کتاب صحیفہ شیث نام کو اپنی آسمانی
کتاب اور حضرت شیثؑ بن آدمؑ اور حضرت ادریسؑ کو اپنا پیغمبر جانتے تھے
اس مذہب میں بھی روزانہ سات نمازوں اور نماز جنازہ اور ایک مہینہ کے
روزے رکھنے کا دستور تھا۔ لیکن اس کے ساتھ تحریف ہوتے ہوتے
ستارہ پرستی بھی جزو مذہب قرار پاگئی تھی۔ خاص خاص ستاروں کے داخلہ بُرج
کے وقت یہ لوگ عید مناتے تھے اور ہر ستارہ کی پوجا کے لئے الگ الگ
معبد بنا رکھے تھے۔ معبد شمس۔ معبد قمر۔ معبد مریخ وغیرہ وغیرہ جس دن
آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا تھا۔ وہ ان لوگوں کی بڑی بھاری عید اور حج کا
دن سمجھا جاتا تھا۔ اور اس دن سب لوگ معبد حران میں جمع ہوا کرتے تھے۔
خانہ کعبہ کی البتہ یہ لوگ بھی تعظیم کرتے تھے۔ ابتداء میں اس مذہب کا رواج قوم
سامری سے شروع ہوا تھا۔ اور بعد ازاں رفتہ رفتہ اور لوگ بھی معتقد ہوتے گئے
مذہب ابراہیمیؑ کے پیرو ڈاڑھی رکھنا۔ ختنہ کرنا اور قربانی دینا تو ضرور جانتے
تھے مگر اصول ابراہیمیؑ یعنے توحید سے محض نا آشنا تھے۔ اور بُت پرستی میں مصروف
ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے خانہ کعبہ میں ایک بُت یا تصویر حضرت ابراہیمؑ کی
اور ایک بُت یا تصویر حضرت اسمٰعیلؑ کی رکھی ہوئی تھی جنکے پاس ایک بھیڑ کا بنا
ہوا تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی مورت کے ہاتھ میں سات تیر دئے ہوئے تھے
جنکو ازلام کہا جاتا تھا۔ اُن کے الگ الگ نام تھے اور تمام لوگ اپنے کاموں
میں ان سے تفاول کیا کرتے تھے۔ اور بُت پرستی عام و تام تھی اگرچہ بعض
روشن خیال لوگ اسکے مخالف بھی تھے اور مذہب ابراہیمیؑ سے اس بت پرستی
کو بیگانہ جانتے تھے مگر ان کی کوئی شنوائی نہ تھا۔ اُن لوگوں میں حنظلہ بن صفوان

سیاہ بن سنان - اسد ابو کرب - قیس بن سیادہ اور عبد المطلب (جدِّ رسول مقبول) کے نام بھی لئے جاتے ہیں -

مذہب یہود کا رواج بھی عرب میں بالعموم پایا جاتا تھا - اور یہ مذہب شام کے یہودیوں نے وہاں شایع کیا تھا مگر اسکے متبعین بھی بُت پرستی سے خالی نہ تھے - بلکہ ابراہیمؑ و اسمعیلؑ علیہم السلام کی مورتیں انہیں لوگوں نے بیت اللہ میں لا رکھی تھیں -

مذہب عیسوی عرب میں یعقوبی فرقہ عیسوی نے جاری کیا تھا - اور اس کی ابتدا نجران سے ہوئی تھی اور قبایل حمیر - غسّان - ربیعہ - تغلب - بہرو - تنوخ - طے - قودیہ - اور حیرہ کے اکثر لوگ اسکے پیرو ہو گئے تھے - کعبہ میں حضرت مریم کی بھی اس طرح کی ایک مورت بنی ہوئی تھی - کہ عیسیٰؑ کو انہوں نے گود میں اٹھایا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب متنصّرہ بھی بُت پرستی سے خالی نہ تھے غرضکہ بُت پرستی اور لا مذہبی ایسی عام و تام تھی کہ کوئی فرقہ اور کوئی مذہب اس سے بچا ہوا نہ تھا -

خانہ کعبہ کے اندر کثرت سے سانحہ بُت رکھے ہوئے تھے اور قریباً تمام بڑے بڑے قبیلوں کے بُت الگ الگ ہوا کرتے تھے - مگر بعض مشترکہ بت بھی تھے - جن کو ساری اقوام بالاشتراک پوجتی تھیں اور اسیطرح کعبہ ایک خاص بت کدہ بنا ہوا تھا - کعبہ میں ہُبل - لات - منات و ود وغیرہ وغیرہ بُت ایسے تھے کہ جن کو سب قومیں یکساں پوجا کرتی تھیں - اُن میں ہُبل سب سے بڑا بُت تھا - جو ملک شام سے لاکر کعبہ میں رکھا گیا تھا - اور سب بت پرست بلا اختلاف اسکی پرستش کرتے تھے اور اسکو مینہ برسانے والا اور رحمت دینے والا سمجھتے تھے وقس علیٰ ہذا -

لات - منات کے بتوں کی بھی تمام قومیں پوجا کیا کرتی تھیں - اور ودّ اند کا بُت تمام اقوام میں نوجوان عورتوں کی پرستش کے لئے مخصوص تھا جو اس کا

طواف کیا کرتی تھیں۔ اساف کوہ صفا پہ اور نائلہ کوہ مروہ پہ نصب تھے جن کے
روبرو تمام لوگ قربانی کیا کرتے تھے۔ وَد۔ قبیلہ بنی کلب کا۔ سواع قبیلہ بنی مذحج کا۔
یغوث۔ بنی ہمدان کا۔ نسر یمن کے قبیلہ بنی حمیر کا اور عزیٰ قبیلہ بنی غطفان
کا بت تھا۔ اور یہ سب کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔

یہ چند ان بتوں کے نام مذکور ہوئے ہیں جن کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے
اور یہی عرب کے گویا صنم الاصنام تھے۔ ورنہ اسکے علاوہ اور بھی سینکڑوں
بتوں کی پرستش ہوتی تھی جن کی تعداد بعض نے تین سو ساٹھ بتائی ہے۔ اس سے
یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ایک عرب کے جسم میں بگڑی ہوئی نصرانیت۔ بگڑی ہوئی
یہودیت۔ بگڑی ہوئی صابئیت۔ اور بگڑی ہوئی ابراہیمیت۔ بطور عناصر
و اخلاط اور بت پرستی بطور خون کے موجود تھی۔ اور بت پرست قومیں ان بتوں
کو اپنا معبود مان کر پوجا کرتی تھیں ان کے نزدیک دنیا کی آسائش سوائے ان
بتوں کی پرستش کے محال اور ناممکن تھی اور ان کا اعتقاد تھا کہ آخرت میں
یہ بت اپنی پوجا ہونے کے باعث خدا کے سامنے اپنے پوجنے والے کی شفاعت
کریں گے۔ یہ فرق بھی اسکے تعلیم یافتہ لوگوں نے بتائے ہیں ورنہ عام طور
پہ یہ معلوم ہے کہ وہ لوگ ان بتوں کو خدا ہی سمجھتے تھے یا کیا۔ کعبہ کی تعظیم گو
تمام [illegible] وقت میں کی جاتی تھی مگر اسکے علاوہ قبیلہ غطفان اور قبائل خثعم
و بجیلہ نے [illegible] اپنے اپنے الگ کعبے بھی بنائے تھے جو کہ زیادہ عرصہ
[illegible] گئے تھے۔ عبادت بالعموم بالکل
[illegible] کی جاتی [illegible] خدا یا اللہ اس کے نائب بتوں کے روبرو
پیش [illegible] رہنا [illegible] واسطہ اچھے نہ سمجھتے تھے۔

غرضیکہ یہ تو ہوئی مذاہب کی کیفیت اب مراسم قومی کی حالت دیکھنی چاہیئے کہ جہاں انہیں
[illegible] شعاری [illegible] خوش پوشی۔ صبح خیزی۔ مہمان نوازی۔ ہمدردی
[illegible] کی صفاتِ حسنہ۔ قابل ستائش اور لائق تعریف تھیں

وہاں اسکے ساتھ ہی بے حیائی - زناکاری - شرابخوری - قماربازی - بدقماشی رہزنی - غارت گری - خونریزی کی عادات مذموم بھی اس نوبت تک پہنچ گئی تھیں کہ عیاذاً باللہ - زناکاری اور شراب خوری کو فخر سمجھتے تھے اور بڑے بڑے خاندانوں کی بہو بیٹیوں کے عشقیہ افسانے نظم کئے جاتے تھے - جُوا تو ایک شریفانہ دل لگی تھی - بدقماشی کی یہ حالت تھی کہ اپنی کنیزوں سے زنا کرانا اور انکی اُجرت سے خود متمتع ہونا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا - غارتگری اور خونریزی کی یہ کیفیت تھی کہ راہ چلتے مسافروں کو مارکر اسباب چھین لینا تو خیر کچھ بات ہی نہیں - اپنے قبائل میں ذرا ذراسی باتوں پر وہ شر اور فساد ہوجاتا تھا کہ برسوں جنگ چھڑی رہتی تھی چنانچہ قبائل بنی بکر و بنی تغلب کی بیہودہ لڑائی پچاس برس تک چھڑی رہی اور ہزاروں آدمی دونوں قبائل اور دونوں قبائل کے حامیوں میں کے قتل ہوگئے - وقس علےٰ ہذا - سودخوری کثرت کے ساتھ جاری تھی اور دُونا دُونا سُود لیا جاتا تھا - عورتیں نہایت ذلیل حالت میں تھیں - سر کو مصنوعی بالوں سے اور بدن کو تیل سے گوندھنا - اُنکی آرائش و زیبائش کا زیور سمجھا جاتا تھا - ایک ایک آدمی کئی کئی بیویاں رکھا کرتا تھا - حتیٰ کہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس تک نوبت پہنچ جاتی تھی - اور طلاق کا دستور بھی گو کسیقدر رائج تھا مگر ایک خاص مدت بعد طلاق کے ایسی مقرر تھی کہ اگر مرد چاہے تو پھر عورت کو اپنے عقد میں لے سکتا تھا - لہٰذا جو لوگ عورتوں کو طلاق دیتے تھے وہ نہایت ظالمانہ طریق برتتے تھے کہ جب ایام عدّۃ پورے ہونے کے قریب آتے تو عورت کی طرف رجوع ہوجاتے اور پھر چند دن میں تازہ طلاق دیدیتے حتیٰ کہ وہ بیچاری کسی مصرف کی نہ رہتی - علاوہ ازیں ظہار ایک قسم کی طلاق تھی کہ عورت گھر میں تو ہے مگر مرد نے اُسکے کسی خاص عضو کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے قسم کھا رکھی ہے ایام حیض و نفاس میں عورتوں سے نہ صرف ہمبستری ترک کردی جاتی تھی بلکہ گھر کے تمام لوگ اُس سے گفت و کلام تک بند کردیتے تھے ضعیف الاعتقادی

اور اسکے ساتھ وحشیانہ اور جاہلانہ آئین و قوانین کا پتہ ان مراسم سے ہی لگ سکتا ہے۔ کہ:-

۱- کسی خون کا معاف کردینا بہت بُری بات سمجھی جاتی تھی اور یہ اعتقاد کر رکھا تھا کہ ایس طرح کرنے سے مقتول کی روح کا کیڑا تا حشر چیختا رہتا ہے۔

۲- جب کوئی شخص دمتمول مرجاتا تھا تو اسکی سواری کا اونٹ اس کی قبر پر باندھ دیتے اور اسکو کوئی کھانا پینا نہ دیا جاتا۔ حتی کہ وہ بلبلا بلبلا کر مرجاتا اور اسکو داخلِ عزت اور مروت کے لئے باعث مسرت سمجھتے تھے۔ اس اونٹ کو بلیہ کہا جاتا تھا۔

۳- مرنے کا سوگ ایک برس تک کیا جاتا۔ اسکے بعد اسکی عورت اونٹ کی مینگنیاں اپنے اوپر سے پھینکتی گویا اس نے غم کو پھینکدیا ہے اور بعد ازاں کوئی دوسرا گھر تلاش ہوتا۔

۴- بالغ مردوں کے سوائے ترکہ نہ تو نابالغ بچوں کو دیتے اور نہ عورتوں کو۔

۵- بے پردگی کا عورتوں مردوں میں کھلا دستور تھا۔ اور کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ ایک دوسرے کے گھر میں بے اذن دندانہ گھس جاتے تھے۔ البتہ رشتہ داروں کے گھر جانا اور کھانا عیب سمجھا جاتا تھا۔

۶- باپ کی بیوی سے اگر وہ سوتیلی ہو تو بیٹا نکاح کرلیتا تھا۔ اور بیٹے متبنٰے بھی ہوسکتے تھے۔ لیکن متبنٰے کی جورو سے باپ کا نکاح نہ ہوسکتا تھا۔

۷- اونٹ بطور سانڈ کے چھوڑ دینے کی منتیں مانی جاتی تہیں اور کام ہوجانے پر حسب عدہ اونٹ چھوڑ دیتے تھے۔

۸- عورتیں دودھ دوہنا داخلِ حقارت سمجھتی تھیں۔ بلکہ مرد بھی اسے پسند نہ کرتے تھے۔

۹- اونٹنی دس بچے اور بکری سات بچے دینے کے بعد ذبح کیجاتی تو عورتوں پر اس کا گوشت حرام اور مردوں پر حلال ہوتا۔ اور پانچ دفعہ اونٹنی بچھیرا یا بکری بچہ

دے دیتی تو اُسکے کان کاٹ ڈالتے اور اُس کا دُودھ پینا اور گوشت کھانا ممنوع سمجھ لیتے اور اُس کو بحیرہ کہتے تھے۔

۱۰۔ اونٹ کو دس بچوں کا باپ ہو لینے پر پنشنر سمجھکر چھوڑ دیا جاتا اور اُسے حامی کہتے تھے۔

۱۱۔ مُردہ جانوروں کا گوشت لذت کیساتھ کھا جاتے۔ اور کوئی عیب نہ سمجھتے تھے۔

۱۲۔ غلاموں کو کبھی آزادی نہ ہوتی تھی۔ اگر آزاد بھی کر دیتے تو حق ملکیت زائل نہ ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ ایک غلام یا ایک نوکر دس آدمی اکٹھا بھی خرید لیتے۔ اور پھر بذریعہ قرعہ اندازی کوئی اُسکی گردن کا مالک ہو جاتا۔ کوئی ٹانگ کا اور کوئی ہاتھ کا وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۔ قسم کھانے کے مختلف وحشیانہ طریق تھے ایک تو یہ کہ میزاب کعبہ (پرنالہ) کے نیچے جوتا اور کمان وچابک رکھ آتے۔ دوسرا ایک آگ جلاتے جس کو ہولہ کہا جاتا تھا۔ اُس میں نمک اور گندھک پھینک ڈالتے اور اِس طرح قسم کو مستحکم سمجھتے۔ اور بالعموم قسم اپنے بزرگوں یا بتوں کی کھاتے۔ خدا کو کون پوچھتا تھا۔

۱۴۔ انتقام لینے کو قبائل متفق ہو جاتے تھے اور برسوں لڑائی رہتی تھی۔ اور اگر قاتل کا سراغ نہ ملتا تو کل قبیلہ پر شبہ ہوتا اُسکے پچاس معزز اشخاص اپنی ناواقفی اور بے گناہی کی قسم کھاتے۔ تب کہیں پنڈ چھوڑتے تھے۔

۱۵۔ بکری کے مادہ بچے اپنے لئے اور نر بتوں کے لئے سمجھتے تھے۔

۱۶۔ غلہ وغیرہ سے بتوں اور خدا کے لئے الگ حصّے نکالتے اور اگر بتوں کے حصّہ کا کوئی دانا اُڑ کر خدا کے حصّہ میں چلا جاتا تو اُسے نکال لیتے لیکن خدا کے حصّہ کا دانا اگر بتوں کے حصّہ میں مل جاتا تو بالکل نہ نکالتے۔

۱۷۔ لڑکیوں کو بالعموم اسواسطے قتل کرتے تھے کہ داماد بنانا نہ پڑے۔ اور بعض اوقات زندہ ہی گاڑ دیتے تھے۔

۱۸۔ چار مہینے سال بھر میں لڑائی بھڑائی ممنوع سمجھتے تھے۔ مگر اپنی مرضی سے مہینوں کو آگے پیچھے بھی کر لیتے تھے۔

جنات اور بھوت پریت کا بلا تمیز مذہب و ملت سب کو اعتقاد تھا۔ اور روح انسانی کی بابت ان کے عقلا یہ بتایا کرتے تھے کہ وہ ایک کیڑا ہے جو پیدا ہونے کے وقت آدمی کی جلد میں گھس جاتا ہے اور اس کے مرنے پر نکل کر قبر کے گرد چیختا چلاتا رہتا ہے۔ اور بعد مرگ بھی برابر بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ الو کے قد کا ہو جاتا ہے۔ شگون اور ٹوٹکے عام طور پر سارے ہی لوگ لیا کرتے تھے۔ مصیبت کے وقت پتھر کی کنکریوں پر پڑھ کر پھونکتے اور اس کو رفع مصیبت کا حیلہ سمجھتے۔ جانوروں کی بولی سے شگون لیتے۔ کوے کے دائیں طرف سے گذرنے کو سعد اور بائیں طرف سے گذرنے کو نحس جانتے۔ اور اس عمل کو بحیرہ کہتے تھے۔

عرب کے مختصر تذکرہ کے بعد اب مجمل طور پر تاریخ کعبہ کا بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ کعبہ

مسلمان مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ جب دنیا پہ آئے ہیں تو آپ نے حق تعالیٰ سے عبادت کے لئے کسی خاص مقام کی بابت عرض کیا جس پر خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ کو اس جگہ کا نشان دیا گیا۔ جہاں اب کعبہ موجود ہے۔ اور سب سے پہلے آدمؑ نے اپنے خلف الرشید حضرت شیثؑ سے ملکر یہاں ایک کوٹھا بنایا۔ لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ یہاں ٹہلتے جاتے تھے۔ اور حضرت شیثؑ گارا دیا کرتے تھے اور یہ مقام عین اس مقام کی سیدھ پہ بنایا گیا تھا جو آسمان پہ فرشتوں کی عبادت گاہ ہے اور بیت المعمور کے نام سے مشہور ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے نزدیک یہیں حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک توبہ قبول نہ ہوئی ہوگی۔ حضرت آدمؑ کو خواہ مخواہ بھی ایسی جگہ کی تلاش کی ضرورت تھی۔ جہاں سے ان کا مقصود حاصل

ہوتا۔ اور آخر ش یہیں سے اُن کی مراد بر آئی۔ لیکن مکان بننے کو تو بن گیا۔ آبادی کے لوازمات موجود نہ تھے۔ زمین ناقابل زراعت۔ پانی ندارد۔ اسلئے وہاں کوئی مستقل آبادی حضرت آدمؑ کے وقت نہ ہو سکی۔ مگر جس طرح عبّاد و زہّاد لوگ مخلوق سے منہ موڑ اور لذاتِ دنیوی کو چھوڑ کر بعض اوقات جنگلوں اور پہاڑوں میں عبادتِ الٰہی کے لئے گوشہ نشین ہو جایا کرتے ہیں۔ اسیطرح حضرت آدمؑ بھی کعبہ کو جاتے رہے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق آپ چالیس دفعہ تشریف لے گئے تھے اور زاں بعد آپ کی اولاد و احفاد کے پاکباز لوگ بھی آتے جاتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت حج کے واسطے میعادِ سالانہ یا کوئی اور مدت معینہ مقرر نہ تھی۔ کیونکہ مناسکِ حج تو حضرت ابراہیمؑ سے پہلے عالم حجاب میں تھے۔ الغرض موجودہ مرتبہ حج اُس زمانہ میں نہ تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ حضرت آدمؑ کے بعد امتدادِ زمانہ سے وہ مکان مسمار ہو گیا۔ اور بالخصوص حضرت نوحؑ کے طوفان کے وقت تو بالکل بوسیدہ ہو کر گر گیا۔ اور کوئی عمارت باقی نہ رہی۔ اور حضرت نوحؑ علیہ السلام کی گیارہویں پشت میں جب حضرت ابراہیمؑ پیغمبر ہوئے تو حکمِ الٰہی سے پھر دوبارہ اسکو بنانے لگے۔ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب اسکی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا تو آپ اصلی بنیادوں کے پتہ لگانے کے لئے متردد ہوئے۔ جس پر آسمان سے ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہو کر عین اُس زمین کے بالمقابل ٹھہر گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسی سے نشانات لے کر اسکی تعمیر شروع کی۔ چنانچہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے مددگار ان کے بیٹے شیث علیہ السلام تھے۔ ویسے ہی آپکے مددگار حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ ہوئے۔ غرض جب بناتے بناتے دیواریں بلند ہوئیں۔ تو بلندیٔ عمارت کے لئے آپ کو پاڑ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس کام کے لیے ایک پتھر پسند کیا گیا۔ جس پر ٹھیک یا کھڑے ہو کر دیواریں اونچی کی گئیں۔ اُسی پتھر کو مقامِ ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔

اس مکان کی چاروں دیواریں بلندی میں تو یکساں ہیں۔ مگر طول و عرض میں بالکل مختلف۔ البتہ چو کھونٹا ضرور ہیں۔ اور چاروں گوشوں کے الگ الگ نام مقرر ہیں جو نقشہ ذیل سے بخوبی ذہن نشین ہو جائینگے۔
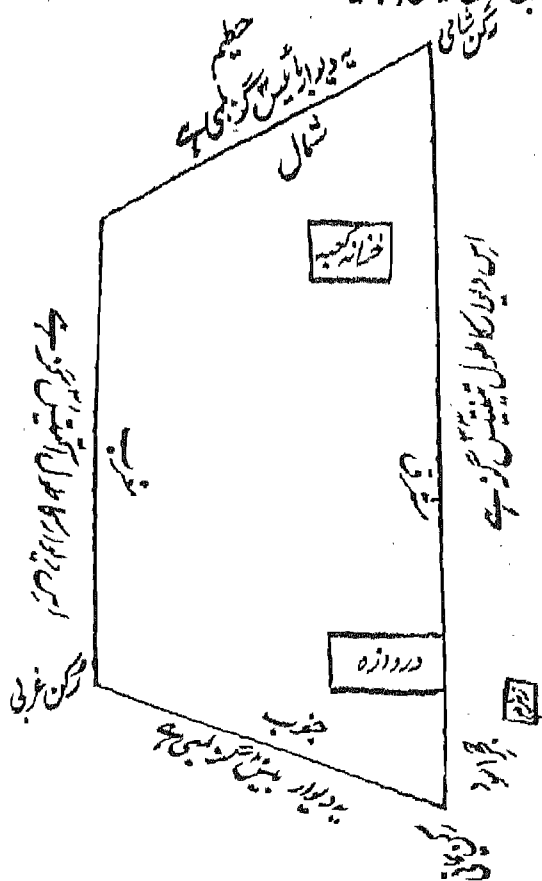
تعمیر ابراہیمی کے مطابق سب دیواروں کی بلندی ۹ گز تھی۔ اور مدتوں یہی تعمیر قائم رہی مگر امتداد زمانہ کے باعث جب وہ بوسیدہ ہو گئی تو بنی جرہم (جو یعرب کے بھائی کی اولاد تھی) نے پھر اسی طرح اسکو بنا دیا

اور جب وہ عمارت بھی نہ رہی تو پھر بنی عمالقہ نے اس کو درست کیا۔ اور جب وہ بھی پرانی ہو گئی تو قصی بن کلاب (جو اشراف قریش سے پانچویں پشت میں رسول اللہ صلعم کے دادا ہوتے ہیں) نے اس کی تعمیر ویسی ہی کر دی اور لکڑیوں کی چھت پاٹ کر ایک سا غلاف تمام مکان پر چڑھا دیا۔ مدت تک یہ عمارت بھی برقرار رہی مگر ایک دفعہ جبکہ جناب رسالتمآب صلعم کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی کسی بڑھیا نے یہاں آکر بخور روشن کیا جس سے

پردے کو آگ لگ گئی۔ اور پردے سے مکان کو لگ کر بہت سا حصہ جل گیا۔ لہٰذا اشرافِ قریش نے (کہ وہی اسوقت اسکے متولّی تھے) اسکی دوبارہ تعمیر کی مگر اسوقت ملک میں قحط سالی کے باعث تنگی تھی۔ اسلئے اُنھوں نے حطیم کی طرف پانچ چھ گز زمین خالی چھوڑکر ورلی طرف ہی مکان کا خاتمہ کردیا۔ نیز اور بھی چند تصرفات کر دیئے۔ یعنی مکانِ کعبہ کے اندر دو صفیں تین تین ستونوں کی قائم کیں اور داخلہ کا دروازہ قریب دوگز کے اونچا لگایا۔ دیواریں بھی تقریباً دوگنی بلند کردیں۔ علاوہ ازیں کعبہ پر چڑھنے کی لئے ایک سیڑھی بھی لگائی گئی۔

اسی تعمیر میں حجرِ اسود کے نصب کرنے پر باہم جھگڑا ہوگیا تھا۔ کہ کون اِس پتھر کو نصب کرے ہر شخص اپنا حق اور اپنی سرداری ثابت کرتا تھا۔ آخر یہ تصفیہ ہُوا کہ صبح جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں دیکھا جائے۔ اُسی کو حکم مقرّر کیا جائے۔ چنانچہ اتفاقاً اُس صبح کو جنابِ رسُول خدا صلعم ہی سب سے پہلے وہاں تشریف لے گئے اور چونکہ آپ ابتداء سے ہی بڑے درجہ کے حلیم و سلیم اور حکیم تھے اور بسبب اپنے پاک اور روشن چال چلن کے قوم میں ہر دلعزیز بھی ہو چکے تھے۔ اسلئے سب لوگوں نے آپ کو دیکھ کر دلی مسرت کے ساتھ آپکے روبرو معاملہ پیش کیا جسپر آپنے نہایت ہی صلح پسندی سے اُس پتھر کو ایک چادر میں رکھکر چاروں طرف سے اعیان و اشراف کو اُسکے اُٹھا کر دیوارِ کعبہ تک لیجانے کا ارشاد فرمایا۔ اور پھر وہاں سے اُٹھا کر خود مقامِ مقررہ پر نصب کردیا۔ اور اِس طرح ایک طویل جھگڑے کو بہت آسانی سے رفع فرما دیا۔

اِن تمام اوقات میں سوائے حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے وقتوں کے چونکہ تمام اقوام میں بُت پرستی کا دَور دورہ اور زور و شور تھا۔ اسلئے کعبہ میں بھی لوگ بُت رکھا کرتے تھے۔ اور یہی دستور قریش تک جاری وساری تھا۔ لیکن جب جنابِ رسُولِ خدا صلعم نے مکہ فتح کیا تو خانہ کعبہ سے سب بتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا۔ اور اِس متبرک و مقدس مقام کو آلایشِ شرک سے بالکل پاک و صاف فرما دیا۔ حضور سرورِ کائنات صلعم نے جب مکہ فتح کرکے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کیا تھا اُسوقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر اہلِ اسلام کو

پچھلے ہوئے زیادہ مدت گذری ہوتی اور سیکے پاس روپیہ بھی کافی ہوتا تو کعبۃ اللہ
کو از سرِ نو اسی بنا پر بناتا جو ابتدائی یعنے ابراہیمی بنیاد تھی۔ لیکن یہ کام نہ تو جناب محمد صلعم
کے عہدِ دولت میں طے ہوا اور نہ خلفائے راشدین رضؓ کے وقت سرانجام پا سکا مگر
یزید بن معاویہ کے وقت جب عبداللہ[1] بن زبیر خلافت مکہ سنبھال بیٹھے اور یزید کی
فوج نے اِن کی گرفتاری و فتح مکہ کی غرض سے شہر کا محاصرہ کر کے بطور منجنیق
باہر سے پتھر آگ اُڑا کے مارنے شروع کئے تو اس سے عمارت کعبہ کو جو پرانی
ہو رہی تھی سخت صدمہ پہونچا اور وہ اور بھی خستہ ہو گئی مگر انہیں ایام میں ادھر
کعبہ میں یزید کے مرنے کی خبر عام ہوئی اور بے سر فوج اس خبر سے متوحش ہو کر کوفہ
کو بھاگ گئی جس سے عبداللہ بن زبیر مستقل خلیفہ ہو گئے۔ لہٰذا انہوں نے عمارتِ
سابقہ کی بوسیدگی اور نئے صدمہ کو محسوس کر کے از سرِ نو کعبہ کو بنایا اور حضور سید الثقلین
محمد رسول اللہ صلعم کی حدیث اور خواہش کے مطابق بنیادِ ابراہیمی پر ہی تعمیر کیا
چنانچہ عبداللہ نے اس قدر گہری بنیادیں کھدوا دی تھیں کہ جس سے ہر شخص بنیادِ ابراہیمی
کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا تھا اور اسی واسطے ۸ دن اِن بنیادوں کو برابر کھلا رکھا کہ ہر
ایک شخص اپنا پورا پورا اطمینان کر لے۔ غرضکہ یہ تعمیر گویا خواہش حضور سرورِ عالم
رسول صلعم کے عین موافق تھی مگر یہ بہت تھوڑے عرصہ تک قائم رہی یعنے ۷۴ھ
میں جب افواج بنی اُمیہ نے مکہ کا دوبارہ محاصرہ کر کے عبداللہ کو قتل اور شہر کو فتح کر لیا تو
خلیفہ عبدالملک کی طرف سے حجاج بن یوسف نے عبداللہ کی یادگار مٹانے کو خانہ کعبہ کو

۱؎ عبداللہ بن زبیر بن عوام قریشی اسدی پانچویں پشت میں اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں قصی ابن کلاب کی اولاد سے ہیں۔ جب یزید نے اپنی خلافت کی بیعت لینی شروع کی۔ تو
مثل امام حسین علیہ السلام کے انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ اور مکہ چلے آئے۔ مشہور آدمی تھے خلقت نے
ان کی طرف رجوع کیا۔ اور آخر ان کا دورِ خلافت مکہ میں قریباً دس سال قائم رہا۔ ۷۳ھ ہجری میں شہید
ہوئے۔ حضرت امام حسینؓ کو فرما گئے تھے آپ نے بھی دوستانہ منع کیا تھا ۱۲

بھی تمام بکمال کر اگر اس سے پہلے پتھر سے تعمیر کرایا۔ جب قریش کے وقت بباعث افلاس
ناک اور بے سامانی اور ایسے ساتھ اُنکی کمی عقل کے سبب قائم کی گئی تھی حطیم کی طرف
سنت پر بنیاد کی جگہ بھی چھوڑ دی - اور یہ دروازہ بھی دو گز اونچا لگوایا - غرضکہ یہی قریش
کا نقشہ دوبارہ قائم کر دیا -

بنی امیہ کے زوال کے بعد جب خلفائے عباسیہ کا دور دورہ ہوا تو ہارون الرشید
نے کعبہ کو پھر ڈھا دینا اور پھر اسی تعمیر عبداللہ بن زبیر کے مطابق بنانے کا ارادہ کیا لیکن
اُس وقت کے علماء بالخصوص امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کو بنائے کعبہ پیش آئے اس ارادہ سے باز رکھا
کہ اس طرح کعبہ کی تعمیر ہر بادشاہ کی شیخی و تمکنت کا نتیجہ بن کر کھیل بن جائیگا - جو ایک
بہت ہی بری رسم ہو گی - لہٰذا یہی حجاج کی تعمیر بنیاد قریش کے مطابق ایک عرصہ تک قائم رہی
لیکن جب عمارت کی بوسیدگی نے پھر تعمیر جدید کی ضرورت محسوس کرائی تو سلاطین
عثمانیہ میں سے سلطان مراد چہارم (ابن سلطان احمد) نے سن ایک ہزار چالیس میں
نہایت شوکت اور اہتمام کے ساتھ اسکی تعمیر کی - جو اب تک موجود اور بنائے قریش یا حجاج
کے مطابق ہے - اس تعمیر میں دیوار ہائے کعبہ کی بیرونی سمت پتھر اور گچکاری اور اندرونی
رُخ سنگ مرمر لگایا گیا - فرش اندرونی بھی سنگ مرمر کا ہی بچھایا گیا - اور چوبی چھت
کی جگہ ڈاٹ دار پختہ گچ کی چھت بنوا کر اندر کی طرف مخمل کی چھت گیری لگائی گئی - اور
غلاف نہایت اعلےٰ ریشمی جس پر بخط ثلث کلمۂ شریف "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور
قرآن شریف کی سورتوں آیات کڑھی ہوتی ہیں سال بسال چڑھانے کا دستور
مقرر کیا گیا - یہ غلاف مصر سے تیار ہو کر ہر سال آتا ہے - اور پرانا غلاف اُتار کے نیا
چڑھا دیا جاتا ہے - پرانا غلاف متبرک سمجھ کر حاجی لوگ تبرکاً و تیمناً تھوڑا تھوڑا
لے آتے ہیں -

اس تعمیر میں حطیم کی طرف اُس زمین پر جو بنائے قریش میں چھٹ گئی تھی - ایک
چبوترہ گز بھر اونچا بطور یادگار آثار قدیم بنا دیا گیا ہے - چھت پر سے پانی گرنے
کے لئے جو میزاب رحمت نالہ لگایا گیا وہ خالص سونے کا ہے - عام مسلمانوں کا

خیال ہے کہ یہاں دُعا قبول ہوتی ہے۔ اور واقعی مناسبت بھی ضرور ہے کیونکہ بارش ایک عام رحمتِ الٰہی ہے پھر جب وُہ کعبہ جیسے متبرک مقام پر ہو۔ پس جس پرنالہ سے اُس کا پانی گرتا ہو اُس میں خصوصیت کا پیدا ہو جانا بیشک ایک واجب التسلیم امر ہے۔

مکانِ کعبہ کے باہر چاروں طرف آس پاس جو زمین ہے۔ اُس پر بھی سنگِ مرمر کا فرش ہے۔ اور اس فرش کے بعد ہموار کرکے کنکریاں بچھا دی گئی ہیں۔ اسکے بعد چاروں طرف پھر سنگِ مرمر کا فرش ہے جس پر لوگ طواف کرتے ہیں۔ اور اسی لئے اسکو مطاف کہا جاتا ہے۔ اسکے پیچھے چاروں طرف نہایت خوشنما دالان بنے ہوئے ہیں۔ اور اس تمام عمارت کو حرمِ کعبہ کہا جاتا ہے۔

یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ مکانِ کعبہ بہ نسبت آجکل کی زمینِ مکہ کے نشیب میں واقع ہے۔ کیونکہ زمین تو ہمیشہ ہر جگہ اونچی ہوتی رہتی ہے۔ اور کعبہ صرف اُسی زمین پر موجود ہے جس پر اسکی تعمیر ہوئی تھی۔ لہٰذا مکانِ کعبہ سے باہر کی طرف آیا جائے تو چاروں طرف کسقدر تھوڑی تھوڑی اونچائی ہے اسی مکان کے چاروں طرف مجتہدانِ دین کے مصلّے ہیں جہاں چاروں کے متبع نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تو خاص حرمِ کعبہ کا ذکر ہوا۔ لیکن اسکے سوا اور بھی بیرونی حصّہ حرم کہلاتا ہے جو کئی میل کی وسعت میں ہے اور اسکو حرم اسواسطے کہا جاتا ہے کہ اس میں شکار کرنا لکڑی گھاس کاٹنا سب حرام ہے۔ اسکے احاطہ میں کسی بادشاہ کا حکم اور ملک تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ فقہا کے نزدیک جو مقام خاص اللہ تعالےٰ کی عبادت کیلئے اُسکے حکمِ خاص سے بنا ہو۔ وُہ کسی بادشاہِ دنیوی کے ملک ہونے سے بالکل پاک و صاف ہے۔ بلکہ اگر کسی دوسرے کو اُسکی ملکیت میں حصّہ دار تسلیم سمجھا جائے تو اس میں شرک کی بو آتی ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر وہاں اگر کوئی مجرم پناہ گزین ہو جائے تو اُسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ بلکہ انتظار کیا جاتا ہے کہ کسی حیلہ بہانہ سے وُہ باہر آ جائے۔ تو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اس احاطۂ حرم کے باہر جو زمین ہے اُسکو حل کہا جاتا ہے کہ وہاں شکار کھیلنا اور لکڑی گھاس کاٹنا حلال ہے

جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں۔ چاروں طرف اُن کے لئے خاص خاص مقامات مقرر ہیں۔ جہاں احرام باندھتے ہیں۔ اِن مقامات کو میقات کہا جاتا ہے مگر ان کے اپنے اپنے جُداگانہ نام بھی ہیں۔ چنانچہ مدینہ شریف اور اسکے متعلقہ مقامات سے آنے والے **ذوالحلیفہ** میں اور شام سے آنے والے **جحفہ** میں اور نجد کے رستے آنے والے **قرن** میں۔ اور عراق سے آنے والے **ذات عراق** میں۔ اور یمن سے آنے والے **یلملم** میں احرام باندھتے ہیں چنانچہ ہندوستان سے جانے والے بھی **یلملم** میں ہی احرام باندھتے ہیں۔

احرام باندھنے کے یہ معنی ہیں کہ حاجی صرف دو چادروں سے بدن ڈھانکے۔ اور حجامت وجماع وغیرہ تکلفات ولذائذ کو چھوڑ کر عاشقانہ جذبہ میں سرشار ہو جائے۔ **حجرِ اسود** بیت اللہ کی جنوبی مشرقی دیوار پہ دروازۂ کعبہ کے پاس آویزاں ہے۔ یہ ایک پُرانی یادگار ہے۔ یعنے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ اسے جنت سے لائے تھے۔ بہرحال یہ آدمؑ کے وقت سے ضرور کعبہ میں موجود ہے۔ اور اسی خیال سے حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے وقت میں اسکو نصب کر دیا تھا۔ عموماً حاجی لوگ طواف کے وقت اسکو بوسہ دیتے ہیں۔ لیکن صرف اسلئے کہ یہ پُرانے بزرگوں کی یادگار ہے۔ ورنہ اس پتھر کو نفع و ضرر کا مالک بلکہ شریک سہیم بھی کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب اسے بوسہ دینے لگے تھے تو آواز بلند فرمایا کہ اے حجرِ اسود! مَیں خوب جانتا ہوں کہ تو کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اسپر مَیں جو تجھے چومتا ہوں تو صرف اسلئے کہ رسول اللہ صلعم نے باتباع اپنے بزرگوں کے تجھے بوسہ دیا ہے

یہ پتھر سیاہ رنگ کا ہے۔ اور نہ معلوم کب کسی صدمہ سے اسکے بہت سے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ یہ سب ٹکڑے جوڑ کر دیوارِ کعبہ پہ آویزاں ہیں۔ اور انکے گرد سونے کا حلقہ بنا ہوا ہے۔

زمزم ۔ یہ وہ کنواں یا چشمہ ہے جو مکّہ کی آبادی کا باعث ہوا۔ اور جو مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق حضرت اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ کی پیاس بجھانے کو حق تعالےٰ

مرادہیں -

بہرحال عبدالمطلب نے قوم کی مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی - اور اس مقام کو کھودنا شروع کیا - تو بعینہ اس میں سے چشمۂ زمزم اور وہ دونوں سونے کی ہرنیں نکال لیں جو بنی جرہم داب گئے تھے - انہیں عبدالمطلب کے عہد میں عیسائیوں نے ابرہہ بن صبّاح کو لے کر مکہ پر حملہ کیا تھا - اور ایک کثیر فیل نشین فوج سے چڑھائی کر دی تھی - مگر اللہ تعالےٰ نے اس مقام مقدس کو اُن کی نجاست سے بچا لیا اور وہ مغلوب ہو کر واپس چلے گئے چنانچہ قرآن شریف میں اصحاب فیل کے نام سے اسی قصہ کیطرف اشارہ ہے -

انہیں اصحاب فیل کے سزا دینے کے لئے خاندان حمیر کے سردار سیف بن ذوالیزن نے نوشیرواں بادشاہ ایران سے مدد مانگ کر ان پر حملہ کیا - اور فتح بھی پائی مگر ایران کا ت کر بدد دیتے دیتے خود بھی یہیں عرب میں مقیم ہو گیا - اور یمن میں ایران کا ایک گورنر رہنے لگا جو برابر آنحضرت کے زمانہ تک عاملانہ طور پر رہتا تھا - چنانچہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آبان نامی گورنر مسلمان ہو کر داخل غلامان محمدی ہوا - تو وہ ملک اسلام کے قبضہ میں آیا -

عرب کے مختصر حالات اور تاریخ کعبہ کے اسقدر بیان کر دینے کے بعد اب حضرت ابراہیم کا مختصر حال بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو مکہ کے آباد ہونے کے باعث اور کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے معمار اور خاندان نبوی کے جد امجد تھے - اور بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل آپ ہی کے خاندان میں سے تھے - اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی کی دعا اور حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارت تھے - نیز اس وجہ سے بھی یہ ذکر نہایت ضروری ہے کہ سب مسلمان اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی ملت حنیفیہ میں سے شمار کرتے ہیں -

حضرت ابراہیمؑ کا مختصر حال

حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ سے گیارہویں پشت میں سام بن نوح کی اولاد سے آذر (جس کا تارح نام اور آذر لقب تھا) کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے کہ :-

ابراہیمؑ پسر آذر (تارح) پسر ناحور پسر شاروع (سروج) پسر رعو پسر فالغ (فالج) پسر عابر پسر شالح پسر ارفخشد پسر سام پسر نوح علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کی ولادت شہر بابل یا اُس کے متصل قصبہ اہواز میں ہوئی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد یہی شہر تھا جو دنیا میں پہلے پہل نہایت وسعت و شان کے ساتھ مابین دجلہ و فرات ملک عراق میں پیدائش مسیحؑ سے دو ہزار دو سو سینتالیس برس پہلے آباد ہوا تھا۔ بابل کے باغ و بہار اور عمارات کی بڑی تعریف کیجاتی ہے اُس زمانہ میں سمٹی، سریانی اور کلدانی لوگ دہاں رہتے تھے۔ اور نمرود نام ایک بادشاہ یا گورنر اس پر حکمران تھا جو شاہ ضحاک کی

لہ ایک روایت کے مطابق شالح کا باپ قینان اور قینان کا باپ ارفخشد ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک واسطہ اور بڑھ جاتا ہے ۱۲

ٹہ نمرود کی نسبت ایک اور روایت ہے کہ وہ سام بن نوح کا پوتا اور نہایت قوی ہیکل اور مضبوط الجثہ تھا اور چونکہ اس زمانہ میں آلات حرب ایجاد نہ ہوئے تھے۔ اور آدم زاد دنیا میں بہت تھوڑے تھے۔ درندہ جانور ہمیشہ آدمیوں کو ستایا کرتے تھے مگر قدرت نے نمرود میں مادہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ درندوں کو ہمیشہ مارتا اور اُن کی ہلاکت کے درپے رہتا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اسکو حکمران قرار دیا۔ اور رفتہ رفتہ لوگ اسکو خدا ماننے لگے۔ اسکا دارالخلافت شہر بابل تھا۔ نکنیوا شہر بھی اسی کا آباد کیا ہوا ہے جسکے کھنڈرات اب تک ملک عراق عرب میں پائے جاتے ہیں اور وہاں کھود دی[illegible] بھی ساتھ ملتے ہیں مگر اس روایت میں سام بن نوح کا پوتا ہونا اسلئے غلط ہوتا ہے کہ اسقدر جلد لوگ

طرف سے عراق کا فرمانروا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بابل ہی چونکہ دنیا کا ابتدائی اور عالیشان شہر تھا۔ اس لئے مختلف زبانیں بھی وہیں سے نکلی ہیں۔ لیکن وہی انسانی ظلمت اور تیرگی جب بھی اس میں برابر موجود تھی۔ لوگ بُت پرستی کیا کرتے تھے اور بادشاہوں کو سجدہ کیا جاتا تھا اور یہ عقائد ایسے عام و تام تھے کہ کوئی بھی اِن سے مستثنےٰ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بھی بُت پرست تھا بلکہ بُت سازی کیا کرتا تھا اور اسی حیثیت سے شاید بادشاہ کے دربار میں بھی اس کا تعلق ہوگا۔

ابراہیمؑ کی پیدائش سے پہلے کہتے ہیں کہ نمرود نے خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ آسمان پر ایسا روشن طلوع ہوا ہے جو لمحہ بہ لمحہ زیادہ منور ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ تمام ستارے اور خود مہتاب بھی اس کی روشنی میں آکر دب گئے ہیں۔ اس پر معبروں نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا پیدا ہوگا جو تمام ملک کی جاہ و سطوت بلکہ ہماری شان و شوکت کو بھی مات کرے گا۔ اسلئے نمرود نے حکم دیا کہ امسال اس شہر میں جو لڑکے پیدا ہوں وہ مار ڈالے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اسی سال پیدا ہوئے۔ اور ان کے والدین نے نمرود سے بچانے کے لئے انہیں غار میں پرورش کیا۔ جہاں سے نکل کر رات کے وقت انہوں نے زہرہ ستارہ کو دیکھا اور کہا کہ (شاید) یہ میرا رب ہے؟ اور پھر ماہتاب کو بھی کہا اور پھر آفتاب کو۔ اور آخرش اس سے بھی بیزار ہوکر خدا کی طرف متوجہ ہوگئے۔ لیکن قرآن میں اس قصہ کا حصہ ابتدائی موجود نہیں ہے۔ اور صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ کو چمکتا ہوا دیکھا۔ تو کہا کہ کیا یہ رب ہے؟ اور پھر ماہتاب کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ رب ہوگا اور پھر جب آفتاب چڑھتا دیکھا تو کہا کہ یہ بڑا ہے یہی رب ہوگا۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو میں تو ان زوال پذیر چیزوں کو معبود نہیں ماننے کا۔ میں تو سیدھا خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو آسمان و زمین اور سب چیزوں کا خدا ہے۔

اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چونکہ آپ ابتداء سے ہی فطرتاً بت پرستی وغیرہ سے نفرت کرتے تھے لہذا اِن کے آبا اور خویش واقارب اِن سے بار بار اسکی فضیلتیں بیان کرتے ہوں گے۔ جن سے تنگ ہوکر آپنے صاف کہدیا کہ میں تو چھپنے والی چیزوں کو محبت نہیں کرسکتا اور خدا ہی کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اور یہی قرینِ قیاس ہے۔ بہرحال دونوں حالتیں ایک قصہ کے متعلق ہیں اور اِس سے کوئی عیب واقع نہیں ہوتا۔ اور یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اِس سے پہلے اگر آپ پوشیدہ نفرت بتوں سے رکھتے تھے تو اب کھلم کھلا مخالفت کرنے لگے۔ اور یہ بھی صاف کہدیا کہ میرا رب مجھے ہدایت کرچکا ہے۔ اور یہ کھلی بات ہے کہ ایماندار بہ نسبت بے ایمانوں کے زیادہ مستحق حمایت ہیں (یعنے خدا کے عذاب وعتاب سے امین ہیں) چنانچہ اِسکے بعد آپ علانیہ بت پرستی کی بُرائی بیان کرتے تھے۔

لکھا ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ کو وہاں کے بتخانہ میں تنہائی کا موقع ملگیا تو اُنھوں نے چھوٹے بڑے سب بت توڑ ڈالے اور خود وہاں سے ٹل گئے۔ بعد ازاں جب لوگوں کو معلوم ہوا تو شہر میں ایک کُہرام مچگیا بادشاہ کو بھی خبر ہوئی اور تحقیقات کی گئی تو سب کو حضرت ابراہیمؑ پر ہی شبہ ہوا کیونکہ اتنے بڑے شہر میں یہی ایک موحد تھے۔ الغرض اِن کو بُلوا کر پوچھا گیا تو آپنے فرمایا کہ سب سے بڑے نے اِن کو توڑ دیا ہوگا (یہ دو معنی ہی نہیں بلکہ سہ معنی فقرہ تھا۔ خواہ بُت کو سمجھو۔ خواہ حضرت ابراہیمؑ کو مراد لو۔ کہ وہی سب میں اللہ کے نزدیک بڑے تھے۔ اور خواہ خاص ذاتِ الٰہی کو تصور کرو کہ وہی اِن افعال کا کرانے والا تھا مگر وہ لوگ بُت ہی سمجھے) اُنھوں نے کہا کہ وہ تو خود ٹوٹا پڑا ہے۔ بالآخر انہیں سے اِس کام کو منسوب کرکے جلتی آگ میں پھونک دینے کی تجویز کی گئی۔ جو بڑے اہتمام سے روشن کی گئی تھی۔ مگر خدا کی عنایت سے وہی آگ اِن کے لیے سلامتی ہوگئی اور اِن کو کچھ بھی گزند نہ پہنچا۔ اِس معجزہ سے بہت لوگ اِن کے معتقد بھی ہوگئے۔ اور

نمرود پر بھی کچھ اثر ہوا۔ مگر اُس کا وزیر ہامان مانع آیا کہ اتنی مدت سجدہ کروانے کروانے کے بعد اب خود سجدہ کرنا غیرت سے بعید ہے۔ لہٰذا وہ پھر ویسا ہی شدید بنا رہا۔ اور آخر میں آپ نے بحکمِ الٰہی وہاں سے ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں بی بی سارہؓ ان کی بیوی اور لوطؑ بن ہاران ان کے بھتیجے بھی شامل تھے۔ شام سے ہجرت کر کے آپ نے مقام حران میں قیام فرمایا۔ اور بدستور مخلوق کی ہدایت اور بت پرستی کی مخالفت کرتے رہے اور وہاں سے پھر مصر کی طرف تشریف لے گئے کہ ایک تو حران میں قحط پڑ گیا تھا۔ دوسرا اُدھر کی ہدایت کا بھی خیال ہوگا۔ الغرض جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بادشاہ پرلے درجہ کا عیش پسند اور زناکار ہے۔ چنانچہ بی بی سارہؓ کے حسن و جمال کا شہرہ سن کے اس نے اُن کے حاضر کرنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جونہی آپ اس کے روبرو پہنچیں اُسکے خیالاتِ شہوانی ہیبت و جلال سے متاثر ہو گئے۔ اور اس نے نہایت تعظیم و خلوص کیساتھ حضرت ابراہیمؑ کو اپنی طرف سے ایک پاکیزہ خواص دے کر رخصت کیا اسکے بعد حضرت نے وہاں کا قیام مناسب نہ سمجھ کر مراجعت کا ارادہ فرمایا اور واپس آکر مقام حبرون میں اقامت اختیار کی۔

اس تمام عرصہ میں چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں کوئی لڑکا نہ ہوا تھا اس لئے بی بی سارہؓ نے آپ کو ہاجرہؓ سے مقاربت کا ایماء کیا کہ شائد ان کے پیٹ سے کوئی اولاد ہو جائے۔ چنانچہ ہاجرہؓ کے پیٹ سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ اُس وقت باقوالِ مختلف حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی یا ننانوے برس کی تھی۔ اور اہلِ کتاب کے نزدیک اسیوقت آپ کو ختنہ کا حکم ہوا تھا جسکے مطابق آپ نے اسمٰعیلؑ کے ساتھ اپنا اور اپنے متعلقین ذکور کا ختنہ کیا۔

اسمٰعیلؑ کی پیدائش سے حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش تک تو بی بی سارہؓ اسمٰعیلؑ کو بہت پیار کرتی تھیں۔ مگر جب اسحٰقؑ خود سارہؓ کے پیٹ سے پیدا ہو گئے تو محبت گھٹتے گھٹتے عداوت تک پہونچنے لگی۔ جسپر مشیتِ الٰہی نے حضرت ابراہیمؑ

کو اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے مکہ میں چھوڑ آنے کا حکم دیا۔ کہ وہیں اُن کے لئے خیر و برکت ہوگی۔ چنانچہ بہ تعمیل ارشادِ الہٰی آپ نے اپنی بیوی اور بیٹے کو کچھ آذوقہ اور ایک مشک پانی کی دے کے مکہ میں خانہ کعبہ کے پاس چھوڑ دیا۔ مگر یہ وُہ رشتے نہ تھے جو اس طرح چھوٹ سکتے۔ دل میں درد اور لب پر آہ سرد تھی لیکن باایں ہمہ حق تعالےٰ کی فرمانبرداری ایسی مقدم تھی کہ کسی طرح کا حیلہ حوالہ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپ نے خدا کے آگے ہی عجز و تضرع سے دستِ دُعا اٹھائے اور نہایت خلوص سے عرض کیا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرم الخ۔ یعنے بارالہٰا! میں نے اپنی اولاد کو تیرے گھر کے پاس ایسی جگہ رکھدیا ہے۔ جہاں کھیتی باڑی کچھ نہیں ہوتی۔ اب تو ہی مخلوق کے دلوں کو ان کی طرف اور ان کے دلوں کو اپنی طرف رجوع فرما۔ اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر۔ اس کے بعد آپ واپس ہو گئے۔ اور ایک دو دنوں میں وُہ کھانا اور پانی بھی ختم ہو گیا جس سے بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو سخت تشویش ہوئی۔ کھانے کے بغیر تو آدمی ایک دن جی بھی سکتا ہے مگر پانی کے بغیر کیسے گذر ہو سکتی۔ بالخصوص جب چھوٹا بچہ بھی ساتھ ہو۔ الغرض اس سخت اضطراب کے عالم میں ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کی تلاش کو اُٹھیں صفا اور مروہ دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں جو وہاں واقع ہیں۔ اُن پر چڑھ کر بار بار دیکھتیں کہ کہیں سے پانی کا نشان نظر آئے زیادہ دیر ٹھہرتی بھی نہ تھیں کہ مبادا کوئی بھیڑیا بچہ کو اٹھا لیجائے۔ چنانچہ اسی مسکنت اور ناامیدی اور عجز و درماندگی کے ساتھ ادہر اُدہر دوڑنے کی یادگار میں اب تک بھی حاجی لوگ وہاں دوڑتے ہیں۔ اور واقعی اس سے ایک عمدہ سبق ملتا ہے کہ جب تک انسان مضطربانہ صورت۔ بیکسانہ وضع اور عاجزانہ دل نہ پیدا کرے۔ رحمتِ الہٰی کا نازل ہونا مشکل ہوا کرتا ہے جیسا کہ مولٰنا روم صاحب فرماتے ہیں ؎

تا نہ گرید طفلک حلوہ فروش
بحرِ بخشایش نمے آید بجوش

الغرض ہاجرہؓ جب اس طرح سات دفعہ دوڑ دھوپ کر چکیں اور پانی سے نا اُمید ہوگئیں تو غیب سے آواز آئی کہ غم نہ کر خدا تیرے ساتھ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے آکر دیکھا تو حضرت اسمٰعیلؑ جہاں پیاس کے تڑپ رہے تھے۔ وہیں سے اللہ تعالےٰ نے ایک عمدہ شیریں چشمہ جاری کر دیا ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم

این چہ احسان است قربانت شوم

(یہاں یہ بھی بیان کرنا مناسب ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان جس جگہ حضرت ہاجرہؓ دوڑی تھی۔ وہاں پہلے تو جنگل تھا۔ مگر اب آبادی ہو کر عمدہ بازار اور مکانات موجود ہیں۔ البتہ یادگار کے طور پر دونوں طرف دو سبز نشانے بنے ہوئے ہیں۔ جن کو میلین الخضرین کہا جاتا ہے۔)

اسکے بعد بی بی ہاجرہؓ کو بشارت دی گئی۔ کہ گھبراؤ مت۔ خدا سب سامان کرے گا۔ اور یہ لڑکا یہیں اپنے باپ کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کرے گا۔ جہاں تم لوگ ٹھہرائے گئے ہو۔ چنانچہ جب پانی سے تسلّی پاکر اناج کی فکر ہوئی۔ تو خدا نے بنی جرہم کے ایک قافلہ کو جو اُدہر سفر میں تھا۔ اس طرف رہنمائی کر دی۔ ان کو تو کیا تمام عرب کو پانی کی جسقدر ضرورت اُس زمانہ میں تھی وہ کچھ پوشیدہ نہیں پس وہ لوگ بی بی ہاجرہؓ کو مالک چشمہ دیکھ کر نہایت صلح اور آشتی سے پیش آئے۔ اور درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں پانی لینے کی اجازت دیں تو ہم یہاں ایک بستی قائم کرلیں۔ جسپر ہاجرہؓ نے بدیں شرط ان کو اجازت دیدی کہ پانی پر حقوق مالکانہ ہمارے رہیں گے۔ اور استعمال کی تم کو اجازت ہوگی۔ اس شرط کو ان لوگوں نے بخوشی منظور کر کے ایک بستی قائم کر دی۔ جس سے رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے ایک شہر بن گیا اور جنگل بیخ فاصلہ منگل ترح گیا۔ اور یہ سب لوگ بی بی ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو اپنا مخدوم سمجھنے لگ گئے۔ گویا حضرت ابراہیمؑ کی اُن دعاؤں کی قبولیت کا آغاز ہو گیا۔ جو اُنھوں نے اس جنگل کو امن وامان اور فارغ البالی کا گھر بنانے

اور اپنی اولاد کی طرف مخلوق کے دلوں کے رجوع ہونے کے متعلق کی تھیں الغرض اس طرح ایک عرصہ گذر گیا جس میں حضرت ابراہیمؑ بھی کبھی کبھی اسمٰعیلؑ کو دیکھنے آتے تھے۔ اور سامانِ قدرت کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے شکر گذار ہوتے تھے۔ بلکہ روایت ہے کہ خود بی بی سارہؓ بھی حضرت اسحٰقؑ کو لے کر حج کے لئے آتی رہیں۔ اور پھر ان کی کدورتیں بھی رفع ہو گئیں۔

جب یہ سامان ہو گئے تو اسکے بعد حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا حکم ہوا۔ جو ایک نہایت آزمائش اور امتحان کا حکم تھا۔ کہ جس لڑکے کو جنگل میں چھوڑ گئے تھے۔ جب اسکے نمو کے دن آئے اور جنگل میں پانی اور آبادی سے شہرت پیدا ہونے لگی۔ تو سرے سے اس لڑکے کو ہی راہِ خدا میں قربان کرنے کا حکم آگیا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کچھ ایسے ویسے کچے دل کے نہ تھے۔ انہوں نے بطیبِ خاطر اس حکم کی بجا آوری کے لئے اپنی مستعدی ظاہر کی۔ اور ساتھ ہی جب حضرت اسمٰعیلؑ سے پوچھا۔ کہ "میں نے ایسا حکم پایا ہے کہو تمہاری کیا رائے ہے" تو انہوں نے بھی اپنی کمال رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ یہ دونوں دل کے پکے اور خدا کے سچے تابعدار اور انبیاء کے سردار اس حکم کی بجا آوری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ؎

ہر چہ رود بر سرم چوں تو پسندی رواست
بندۂ فرماں برم حکم خداوند راست

روایت ہے کہ جب یہ دونوں باپ بیٹا اس کام کی تکمیل کے لئے منیٰ کیطرف جانے لگے تو ایک بوڑھے سفید ریش نے (جسکو شیطان کہا جاتا ہے) باپ بیٹا دونوں کو الگ الگ سمجھایا۔ کہ کیوں تمہارے خون سفید ہوئے جاتے ہیں۔ اس ارادہ سے باز آجاؤ۔ کبھی ایسا بھی ظلم ہو سکتا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ مگر یہ دونوں بجائے مشتعل اور منفعل ہونے کے برابر اپنے ارادہ پر ثابت قدم رہے۔ بلکہ دونوں صاحبوں نے جب دیکھا کہ یہ موذی اپنی گفتگوئے لاطائل سے باز نہیں آتا۔ تو زمین سے کنکریاں اٹھا کر اسکی طرف پھینکیں کہ وہ بھاگ جائے۔

چنانچہ حاجی لوگ جو وہاں جاکر کنکریاں پھینکتے ہیں۔ یہ بھی اسی واقعہ کی یادگار ہے۔
القصہ جب امتحان اس حد تک پہونچ گیا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے پیارے بیٹے
اسمعیلؑ کی جان لینے پر آمادہ ہو کر چھری چلانے لگے۔ تو رحمت کردگار نے امتحان میں
پاس ہونے کی خوشخبری دی۔ اور ایک مینڈھا دکھا کر حکم دیا گیا کہ بجائے اسمعیلؑ
کے اسکو ذبح کرو۔ یہی مقبول کیا جائے گا۔ جو ایک خاص رحمت الہی تھی۔ کیونکہ اگر
یہی دستور ٹھہر جاتا۔ تو لاکھوں اور ہزاروں میں سے کبھی کوئی ہی خدا کا بندہ ایسا نکلتا
جو اپنے لڑکے کو راہ خدا میں ذبح کرنے پر طیار ہو جاتا۔ پس جسطرح حق تعالے نے حضرت
ابراہیمؑ کو ایک آسان رستہ استرضائے الہی کا بتایا تھا۔ اُسی سے متمتع ہونے کے
لئے یہ دستور اسلام میں تا روز قیامت بھی ٹھہر گیا ہے کہ آسودہ مسلمان اپنے اور اپنے
متعلقین کی طرف سے ایک ایک بکرا یا دُنبہ وغیرہ حج کے دوسرے دن راہ خدا میں قربان
کرتے ہیں۔ جسکے متعلق اللہ تبارک وتعالے ارشاد فرماتے ہیں۔ لن ینال اللّٰہ
لحومها ولا دماؤها ولکن ینالہ التقویٰ منکم (سورہ حج۔ رکوع ۵) یعنی اللہ تعالے
کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون تو نہیں پہونچتا۔ البتہ تمہاری پرہیزگاری اسکے
پاس پہنچتی ہے۔ اور فی الواقعہ یہ ایک اعلے درجہ کا تصفیہ ہے۔ جس سے توہمات
لاطائل اُٹھنے ہی نہ پائیں۔ اور ہر چیز کی اصلیت کی لم سمجھ لیجائے۔

مشیت ایزدی نے تو جو کام لینے تھے پہلے سے ہی سوچ رکھے تھے۔ مگر
جب یہ دونوں باپ بیٹا ایسے سخت امتحان میں تعریف کے ساتھ پاس ہو لئے۔ تو
جناب باری تعالے سے ان کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا اور مناسک حج تعلیم
فرمائے گئے (جس کا ذکر تاریخ کعبہ میں ہو چکا ہے) چنانچہ اس متبرک مکان کی
تعمیر وغیرہ سے فارغ ہو کر دونوں جلیل القدر پیغمبروں نے خلوص قلب سے دعا کی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم	الہی ہماری اس سعی کو قبول فرما کیونکہ تو ہی سننے
ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن	اور جاننے والا ہے اور ہمکو اپنا فرمانبردار رکھیو اور
ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا	ہماری اولاد میں سے ایک گروہ فرمانبردار رکھیو

وتب علینا انک انت التواب الرحیم پارہ ۱ - سورۂ بقرہ رکوع ۱۴ -	اور ہمیں حج کرو مقصود قرا اعلکیا ہو اور ہماری رجوع ہونیکو قبول فرما کیونکہ تو ہی معاف کرنیوالا مہربان ہے -

یہاں تک تو اس عظیم الشان کام سے فراغت اور اپنی اور اپنی اولاد کی نسبت اور حج کے متعلق دعا تھی - لیکن اسکے آگے ایک کامل اور مکمل نبی کے لیئے بھی درخواست ہے تاکہ یہ موحدانہ اصول دنیا کے دلپر النقش فی الحجر ہوجائیں اور دنیا کے انتظام کے موافق ایسی جامع شریعت پیدا ہو جو ابدالآباد مخلوق کی رہنمائی کے لیئے کافی اور وافی ہوسکے - اس دعا کے الفاظ یہ ہیں -

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم -	الہی ہم میں ایک ایسا رسول اٹھائیو جو تیری آئیتیں (مخلوق کو) سنائے اور انکو کتاب حکمت کی تعلیم دے کر پاک بنائے واقعی تو ہی بردست حکمت والا ہے

چنانچہ حق تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ سب دعائیں اپنی رحمت سے بدرجہ کامل قبول فرمائیں - پہلے حصہ میں جو اپنی اور اپنی اولاد کی فرمانبرداری کی التجا کی تھی وہ اس عمدگی سے قبول ہوئی کہ حضرت اسحٰقؑ کی شاخ سے جو دو انبیا آپ کی اولاد میں ہوئے - اور دوسرے حصہ میں ایک کامل اور مکمل رسول کی بابت جو درخواست تھی وہ اس طرح پوری ہوئی کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی مفصل اور مکمل شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے جنکی تعلیم تلقین دو یہ قیامت تک مسلسل جاری و ساری رہیگی - اور اس سے پہلے فاران کے ریگستان و کوہستان کے آباد کرنے کی متعلق بھی آپنے جو دعا کی تھی وہ بھی اس خوبصورتی سے منظور ہوئی کہ بایدو شاید - شہر مکہ اسکا شاہد ناطق ہے -

قصہ مختصر یہ کہ اس تعمیر بیت اللہ کے بعد حضرت اسمٰعیل تو مکہ میں رہے - اور

حضرت ابراہیمؑ بدستور شام کی طرف تشریف لے گئے۔ جہاں کثرت سے آپ کی اولاد پھیلی۔ حضرت اسحقؑ کے دو بیٹے ہوئے بڑے عیص اور چھوٹے یعقوبؑ جن کا دوسرا نام اسرائیل ہے اور انہیں کے نام سے بنی اسرائیل مشہور ہوئے۔ جن کا ذکر اس کتاب کے مقاصد کیلئے چنداں ضروری نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ایک سو پچھتر برس کی عمر میں ملکِ شام میں انتقال فرما کر وہیں دفن ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بنو اسمعیلؑ اور کعبہ کی تولیت

ادھر مکہ میں حضرت اسمعیلؑ کی بھی اولاد پھولی پھلتی رہی اور تولیت کعبہ کے باعث ان کا اور انکی اولاد کا ادب بھی دن بدن زیادہ ہونے لگا اور چونکہ آپ پیغمبر بھی تھے۔ لہذا ایک مدت تک ان کا قبضہ بیت اللہ پر رہا۔ اور سب لوگ ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے رہے۔ لیکن بوجہ رشتہ انکے وقت میں ہی بنی جرہم کا بڑا اقتدار ہو گیا تھا۔ حضرت اسمعیلؑ نے جب ایک سو تیس سال کی عمر میں وفات پائی تو کھلم کھلا انہوں نے بنو اسمعیلؑ سے حقوقِ تولیت چھین لئے۔ اور لڑ بھڑ کر انکو مکہ سے باہر نکال دیا۔ کیونکہ بنی جرہم تعداد میں زیادہ اور بنی اسمعیلؑ کم تھے۔ مگر جب بنی جرہم نے کعبہ کی بزرگداشت کی جگہ بے ادبی شروع کی تو عرب ان سے بددل ہو گئے۔ کچھ باہمی رنجشیں بھی بھڑک اٹھیں اور مختلف جماعتوں کی اعانتوں سے آخر میں بنی خزاعہ وغیرہ پر تولیتِ کعبہ مقرر ہوتی رہی۔ پھر بعد مدت جب بنو اسمعیلؑ تعداد میں بھی زیادہ ہو گئے انکی عزت و توقیر بھی بڑھ گئی۔ تو قصی بن کلاب نے کعبہ اور مکہ پر قبضہ پایا اور پھر بیت اللہ کی تولیت اسی شخص کے قبیلہ میں موروثی طور پر آگئی۔ جو اسکا پہلا معمار تھا۔

بنو اسمعیلؑ جن کا دوسرا نام قریش تھا ان میں سے تولیتِ کعبہ پہلے پہل قصی بن کلاب کے ہاتھ آئی۔ انکے چار لڑکے ہوئے۔ عبد الدار۔ عبد المناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد قصی۔ قصی کے بعد عبد الدار پر تولیت مقرر ہوئی۔ مگر عبد الدار کے بعد بنو عبد المناف نے تولیت کعبہ اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا اور آخر جد و جہد بلیغ کے بعد وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے اور بنی عبد مناف میں سے ہاشم ایک منتظم اور فیاض اور طاقتور شخص متولی کعبہ مقرر ہوئے۔ انہوں نے حاجیوں کی آرام

اور خود بھی بزرگی اور شرافت اور عالی حوصلگی یعنی طرفداری میں بڑا نام پیدا کیا۔ مگر جب ان کا بھی ملک شام (مقام غزہ) میں انتقال ہوا تو اس وقت ان کے بھائی مطلب نام مکہ میں موجود تھے۔ اور ہاشم کے بیٹے شیبہ کے نام سے مشہور تھے جو ان دنوں اپنی ننھیال میں یثرب رہا کرتے تھے۔ ہاشم کی وفات کے بعد مطلب ہاشم کے اصلی جانشین شیبہ کو لانے کے لئے مدینہ گئے۔ چونکہ آپ کو واپسی جلدی مطلوب تھی اور شیبہ ابھی کم عمر تھے جلدی میں ان کے کپڑے لتوں کی حالت سنبھالنے کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ اور ... اسی میلے کچیلے کپڑے پہنا کر اونٹ پر ... چلے آئے۔ مکہ میں جہاں کہیں کوئی مطلب سے پوچھتا کہ یہ کون ہے؟ تو وہ هذا عبدی کہتے کہ یہ میرا غلام ہے۔ مگر بعد میں انہوں نے شیبہ کو ہاشم کا جانشین مقرر کیا اور خود بھی تادم حیات معاونت کرتے رہے مگر ان کا نام بجائے شیبہ کے هذا عبدی کی رعایت عبد المطلب مشہور ہو گیا جو اب تک شیبہ یا عبد المطلب نے جو سرداری اپنی عالی خیالی اور بزرگی اور کارنامے نمایاں کے سبب حاصل کی وہ خاص انہیں کا حصہ تھا۔ ان کی وفات ایک سو چالیس برس کی عمر میں ہوئی۔ اور انہوں نے چونکہ عبداللہ ابن (والد ماجد) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہا تھا مگر ان کا خود ان کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کے بعد گویا خاندان ... آپ ہی تولیت کعبہ کے مستحق تھے۔ لہذا یہ اتفاق تولیت کبھی زیادہ آپ کی مخالفت کا باعث ہوا۔ لیکن آخرش ظہور اسلام کے بعد تولیت کعبہ آپ ہی کے قبضہ میں آگئی جس کا مفصل ذکر آئندہ آئے گا۔

یہ حالات گو تاریخی ہیں مگر ایسی تمام تاریخوں کا مدار جو اسلام سے پہلے تصنیف ہوئی ہیں اکثر کتب الہامی پر اصل رہا ہے۔ اور اب تک بھی وہی ماخذ سب تاریخوں کا چلا آتا ہے اور مؤلف کتاب ہذا کو بھی سوائے اس کے چارہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی اپنی طرف سے احتیاط کی گئی ہے۔ کہ کوئی مشکوک یا قابل رد روایت نہ لیجائے۔

مقدمۂ کتاب ختم ہوا

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

دربار اسلام

جلد اوّل

یعنی

حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے

سوانحِ عمر

مؤلفہ
خاکسار فیروزالدین مالک اخبار شیر ہند لاہور

مطبوعہ ہند پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیر اسلام کا طلوع

یعنی
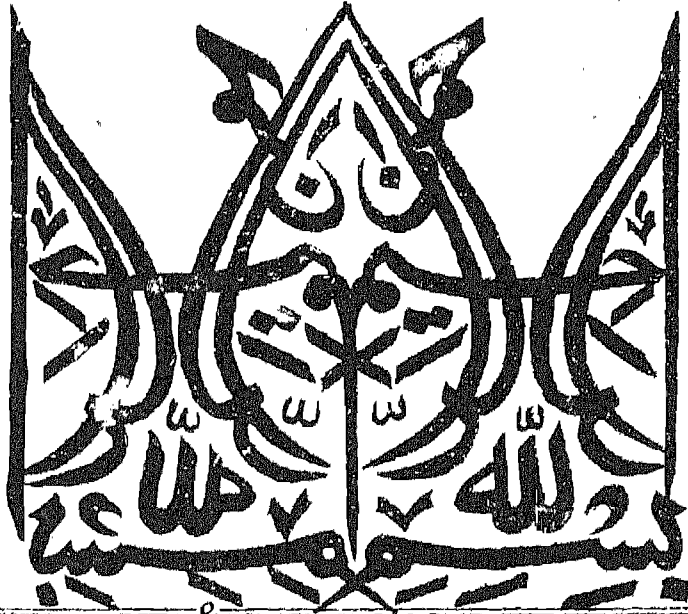
آفتاب اسلام حضرت محمد صلعم علیہ التحیۃ والسلام کا ظہور پرنور

دنیا کے مروجہ مذاہب و مراسم کا کچھ مختصر تذکرہ ناظرین پہلے پڑھ
چکے ہیں جس سے انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ ایک دین برحق اور ابدی و ازلی شریعت
کی مخلوق الٰہی کی درستی کے لئے کہاں تک ضرورت تھی۔ چنانچہ اسی ضرورت
کو پورا کرنے کے لئے رحمت پروردگار نے سنہ ۶ء میں ہبوط آدمؑ سے
پورے پورے سات ہزار سال بعد جبکہ ایک طرف مخلوق الٰہی اسلام جیسے

پاک مذہب سے فائدہ اٹھانے کے لائق ہو چکی تھی - اور ایک طرف کفر و طغیان یہاں تک بڑھ گیا تھا - کہ ابرہہ بن صباح کعبۃ اللہ کے مسمار اور اس خدا کی یاد کی پہلی مسجد کو بے نشان کرنے کے لئے چڑھائی کر چکا تھا - اپنے حبیب پاک کو مخلوق کی اصلاحِ معاد و معاش کے لئے پیدا فرمایا - دُنیا اور اہلِ دُنیا دین اور اہلِ دین کے لئے اس سے بڑھ کر فخر و مباہات اور مسرت و شادمانی کا اور کونسا وقت ہو سکتا تھا کہ جب تیرہ باطنی کی اندھیری رات اور شبِ ہجراں کا خاتمہ ہو کر صبحِ سعادت کے آثار نظر آنے لگے اور غفلت و کفران کی بجائے خوش آئند تجلیات کے نور کا ظہور ہونے لگ گیا - ظاہر ہے کہ اس دراز و طویل ظلمت و ضلالت میں اگرچہ بیدارئی قلب کی قوتیں بالعموم مفقود ہو چکی تھیں کیونکہ دیرینہ مریض مُدّت العمر بیمار اور صاحبِ فراش رہنے کے باعث نشست و برخاست اور چلنے پھرنے سے بیزار ہو جایا کرتا ہے - اور اس کے دل میں صحت کی آرزو کا کبھی گذر نہیں ہوتا - مگر پھر بھی بعض لوگ ایسے بھی جو اس لمبی نیند اور عالمگیر تاریکی سے گھبرائے ہوئے - آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر راستہ دیکھ رہے تھے - اور کوئی راہ نہ پاتے تھے - کہ نکل بھاگیں دلِ حزیں تلاش کا خیال اور سر میں تفحص کا سودا لئے دوڑے پھرتے تھے مگر کوئی مَفر نظر نہ آتا تھا - اور بعینہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی حالتِ مذبوحی میں ہاتھ پاؤں توڑتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ؎

نہ بدل زعرض رسا رسم نہ چو رمزِ آئینہ دا رسم
بچہ کار رسم کہ بجا رسم من بیدل از رہِ جائے تو

پس عنایتِ الٰہی نے متجسّانِ معنوی کو راہ دکھانے اور خفتگانِ غفلت و ادبار کے جگانے کو ایک مبارک ستارہ طلوع فرمایا - جو رفتہ رفتہ بڑھنے اور آخرش آفتاب پر بھی چشمک زنی کرنے لگا - وہ ستارہ کیا تھا؟ وجودِ محمّدی اور انوارِ اسلام کا ظہورِ پُر سرور - ؎

بشرٰی لقد انجز الاقبال ما وعدا
وکوکب المجد من افق العلٰی سعدا

اس نیّرِ جہاں افروز نے کہاں سے طلوع کیا؟ اسکی روشنی سے پہلے پہل دنیا کیسی تیرہ و تار تھی ۔ اور کس طرح یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم انہوں نے چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ۔ اور کس طرح اُس نے اپنی مثالی روشنی سے جو بالکل سراجاً وھاجاً کے مصداق تھی ۔ شبِ تاریکِ غفلت و جہالت پر روحانیّت و تمدّن کے انوار چمکا دئے اور کیسی طرح ہر ایک کوٹھری اور ہر ایک تہ خانہ میں اپنی مبارک کرنیں پہنچا کر در و دیوار تک کو منوّر کر دیا ۔ اور آخرش اس روشنی میں کس طرح لوگوں نے اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوکر بڑے بڑے کارنامے نمایاں کر دکھائے ۔ کسطرح معاد و معاش میں یہ روشنی کارآمد ہوئی ۔ یہ سب حقیقت شارعِ اسلام علیہ التحیّۃ والسّلام اور خلفائے راشدین اور مشہور **دربارِیان اسلام** کے سوانحِ عمری سے آپ کو معلوم ہوگی ۔ جو مؤرخانہ احتیاط سے کسیقدر آئندہ صفحوں میں آپکے روبرو پیش کیجاتی ہیں ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔

باب اوّل

آنحضرت صلعم کی عام حالاتِ زندگی
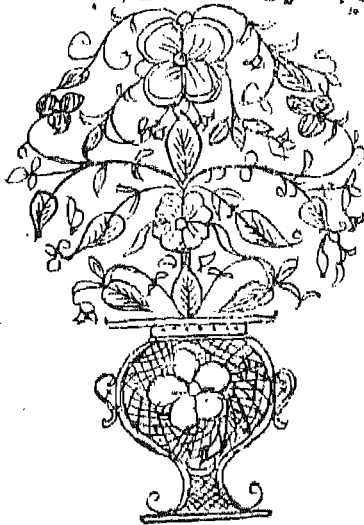
فصل اوّل

ابتدائی حالات

خاندان :- عدنان کی نسل سے فہر بن مالک ایک با اثر شخص گذرے ہیں۔ جن کی اولاد میں سے قصی بن کلاب نے تولیتِ کعبہ پر قبضہ پایا تھا۔ فہر عربی میں ایک مچھلی کو کہتے ہیں۔ جو زبردست اور شہ زور ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ لقب فہر بن مالک کو بہادری اور قوت کے اعتبار سے حاصل ہوا تھا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تقرش (تجارت) کی وجہ سے ان کا یہ لقب ہوا ہو کیونکہ انہوں نے اپنی قوم میں تجارتی مذاق کو غیر متوقع ترقی دی تھی۔ علاوہ بریں قریش کا لفظ اصطلاحی طور پر فراہم کرنے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ لہٰذا اگر منتشر شدہ قوت کو فراہم کرنے کے باعث بھی ان کو قریش کہا گیا ہو تو بجا ہے۔ بہرحال ان کی اولاد میں ہاشم امیہ۔ نوفل۔ عبدالدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سہم۔ دس شخص اپنے امتیازِ ذاتی کے باعث ایسے نامور گذرے ہیں جن کے نام پر الگ الگ قبیلوں کے نام مشہور ہو گئے۔ ان میں ہاشم زیادہ معزز اور ذی وقار تھے۔ کیونکہ کعبہ کی تولیت قریش سے انہیں کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ علاوہ ازیں انہیں

ہاشم نے تجارت ملکی کے واسطے شام کی طرف سالانہ دو قافلے روانہ کرنے کا
قاعدہ جاری کیا تھا۔ جس سے لوگوں میں ان کی عزت بصورت حکومت بھی قائم
ہوگئی تھی اور بحیثیت تولیت کعبہ مقدس بھی مانا جاتا تھا۔ انہیں ہاشم کے بیٹے
عبدالمطلب متولی کعبہ اور سردار قوم تھے۔ جن کے وقت میں ابرہہ بن صباح
نے فیل نشین فوج لے کر مکہ پر حملہ کیا تھا اور انہیں عبدالمطلب نے بشارت
غیبی پاکر چاہِ زمزم کو کھود نکالا تھا۔ جیسے ہی جیسے ہم کیا گئے وقت دبا لے گئے
تھے۔ عبدالمطلب کے لڑکوں میں عبداللہ وہ شخص ہیں جو نذرِ خدا کے لئے قربانی
کو تجویز ہوئے تھے اور آخر میں ان کے بدلے سو اونٹ ذبح کیا گیا۔ جناب
رسول اللہ صلعم انہیں عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ توضیح کے لئے ایک شجرہ نسب نقل
کیا جاتا ہے۔ جو حضرت آدم تک پہونچتا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم
ہوگا کہ اجداد رسول مقبول صلعم میں پانچ پیغمبر آپ سے پہلے ہوئے ہیں۔ یعنے آدم
شیث۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل علیہم السلام۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر
ہوگا کہ رسول خدا صلعم عرب کے اس اعلےٰ خاندان سے ہیں۔ جو باعتبار اپنے دنیا
کے بھی اور باعتبار اپنی دینداری کے بھی بڑا ممتاز خاندان تھا۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف
بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر
بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد ثانی بن عدنان دوم
بن اود بن ادد دوم بن الیسع بن الہمیسع دوم بن سلامان دوم بن نابت بن حمل
بن محمد اول بن عدنان اول بن ادد اول بن الہمیسع اول بن سلامان اول بن عوص
بن بُرَد بن سنادیل بن ابی العوام بن ناحل بن حرا بن بلدارم بن بدلان بن کالح
بن فاہم بن ناحور بن ماحی بن عبقی بن عنف بن عبید بن الرعا بن حمران بن یسن
بن یحثن بن یحزری بن بلخی بن ارعوا بن عیفا بن حسان بن عیسیٰ بن
اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحب بن رزاح بن سما بن مزی بن عوص اول

بن عوام بن قیدار بن اسمٰعیل ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ دو ہزار سال قبل مسیح
بن تارخ بن ناحور بن سارو رع بن ارعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد
بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن برد بن مہلائیل بن قینان بن
انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

چونکہ عبد المطلب ہی آپکے دادا۔ اور رشتہ دار قریبی تھے۔ اور وہ تمام لوگ جو عبد المطلب کی اولاد سے ہیں آپ سے خویشیت رکھتے تھے لہذا ایک شجرہ عبد المطلب کی اولاد کا بھی نقل کیا جاتا ہے تاکہ آنحضرتؐ کے رشتہ داروں کے نام سمجھنے میں آسانی ہو جاسکے۔ جو صفحہ آیندہ پر ہے۔ اس میں عبد المطلب کی انیس اولادیں دکھائی گئی ہیں جن میں سے پہلی تیرہ تذکور سے ہیں اور باقی چھ اناث ہیں

اولاد عبدالمطلب

عبدالمطلب

ابولہب العباس قثم الغیداق عبدالکعبہ ابوطالب ضرار المقوم عبداللہ الحرث حجل الزبیر حمزہ عاتکہ صفیہ بیضا ام حکیم امیمہ برہ اروی

عتیبہ عتبہ خالد سبیعہ

عبداللہ فضل کثیر امینہ صفیہ ام حبیبہ صبیح مسہر عبداللہ تمام الحرث قثم معبد عبدالرحمن

علی طالب عقیل جعفر ام ہانی طعیون جمانہ

ہند

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الطیب ابراہیم الطاہر القاسم زینب رقیہ ام کلثوم فاطمہ

امامہ علی

عبداللہ

حسن حسین زینب محسن ام کلثوم

عبداللہ ابوسفیان امیہ نوفل

مرہ

عبداللہ ام الحکیم ضباعہ طاہر

عمارہ فاطمہ

عبداللہ زہیر قریبہ

زہیر سائب عبدالکعبہ صفیہ ام حبیبہ

عامر اروی ام طلحہ

عبداللہ ابواحمد عبیداللہ زینب ام حبیبہ حمنہ

ابوسلمہ ابوسبرہ

طلیبہ فاطمہ

اس کے مطابق آنحضرت صلعم کے بارہ چچے چھ پھوپھیاں اور اٹھارہ چچیرے پھپھیرے بہن بھائی تھے۔

عبداللہ آپؐ کے والد ایک نیکوکار اور حسین و وجیہ آدمی تھے چنانچہ نہ صرف عبدالمطلب ہی ان کو سب سے پیارا سمجھتے تھے بلکہ تمام قوم بھی ان کی عزت کرتی تھی۔ اور وہ امین کہے جاتے تھے۔ گو ان کے ایّام جوانی میں اشرافِ قریش سے متعدد پیغام شادی کے آئے مگر عبدالمطلب نے آمنہ بن وہب زہری بن عبد مناف کو پسند کر کے ان سے عبداللہ کا نکاح پڑھوایا کہ یہ خاتون قریش میں سے ہونے کے علاوہ حسن و جمال اور نیکوکاری میں بھی خاص درجہ رکھتی تھیں۔ بی بی آمنہ مدینہ کی رہنے والی تھیں جو عرب کا اس وقت بھی ایک مشہور شائستہ شہر تھا۔ اور اب تو ایک خاص امتیاز بھی رکھتا ہے۔

ولادت:۔ حضور علیہ السّلام کی ولادت باسعادت کا دن دوشنبہ اور تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل مطابق اپریل ۵۶۹ء ہے (یا ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء باختلاف روایات مورخانِ انگریزی) جو ہزیمتِ اصحابِ فیل سے پورے پچپن دن بعد ہوئی۔

اس ولادت سے دو مہینے پہلے سفرِ شام (جو تجارتی اغراض کے لئے عبداللہ بن عبدالمطلب کیا کرتے تھے) سے واپس آتے ہوئے آپ کے والد بمقام یثرب وفات پا کے وہیں مدفون ہو چکے تھے۔ جس کے رو سے قبل ولادت ہی گویا حضور ممدوح دُرِّ یتیم بن گئے تھے اور اب عبدالمطلب ہی اپنے پیارے مرحوم فرزند کی یادگار دیکھنے کے لئے دیدۂ مشتاق و دلِ پُر اشتیاق لگائے بیٹھے تھے کہ عین صبح صادق کے وقت ثویبہ[1] نامی کنیز نے یہ مژدہ روح افزا ان کے گوشِ فرحت نیوش میں پہنچایا کہ آپ کی بہو آمنہ نے ابھی ابھی وہ نیک نسل بچہ جنا ہے جس کی خاندان میں مدت سے انتظار تھی۔ چنانچہ عبدالمطلب نے اس خوشخبری

---

[1] ثوبیہ ابولہب بن عبدالمطلب کی کنیز تھی ۱۲

کے سنتے ہی ثوبیہ کو تو خوشی کے سبب بند غلامی سے آزاد کر دیا اور رسم عرب کے موافق اظہار مسرت میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور واقعی یہ وہ مسرت اور قابل فخر ولادت تھی کہ جس پر تا قیامت مادر گیتی کو ناز ہے۔ اسلام کو افتخار اور اغیار کو رشک رہے گا۔

پیدا ہوئے سرور دو عالم | پیدا ہوئے فخر نوح و آدمؑ
پیدا ہوئے قبلۂ طریقت | پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ | آرائش تخت لی مع اللہ
پیدا ہوئے خاتم النبیین | مہر نشان عز و تمکین

شاہنشہ انبیاء محمدؐ
تاج سر اصفیا محمدؐ

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا ومولینا محمدؐ صاحب التاج والمعراج والبراق والعلم دافع البلاء والوبا والقحط والمرض والالم اسمہٗ مکتوب مرفوع مشفوع منقوش فی اللوح والقلم سیّد العرب والعجم جسمہٗ مقدس معطر مطہر منور فی البیت والحرم شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ صدر العلیٰ نور الہدیٰ کہف الوریٰ مصباح الظلم جمیل الشیم شفیع الامم صاحب الجود والکرم واللہ عاصمہٗ

یا الٰہی رحمت نازل فرما ہمارے سردار اور مالک محمدؐ پر جو صاحب تاج اور معراج اور براق اور نشان کے ہیں اور جو دفع کرنے والے ہیں سختی اور وبا اور قحط اور بیماری اور درد کے جن کا نام (عرش پر) لکھا گیا اور بلند کیا گیا لوح اور قلم (علم الٰہی) میں، جو سردار ہیں عرب و عجم کے اور جن کا جسم مبارک پاک خوشبودار اور درخشاں ہے خانہ کعبہ اور حرم محترم میں (وہ محمدؐ) جو آفتاب ہیں چاشت کے اور چودھویں چاند ہیں اندھیری رات کے لئے اور صدر نشین ہیں عزت اور بلندی کے اور راہ ہدایت کے لئے نور عظیم ہیں (وہ محمدؐ) جو مخلوقات کے لئے جائے پناہ اور تاریکیوں کے لئے چراغ ہیں۔

وجبريل خادمه والبراق مركبه
والمعراج سفره وسدرة المنتهى
مقامه وقاب قوسين مطلوبه
والمطلوب مقصوده والمقصود
موجوده سيد المرسلين خاتم
النبيين شفيع المذنبين انيس
الغريبين رحمة للعالمين
راحت العاشقين مراد المشتاقين
شمس العارفين سراج السالكين
مصباح المقربين محب الفقرا
والغربا والمساكين سيد
الثقلين نبي الحرمين امام
القبلتين وسيلتنا في الدارين
صاحب قاب قوسين محبوب
رب المشرقين والمغربين
جد الحسن والحسين مولانا
ومولى الثقلين ابي القاسم سيدنا
محمد بن عبد الله نور من
نور الله يا ايها المشتاقون
بنور جماله
صلوا عليه
واله واصحابه
وسلموا تسليما

اور جنکے درجہ کی نہایت والی اُمت کی بخشش انکی خواہش
بزرگیوں اور بخششوں کے مالک ہیں اور جنکا نگہبان خود خدا
اور خدمتگار جبریل امین ہیں جنکی سواری کی ہے براق
مرکب اور سیر و سفر کے لیے معراج کمال اور قیام کیلیے
سدرۃ المنتہیٰ اور مقام کیلیے قاب قوسین ہے جنکا مطلوب
مقصود ہے اور مقصود موجود ہوتا ہے جو سردار رسولوں کے
اور ختم کرنے والے نبیوں کے گنہگاروں کو بخشوانے والے
مسافروں کے غمخوار اور عالم و عالمیان کیلیے رحمت عاشقوں
کے دلکا آرام مشتاقوں کی مراد دلی خدا شناسوں کے آفتاب
جہانتاب راہ سلوک کا چراغ راہ مقربوں کیلیے روشنی
ہیں اور فقیروں غریبوں مسکینوں کو محبت والے اور سردار
جن و انسان کے اور نبی ہیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے
پیشوا دو کعبوں یعنے بیت المقدس اور خانہ کعبہ کے وہ
محمد جو دو جہان میں ہمارا وسیلہ ہیں اور قاب قوسین کی
قدر و منزلت کے صاحب محبوب حق اس جلیل القدر پادشاہ کے
جو مشرقوں اور مغربوں کے والی و مالک ہیں وہ حضرت جو نانا
امام حسن و حسین کے ہمارے آقا اور سردار جن و انس
سرور کائنات سرور انبیا بلکہ دو جہان کے آقا آپ محمد ہیں جنکی
کنیت ابو القاسم اور خلف الصدق ہیں عبد اللہ
کے وہ محمد صلعم جو نور ہیں انوار الٰہی
میں سے۔ اے مشتاقان جمال
احمدی کہو اپنے رسول مقبول اور انکے
آل و اصحاب پر درود اور سلام

بشاراتِ ولادت:- تاریخیں گواہی دیتی ہیں کہ آپؐ کی ولادت سے ایک سال پہلے ملک عرب میں خشک سالی اور قحط کا نہایت دردناک دَور دورہ ہو رہا تھا۔ جس سے انسان و حیوان تکلیف میں تھے۔ مگر جونہیں آنحضرت صلعم بطنِ مادر میں آئے تھے۔ بارشِ باران کی فراوانی سے ملک سیراب ہو گیا۔ جس سے گرانی ارزانی سے اور تنگی فراخی کے ساتھ بدل گئی۔ چنانچہ عربوں نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج رکھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو ایّامِ حمل میں کوئی تکلیف اور گرانی مطلق محسوس نہیں ہوئی۔ اور پیدائش کے وقت ایک نورانی تجلّے نے تمام گھر کو ڈھانپ لیا۔ عبدالمطلب نے عالمِ رویا میں خود کعبہ کو سجدہ میں پڑا ہُوا دیکھا۔ اور آمنہ خاتون مختلف نورانی خواب ایّامِ حمل میں دیکھتی رہیں۔ اسکے علاوہ کسرائے فارس نے آپ کی پیدائش کی رات خواب میں دیکھا کہ ایک تو دریائے فرات اسقدر پھیل گیا ہے کہ تمام دنیا کو اس نے گھیر لیا ہے۔ دوسرا یہ کہ وحشی جانوروں کو عربی گھوڑوں نے شکست دی ہے جسکی تعبیر میں معبّروں نے اُسے آپؐ کی ولادت باسعادت کی خبر دی۔

خاص نشانات:- رسولِ خدا کی پیدائش میں یہ خاص بات تھی کہ ایک تو آپؐ مختون (ختنہ شدہ) اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے آپؐ کی پشتِ مبارک کے اوپر دونوں مونڈھوں کے درمیان سینۂ مرغ کے سمت دائیں ایک خالدار سُرخ نشان تھا۔ جسپر روئیں اور بال اس طرح پر آکر جمے تھے کہ جس سے کلمۂ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کے الفاظ کی صورت پیدا ہوتی تھی۔ یہ تو ذاتی خصوصیت تھی عام محسوسات میں یہ ہوا کہ ایک زبردست بھونچال تمام ملک میں محسوس ہُوا جس سے ایک طرف تو کعبہ کے اندر بُت اوندھے گر گئے۔ اور دوسری طرف کسریٰ فارس کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ جس کی تعبیر ایک شام کے معتبر عالم عبدالمسیح نے بادشاہ کو یہ بتائی کہ عنقریب عرب کا فاتح تمہارے خاندان کی چودھویں بادشاہت

میں فارس کو مسخر کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں بھی آیا۔ غرضکہ آپ کی ولادت باسعادت سے دنیا کو ایسی طرح قدرت نے مطلع اور باخبر کر دیا۔ کہ جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔

نام و لقب وغیرہ:۔ پیدائش سے ساتویں روز عبدالمطلب نے آپ کے عقیقہ کی تقریب سے اہل برادری کی دعوت کی۔ کہ آپ کے اسم مبارک محمدؐ کا اعلان کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم نے اپنے خاندان کی رسم کے موافق کوئی نام رکھا ہوتا مگر انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو بہ نسبت اپنے خاندانی ناموں کے یہی نام اچھا معلوم ہوا ہے۔ یہ بھی ایک غور کا مقام ہے کہ اگر کوئی اور نام حضرت کا تجویز ہوتا تو پہلی کتب آسمانی میں جو محمدؐ کے نام سے بشارتیں درج ہیں۔ ان کی خواہ مخواہ تاویلیں کرنی پڑتیں اور اسم محمدؐ کی سی پاکیزگی بھی پیدا نہ ہوتی۔ پس یوں سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے اسی نام کو عبدالمطلب کے دل میں القا فرمایا۔ جو واقعی اور ازلی تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ عرب میں اس زمانہ میں بتوں یا ستاروں کے نام پر کیسے نامشروع نام رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ خود عبدالمطلب کے خاندان میں ان کا عام دستور رواج تھا۔ لیکن حضور ممدوحؐ کے سوا حضرتؐ کے والدین کے نام بھی اس آلائش شرک سے حق تعالیٰ نے بالکل پاک اور صاف رکھے ہیں جو پرلے درجہ کی پاکی اور پاکیزگی کی دلیل ہے۔ عبداللہ اور آمنہ کے نام دیکھو تو یوں معلوم ہوگا کہ کسی مطلع رشتدار نے اسلام سے یہ نام تجویز کئے ہیں۔ حالانکہ یہ نام ظہور اسلام سے بہت پہلے کے اسی خاندان میں رکھے گئے۔ جو عبدالشمس عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھنے کا عادی تھا۔ بات تو بہت چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر غور کرو کہ اور کوئی نام ہوتا تو کیسا نازیبا تھا۔ بہرحال جناب رسالتمآب کا نام نامی **محمدؐ** کنیت **ابوالقاسم** اور لقب **مصطفیٰ** تھا۔

رضاعت اور طفولیت:۔ یوم پیدائش سے سات دن تک تو حضرتؐ نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا ہے۔ اور پھر ابولہب کی آزاد شدہ کنیز ثویبہ

تک ہی آپ کو دودھ پلاتی رہیں۔ اور اسکے بعد آپؐ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیتے رہے جو آپؐ کی رضاعی ماں تھیں۔

عرب میں دستور تھا اور اب بھی ہے کہ ہر سال بیرونجات کی شیر دار عورتیں شہروں میں دولتمندوں کے بچوں کو دودھ پلانے اور بیرونجات کی عمدہ آب و ہوا میں پرورش کرنے کو لیجانے کے لیے آیا کرتی تہیں جو نو مولود بچوں کو اپنے گھر جا پرورش کرتیں اور دودھ چھڑا لینے کے بعد والدین کے ہاں پہنچا دیتی تھیں جنکے معاوضہ میں علیٰ قدر حال بچوں کے والدین اُن سے مالی سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ اس سال بھی یہ قافلہ آیا۔ اور جب سب عورتیں دولتمند بچوں کو لے چکیں اور صرف حلیمہ بنت ذویب بن حارث سعدیہ خالی رہ گئیں۔ تو عبدالمطلب نے اُن سے حضرتؐ کو دودھ پلانے کی خواہش ظاہر کی۔ جنہوں نے اپنے شوہر کے مشورہ سے اس گوہر بے بہا کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اور لیجانے کے بعد تو وہ آپؐ کو اور بھی عزیز سمجھنے لگیں۔ کیونکہ ایک تو حضرتؐ کا حسن و جمال پرلے درجہ کا بے مثال و بے عدیل تھا۔ اور دوسرے جس دن سے آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے مال مویشی اور کھیتی باڑی کی فراوانی سے اُن کا گھر بابرکت ہو گیا تھا۔

حضورؐ کا نمو بھی غیر معمولی طور پر بہت جلد اور بہت عمدہ ہوا۔ دس مہینے کی عمر میں آپؐ اسطرح بولتے تھے کہ سمجھا جا سکے۔ حلیمہ کے گھر جب آپؐ تھے تو اس کے بچوں کے ساتھ جنگل میں کھیلنے جایا کرتے تھے۔ دو برس کی عمر میں آپؐ اچھے توانا ہو گئے تھے اور دودھ پینا چھوڑ دیا تھا اس لئے حلیمہ آپؐ کو آپؐ کی والدہ کے پاس لے آئیں اور عبدالمطلب نے اُس کو اتنا معاوضہ خدمت بھی دیا کہ کوئی امیر سے امیر بھی اس سے زیادہ نہ دے سکتا تھا۔ لیکن حلیمہ کو چونکہ حضرتؐ سے خاص محبت ہو گئی تھی۔ اسلئے اُس نے پھر یہ درخواست کی کہ ابھی چند عرصہ اور ان کو میرے یہاں رہنے دیا جائے۔ چنانچہ عبدالمطلب اور آپؐ کی والدہ نے بھی اسکو منظور کر لیا۔ اور آپؐ بدستور

حلیمہ کے ہاں ہی رہنے لگے۔

شق صدر:- اسی قیام کے زمانہ میں ایک دن جبکہ حلیمہ کے لڑکوں کے ساتھ آپؐ جنگل میں کھیل رہے تھے۔ دو شخصوں نے (جبرائیل و میکائیل) آپؐ کا سینہ مبارک چاک کر کے اس سے ایک قطرہ سیاہ خون کا نکال لینے کے بعد برف سے دھو کر بدستور زخم کو سی کر ملا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حلیمہ کے لڑکے بھاگے ہوئے ماں کے پاس پہونچے اور جب اپنا چشمدید ماجرا بیان کیا تو وہ دوڑتی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس آ پہنچیں اور آپؐ کا منہ سر چوم کر حال دریافت کیا تو آپؐ نے بھی تصدیق فرمائی۔ مگر کوئی اضطراب اور بے چینی ظاہر نہیں کی۔ اسوقت عمر شریف آپؐ کی چار برس کی تھی۔ حلیمہ اس واقعہ سے سخت خائف ہوئی اور اس نے آپؐ کو آپؐ کی والدہ اور دادا کے پاس پہنچا دیا جنہوں نے آپؐ کی حفاظت پر اُم ایمن (جو آپؐ کے والد مرحوم کی متروکہ کنیز تھیں) کو مقرر کر دیا۔ اور آپؐ اپنی والدہ کے سامنے اشراف قریش کے بچوں سے کھیلنے لگے۔ مگر ابتدا سے ہی بیہودہ کھیل آپؐ کو پسند نہ تھے۔ بلکہ اکثر اوقات خاموش رہا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن ابو قحافہ (جو بعد میں ابو بکر صدیقؓ مشہور ہوئے) بھی آپؐ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

گمشدگی:- یہ واقعہ بھی خاص قابل تذکرہ ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ آپؐ کو مکہ پہونچانے آئیں تو شہر کے باہر قضائے حاجت کے لئے جاتی ہوئیں حضور رسول صلعم کو ایک جگہ بٹھلا گئیں۔ مگر آپؐ کھیلتے ہوئے کہیں دور نکل گئے۔ چنانچہ جائے مقررہ پر حلیمہ نے آ کر جب آپؐ کو نہ پایا تو سخت متفکر و متردد ہو گئیں اور ڈھونڈتی ہوئی عبد المطلب کے پاس بھی جا پہنچیں۔ جس پر وہ بھی سخت بے چین ہو کر ڈھونڈنے کو چڑھ دوڑے۔ اور آخرش رہنمائی حقیقی سے آپ کو وادی تہامہ میں ایک درخت کے نیچے پا لیا۔ اور دوڑ کر چھاتی سے لگا کر خوشی خوشی گھر لے آئے۔ چنانچہ مفسرین نے ووجدک ضالاً فھدیٰ کی تفسیر میں اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

آپؐ کی والدہ اور عبد المطلب کی وفات :- آپؐ کی عمر کے چھٹے سال آپؐ کی والدہ نے مدینہ کا سفر فرمایا (جہاں ان کا میکا تھا) اور وہاں سے واپسی کے وقت قریہ ابواء میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور وہیں دفن بھی کی گئیں۔ ام ایمن نے آپؐ کو مکہ میں عبد المطلب کے پاس پہونچا دیا جنہوں نے گلے لگا کر آپؐ کو بڑی تسلی تشفی دی اور پہلے سے بھی زیادہ شفقت کرنے لگے کیونکہ آپؐ اب بالکل بے مادر و پدر ہوگئے تھے۔ مگر افسوس کہ اس سے دو سال بعد جبکہ آنحضرتؐ آٹھ ہی برس کے ہوئے تھے عبد المطلب نے بھی ایک سو دس برس کی عمر میں وفات پائی اور آپؐ کی حفاظت و سرپرستی ابو طالب کے سپرد ہوئی۔

فصل دوم

سنِ رشد و تربیت

آٹھ برس کی عمر میں آپؐ ابو طالب کی سرپرستی میں آگئے جو آپؐ کے حقیقی چچا اور خاندان بھر میں بوجہ اپنی نیک چلنی اور معاملہ فہمی کے سب سے ممتاز و متمیز مانے جاتے تھے۔ یوں تو آپؐ کے بارہ چچے تھے جیسا کہ عبد المطلب کے خاندان کی تصریح میں گذر چکا مگر ابو طالب اور عبد اللہ (والدِ حضور علیہ السلام) ایک ماں کے پیٹ سے تھے لہذا عبد المطلب نے انہیں کو آپ کی سرپرستی کے لئے مستخلف کیا تھا۔ ایک تو ابو طالب خود ہی ایک رقیق القلب شخص تھے۔ دوسرا حضرتؐ کی یتیمی اور آپ پر خوبصورتی اور [illegible] پاک سیرتی ایسی نہ تھی جو اُن کو آپؐ کا گرویدہ نہ کر لیتی۔

پس وہ آپؐ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے۔ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے تھے، [illegible] اپنی حفاظت میں رکھا کرتے تھے حتی کہ رات کو سوتے بھی اپنے ساتھ سلاتے تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تجارتی اغراض کے

صنعت و تجدید کے شایانِ شان نہ تھا۔ دوسرا حضرت ممدوحؐ کے امی ہونے سے جو ایک بڑا بھاری کامل ثبوت اور زبردست استناد آپؐ کے نبی برحق اور آپؐ کی شریعت کے منزل من اللہ ہونے کا ملتا ہے وہ آپؐ کی ناخواندہ اور تعلیم یافتہ ہونے سے بہت کچھ گھٹ جاتا۔ حالانکہ اس ابدی شریعت کے لئے ایسے بیّن نشان کی بہت ہی بڑی ضرورت تھی تاکہ ہر زمانہ کے لوگ اس سے بطور معجزہ کے کام لے سکیں عقلِ سلیم کے لئے اس سے زیادہ اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے کہ ایسے قرآن کا منزل من اللہ جس کی مثل و نظیر سے دنیا بھر کے فصحاء و حکما کیا باعتبار الفاظ اور کیا باعتبار مضامین عاجز اور سر انداز ہو گئے ہوں خود ایک اُمی محض تھا۔ جسنے نہ کسی ادیب سے تعلیم پائی اور نہ کسی حکیم۔ فلاسفر کی صحبت اٹھائی۔ بلکہ ہمیشہ عام طور پر اونٹ چرانے والوں اور زیادہ سے زیادہ تجارت کرنیوالوں کی سوسائٹی میں رہا کیا۔ جن میں بہتر بریں نیست کہ اگر ہو سکتا ہے تو جذب منفعت اور طلبِ معاش کا مادہ ہو سکتا ہے نہ کہ حکیمانہ۔ موحدانہ روحانی اور مذہبی مذاق کا سرچشمہ۔ پس اگر اس ناخواندگی کو ایک حکمتِ الٰہی سمجھا جائے تو اس کا کچھ اور ہی لطف آجاتا ہے۔

مختلف سفر۔ سفرِ شام کے بعد اپنے چچا زبیر یا عباس کے ساتھ آپؐ نے سترہ سال کی عمر میں یمن کا بھی سفر کیا تھا جو غالباً تجارت کے لئے ہو گا۔ اور وہ بھی بخیر و خوبی ختم ہوا۔

امین کا خطاب۔ تجارت کے واسطے چونکہ امانت و دیانت اور معاملہ فہمی کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے اور حضور ممدوحؐ ان اوصاف اور ان کے علاوہ اور بھی تمام صفاتِ حسنہ کے سبب تمام قوم میں مشہور ہو گئے تھے۔ اسلئے آپؐ کو جامع صفات و محاسن پا کر بیس اکیس برس کی عمر میں قوم نے بالاتفاق "امین" کے معزز و مقدس خطاب سے خود بخود مخاطب کر دیا تھا۔ اور پھر اسی ان دو تجارتی سفروں نے تو تجربہ کاری کا سرٹیفکیٹ بھی دیدیا۔

آپؐ کا تجارتی سفر اور مختلف گواہیاں - حضور علیہ السلام کے اوصافِ حسنہ سُن سُن کے آخر ش پہلے پہل تو عرب کی مشہور دولتمند خدیجہؓ خاتون نے آپؐ کو اپنا مال دے کر بطور ایجنٹ شام جانے کی تحریک کی جسکو آپؐ نے بھی خوشی سے منظور فرمایا۔ چنانچہ خدیجہؓ نے آپؐ کے ساتھ اپنے رشتہ دار خذیمہ اور غلام میسرہ نامی کو مالِ تجارت دے کر شام کیطرف روانہ کیا اور اس سفر میں آپؐ کے خوارق - عادات - اور معجزات زیادہ تر مشاہدہ میں آئے یعنے ایک تو راہ میں آپؐ ایک سُوکھے ہوئے درخت کے تلے سایہ کے لیئے بیٹھ گئے تھے - جسکو حق تعالےٰ نے سرسبز کر دیا - دوسرا آپ جب کبھی دُھوپ کیوقت چلتے تو بادلوں کا سایہ ہو جاتا - اسیطرح جب یہ مُبارک قافلہ بُصریٰ[1] میں پہنچا تو نسطورا نامی راہب آپؐ کو دیکھتے ہی اپنے صومعہ سے باہر نکل آیا - اور آپؐ کی صورتِ مُبارک دیکھ کر چند کتب قدیمہ بھی نکال لایا - اور بڑے شوق سے کبھی کتابوں کو اور کبھی آپؐ کو دیکھنے لگا - یہ عجیب حالت دیکھ کر خذیمہ کو گمان ہوا کہ یہ کوئی سحر نہ کر رہا ہو کیونکہ عرب میں اُن دنوں اس کا بہت کچھ چرچا تھا - پس اُنہوں نے "یا آلِ غالب" کہہ کے ہمراہیانِ قافلہ کو آواز دی - جو فی الفور جمع ہو گئے - اس سے نسطورا تو ڈر کر کوٹھے پر چڑھ گیا مگر وہیں سے سب کو باآوازِ بلند کہہ دیا کہ "لوگو! مجھ سے بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہیں - میں پیغمبر آخر الزمان کی تمام شمائل صوری و معنوی اس شخص میں پاکر کتابِ آسمانی سے مقابلہ کر رہا تھا - جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہی پیغمبر آخر الزمان ہوں گے - یہ سُنکر سب لوگ خوش ہو گئے - اور نسطورا نے بھی اطمینان سے قدمبوسی حاصل کی - مگر اُس نے یہی صلاح دی کہ شام کے یہودی سخت متعصب ہیں - اسلیئے یہیں سے آپؐ کو مراجعت فرمانی چاہیئے - چنانچہ ہمراہیوں کی مرضی سے آپؐ نے بھی وہیں مالِ تجارت کا

---

[1] یہ بُصریٰ بضم با علاوہ اُس شہر کے ہے جو بَصری بفتح مشہور ہے ۱۲

سوداگری کرلیا۔ اور تبادلہ بھی ایسے مال سے کہ جس سے نفع کثیر حاصل ہوتا۔ اسکے
بعد وہیں سے آپ بخیر و عافیت مکہ کو واپس تشریف لائے۔ یہاں خدیجہؓ کو ایک
تو آپ کی بامنفعت تجارت کی خوشی ہوئی تھی۔ دوسرا آپکے حالات سفر سنکے
وہ کمال مشتاق ہوگئیں اور انہوں نے اپنی مرضی سے نفیسہ نامی ایک عورت کے
ذریعہ آپکے مناکحت کی درخواست کر بھیجی۔

خدیجۃ الکبریٰ سے آپکا نکاح - خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ
بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) ایک مالدار
تاجرہ تھیں ان کے پہلے شوہر ابو ہالہ نامی مر چکے تھے اور بس بڑے بڑے ہاشمی اشراف مکہ
ان سے شادی کے پیغام کر چکے تھے کیونکہ آپ علاوہ اعلیٰ درجہ کے حسن و جمال
کے تمول اور امارت کی بھی مالک تھیں مگر انہوں نے کسی پیغام کو منظور نہ کیا تھا۔
جسکی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان کے گھرانے میں شائستگی تھی (بہ نسبت عوام کے کیونکہ)
زیادہ پائی جاتی تھی یعنی ان کے رشتہ دار انجیل و توریت کے اچھے عالم تھے
چنانچہ ورقہ بن نوفل ان کے چچیرے بھائی ایک زبردست عالم توریت و انجیل کے
موجود تھے۔ پس اگر وہ ان پڑھ اور اجڈ اشخاص کو ناپسند کرتیں تو کچھ عجب نہ
تھا۔ لیکن دوسری بڑی بھاری وجہ یہ تھی کہ بعد بیوگی کے انہوں نے ایک دفعہ عالم
خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک آفتاب میرے گھر میں اتر آیا ہے۔
جسکی روشنی سے نہ صرف میرا ہی گھر بلکہ تمام دنیا روشن ہوگئی ہے۔ اور اس کی
تعبیر ورقہ بن نوفل نے ان کو یہ بتائی تھی کہ "ایک بڑا اولو العزم پیغمبر آخر الزمان
جسکے مبعوث ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہ آپ کو اپنے شرف نکاح سے
سرفراز کریگا" پس وہ اس پیغمبر کے انتظار میں تمام درخواستیں
نامنظور کرتی رہیں۔ اور اب جبکہ انہوں نے اپنے بھتیجے خزیمہ اور غلام میسرہ
سے آنحضرتؐ کے حالات و معجزات سن پائے تو ان کو اپنی تعبیر کے موافق پاکر خود
نکاح کی درخواست کردی جسکو آنحضرتؐ نے بھی اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ

سے بخوشی منظور فرما لیا اور یہ مبارک مناکحت تمام اہلِ برادری کی شرکت سے بوجہ احسن خوشی خوشی سرانجام ہو گئی مجلسِ نکاح میں بطور رسم کے آنحضرت کیطرف سے ابوطالب نے اور خدیجہؓ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے کلمات تہنیت کا اظہار کیا تھا۔ اور بیس اونٹ (یا اُن کی قیمت) مہر کی مقدار مقرر کی گئی۔ نکاح کے بعد آنحضرتؐ کیطرف سے ابوطالب نے ایک اونٹ ذبح کر کے تمام اہلِ برادری کی دعوت کی۔ اور قاعدہ کے موافق طرفین کے اقربا سے مسرت و شادمانی کا اظہار ہونے لگا اس مبارک نکاح کے وقت آپؐ کی عمر شریف پچیس سال کی اور خدیجہ الکبریٰ رضؓ کی چالیس برس کی تھی۔

اس کے بعد حضور ممدوحؐ نے شام و یمن کی طرف وقتاً فوقتاً سفر فرمائے جو خیر و خوبی سے طے ہوتے رہے۔ لیکن ان کا کوئی واقعہ قابلِ تحریر نہیں۔

تعمیر کعبہ میں آپؐ کا حکم بننا - جب آپؐ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی تو قریش نے تعمیر کعبہ شروع کی۔ اور سنگ اسود کے نصب کرنے کی نسبت باہمی تنازعہ ہو گیا۔ کیونکہ ہر سردار قوم اپنے آپ کو ہی اسکے نصب کرنے کا مستحق سمجھتا تھا۔ اسپر مختلف وعویداروں کی گفتگو نے طول کھینچا تو ایک شخص نے فیصلہ کیا کہ اسوقت بحث مباحثہ ملتوی رکھا جائے۔ کل صبح سب سے پہلے جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوگا سب لوگ اسی کو حکم قرار دے کر اسکے فیصلہ کو منظور و قبول کر لیں چنانچہ سب نے اس رائے کو پسند کر کے دوسرے دن پر معاملہ کو اٹھا رکھا۔ اور جب دوسرے دن لوگ علی الصباح کعبۃ اللہ میں جمع ہوئے تو حسنِ اتفاق سے سب سے پہلے آنے والے آنحضرتؐ ہی پائے گئے۔ جن کو دیکھ کر تمام لوگوں نے اپنی دلی مسرت ظاہر کی۔ کہ یہ امین اور پاکباز ہیں تو ان کا فیصلہ بلا اکراہ و اجبار سب کے تہ دل سے منظور و قبول ہوگا۔ اور واقعی آپؐ نے بھی اس دانائی سے اس اختلاف و نزاع کا فیصلہ فرمایا کہ سب قبائل خوش و خورم ہو گئے۔ اور جنگ و جدال و خونریزی کی بجائے باہمی محبت ترقی کر گئی یعنے آپؐ نے ایک چادر میں حجرِ اسود کو رکھ کر سب اہل قبائل سے کہا

اُسکے اُٹھانے کا حکم دیا - اور اس طرح جب وہ پتھر دیوارِ کعبہ تک پہونچ گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اب تم سب ملکر مجھکو اپنا وکیل کردو - تم سب کی طرف سے میں اُسے نصب کئے دیتا ہوں چنانچہ سب نے آپؐ کی وکالت منظور کی اور آپؐ نے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اُٹھا کر دیوارِ کعبہ میں نصب کر دیا - اور دراصل آپؐ ہی اس عزت کے مستحق بھی تھے - کیونکہ تولیتِ کعبہ قریش سے عبدالمطلب کے زمانۂ آخر تک آپؐ ہی کے خاندان میں چلی آتی تھی اور عبدالمطلب نے بھی اپنے دس بیٹوں میں سے عبداللہ آپؐ کے والد کو ہی اپنا جانشین مقرر کیا تھا - گو وہ آپؐ کی ولادت سے پہلے فوت ہو گئے تھے - پس اس اعتبار سے تولیتِ کعبہ آپؐ ہی کو پہونچتی تھی - اور اصالتاً آپؐ ہی اس پتھر کو نصب کرنے کے حقدار بھی تھے

ابتدائی حالات جسقدر لکھے جا چکے ہیں - غالباً ناکافی نہیں ہیں - اور ان سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضور سرورِ [illegible] ہر اعتبار اور ہر پہلو سے کیسے **انسانِ کامل اور سعیدِ تام** تھے - خاندان اشرف الاشراف تھا - حسن و جمال اس سے بھی زیادہ شہرۂ آفاق - شمائل و خصائل ایسے نورانی تھے کہ سب قوم آپؐ کو اعتبارِ کامل کی نگہ سے دیکھتی تھی - شادی ایسے خاندان میں ہوئی کہ جو علاوہ ثروتِ ظاہری اور شرافتِ نسبی کے باعتبار اپنے سیادت و ثقاہت کے بھی عرب کا مایۂ ناز مانا جاتا تھا - صحتِ جسمانی ایسی اعلےٰ تھی کہ تندرستی ہاتھ باندھے حاضر رہتی تھی - زہد و اتقا اور تقدس و تطہیر کا یہ عالم تھا کہ عرب کیا دنیا بھر میں کوئی آپکی نظیر نہ تھا - غرضکہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا ست
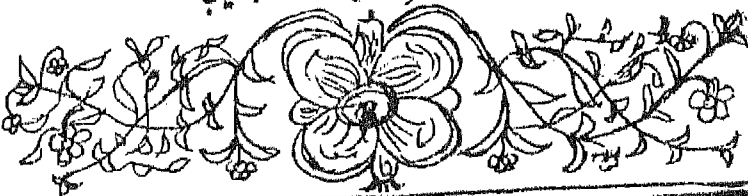
فصل سوم

زمانۂ رسالت

حضور ممدوحؐ کی طبیعت ہمیشہ سے گوشہ نشینی اور عزلت گزینی پر مائل تھی۔ عبادت اتنی پسند تھی کہ خویش واقارب اغیار و اجانب سب سے منہ موڑ کے کئی کئی دن جنگلوں میں تنہا بیٹھے یادِ الٰہی میں محو و سرخوش رہا کرتے تھے۔ اور بالعموم رمضان میں تو ہمیشہ کچھ داجبی سا آزوقہ لے کر کسی غار میں معتکف بیٹھنا اپنے اوپر لازمی کر لیا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو بہت زیادہ عرصہ آپؐ گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ چھ مہینے تک آپؐ معتکف رہے۔ صنم پرستی و کواکب پرستی سے طبع معلّٰے ہمیشہ سے متنفر اور مجتنب تھی۔ اور ابتداء سے ہی آپؐ توحیدِ واجب الوجود کے دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ زنی فرماتے رہتے تھے۔ اگرچہ اُس زمانہ میں چند محقق اور بے تعصب عالم بھی بُت پرستی وغیرہ سے متنفر ہو چکے تھے۔ مگر اُنہیں کوئی دوسرا رستہ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ بس مذبذبین بین ذالک لا الیٰ ھٰؤلاء ولا الیٰ ھٰؤلاء۔ اور وہ بھی کتنے تاریخ تو دو چار کے بغیر اور نام بھی نہیں بتاتی اور اُس پر جب یہ دیکھا جائے کہ حضور ممدوحؐ نے نہ تو کسی سے تعلیم پائی اور نہ کوئی اور ذریعہ تحقیقِ مذاہب کا پایا۔ تو اِس موحدانہ تحریک کو الٰہی تحریک اور خدائی تلقین کے بغیر کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتے حالاتِ ملک اور معاشرتِ قومی کے اعتبار سے تو اگر آپؐ خود بھی وہی خیالات رکھتے تو کچھ بیجا نہ تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی رحمتِ خاص سے ابتداء سے ہی تہمت پرستی وغیرہ کی ذلت میں مبتلا نہ کیا جو خاص حکمتِ الٰہی تھی۔ کیونکہ یہ تو ایک ایسے اولوالعزم اور جلیل القدر نبیؐ کے شایانِ شان نہ تھا کہ پہلے

اُس بلا میں خود بھی پھنسا رہا ہو جس سے دوسروں کو بچانا چاہتا ہے۔ بلکہ ازلی سعادت
اور پوری کمالیت اسی میں ہے کہ وقتِ پیدائش سے دمِ اخیر تک کفر و ضلالت کی طرف
رُخ ہی نہ ہو جیسا کہ حضور ممدوح ہمیشہ ان آلائشوں سے پاک و صاف رہے۔ اور کیونکر نہ پاک
رہتے جبکہ آپ ہی دُنیا کے پاک کرنے کو مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ بھی سراسر حکمتِ الٰہی
تھی کہ اگرچہ آپ فخر الاولین والآخرین تھے مگر تبلیغ رسالت اور اشاعتِ شریعت ابد
مدت کا کام آپ سے چالیس برس تک نہ لیا گیا۔ اور اتنا عرصہ گویا حضور ممدوح کو مطالعۂ
فطرت اور تزکیۂ نفسِ بشری کے لئے اور باقی مخلوق کو آپ کے مطالعہ اور مشاہدہ کے لئے
چھوڑ دیا گیا تا کہ دونوں باہم مانوس ہو جائیں۔ چنانچہ جب یہ مرحلہ بخوبی طے ہو لیا تو
وہی ازلی خدمت آپ کے لئے تجویز ہو گئی۔ اور خلعتِ رسالت آپ کے زیبِ تن فرمایا گیا

تاکا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پہلی پھڑک اُٹھی نظرِ انتخاب کی

نزولِ وحی۔ جب حضور ممدوح کی عمر شریف پورے چالیس سال کی ہو لی۔ اور اکتالیسویں
برس کا پہلا دن آیا جو دوشنبہ تھا۔ اور جبکہ آپ بدستورِ قدیم غارِ حرا میں معتکف اور گوشہ
نشین تھے۔ تو جبرئیل امین ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے ایک ریشمی کپڑا جس پر کچھ
لکھا ہوا تھا دکھا کر آپ سے کہا اقرأ۔ پڑھ۔ آپ نے فرمایا ما انا بقاری۔ میں
پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر انہوں نے آپ کو اپنے آغوش میں لیکر خوب دبایا۔ اور
پھر کہا اقرأ۔ جس کے جواب میں آپ نے وہی عذر کیا۔ تو جبرئیل نے آپ کو
پھر دبایا۔ اور پھر کہا اقرأ۔ مگر آپ نے بدستور وہی جواب دیا۔ جس پر انہوں نے
آپ کو سینہ سے لگا کر اسقدر دبایا کہ آپ کے جسم مبارک کو تکلیف محسوس ہوئی۔
جس کے بعد جبرئیل نے پوری آیات پڑھوا دیں جو یہ تھیں۔ اقرأ باسم ربک الذی
خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم
علم الانسان ما لم یعلم۔ ترجمہ۔ اپنے رب کا نام پڑھ (جپ) یعنی ورد بنا لے
جس نے انسان کو علقہ (خون بستہ) سے پیدا کیا۔ پڑھ اُس خدا کا نام جس نے قلم

کو علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ کچھ سکھایا ۔ جو وہ نہ جانتا تھا"
اسکے بعد جبرئیل نے کہا۔ کہ میں روح الامین ہوں۔ اور آپ کو نبوت کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ اور آپ رسول برحق ہیں"۔ یہ کہہ کر فرشتہ تو نظروں سے غائب ہو گیا
مگر آپ پر کچھ ایسی ہیبت الٰہی طاری ہوئی کہ کانپنے لگے۔ اور اسی حالت میں غار سے اٹھ کر گھر تشریف لائے۔ یہاں بھی سینہ میں دھڑک اور آنکھوں میں اس نظارہ کی چمک دمک بدستور باقی تھی۔ آپ نے خدیجۃ الکبریٰ رضی سے فرمایا۔ زملونی الخ (یعنی مجھے کمل اڑھا دو میں ڈر گیا ہوں) چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا۔ اور طبیعت کی کیفیت دریافت کی۔ تو آپ نے تمام سرگذشت مفصل سنا دی۔ اس پر خدیجہ رضی نے آپ کو تسلی و تشفی دی۔ کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا آپ کو ضائع نہ کرے گا آپ ہمیشہ بیواؤں۔ یتیموں۔ غریبوں بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ اور آپ نبی الارض جیسا کہ فرشتہ نے بشارت دی ہے نبی آخر الزمان ہیں۔ اس کے بعد زیادہ تشفی کے لئے وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کیونکہ ورقہ بن نوفل انجیل و توریت کتب سماوی کے ایسے زبردست عالم تھے۔ کہ ان کا ترجمہ عربی میں کر چکے تھے۔ انہوں نے خدیجہ رضی سے تمام حال سنکر حضور صلعم سے پوچھا۔ کہ یا ابن اخی ماذا ترٰی یعنی میرے بھتیجے تو نے کیا دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے سارا واقعہ سنایا۔ تو اس نے فرشتہ کے لئے کہا ھذا الناموس الاکبر کہ یہ جبرئیل امین تھا اور بیشک آپ آخر الزمان پیغمبر ہیں۔ مگر آپ کی قوم آپ کی سخت برخلاف ہو جائے گی۔ اور ذلت و حقارت سے پیش آئے گی۔ بلکہ نکال دے گی اس جملہ پر پہنچکر آپ نے تعجب سے فرمایا او مخرجی ھم کیا سچ مچ وہ مجھے نکال بھی دے گی۔ اس نے کہا بیشک اور اگر میں اسوقت تک جیتا رہا تو ہر طرح آپ کی مدد کو جان و مال سے حاضر ہوں گا۔ اور ایسی بد سلوکیاں تو ہر ایک پیغمبر کے ساتھ انکی اقوام نے کی ہیں"۔

بہرحال اس گفتگو سے آپ کی طمانیت ہوئی اور آپ وحی کے منتظر رہنے لگے لیکن

تیس ماہ یا تین برس تک وحی نہ ہوئی۔ وجہ یہ کہ حضور کا شوق آؤ بھی غالب ہو جائے اور دلِ صفا منزل آؤ بھی انوارِ روحانی سے منور و مجلّی ہو کر اس عہدہ کے ادائے فرائض کے لئے مستعد بلکہ مستقل ہو جائے اور واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ پہلے بھی جب آپ کو وحی ہوئی تو عرصہ دراز کی ریاضات و صفائی و مشقِ الہام کے بعد ہوئی تھی۔ یعنے وحی سے پہلے ایک عرصہ تک آپ سچے خواب اور بشاراتِ عظیمہ ملاحظہ فرماتے رہے تھے۔ مگر پھر بھی نزولِ وحی کے وقت بشریت کے باعث آپ بیحد خائف ہو گئے تھے۔ لہٰذا اب ایک کافی عرصہ کے لئے انقطاع کرایا گیا تاکہ عزم۔ استقلال۔ شوق اور جذبات۔ محبوبیت کمال پر آ جائیں نتیجہ یہ ہوا کہ جب انقطاعِ وحی میں شوق و ذوقِ روحانی کے باعث آپ پریشان و اندوہگین رہنے لگے۔ تو وحی کا نزول شروع ہوا۔ اور پھر برابر ہوتا رہا جسکے مجموعہ کا نام قرآن ہے۔

سب سے پہلے مسلمان خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوتے ہی آپ کی رسالت پر حق اور خدا کی وحدانیت پر سب سے پہلے آپ کی حرمِ محترم خدیجۃ الکبریٰ ایمان سے مشرف ہوئیں اور انکے بعد عبداللہ بن ابی قحافہ (جو ابو بکر صدیقؓ کے نام و لقب سے مشہور ہیں) اور زیدؓ بن حارثہ اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور اس کے بعد اور خاص خاص لوگ بھی رجوع ہونے لگے۔ چنانچہ اپنے ایمان لانے کے دوسرے دن ابو بکر صدیقؓ نے عثمانؓ بن عفان۔ زبیرؓ بن العوام۔ طلحہ بن عبیداللہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ بلالؓ موذن۔ اور سعیدؓ بن زید کو پیش کیا جو صدقِ دل سے ایمان لائے۔ اور پھر عثمانؓ بن مظعون۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی۔ ارقمؓ بن ابی الارقم نے بھی ابو بکر صدیقؓ کے ایما سے ہی حاضر حضور ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر جعفرؓ بن ابی طالب ابوذر غفاریؓ عمارؓ بن یاسر ایمان لائے۔ اور اسکے بعد رفتہ رفتہ کچھ حسن تحریک شروع ہوئی۔
اس جگہ یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ بعض لوگ اس بات پر بہت باریکیاں نکالتے

ہیں کہ پہلے ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے۔ یا علیؓ ابن ابی طالب۔ اہل تشیع کا علماء
نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آزاد عورتوں میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول
کیا۔ اور آزاد بالغ مردوں میں سے ابوبکر صدیقؓ نے۔ علیٰ ہذا آزاد نوجوانوں میں سے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ آزاد کردہ غلاموں میں زیدؓ بن
حارث۔ اور غلاموں میں سے بلالؓ حبشی پہلے پہل مسلمان ہوئے۔ اور یہی توجیہ
درست بھی معلوم ہوتی ہے۔

صحیح طور پر اس امر کو کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ کہ تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام
حضور مسرور ﷺ نے ابتدائی وحی کے ایام سے فرمائی تھی یا دوسری بار وحی آنے کے
بعد۔ البتہ تاریخ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ابتدائی وحی پر آنحضرت ﷺ نے وعظ تو شروع
فرما دیا تھا۔ لیکن جب تک دوبارہ وحی نازل نہ ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے علانیہ سوائے خدا اور بہشت و دوزخ
کے تبلیغ کا بیان نہیں فرمایا تھا۔ اور کیسے فرماتے۔ کیونکہ وہ تو خود تھے ما ینطق
عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (وہ اپنی طرف سے نہیں بولتا)
جب تک وحی آ کے سکھلا نہ دیتی اپنی جانب سے کچھ بھی نہ کہہ سکتے تھے۔

ابتدائی دعوت اسلام اور قریش کی عداوت۔ بہرحال ابتدا میں
خاص خاص مخلص دوستوں اور رشتہ داروں میں سلسلہ تبلیغ و وعظ شروع ہوا
اور رفتہ رفتہ اسکا چرچا ہونے لگا۔ تب تک آپ ہر دلعزیز بھی تھے اور قوم کے جائے
اعتبار بھی تھے۔ لیکن جب آیہ کریمہ وانذر عشیرتک الاقربین (ڈرا اپنے
کنبے والوں کو) نازل ہوئی۔ اور آپ نے اپنی صاف باطنی اور صفائی پسند طبیعت
کے اقتضا سے قوم کو بت پرستی اور ستارہ پرستی کی برائی بتا کر اور خدائے
تعالیٰ کے عذاب دردناک سے ڈرا کر دعوت اسلام شروع فرمائی۔ تو پھر زمانہ بھر کی مخالفت
کا آماجگاہ آپ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ اول تو آپ نے عرب کے
قومی طریق کے موافق ایک دفعہ کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی یا معشر القریش یا آل
غالب یا بنی عدی اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔ ایھا الناس!

اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جرار و خونخوار فوج اس تاک میں
چھپی بیٹھی ہے کہ موقع پا کر تم کو ہلاک کردے۔ تو کیا اس بات پر تم اعتبار کروگے؟
اس پر سب نے کہا بیشک! کیونکہ ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ اور تم امین
ابن الامین ہو۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم کو مجھ پر اعتبار ہے تو یقین جانو
کہ تمہاری نافرمانیوں کے باعث تم پر عذاب شدید آنے والا ہے۔ بس یہ سُننا تھا
کہ قوم کی محبت نفرت و عداوت کے ساتھ بدل گئی خصوصاً ابولہب تو جوش میں آکر
جھلّا اٹھا۔ اور غصّہ میں بڑبڑانے لگ گیا۔ کہ تبا لک سائر القوم لھذا جمعتنا (تجھ پر
خرابی ہو کیا ساری قوم تو نے اسی لیے جمع کی تھی) اس پر مجمع منتشر ہو گیا اور کسی نے بھی
تعصب قومی اور رسوم و عقائد آبائی کی پابندی کے باعث ذرا بلند نظر کرکے اس آوازِ
حق کیطرف توجہ نہ کی کہ آخر کچھ سوچیں تو سہی کہ واقعی ہماری حالت قابلِ اصلاح
اور ہمارے افعال قابلِ مواخذہ ہیں یا کیا؟ اور ہیں تو پھر آپ کی دعوتِ برحق کہاں
تک درست ہے۔ مگر ان کا غور نہ کرنا حضرت کو خاموش نہ کرا سکتا تھا۔ کیونکہ آپ مامور
مجبور ہو چکے تھے۔ لہٰذا اسکے چند عرصہ بعد پھر بھی ایک دفعہ آپ نے ایک دعوت کی
تقریب سے قریش کو بلایا جس میں چالیس اکابران قوم شامل تھے۔ اور اس موقع پہ بھی شدو
مد سے اپنی رسالت کا ذکر چھیڑ کر یہ ایما فرمایا کہ کاش ہمارے رشتہ داروں اور
عزیزوں میں سے کوئی شخص ہماری موافقت اور تقویت کرتا تو یہ خدائی کام بہت
آسانی سے طے ہو جاتا۔ مگر اس پر بھی بغیر کسی رائے قائم کرنے کے اُن جہل مرکب کے
اسیروں نے قہقہہ لگانا اور تمسخر اڑانا شروع کیا چنانچہ یہ حالت دیکھ کر حضرت علی
کرم اللہ وجہہ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے باواز بلند فرمایا کہ خدا اور اسکا رسول
سچا ہے۔ کوئی دوسرا مددگار رہے یا نہ رہے میں تو ہر طرح اور ہر وقت آپ کی خدمتگاری
اور اس کار گراں کی انجام دہی کو طیار ہوں گا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ قریش حضرت
کی تجویز اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تائید پر کچھ توجہ کرتے۔ مگر اس سے اُن لوگوں کا
کد اور بھی بڑھی اور جلسہ بے لطفی کے ساتھ برخاست ہو گیا۔ سچ ہے کہ

در گوش کسانیکہ ز غفلت مستند
آوازِ حشر نغمۂ داؤد یست

خاص مخالفین اور اُن کی مخالفتیں۔ اِن دونوں مواقعات کے بعد اور وعظ و تلقین کے علانیہ شروع کر دینے کے باعث یوں تو تمام قوم کے دلوں میں تخمِ فساد اور بیخِ عناد مستحکم ہو گئی تھی۔ اور اُنہوں نے آنحضرتؐ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر خاندانِ بنی اُمیّہ کے اشخاص تو خصوصیت سے مضرت پہنچانے اور بدنام کرنے کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کر چکے تھے اور مخالفین کے سرغنہ ہو کر کام کرتے تھے۔ تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کی مخالفتیں بعض خاص اسباب پر بھی مبنی تھیں۔ اور یہ لوگ اپنی جہالت و شوریدہ پشتی کے باعث اِن مخالفتوں کے لئے اپنے آپ کو مستحق بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ جو باتیں اپنے حبِ جاہ و ثروت وغیرہ ان کے نزدیک بنائے مخاصمت تھیں۔ حضرتؐ تو بجا آپؐ کے غلامانِ غلام کو بھی اُن کا خیال تک نہ تھا۔ مخالفین میں ابوسفیان۔ ولید عمرو بن العاص۔ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ جو بااثر لوگ تھے۔ اِن کی مخالفتوں کی اندرونی اور پنہانی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لوگ بھی آلِ عدنان اور معشرِ قریش سے تھے۔ اور بعد فوتیدگی ہاشم اور عبد المطلب کی قوم میں یہی لوگ نامور و ممتاز اور مختارِ کعبہ سمجھے جاتے تھے۔ کعبہ کی تولیت کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ جس طرح عیسائیوں میں پوپ واجب التعظیم سمجھا جا کر اُس کے احکام واجب التعمیل سمجھے جاتے ہیں اُسی کے قریب قریب متولیانِ کعبہ کی بھی حکومت تسلیم کی جاتی تھی۔ اور اس شخص کو بہ نسبت عوام کے مقدس و مکرم مانا جاتا تھا۔ پس یہ عُہدہ جب ہاشم اور عبد المطلب کے بعد خاندانِ بنو اُمیّہ میں منتقل ہوا تو اس تغیر سے آیندہ بھی بہرہ مند ہونے کے لئے اُس خاندان اور اُسکے قرابت داروں کا خواہ مخواہ بھی یہ خیال فرض تھا کہ وہ اُن اسباب کے دفعیہ کے لئے کوشش کرتے رہیں جن کی مسدودگی سے پھر دوبارہ خاندان بنی ہاشم میں اس عزت کا منتقل ہونا متصوّر ہوا۔ لہذا

ایک وجہ تو جو ان سردارانِ قوم کی مخالفت کی یہ تھی کہ حضرتؐ کی تصدیق سے وُہ اپنی حقارت اور نقصانِ حکومت و تقدس سمجھے ہوئے تھے۔ دوسرا بڑے بڑے لوگ شرائع سابق اور مراسم ملک کے رُو سے غریب غربا پر لغوذ باللہ خدائی اقتدار رکھا کرتے تھے۔ اور اسلام اس تفرقہ کا سخت مخالف تھا۔ پس وُہ ایسے پلیٹ فارم پہ آنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے جس میں غلام بھی آقا کے دوش بدوش کھڑے ہوتے ہوں۔ تیسرا بے علمی اور تعصب جاہلانہ کے باعث آبائی اعتقادات اور مراسم جاہلیت کا چھوڑنا ان کو سخت ناگوار تھا۔ جو گویا اُن کے لئے جزوِ بدن ہو چکے تھے۔ چنانچہ **ابوسفیان بن الحرب** جو خاندان بنی اُمیہ میں بڑا سردار تھا۔ اُس وقت کعبہ کی مختاری بھی قریب قریب اُسی کے متعلق تھی۔ یہ شخص تجارت پیشہ اور فارغ البال ہونے کے علاوہ نوشت و خواند میں بھی معمولی مہارت رکھتا تھا۔ مگر نمود و بزرگی کا از حد دلدادہ تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت جب یہ مسلمان ہوگئے تو حضرت عباسؓ عمِ رسولِ مقبول صلعم کے ذریعہ انہوں نے یہ حکم امتیازی حاصل کیا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں یا ابوسفیان کے مکان میں پناہ گزین ہوگا۔ وُہ امان یافتہ سمجھا جائےگا اور اس کے بعد قبولِ اسلام پہ بھی وُہ مزید عزت کے برابر جویاں و طالب رہے پس اُن کی مخالفت کی وجہ ظاہر ہے کہ وُہ آنحضرتؐ کی کامیابی میں اپنی ذلت و حقارت سمجھتے تھے۔

ابوجہل کا نام در اصل عمرو بن ہشام تھا اور کنیت کے لحاظ سے لوگ اُس کو ابوالحکم کہا کرتے تھے۔ متمول و وجاہت کے علاوہ بڑا بولا اور چلتا پرزہ بھی تھا اور قوم قریشؓ اسکو بہادری اور شیریں کے لئے نامور تسلیم کرتی تھی۔ لیکن اُس کا طوطی کبھی عبدالمطلب کی وفات پہ ہی بولا تھا۔ اور اپنے زعم میں وُہ گویا عقلِ کُل بنا ہوا تھا مگر تھا بالکل جہل مرکب۔ اسی مناسبت سے جناب رسولِ خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ یہ شخص **ابوالحکم** کا بیٹا خاص **ابوجہل** ہے۔ جس پر اس کا نام ابوجہل مشہور ہوگیا۔ اور اسی نام سے اب تک دُنیا اُسے پکارتی ہے۔ یہ شخص ایسا

ضدی اور شیخی خورا یا دوسرے الفاظ میں خود پسند اور عاشق شہرت تھا۔ کہ جنگ بدر میں جب یہ سخت مجروح ہو کر گر پڑا تو اسوقت بھی اپنے سر کاٹنے والے مسلمان سے اس نے یہ فرمائش کی۔ کہ میرا سر مونڈھوں کے پاس سے اس طرح کاٹنا کہ مقتولین کے سروں میں رکھا جائے۔ تو سردار کا سر معلوم ہو۔" ایسا شخص بھلا کس طرح کسی دوسرے کے زیر دست ہونا قبول کر سکتا تھا۔ اسپر اسکی جہالت اور مذہبی تعصب مخالفت اسلام کے لئے اسکو ایسا مستعد کئے رہتا تھا۔ کہ جب تک وہ مر نہ گیا کبھی نچلا نہ بیٹھا۔

ابولہب اگرچہ خاندان بنی ہاشم کا ممبر اور خود حضرتؐ کا چچا تھا۔ مگر ابوسفیان کی بہن ام جمیل اس کی زوجیت میں تھی۔ اور وہ اس کا بڑے درجہ کا مطیع و منقاد تھا اور اسوقت چونکہ یہی لوگ ممتاز تھے اسلئے اس کو ان کی حمایت ایک امر لازمی تھی۔ علاوہ اس کے حضرتؐ کی مخالفت کے لئے اسکو یہی جنون کافی تھا۔ کہ یہ بے پر بے زر یتیم و بیسر جو نہ کچھ جائداد رکھتا ہے نہ منصب۔ بجائے ہمارا زیر فرمان ہونے کے ہمارے دین اور رسم کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ نیز ایک ممتاز خاندان کو برسر پرخاش اور تمام قوم کو مخالف دیکھ کر اسکو آنحضرتؐ سے خواہ نخواہ بھی عداوت ہو گئی۔ کیونکہ جاہل اور کمزور ہونے کے باعث بات کی تہ تک پہنچنا بھی اس کے لئے سخت مشکل تھا۔ کھانے پینے سے اس کو آسودگی تھی دو تین بیٹوں کا باپ تھا۔ مگر خست مزاج میں اسقدر تھی کہ اسکی بیوی خود لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لایا کرتی تھی۔ پس ایسے دنی الطبع شخص سے انصاف کی توقع تو ایک محض خام خیال کہنا چاہئے۔ اس کو جلانے کے لئے یہی بات کافی تھی۔ کہ حضرتؐ بے پدر و مادر ہیں اور باوصف اس حالت کے ان کے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب اس شخص نے پہلی بار ہی آنحضرتؐ کے پند و وعظ پر برا بھلا کہا تھا۔ تو قرآن میں اسکو سورۂ تبت یدا ابی لہب و تب کے ذریعہ لعنت و پھٹکار کی گئی تھی۔ اور اس خدائی پیشین گوئی کے مطابق اس کی بیوی بھی اپنی تباہی

رسّی کی پھانسی سے مر چکی تھی۔ اسلئے آنحضرتؐ کی عداوت اسکے دل میں اور بھی جڑھ پکڑ چکی تھی۔ چنانچہ یہ مرتے دم تک مخالفت وعناد سے باز نہ آیا۔ غالباً یہ بیان کردینا بھی ضروری ہوگا کہ ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عُتیبہ نامی سے قبل از نبوت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں رقیہؓ اور کلثومؓ کا نکاح ہوچکا تھا۔ لیکن اس مخالفت کے بعد ابولہب کی بیوی ام جمیل (جسکو قرآن مجید میں حمالۃ الحطب سے خطاب کیا گیا ہے) کے بھڑکانے سے اُس کے بیٹوں نے یہ رشتہ قطع کردیا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ابولہب کی مخالفت ابوسفیان کی ہی تحریک سے تھی۔ اسکے علاوہ **ولید بن مغیرہ** بھی حضرتؐ کے مخالفین میں شامل تھا خاندان بنی امیہ میں سے ایک معزز و مقتدر ممبر تھا۔ عرب اُس کو بڑا فصیح و بلیغ سمجھتے تھے۔ کیونکہ شاعریت میں بھی اُسے عمدہ دخل تھا۔ اس کے سوا اُسکے بہتر و بیدار و جوان بیٹے بھی تھے۔ جو اُس وقت باعثِ امتیاز و قوت سمجھے جاتے تھے۔ انہیں وجوہات سے اسکو قوم میں وحید کہکے پکارتے تھے۔ یعنی خوش نصیبی میں یگانہ عصر۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وحید اس کا تخلص ہو۔ اور بہ نسبت نام کے اُسی سے پکارا جاتا ہو۔ یہ شخص اگر عقل آل اندیش سے کام لیتا تو اسکے لیے جناب رسول مقبولؐ کے مشن کا سمجھ جانا کوئی مشکل نہ تھا۔ مگر خاندانی مخالفت اور اپنی ہمہ دانی اور عزت و فصاحت کی سکہ زنی ہی اسکے لیے سدّ راہ ہوگئی اس شخص نے پہلے پہل جب قرآن سُنا۔ تو ابوجہل سے صاف کہدیا تھا۔ کہ ”مجھے یہ کلام بشر نہیں معلوم ہوتا“ مگر ابوجہل کے بھڑکانے سے آخر مخالفین میں ہی شامل ہوگیا۔ اس کی مخالفت زیادہ تر ایسی تدابیر کے وضع کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ جس سے اس خدائی مشن کے اغراض کو صدمہ پہنچے۔ کیونکہ آپ قوم میں بڑے لائق فایق سمجھے جاتے تھے۔

چنانچہ ابوجہل کے خوش کرنے کو اسی شخص نے آپکی بابت پہلے جنونی ہونیکا اور پھر قرآن کی نسبت سحر بابل اور آنحضرت صلعم کی نسبت ساحریت کا افواہ

تراشی تھی۔

عمرو بن العاص کی مخالفت کی وجوہات بھی قریب قریب ابوسفیان کی وجوہات کے برابر تھیں۔ یہ بھی خاندان بنی امیہ کے لائق فصحا و بلغاء میں شمار ہوتے تھے مگر قومی جنبہ داری اور عاشق حب جاہ ہونے کے باعث اسلام لانے سے پہلے جناب رسول مقبول صلعم کے حق میں نظمیں لکھ لکھ پھیلایا اور مشتہر کیا کرتے تھے۔ گو دل میں تو ضرور پچھتے ہوں گے کہ میں کیسا سخت خلاف اصول کام کر رہا ہوں۔ آخر فتح مکہ کے قریب یہ بھی مسلمان ہوگئے۔

قوم کا آپؐ کو مجنون مشہور کرنا۔ الغرض ان لوگوں کی عداوت اور مخالفت ذاتی اور خاندانی تھی۔ اسی واسطے یہ لوگ دن رات انہیں خیالات میں مستغرق رہتے تھے کہ آنحضرتؐ اور ان کے متبعین کو نقصان پہنچائیں۔ اور اپنی تمام تر کوششیں دین اسلام کی تذلیل و تحقیر و تضحیک و تفضیح کی طرف مصروف کردیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہی ذریعہ آنحضرتؐ کی ناکامی اور ان کی اپنی کامیابی کا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ بالمشافہ گفتگو اور بحث ابحاث سے یہ لوگ سخت کتراتے تھے۔ کیونکہ تحقیق حق کا تو خیال ہی نہ تھا۔ صرف ضد ہی مخالفت مقصود تھی۔ اور اس کا یہی طریق سمجھ رکھا تھا کہ خواہ مخواہ حضرتؐ کو بدنام کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان لوگوں نے یہ حیلہ کیا کہ حضرت صلعم کو نعوذ باللہ مجنون مشہور کر دیا۔ تاکہ کوئی شخص ان کی باتوں اور پند و وعظ کو قابل شنید اور لائق غور ہی نہ سمجھے مگر کامیابی اس میں بھی نہ ہوئی۔ کیونکہ جب کبھی

لہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے عمرو بن العاص اور ابوسفیان میں زمانہ جاہلیت سے ہی باہم بہت کچھ موافقت تھی اور طلب جاہ و مال میں بھی ان صاحبوں نے خوب کوششیں کی تھیں چنانچہ جبتک اسلام نے خوب ترقی اور قوت نہ پکڑلی یہ مسلمان بھی نہیں ہوتے اور بعد اسلام قبول کرنے کے جو بڑے بڑے کام نمایاں ان سے سرزد ہوئے وہ بھی ان کی طبعی لیاقت کی دلیل ہیں ۱۲

جناب رسول خدا وعظ و تلقین فرماتے۔ تو اس اتہام کی تردید و تکذیب خود بخود ہی زبانِ حال سے اس طرح ہو جاتی۔ کہ جو شخص آپ کا کلامِ پاک سُن پاتا بالخصوص بیدار بخت اور سمجھدار اشخاص، اُس پر ایسا عالمِ محویت طاری ہو جاتا تھا۔ کہ وہ تصویرِ حیرت بن جاتا۔ اور سوائے تسلیم کے چارہ نہ دیکھتا تھا۔ اور جو لوگ پہلے سے ایمان لا چکے تھے وہ تو ان ہفوات کو ایک سکنڈ بلکہ ایک دقیقہ کے لئے بھی اپنے دماغ میں نہ لا سکتے تھے اور آنحضرتؐ پر جان و مال کا تصدّق کر دینا ہی اپنا فخر سمجھتے تھے۔

آپؐ پر ساحری کی تہمت لگانا جنونی افواہ سے بھی مخالفین کی مطلب برآری نہ ہوئی اور ایامِ حج قریب آنے لگے تو ان لوگوں کو اور بھی بے چینی شروع ہوئی کہ بیرونجات سے جو لوگ حج کے لئے آئیں گے اگر وہ آنحضرتؐ کے معتقد ہو گئے تو پھر تو ہماری کیا ہی تمام ہو جائے گی۔ لہٰذا نہایت تردد سے تدبیریں ہونے لگیں اور ولید سے پوچھا گیا کہ تم جو اتنے بڑے ادیب ہو تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ اُس نے کہا کہوں کیا۔ کلام تو آنحضرتؐ کا ہے مؤثر اور موثر بھی کیسا کہ جس سے کوئی کلام لگا نہ کھا سکے"! اس پر ابوجہل نے کہا کہ اگر قوم کے روبرو یہ ظاہر کرو گے تو تمہاری عزت جاتی رہے گی۔ اور وہ تمہیں نالائق سمجھنے لگے گی۔ لہٰذا ضرور کوئی ایسی تدبیر کرو کہ معاملہ ٹھیک ٹھاک ہو جائے۔ اس پر بہت کچھ غور کے بعد اُس نے اپنے شاعرانہ دماغ سے یہ نکتہ نکالا کہ حضرتؐ کو ایک کامل فن ساحر اور کلام اللہ کو سحرِ بابل مشہور کیا جائے جو سینہ بسینہ مخفی طور پر آپؐ تک پہونچا ہے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اور

لہ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مدثر میں بھی بوضاحت مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس تجویز کے مجوز وحید و ولید اور اس کے ہم خیالوں کو عذابِ دردناک کے وعید سنانے کے علاوہ رسول خداؐ کو ان لغویات کی خاطر میں نہ لانے اور رسالت کے متبرک و اہم منصب کو پوری کمالیت سے انجام دینے کی تاکید فرمائی ہے ۱۲

یا از راہ پھیلا دی گئی۔
یہ ترکیب بہ نسبت پہلے کے تیز تر تو ضرور تھی۔ کیونکہ اس سے گویا لوگوں کو آنحضرتؐ کے پاس جانے اور بات چیت سننے سے ہی روک دیا گیا تھا۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کہاں تک ہو سکتے ہیں۔ ع
چھپتا ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

قوم کیطرف سے مسلمانوں پر سختیوں کا آغاز۔ غرض باوصف ان تدابیر کے بھی جب حضور صلعم اپنے کام میں برابر مصروف رہے۔ اور اسلام کی رفتہ رفتہ اشاعت بھی جاری ہو گئی تو مخالفین کو یاوہ گوئی اور منصوبہ بازی کے علاوہ وحشیانہ ہذیانی اور ایذا رسانی پر بھی توجہ ہوئی۔ اور انہوں نے غریب اہلِ اسلام کو تنگ کرنا شروع کیا۔ راہ چلتے آوازے تو بڑے بڑوں پر کسے جاتے تھے۔ مگر غریب لوگوں کے ساتھ اس جرم میں کہ وہ مسلمان کیوں ہو گئے ہیں ان کے رشتہ دار۔ اولیاء اور سرداران قوم ایسی سخت جہالت اور شدت سے پیش آتے کہ اگر کوئی روحانی چسکہ ان کو نہ پڑ چکا ہوتا۔ تو کبھی ایک دن کے لئے بھی کوئی ایسی ذلت اور مصیبت کو گوارا نہ کر سکتا۔ جو ان خدا کے بندوں نے صدقِ دل سے قبول کی۔ یعنے مخالفین ان کو گرم ریت پر ننگے بدن لٹوا دیتے۔ پتھروں کو گرم کر کے پیٹ پر باندھ دیتے۔ کھانا پینا بند کر دیتے۔ اور طرح طرح کی وحشیانہ ماریں مارتے۔ بھلا کوئی شخص ذرہ بھر بھی ان تکالیف کو برداشت کر سکتا ہے؟ اور پھر مذہب کے لئے۔ ہرگز نہیں۔ جبتک مذہبی چٹخارا ہی ایسا میٹھا نہ ہو کہ زبان کو اس کا مزہ بھولنے میں ہی نہ آسکے۔

بلال حبشی رضؓ بھی ان مظلوم نو مسلموں میں تھے اور ایک یہودی امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اس نے جب دیکھا۔ کہ یہ پیروانِ محمدؐ صلعم میں شامل ہو گئے ہیں تو ان پر ایسی ایسی سختیاں شروع کیں کہ پناہ بخدا۔ مار مار کر بیہوش کر دیتا۔ ننگے بدن گرم پتھریلی زمین پر گھسٹواتا جس سے ان کو اکثر اوقات خون نکل آتا تھا۔ ستون کے ساتھ بھوکے پیاسے باندھ رکھتا۔ مگر یہ صادق الایمان اور کامل الیقین اسلامی تھے۔ وہی احد اور احمدؐ

ان کی زبان پیاری تھا - اُن کے ساتھ جو سختی ہوتی تھی - کھلے خدا سے سب کے روبرو ہوتی تھی - کیونکہ غلام تھے اور بے یار و مددگار رہتے بلکہ قیاس چاہتا ہے کہ باقی مخالفین نے بھی یہی نمونہ دیکھ کر غریب مسلمانوں پر دست تظلم دراز کیا تھا - بہر حال اُن کے افسا نے اپنے بیگانے میں مشہور تھے - آخرش ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکو آقا امیہ بن خلف اور ابی ابن خلف (یہ دونوں بھائی تھے) سے کہا کہ جسقدر سختی تم بلال پر کرتے ہو - یہ تو انسانیت سے بھی بعید ہے - اس نے جواب میں کہا - کیوں نہ ہو آپ بڑے ہمدرد بنکر آئے ہیں - آپ ہی لوگوں نے تو اسے خراب کیا ہے - چنانچہ جب یہ قصہ حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسول مقبولؐ کے روبرو بیان کیا - تو آپؐ نے ایما فرمایا کہ تم اسے خرید کر آزاد کردو - جسپر بہ تعمیل ارشاد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کے بدلے میں ایک کافر غلام قسطاس نام اور چارسو دینار نقد دے کر انہیں خرید لیا - اور رسول اللہ صلعم کے روبرو لاکر بطفیل سرِ اقدس آزاد فرمادیا - جسکے لئے حضور ممدوحؐ نے کمال خوشنودی ظاہر فرمائی -

غرض جب یہ وحشیانہ ایذارسانی غریب مسلمانوں پر چل نکلی - تو معمولی اور آسودہ لوگ بھی اسکی زد میں آنے لگے - چنانچہ ایکدن خود جناب رسول اللہ صلعم پر بھی ابوجہل نے بے بہا گالیوں کی بوچھاڑ کردی - آپؐ طواف کعبہ کررہے تھے - پہلے تو خاموشی سے سنتے رہے پھر جلال میں آگئے - تو فرمایا - کہ "اے دشمنانِ خدا! تم سمجھے کیا ہو میں تمہیں ذبح کرنے کو آیا ہوں" اس فقرہ سے کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ وہی لوگ پھر آپؐ کی استمالت کرنے لگے - اور آپؐ بعزت و حرمت واپس آگئے -

قوم کیطرف سے آپؐ کی خدمت میں ملک و مال کی پیشی - اسی اثناء میں ایک دفعہ اہل قریش نے جمع ہوکر مشورہ کیا - کہ آخر اس بڑھتی ہوئی خرابی (خرابی) کا علاج کیا جائے - جسپر تجویز ہوئی کہ آنحضرتؐ کو کسی طرح پر راضی کرلینا چاہیئے چنانچہ عتبہ بن ربیعہ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا گیا - جس نے آپؐ سے اس طرح سلسلہ کلام شروع کیا - کہ کیوں صاحب تم اچھے یا تمہارے باپ عبداللہ؟

جس کا حضور علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اُسنے پے در پے یہی الفاظ کہہ کر جب دیکھ لیا کہ حضور علیہ السلام اِس فضول سوال کو قابلِ جواب نہیں سمجھتے۔ تو پھر خود بخود یہ کہنا شروع کیا۔ کہ دیکھو صاحب! ہم اور تمہارے آباء اجداد ایک ہی طرح کا مذہب رکھتے تھے۔ اُنکی نجات ہوگی تو ہماری بھی ہو رہے گی۔ اور ہم جہنمی ہوں تو وُہ بھی ہوں گے۔ تم ہمیں خواہ مخواہ کیوں تنگ کرتے ہو۔ تمہاری تقریروں سے قوم میں ایک مصیبت پھیل گئی ہے۔ اور تم نے کسی بت کے بُرا کہنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ بتاؤ آخر اِس سے تمہارا منشاء کیا ہے؟ اگر تمہیں کوئی حسین عورت مطلوب ہو۔ تو صاف بتادو کہ ہم اُس کا بندوبست کردیں۔ اگر تم کو دولت کی خواہش ہے تو بھی کہدو کہ قوم سے جمع کرکے تم کو اسقدر روپیہ دیدیا جائے کہ تم سے بڑھکر کسی دوسرے کے پاس نہ ہو۔ اور اگر بادشاہت کا خیال ہے تو بتاؤ کہ اُس کی بھی کوئی تدبیر کیجائے۔ اور اگر یہ تینوں باتیں نہیں اور تم واہمہ اور خللِ دماغ میں مبتلا ہو تو کہو کہ کسی لائق طبیب سے ہم اُس کا علاج کرائیں۔ غرضکہ جس طرح تم خوش ہوسکو ہم تمہارا انتظام کردینے کو طیار ہیں۔ مگر تم اس تفرقہ اندازی سے باز آجاؤ۔ یہ گفتگو سُن کر آپ نے قرآن شریف میں سے سورۂ حٰمٓ سجدہ کا پڑھنا شروع کیا۔ اللہ اللہ کلام کیا تھا (ہے) معجزہ تھا (ہے)، جب آپ پڑھتے ہوئے یہاں پہونچے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ تو عتبہ تھرا گیا اور اُس نے قریش سے آکر کہا بخدا کلام تو وُہ معجز نظام ہے۔ کہ آج تک سُنا نہ گیا تھا۔ شاعری کہانت اور سحر کو اِس سے کیا مناسبت ہے؟ لہٰذا میرے خیال میں تم آنحضرتؐ کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وُہ دوسروں سے لڑکر مغلوب ہوگئے۔ تو تمہارا مطلب بے زحمت پورا ہو جائے گا۔ اور اگر وُہ غالب رہے تو پھر اِن کے ساتھ شریک ہو جانے میں بھی اپنی عزت ہوگی۔ آخر ہم قوم تو ہیں اور میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ کلام آخر ایک دن کچھ نہ کچھ کرکے دکھائے گا۔ راستے تو

سلہ فتن الظلم ۲۴ - قرب ثلثہ ۱۲

عقیدہ کی معقول بھی۔ مگر دلوں کے جوش اور قلبی کینے۔ خاندانی حسد و رشک اور اندرونی عناد
کبھی کبھی معقول کو نامعقول دیکھا کرتے ہیں۔ سب نے پہلے سے بھی زیادہ مستعدی کے
ساتھ مخالفت پر کمربستگی ظاہر کی اور اپنی اس دن کی کمزوری پر سخت افسوس کیا۔ جب
ابوجہل کی گالی گفتار پر حضرتؐ کو جلال آیا تھا اور سب نے استقامت سے ٹال دیا تھا۔

ابوبکر صدیقؓ پر حملہ۔ اس کے بعد اور بھی مشتعل ہو کر ایک دن جب آنحضرتؐ
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو مفسد جاہل
مخالفوں نے نیت فساد سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ حضرتؐ کی ذات بابرکات
تو صبر و تحمل اور استقلال و وقار میں اپنا نمونہ آپ ہی تھی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ
سے نہ رہا گیا۔ اور انہوں نے بھی جواب ترکی بہ ترکی دے دیا۔ جس پر وہ نگوڑے آمادۂ فساد
تو تھے ہی بہانہ پاتے ہی ابوبکر صدیقؓ پر ٹوٹ پڑے۔ اور زبانی گفت و شنود سے
گذر کر زد و کوب کرنے لگے۔ یہ تنہا تھے۔ مار کھانے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ مگر فوراً ہی
اُن کے قبیلہ تیم کے لوگوں کو خبر ہو گئی۔ اور وہ انہیں چھڑا کر لے گئے۔ ورنہ خدا جانے
کیا ہو جاتا۔

قوم کی طرف سے آنحضرتؐ کی بے ادبیاں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ
رسول خدا صلعم کے ایک تنہا جاں نثار تھے اُن کو اس طرح زد و کوب کرنے کے بعد
مخالفین کا حوصلہ اور بھی بڑھ نکلا۔ اور انہوں نے خود آنحضرتؐ کی ذات مبارک پر دراز دستی
کی نیت ٹھان لی۔ لیکن حضورؐ کا جلال و اقبال کسی کو دو بدو بڑھ کر آگے ہونے کی اجازت
نہ دیتا تھا۔ آخرش ایک دن بزدل مخالفوں نے حضور صلعم کو نماز میں مشغول پا کر
آپؐ سجدے میں تھے کہ اونٹ کی ایک اوجھڑی آپؐ کے اوپر ڈال دی۔ مگر واہ رے
استقلال و تحمل کہ آپؐ نے سر تک نہ اٹھایا تا وقتیکہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو
خبر ہوئی اور انہوں نے آکر آپؐ کے دوش مبارک کو اس بار گراں سے سبکدوش فرمایا۔
اللہ غنی یہ سب بے حرمتیں اور مخالفتیں کس لیے ہوتی تھیں؟ صرف اس لئے کہ لات و
منات اور بے جان اصنام کی جگہ آپ سچے خدا اور پاک شریعت کی ہدایت کیوں بتاتے تھے

بہرحال ایسی وارداتوں سے آپ کو ملال ہوا اور آپ نے اُن درندہ صفت اور بہائم خو مخالفوں کے لئے بددُعا کی جس میں ابوجہل بن ہشام ۔ عتبہ بن ربیعہ ولید (وحید) بن عتبہ ۔ عقبہ بن ابو معیط ۔ ابی بن خلف اور عمارہ بن عبید کے نام بھی لئے ۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ لوگ جنگِ بدر میں مارے گئے ۔ اور اُن کے شروفساد سے مسلمانوں کو امان ملی ۔

نومسلمین کی ہجرت اوّل ۔ بہرحال ان ناشدنی واقعات سے مخالفین کی جرأت اور بھی بڑھ گئی ۔ اور اُنہوں نے تن چند نومسلموں کی ایذارسانی میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی ۔ جب پیغمبر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فدائیوں کو ہجرت کا حکم دیا ۔ تاکہ وُہ خدائے واحد کی عبادت امن و امان کے ساتھ کر سکیں ۔ اور معاش محدود سے بھی متمتع ہوں ۔ کیونکہ ملکی مخالفت نے اُن پر دُنیوی کاروبار اور دینی عبادات دونوں کے لئے سخت دشواریاں پیدا کر دی تھیں ۔ یہاں تک کہ مخالفین اِن خدا کے سچے بندوں کا صرف جان تک کے سلامت لیجانے کے بھی تو روادار نہ تھے ۔ کیونکہ آزادی کے ساتھ رہنے سے تو وُہ بخوبی سمجھ چکے تھے کہ فدایانِ محمدی کبھی بھی ایسے پاک دین سے روگردانی نہ کرینگے اور برخلاف اس کے سب وشتم اور تذلیل و تحقیر سے مخالفین کے زعم باطل میں کبھی نہ کبھی اُن کے اپنے آبائی طریق کی طرف مراجعت کرنے کی اُمید بھی ہو سکتی تھی ۔ حالانکہ یہ خیالات بھی محض لغو اور فضول تھے ۔ حضرت کی غلامی میں آکر پھر جانا قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا ۔ الغرض ہجرت کی تجویز ہوئی تو مہاجرت میں بھی یہاں تک خوف تھا کہ خفیہ طور پر چھپ کر جانا مقرر ہوا ۔ اور حبش (ابی سینیا) کا مقام رہنے کے لئے پسند کیا گیا ۔ جو نجاشی کے زیرفرمان تھا ۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں سال رجب مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتیں جملہ پندرہ آدمی پوشیدہ طور پر روانہ ہوئے ۔ مہاجرین میں عثمانؓ بن عفان گویا میر قافلہ تھے ۔ اور اُن کے ساتھ رسولِ خدا کی بیٹی رقیہؓ بھی تھیں جو عتبہ سے قطع تعلق کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دیدی تھیں ۔ ان سب لوگوں نے جدّہ تک تو پیادہ پا سفر کیا اور جدہ سے بذریعہ جہاز حبش پہونچے ۔ جہاں اُن کو آزادی کے ساتھ

خدا کا نام لینا نصیب ہوا گر مسلمانوں کے مٹھی بھر گروہ کے چند آدمی جب اس طرح مخالفین کی زد سے صحیح و سلامت نکل گئے تو معاندین کی کد اور بھی بڑھ گئی - اور انہوں نے باقیماندہ لوگوں پر سخت میز ولانہ حملے شروع کئے - لیکن وہ آفتاب عالمتاب ایسے کا ویسا ہی تابان و درخشاں رہا - البتہ احتیاط زیادہ بڑھ گئی - کیونکہ تمام جہان کی مخالفت کا بوجھ سوا اُسے احتیاط کے کیسے اٹھ سکتا ہے اور یہ اُس تحمل و وقار کا ہی نتیجہ ہے کہ اُسی عالم میں ایسے ایسے لوگ مسلمان ہوئے جو اقبالمندی کے نورِ نظر اور فتحمندی کے لختِ جگر تھے - جیسے سید الشہدا امیر حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم -

امیر حمزہؓ کا مسلمان ہونا

امیر حمزہؓ کے مشرف با سلام ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ جب رسول مقبولؐ ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں جلوہ افروز تھے (یہ مکان کوہ صفا کی تلی میں واقعہ تھا) تو ابوجہل نے وہاں سے آپؐ کو گذرتے ہوئے دیکھ طبعی و جبلی عداوت کے باعث بیہودہ بکنا شروع کیا جس میں اپنی بے صبری سے گالیاں بھی دیں - اس واقعہ کی خبر جب امیر حمزہؓ کو ملی تو اس وجہ سے کہ وہ آنحضرتؐ کے قرابتدار بھی تھے اور دل میں آپ کی نسبت اچھے خیالات بھی رکھتے تھے سخت طیش میں آ گئے اور اُسی حالت میں مسلح ہو کر خانہ کعبہ میں چلے گئے - جہاں ابوجہل اپنے حاشیہ نشینوں میں بیٹھا ہوا لاف زنی کر رہا تھا - آپ نے جاتے ہی غصہ میں اپنی کمان اُسکے سر پر دے ماری اور فرمایا کہ او ملعون اس بیہودگی کے کیا معنی ؟ یہ حالت دیکھ کر اُسکے چند حمایتی بھی اُٹھے مگر ابوجہل نے خود ہی منع کیا - اور بیچ بچاؤ ہو گیا - غالباً اُس کا منشا یہ تھا کہ یہ بدستور ہمارے شریکِ حال رہیں - لیکن سعیدِ ازلی کب رُک سکتے ہیں - امیر حمزہؓ وہاں سے سیدھے جناب رسول مقبولؐ کے حضور میں حاضر ہوئے - اور حاضر ہوتے ہی ایمان لائے - جس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی - کیونکہ آپ بڑے جری - بہادر اور عالی نسب تھے - اور خصوصاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں بزرگ ہوتے تھے -

حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اور

بھی عجیب ہے کیونکہ حضرت عمرؓ ابتدا میں مسلمانوں کے مخالف تھے۔ گو گالی گفتار کے
بیہودہ فانہ حملے نہ کرتے تھے مگر جن نو مسلموں کو رشتہ یا غلامی اور دست نگری کے باعث
اُن سے کوئی توسّل تھا۔ اُن پر نہایت سختی کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے اگرچہ ان کی
بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ ایمان لا چکے تھے مگر انہیں کے ڈر کے مارے علانیہ اظہار
نہ کر سکتے تھے کیونکہ لبینہ نام ایک کنیز جو حضرت عمرؓ کے خاندان میں زندگی کاٹ رہی
تھی۔ اور اب مسلمان ہو چکی تھی جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ بھی مسلمان ہو گئی ہے۔ تو مار
مار کر اسکو سخت سزائیں دیتے تھے اور اور بھی جن لوگوں پر بس چل سکتا تھا۔ اسلام لانے
کی سزا میں انہیں شدت سے مارا کرتے تھے۔ مگر دیکھئے اب خود کیسے مسلمان ہوتے ہیں
کہ ایک دن امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد جبکہ کفارِ قریش سخت متردد ہو رہے
تھے تو ابوجہل نے کہا کہ یہ فتنہ یوں ٹوٹنے کا نہیں۔ جب تک (نعوذ باللہ) حضرتؐ
کا ہی کام تمام نہ کر دیا جائے۔ لہذا جو شخص حضرتؐ کو قتل کرے گا۔ میں اُسے
پچاس[ا] اونٹ فی الفور انعام و بدل دوں گا۔ یہ سُنکے آپؓ نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ اٹھالی
اور سخت غضبناکی کے عالم میں تلوار لے کر چل کھڑے ہوئے۔ رستہ میں نعیم بن عبداللہ
ملے۔ اور اُنہوں نے صورت حال دیکھ کر حالت پوچھی۔ تو آپ نے صفائی کے ساتھ
اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ کہ میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سر لینے جاتا ہوں۔ انہوں نے
کہا ایک تو آلِ ہاشم کے انتقام سے ڈرو اور دوسرا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود تمہارے
بہنوئی اور بہن مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُنکر آپ کو بڑا طیش آیا اور نعیمؓ پر بھی شبہ
گذرا کہ غالباً یہ بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے پوچھا تو انہوں نے ایک ذومعنی
فقرہ کہہ کر اپنی جان بچالی۔ وہ فقرہ یہ تھا۔ کہ میں اپنے آباد اجداد کے مذہب پر چل

[ا] بعض سو اور بعض ہزار کہتے ہیں۔ مگر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ پچاس کا وعدہ کیا ہوگا۔
عرب جیسے ملک میں پچاس اونٹ پالینا گویا ایک گاؤں پا جانے کے برابر ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب
کے لئے یہ جانور بڑا ہی غنیمت تھا۔ اور اب بھی ہے ۱۲۔

(جس سے نعیم کی مراد اسحٰق و اسمٰعیل علیہم السلام سے تھی) اور یہ سمجھے کہ یہی باپ دادا سے غرض ہوگی۔ غرضکہ وہ بچ گئے۔ اور آپ جوش میں بھرے ہوئے اپنی بہن کے مکان پر آئے انکی ہمشیرہ اور بہنوئی خباب سے قرآن یاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جسوقت حضرت عمرؓ پہنچے تو اس وقت بھی خبابؓ انہیں قرآن پڑھا رہے تھے۔ اور آواز آرہی تھی۔ مگر جوں ہی اُن کی آہٹ سُنی گئی اُن کے ڈر سے خبابؓ بھی چھپ گئے اور قرآن کے وہ اجزا بھی جو اسوقت تک لکھے ہوئے تھے چھپا لئے گئے۔ لیکن یہ آواز سُن چکے تھے جاتے ہی پوچھا کہ تم لوگ ابھی کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو ان کا شبہ اور بھی قوی تر ہو گیا۔ اور یہ غصّہ میں آکر بہن اور بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور مار نے لگے۔ حتیٰ کہ اُن کو کہیں کہیں سے خون بھی نکل آیا۔ جب یہانتک نوبت پہنچی تو آپ کی بہن نے نہایت استقلال کے ساتھ صاف صاف کہہ دیا کہ عمرؓ! ہم تو مسلمان ہو چکے۔ اور اب تُو ہمارا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ استقلال دیکھ کر آپ ٹھٹک سے گئے۔ اور کہا کہ اچھا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی تو اسکے سُنا۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کے وہ اجزاء لاکر سامنے رکھے اور آپ پڑھنے لگے۔ ورق کھولتے ہی لکھا تھا سبح لله ما في السموات والارض وهو العزيز الحكيم۔ کلام کیا تھا۔ ایک نشتر تھا جو دل میں چبھا چلا جاتا تھا۔ یا جلا سے بے دود تھا کہ خود بخود نیچے اُترتا جاتا تھا آپ نے بے ساختہ کہا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله یہ سنکر خبابؓ بھی چھپے ہوئے نکل آئے۔ اور انہوں نے کہا اے عمرؓ میں تمہیں تمہاری سعادت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات دعا فرمائی تھی کہ بار الہا اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے تقویت دے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ سعادت تمہارے حصّہ میں آئی۔ غرضکہ آپ وہاں سے سیدھا اُٹھ کر جناب رسول مقبول صلعم کے حضور میں پہنچے۔ حضور صلعم اسوقت ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں جلوہ افروز تھے۔ دروازہ بند تھا۔ انہوں نے دستک دی۔ آواز تو سب کی سُنا سکتی۔ بعض اصحاب کو خیال ہوا کہ شر و فساد نہ ہو۔ مگر حضرت امیر حمزہؓ

نے کہا کچھ پرواہ نہیں دروازہ کھول دو۔ اگر دوستی کی غرض سے آیا ہے تو دوستوں کا گھر ہے۔ اور اگر کچھ اور نیت ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ القصہ دروازہ کھولا گیا۔ اور حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ سعادت پہلے سے ہی جلوہ گر تھی۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود اُٹھے اور حضرت عمر کا دامن دستِ مبارک میں دباتے ہوئے فرمایا کہ عمر! کس ارادے سے آئے ہو۔ آپ نے عرض کیا مسلمان ہونے کو۔ جسے سنتے ہی حضور صلعم کی زبان فیض ترجمان سے خوشی کے ساتھ اللہ اکبر کے الفاظ نکل گئے۔ اور ساتھ ہی جملہ حاضرین نے بھی اس زور سے یک زبان ہو کر اللہ اکبر پکارا کہ تمام مکہ کے پہاڑ گونج اٹھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی تعداد پوچھی۔ تو حضور نے فرمایا تم نے چالیس کا عدد پورا کیا ہے۔

مکہ میں مسلمانوں کی پہلی نماز

عبادت کا پوشیدہ طور پر ہونا دیکھ کر حضرت عمرؓ بیتاب ہوگئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ روحی فداک۔ لات ومنات کی پرستش تو علانیہ ہو اور خدائے برحق کی عبادت پوشیدہ؟ کچھ پرواہ نہ کیجئے چلئے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھیں۔ چنانچہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ وہی تلوار برہنہ کئے آگے آگے ہو لئے کہ جو مزاحمت کرے گا اسی تلوار سے اُسکا سر قلم کیا جائے گا۔ کفار قریش نے جب یہ صورت دیکھی تو سخت حیران ہوئے۔ کہ ابھی ابھی جو شخص آپ کا سر لینے گیا تھا۔ اب وہی مخالفین کے بدنوں کو ان کے سروں کے بوجھ سے سبکبار کرنا چاہتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ لڑائی بھڑائی کر کرا کے مسلمانوں نے کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور اسلام کی ترقی شروع ہوئی۔ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال کا ہے۔ ایسے اکابروں کے اسلام لانے سے یہ اثر ہوا کہ وہ لوگ جو پہلے انہیں کی دہشت کے مارے مسلمان نہ ہوئے تھے برابر مسلمان ہونے لگے۔ مگر قریش کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ اور انہوں نے اپنی کج رائی سے ایذا رسانی میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

مسلمانوں کی ہجرت ثانی جسکو ہجرت اولے کہا جاتا ہے۔

اسی اثناء میں مہاجرین حبشہ کو کسی طرح یہ خبر (غلط) پہونچی۔ کہ مسلمانوں اور قریش میں

صُلح ہوگئی ہے جسکے سُنتے ہی وُہ واپس ہوئے۔ اور جب مکّہ پہونچکر اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو وُہ دوبارہ حبشہ کو روانہ ہوئے۔ اور اس دفعہ اور بھی بہت سے مُسلمان اُنکے ساتھ ہجرت میں شریک ہوئے یعنی اُنکے بیاسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی۔

کفّارِ قریش کے ڈیپوٹیشن کا حبشہ جانا۔ یہ خبریں جب کفّارِ قریش کو معلوم ہوئیں تو وُہ اِن مرغانِ دست پرور کے اس طرح چھُوٹ جانے پر سخت متاسف و متردد ہوئے۔ اور آخرش بہت کچھ غور و خوض کے بعد اُنہوں نے نجاشی بادشاہِ حبش کے پاس ایک وفد ڈیپوٹیشن مع ہدایا و تحفہ جات بھیجنے کی تجویز کی۔ تاکہ اِن خدا کے بندوں کو وہاں سے بذلّت و خواری واپس کر کے تازہ مشکلات میں مبتلا کیا جائے۔ اور اس خفیہ رستگاری کا مزہ چکھا دیا جائے۔ چنانچہ معززینِ قریش میں سے چھ چیدہ آدمی اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ اور عمرو بن العاص کی صدارت سے یہ لوگ حبشہ (ابیسینیا) کو روانہ ہوئے۔ عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید جو اس ڈیپوٹیشن کے ممتاز ممبر تھے۔ بڑے چلتے ہوئے آدمی تھے۔ اُنہوں نے حبشہ جا کر بادشاہی مقرّبوں سے ملاقات کی اور نجاشی کے حضور میں نہایت اعزاز کے ساتھ پیش ہو کر تحائف وغیرہ نذر کئے۔ اور موقع پا کر اپنے اصل مُدّعا کو بھی ظاہر کیا کہ ہمارے مُلک کے چند لوگ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر آپکے ہاں آگئے ہیں۔ اور نیا مذہب جو اختیار کیا ہے وُہ بھی ایسا نرالا ہے کہ نہ آپکے مذہب سے ملتا ہے۔ نہ یہودیوں سے بلکہ ہمارے اور آپکے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ جس سے تمام قوم کو نہایت رنج پہونچتا ہے۔ لہٰذا مہربانی کر کے یہ لوگ ہمارے حوالے کر دئے جائیں۔

نجاشی کا دربار۔ نجاشی ایک معاملہ فہم اور عادل فرمانروا تھا۔ اُس نے کہا یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ اگر کوئی ہماری حمایت میں آجائے۔ تو ہم اُسے لوٹا دیں۔ مگر خیر ہم اُن لوگوں کو بُلا کر بالمشافہ پوچھتے ہیں۔ کہ اُن کا عقیدہ کیا ہے۔ اور وُہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ چنانچہ مُسلمان مہاجرین کو حاضریٔ دربار کا حکم دیا گیا۔ مُسلمانوں کو یہ حکم پہونچا تو کسی قدر تشویش ہوئی۔ مگر حضرت جعفر طیار نے کہا۔ کوئی پرواہ نہیں۔ جو کچھ پوچھا

جائے۔ احکام خدا و رسُول کے مطابق اُس کا جواب دینا چاہئے۔ اسپر سب نے حضرت جعفر طیارؓ کو اپنی طرف سے گویا وکیل تسلیم کیا اور دربار میں حاضر ہوئے۔ اسلام سے پہلے عرب میں بلکہ تمام دنیا میں بادشاہوں کو سجدہ کرنے کا دستور تھا۔ اور یہ ایک بہت بڑا آداب شاہی تصور کیا جاتا تھا۔ مگر مہاجرین نے اس بُرانے لغو اور مشرکانہ دستور کی کوئی پابندی نہ کی اور سوائے سلام علیکم کے کوئی سجدہ نہ کیا۔ اسپر دربار میں اچنبا ہُوا۔ اور بادشاہ کے مقربین نے کہا کہ تم لوگوں نے خلاف قاعدہ تعظیم و تکریم شاہی کو کیوں چھوڑ دیا ہے جس کا اوپر سے نہایت استقلال کے ساتھ جعفر طیارؓ نے جواب دیا کہ "ہمارے ہاں سوائے خدائے واحد برحق کے کسی دوسرے کو سجدہ کرنا جائز نہیں" عرب کے جہلا تو بات کو سمجھ نہ سکتے تھے مگر نجاشی کے دل میں صرف اس ابتدائی مسئلہ ہی سے دینِ محمدی کی وقعت جاگزین ہو گئی۔ اور وہ اس استقلال و صفائی پر عش عش کر اٹھا۔ مخالف ڈیپوٹیشن بھی موجود تھا۔ نجاشی نے اُن کی طرف اشارہ کر کے مہاجرین سے کہا کہ یہ لوگ تمہارے ملک و قوم کیطرف سے بایں غرض آئے ہیں کہ تم لوگوں کو اُن کے حوالے کر دیا جائے جعفر طیارؓ نے کہا آپ اِن سے پوچھئے کہ ہم اِن کے مقروض یا غلام ہیں یا کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ عمرو بن العاص نے جواب دیا۔ کہ اِن باتوں میں سے تو کوئی بات نہیں۔ مگر ان لوگوں نے ایک ایسا نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ کہ جو ہمارے اور آپکے دین سے بالکل متضاد ہے۔ یہ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں۔ اور ہمیں کافر اور دوزخی بتاتے ہیں۔ اسپر جعفر طیارؓ نے ایک مختصر تقریر میں اپنا حال سنایا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ:-

جعفر طیارؓ کی تقریر:- "بادشاہ سلامت! ہماری قوم سخت جہالت و گمراہی میں مبتلا تھی۔ بتوں کا پوجنا۔ مردار گوشت کھانا۔ بدکاریاں کرنا۔ ہمسائیوں سے بُری طرح پیش آنا۔ غریبوں اور یتیموں کا مال کھا جانا۔ یہ ہمارے افعال و اشغال شبا روزی تھے۔ پس جب اِن خوبیوں کی حد ہو چکی تو خدا نے ہم میں سے ایک بندہ

کو اپنا رسول بناکر ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مامور فرمایا۔ اور اسپر قرآن نازل فرماکر اپنے احکام سے ہمیں مستفید کیا۔ ابتدا میں سب لوگوں نے انکی مخالفت کی مگر ہم حاضرین پر جب اُن کا رسولِ برحق ہونا ثابت ہوگیا۔ تو ہمنے اُن کی متابعت اختیار کی لیکن یہ لوگ تاحال مخالف ہیں۔ اور ہمیں اس پاک مذہب سے پھیرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفات دیتے ہیں ہم نے اپنے سردار سے چارہ کار پوچھا تو اُنہوں نے آپ کو ایک فرمانروائے عادل سمجھکر ہمیں آپکے ملک میں ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔"

نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا پیغمبر تمہیں کیا کیا حکم دیتا ہے۔ اسپر جعفر طیارؓ نے مجمل طور پر تمام احکام گنوا دئیے کہ "ہمارا پیغمبر ہم کو توحید اور پاکبازی سکھاتا ہے بتوں اور پتھروں کی پرستش سے اور مخلوق کے آگے سجدہ کرنے سے روکتا ہے دن رات میں پانچ دفعہ نماز پڑھنے اور سال بھر میں ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور ہر سال کے بعد جمع شدہ روپیہ کا چالیسواں حصہ عنداللہ دینے کا حکم دیتا ہے امانت کے دیانت کے ساتھ پہنچا دینے اور ہمسائیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے اور خویش و اقرباء سے محبت رکھنے اور یتیموں پر شفقت کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ بدکاریوں اور زنا و تہمت اور جھوٹ بولنے سے قطعی روکتا۔ اور حلال و حرام میں تمیز بتاتا ہے وقس علیٰ ہذا۔ نجاشی نے رسولِ خدا کے حسب و نسب کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "وہ ایک اعلےٰ شریف خاندان کا ہے اور ابتدائے پیدائش سے پاکباز مشہور ہے" اسپر نجاشی نے فرمائش کی۔ کہ قرآن کی کوئی سورت پڑھ کے سناؤ چنانچہ آپ نے کہیعص کی سورت پڑھ کے سنائی جس نے اُسکے دل و جگر پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اور وہ بے اختیار بول اُٹھا۔ کہ "مسلمانو! تمہارا رسول[1] سچا ہے اُسپر جو کلام اُترا ہے واقعی خدا کا کلام ہے کیونکہ یہی رنگ توریت

---

[1] اسپر اکثر مورخین وغیرہ کا خیال ہے کہ نجاشی مسلمان ہوگیا تھا ۱۲

میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وہ رسول ہے جس کی عیسٰے علیہ السلام نے بشارت دی ہے پس میں صدق دل سے اسکی رسالتِ برحق کی گواہی دیتا ہوں۔ تم لوگوں کو اُس کی قدر کرنی چاہیئے۔ واللہ کہ اگر مجھے بادشاہت متعلق نہ ہوتی۔ تو میں فخر سے اُس کی جوتیاں اُٹھاتا۔ اور اُن کے وضو کرانیکی خدمت اپنے لیئے باعث عزت سمجھتا"

نجاشی کی یہ کیفیت دیکھکر مخالفین کے ڈیپوٹیشن کے تو چھکے چھوٹ گئے اور غریب مسلمانوں کا دل تسکین ہوگیا۔ مگر عمرو بن العاص نے ایک اور چھیڑ خانی شروع کی۔ یعنے بادشاہ سے کہا۔ کہ حضور یہ تو عیسٰے علیہ السلام کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اسپر نجاشی نے جعفر طیارؓ سے استفسار کیا تو آپ نے اس اتہام کی تردید قرآن شریف کی آیت سناکر فرادی جو یہ تھی کہ هو عبد الله و رسوله و کلمته القاها الی مریم و روح منه۔ نجاشی نے کہا واقعی یہی مضمون انجیل کا بھی ہے۔ الغرض بادشاہ نے اِن لوگوں کے دینے سے قطعی انکار کردیا۔ اور قریش کے تمام تحائف پھیر دیئے بلکہ مسلمانوں کو نہایت تسلّی دی کہ تم شوق سے میرے ہاں جہاں چاہو رہو۔ کوئی تم پر ظلم نہیں کرسکتا" لہٰذا ممبرانِ ڈیپوٹیشن کو ناکامی کے ساتھ بیک بینی و دوگوش واپس آنا پڑا۔

اس واقعہ کو اکثر مورخوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے واقعات سے پہلے لکھا ہے۔ مگر راقم کے خیال میں یہ واقعہ بعد کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ قوم کی طرف سے حضرت عمرؓ ہی بالعموم سفارتِ قریش پر متعیّن تھے۔ اگر یہ مسلمان نہ ہوچکے ہوتے تو یہی حبشہ کو بھیجے جاتے۔ نیز حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کی تعداد چالیس بیان فرمائی تھی۔ حالانکہ مہاجرین کی تعداد سنّو کے قریب تھی جو کسی حالت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے صحیح نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں جب پہلے گیارہ آدمی گئے تھے اُس کی تاریخ ۵ بعث نبوی بتائی جاتی ہے اور حضرت عمرؓ و حضرت امیر حمزہؓ کا قبول اسلام ۶ نبوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنے کم و بیش صرف ایک ہی برس کا فرق ہے۔ جسکی نسبت

قیاس یہ چاہتا ہے کہ پہلی دفعہ جب صرف گیارہ ہی مہاجرین گئے تھے تب تک صاحبان اسلام نہ لائے تھے۔ لیکن اُن کے جانے کے بعد یہ اسلام لائے۔ اِن کے اسلام لاتے ہی ترقیٔ اسلام شروع ہوئی۔ چنانچہ یہی ترقی دیکھ کر کسی نے اُن مہاجرین سے کہدیا تھا کہ تمام عرب مسلمان ہوگیا ہے۔ جبھی وہ واپس آگئے۔ اور پھر اپنے ساتھ بہت سے تازہ مہاجرین کو بھی شامل کر کے لے گئے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ ل

ابوطالب اور آنحضرت کا مکالمہ۔ مخالفین کو یہ ترقی دیکھ دیکھ اور سن سن کر سخت غصّہ آتا تھا۔ مگر ایک طرف تو حضرت کا جلال و جمال اور حلقہ بگوشوں کا دلی اخلاص اور دوسری طرف ابوطالب ایسے باثر شخص کا حضرت کی جانبداری کرنا اُن کو اپنی خباثت کے اظہار کا جیسا کہ چاہتے تھے موقع نہ دیتے تھے آخرش سب کی تجویز سے اعیانِ قوم ابوطالب کے پاس آئے۔ کہ آپ کا بھتیجا اس طرح ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ یا تو اسے سمجھا کر روک لیجئے یا ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ہم خود سمجھ لیں گے۔ جبھی انہوں نے اُن کو تو سمجھا بجھا کر واپس کیا اور آنحضرت سے بھی کہا کہ جن باتوں سے لوگوں کو شکایت پیدا ہو۔ اور شکایت بھی ایسی کہ دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچتی ہو۔ بہتر ہے کہ ایسے کام کو نہ کیا جائے۔ ہم میں اگر قریش سے لڑنے کی طاقت ہوتی تو بھی ایک بات تھی۔ لہٰذا مصلحتِ وقت پر لحاظ کر کے تُسل کے برخلاف کہنا چھوڑ دو۔ ابوطالب کی فہمائش عین دلسوزی سے تھی مگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھی مجبور تھے کہ منجانب اللہ اسی کام پر مامور تھے۔ اُنھوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ اب ان کی بات نہ ماننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ میری حمایت سے دستکش ہو جائیں گے مگر باایں ہمہ آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ "چچا! میں اس کام پر مامور ہونے کے سبب مجبور ہوں اور ہرگز باز نہیں آسکتا۔ حتیٰ کہ اگر آسمان سے آفتاب و ماہتاب بھی اُتر کر میرے پاس آجائیں تو بھی مجھے روک نہیں سکتے۔ اسواسطے باوصف اسقدر دیرینہ حقوق کے بھی میں آپ کی تعمیل حکم سے معذور ہوں اور اب آپ کو اختیار ہے کہ میری حمایت کیجئے یا نہ کیجئے۔" حضور ممدوح

کے سچائی بھرے فقرات ابوطالب کے قلب سلیم کو چھید گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اچھا بیٹا! جسطرح تمہاری مرضی ہو اپنا کام کیے جاؤ۔ جب تک ابوطالب زندہ ہے کوئی تمہاری طرف دیکھ نہیں سکتا۔ اور اسکے ساتھ ہی اس مطلب کو چند اشعار میں بھی منظوم کرکے پڑھا۔ جن میں دو یہ ہیں ؎

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ وقر بذاک منک عیونا

(ترجمہ) واللہ کہ جماعت مخالفین تجھ کو پا نہیں سکتی۔ جب تک میں زیر زمین دفن نہ ہو جاؤں۔ تم بیشک اپنا کام کرکے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی تمہاری طرف دیکھ نہ سکے گا۔

شعب ابوطالب - جب ابوطالب نے کمال مردانگی اور جرأت وہمت کے ساتھ نہ تو آنحضرت صلعم کو کفار کے سپرد کیا اور نہ اُن کے کام میں مخالفت و مزاحمت فرمائی تو اسپر قریش کو اور بھی سخت طیش آیا۔ اور انہوں نے از خود رفتہ ہوکر جناب رسول مقبول صلعم کے قتل پر کمر باندھ لی چنانچہ کھلے طور پر مشہور ہو گیا کہ قریش آنحضرت صلعم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لیکن چونکہ مٹھی بھر بنو ہاشم لڑائی کی سکت نہ رکھتے تھے۔ اسلئے ابوطالب نے اپنے تمام رشتہ داروں کو بلاکر تجویز کی کہ ان مفتریوں کے شر و فساد سے بچنے کے لیئے ہم سب کو ایک جگہ ملکر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ اس قرار داد پر تمام بنو ہاشم علاوہ اس سے کہ مسلمان ہو گئے تھے یا نہ ہوئے تھے۔ سب متفق ہو گئے۔ اور ابوطالب کے ہی ایک وسیع مکان میں ملکر رہنے لگے۔ جو شعب (گڈھی) میں واقع تھا۔ مگر ابولہب نے اس شراکت سے انکار کیا۔ اور باوصف بنو ہاشم ہونے کے دوسروں کی ہی موافقت اور اس مشن سے مخالفت کرتا رہا قریش کو جب اس اتفاق کی خبر ہوئی تو وہ سخت جھلائے۔ کیونکہ گو بنو ہاشم تعداد میں ان سے بہت کم تھے۔ مگر بڑے جری اور بہادر لوگ تھے۔ اور اس طرح متفقہ رہنے سہنے سے اب ان پر غالب آجانا دشوار بھی ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان سخت دل پست لوگوں نے ایک عہد نامہ باہمی اس مضمون کا تحریر

کر کے کعبہ کی چھت سے لٹکا دیا۔ کہ "ہم لوگوں میں سے کوئی شخص ان گھاٹی والوں (یعنی شعب ابوطالب کے رہنے والوں) سے ناتہ رشتہ تو رکھنا رکھوں تعلق ظاہری و باطنی کبھی نہ رکھے گا۔ اور نہ اُن کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے گی۔ نہ اُن کو اپنی قوم میں شریک کیا جائے گا۔ گویا ابدالآباد کے لئے اِن سے قطع تعلق ہوا اور اُنکی ایذا رسانی سب پر فرض ہو گئی"۔ اسپر چالیس اکابرانِ قریش کے دستخط تھے۔ اور منصور بن اکرمہ نے اسکو لکھا تھا۔

اس کارروائی سے گو دقتیں بڑھ گئی تھیں مگر پھر بھی کسیقدر رفتہ رفتہ ضرور بیٹھ جانا چاہئے تھا کہ ذات برادری سے خارج سمجھکے بھی وہ اِن لوگوں کا پنڈ چھوڑ دیتے۔ مگر اُن کے دلی عناد نے ایک دم کے لئے بھی ایذا رسانی اور بغض و عداوت سے درگذر نہ کی خود کوئی سودا تو کیا کپڑا تک بیچنے لگے تھے۔ دوسرے لوگوں کو بھی منع کرنے کا کام اپنے ذمہ لے بیٹھے۔ بالخصوص ابوجہل نضر بن الحارث و عقبہ بن ابی معیط وغیرہ تو گویا اپنا فرض ہی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص بھی شعب ابوطالب والوں کے ہاتھ کوئی سودا نہ بیچ سکے یہ شدید و غلیظ لوگ اوّل تو لوگوں کو بھر روکتے تھے اور اگر کہیں کوئی داد و ستد کرتا دیکھ پاتے تو چیز کا دگنا تگنا دام دے کے خود لے لیتے۔ مگر صد آفرین ابوطالب پر کہ یہ سب سختیاں خود بھی جھیلتے۔ اور اہل و عیال پر بھی شب و روز گذرتی دیکھتے لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے ہرگز دستکش نہ ہوتے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ احتیاط و محبت کے ساتھ حفاظت میں مشغول رہتے تھے۔

دوستو! ذرا غور تو کرو اس سختی و مصیبت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے جو خدائے واحد کی عبادت کرنے والوں کو پہنچانی فرض سمجھ لی گئی تھی۔ اور ایک دو دن نہیں بلکہ پورے تین برس۔ اللہ اکبر ذرا سوچو کہ خدانخواستہ اگر صرف تین دن کے لئے ہی یہ مصیبت ہم مسلمانوں پر آ جائے تو انصاف کرو کہ کتنے لوگ اس میں مستقل رہیں گے۔ جو خود بھی فاقہ اٹھائیں گے۔ اور بال بچوں کو بھی تمام لذائذِ دنیوی سے محروم بلکتا اور سسکتا دیکھیں گے۔ یہ انہیں جواں مردوں کا کام تھا جن کی برکت سے آج ہم تم مسلمان نظر آتے ہیں۔

القصہ جب اسی طرح تین برس کا طویل زمانہ ختم ہوا اور بنو ہاشم ابنائے ملک و قوم کی بیجا سختیوں کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے چلے گئے۔ تو قریش میں سے بعض لوگوں کو خود بخود اپنی اس جابرانہ اور پرلے درجہ کی بے دردانہ کارروائی پر تاسف ہوا۔ چنانچہ دستخط کنندوں میں سے ہشام بن عمرو۔ زبیر بن امیہ مخزومی۔ مطعم بن عدی۔ ابوالبختری۔ اور زمعہ بن الاسود نے ارادہ کیا کہ اس معاملہ کو ایک مجلس عام میں پیش کر کے اسکے انفساخ پر زور دینا چاہیئے۔ کیونکہ "اسقدر عرصہ دراز تک ہم نے بہتیری سختیاں کر لیں۔ جس کا اُدھر سے کوئی بھی جواب نہیں ہوا۔ تو کیا عمر بھر ایسی نالائق طریق ہم برت سکیں گے؟" ان لوگوں کے اس ارادہ کی خبر ابوطالب کو بھی پہنچی اور کیوں نہ پہنچتی۔ کہ قریش اگر کچھ مہربانی بھی کرنا چاہتے تھے تو صرف ابوطالب کے سبب۔ اور انہیں کی وجاہت پر۔ خیر ابوطالب نے حضور علیہ السلام کے روبرو ذکر کیا۔ تو آپ نے بالہام ربانی ارشاد فرمایا کہ چچا آزادی کا وقت پہنچ چکا ہے۔ اور وہ عہدنامہ جو سفر کو باطنی اور بد اخلاقی کی پوٹ ہے بالکل ردی اور بیکار ہو چکا ہے یعنی ایک تو اللہ تعالیٰ نے اسکے کاتب کا ہاتھ ہی شل کر دیا ہے جسکے ساتھ اس نے ایسا ظالمانہ عہدنامہ تحریر کیا تھا اور دوسرا اُس کاغذ کے حروف کو سوائے حق تعالیٰ کے اسم مبارک کے باقی تمام و کمال دیمک چاٹ چکی ہے" ابوطالب تو پہلے سے ہی آنحضرت کی صداقت کے قائل تھے۔ یہ تسلی بخش فقرات سنکے خود دارالندوہ میں گئے جہاں قریش مشورت کی مجالس کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے پہنچنے سے بھی پہلے انہیں پانچ شخصوں نے یہ گفتگو شروع کر رکھی تھی۔ جسکے بعد انہوں نے بھی یہ دونوں باتیں جو آنحضرت سے سنی تھیں۔ بیان کر دیں جن کے سنتے ہی مجلس میں ایک اور قسم کی تحریک شروع ہو گئی کہ بجائے صلہ رحم اور برادرانہ محبت کے امتحانِ صداقت پر معاملہ آٹھہرا۔ کہ اگر عہدنامہ کا ہاتھ واقعی بیکار ہو چکا تھا۔ لیکن اسپر کچھ زیادہ لحاظ نہ کیا گیا۔ اور عہدنامہ کے دیکھنے پر بات آ رہی۔ کیونکہ جو چیز چھت سے بحفاظت تمام لٹک رہی ہو اسے دیمک

کا کھا جانا خلاف معمول تھا۔ آخر الامر یہ قرار پایا کہ اگر عہدنامہ کو آنحضرت کی بشارت و پیشین گوئی کے مطابق فی الواقع دیمک چاٹ گئی ہے تو سب کو اس ظالمانہ عہد سے باز آنا مناسب ہے۔ ورنہ بدستور مخالفانہ سلوک قائم رکھنا چاہئے۔ چنانچہ عہدنامہ اُتروا کر دیکھا گیا تو سوائے اللہ تعالےٰ کے بزرگ نام کے سب [illegible] ہو چکا تھا۔ جس پر حسب قرارداد ان پانچوں آدمیوں نے سخت نوٹس لیا اور گو ابوجہل اپنی بیہودگی سے برابر بڑبڑ کرتا رہا۔ مگر مطعم بن عدی نے اُسے فی الفور چاک کر دیا۔ اور پانچوں آدمی ابوطالب کے ساتھ جا کر شعب ابوطالب سے جملہ بنو ہاشم کو اپنے اپنے گھر پہنچا آئے اور اس طرح اس ظالمانہ کارروائی کا فیصلہ ہوا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ نبوی کے ابتدا کا ہے۔

پیشین گوئی قرآن پر شرط۔ انہیں ایام میں یعنے سنہ ۶۱۶ عیسوی میں فارسیوں اور رومیوں کی لڑائی ہوئی جس میں فارسیوں نے رومیوں پر فتح پائی۔ مخالفین کوئی آدمیت یا عقل سے تھوڑا ہی کام لیا کرتے تھے۔ اس خبر کو سُن کر اُنہوں نے مسلمانوں کو اس طرح بددل کرنا چاہا۔ کہ دیکھو جس طرح فارسیوں کو (جو ہماری طرح بت پرست اور ستارہ پرست ہیں) رومیوں پر (جو تمہاری طرح اہل کتاب ہیں) فتح و نصرت حاصل ہوئی ہے۔ اسیطرح ہم بھی تم پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چنانچہ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین یعنے مغلوب ہو گئے روم والے پاس کے ملک والوں سے (یا اپنے چھوٹے ملک والوں سے) اور وہ اس کے بعد غالب ہوں گے کئی برس میں۔ اصطلاح عرب میں بضع کے لفظ کا اطلاق اس مدت پر ہوتا ہے۔ جو کم سے کم تین برس اور زیادہ سے زیادہ نو برس تک ہو چنانچہ اس پیشین گوئی کے ساتویں برس ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جب یہ آیت شریف نازل ہوئی ہے۔ تو اُسوقت تک قمار بازی کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا۔ کہ اس طرح کی بات ہم نہیں مان سکتے کوئی شرط

معین کرو۔ جس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نو سال تک میعاد مقرر کی کہ اس عرصہ میں یہ
پیشین گوئی پوری ہو جائے گی۔ اور سو اونٹ شرط مقرر ہوئے۔ چنانچہ سات سال
کے بعد جب یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی تو اس وقت ابی بن خلف مرچکا تھا۔ لیکن حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے ان کے ورثاء سے شرط کا ایفا چاہا۔ اور انہوں نے سو اونٹ
بھی دیدیا جو صدیق اکبرؓ نے جناب سالتمآب کے روبرو پیش کئے اور آپؐ نے لِلّٰہ تقسیم
کرادیئے۔ اسی واقعہ سے امام ابوحنیفہؒ نے یہ مسئلہ استخراج کیا ہے کہ دارالاسلام میں
جو کفار ذمی نہ ہوچکے ہوں ان سے ایسے معاملات جائز ہیں (تفسیر نیشاپوری)

پیشین گوئی در پیشین گوئی۔ اسی آیت کے بعد اللہ تعالے نے مسلمانوں
کو ایک اور خوشخبری بھی دی تھی یعنے ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ یعنی
اس دن مومن خوش وقت ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ بظاہر یہ بات کچھ بے لگاؤ سی
بھی مگر جس دن رومیوں کو فارسیوں پر فتح ہوئی ہے اسی دن جنگ بدر میں
مسلمانوں کو قریش پر فتح و نصرت کی خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ اکبر کیا پیشین گوئی
ہے۔ اسکے علاوہ علماء نے یہ بھی کہا ہے وھم من بعد غلبہم سیغلبون کے یہ
بھی معنے ہیں کہ جب رومی ایرانیوں پر فتح پائینگے تو مسلمانو تم ان پر غالب آجاؤ گے
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور خلافت اول و دوم میں رومیوں کا ملک تمام و کمال مسلمانوں کے
قبضہ میں آگیا۔

ابوطالب ابن عبدالمطلب کی وفات۔ بہرحال حضور علیہ السلام مع اپنے
جان نثاروں اور معتقدین کے اس بندگراں سے نکلکر بدستور وعظ و نصیحت میں
مشغول تھے کہ ایک تازہ سانحہ پیش آیا یعنے ابوطالب کا انتقال ہوگیا جو آپؐ کے
لئے نہایت سخت المناک حادثہ تھا۔ یہی ایک بارسوخ اور ذی عزت شخص تھے
جن کے باعث مخالفین آنحضرتؐ کے برخلاف اپنے دلی منصوبوں کے
پورا کرنے کا موقع نہ ملسکتا تھا۔ ابوطالب کا انتقال سن نبوی کے دسویں سال
ہوا جو سنہ ۶۲۰ء کے مطابق آتا ہے۔

ابوطالب چونکہ ہمیشہ حضرتؐ کی محافظت اور حمایت میں سرگرم رہتے تھے۔ اِسلئے جناب رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کا بہت ہی بڑا خیال تھا۔ اور دوسری طرف سے کفار قریش اُن کو نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ ابوجہل نے جبکہ ابوطالب قریب الموت تھے تو اُن سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے سے کہو کہ جس بہشت کا ہمیشہ وہ بیان کرتا ہے اُس کا کوئی عمدہ میوہ اسوقت تمہارے لئے منگا لے تاکہ تمہاری صحت کا باعث ہو۔ جسپر ابوطالب نے ایک شخص کو یہی پیغام دے کے آپؐ کے پاس بھیجا۔ پیغام مذکورسُن کے ابھی آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا تھا کہ صدیق اکبرؓ نے کہا اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدوں کے بموجب جو قرآن میں فرماتے ہیں مُشرکین اور غیر مُسلمین پر میوئے جنت حرام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ابوطالب کے لئے وہ کیونکر منگائے اور کھلائے جا سکتے ہیں۔ ارباب بصیرت پر ظاہر ہے کہ سوال تو کیسا نامعقول تھا مگر جواب کیسا معقول ہے۔ خیر اسکے بعد جناب سرورِ کائنات بنفسِ نفیس خود ابوطالب کے سرہانے پہنچے جہاں تمام اعیان قوم اور اکابرانِ قریش موجود تھے آپؐ نے وہاں جاکر بھی یہی فرمایا۔ کہ میرے شفیق چچا! یہ اب آپ کا آخری وقت ہے اگر ایک بار لا الٰہ الا اللہ محمد رسُول اللہ کہہ دو تو مجھے خدا کے ہاں تمہاری شفاعت کا موقع تو مل جائے گا۔ ابوطالب نے کہا پیارے بھتیجے تیرا کہنا بالکل درست ہے۔ اور میں بھی خوشی سے تمہاری فرمائش پوری کر دیتا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ قریش تم کو طعنہ دیا کرینگے کہ مرتے ہوئے موت کے ڈر سے ان کے بڈھے چچا نے بھی ان کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کو ابوطالب نے چند اشعار میں بھی بیان کیا جس میں تین شعر یہ ہیں ؎

ودعوتنی وعلمت انک ناصحی	ولقد صدقت کنت فیہ امینا
اظہرت دینا قد علمت بانہ	من خیر ادیان البریۃ دینا
لولا الملامۃ او حذار مسبۃ	لوجدتنی سمحاً بذاک مبینا

یعنے تم نے دعوت اسلام کی ہے۔ اور واقعی میں جانتا ہوں کہ تم میرے سچے اور پکے

خیر خواہ اور ناصح ہو۔ اور بے شک و شبہ تم اپنے قول میں سچے اور امین و پاکباز بھی ہو
اور تم نے ایسا دین ظاہر کیا ہے کہ جو ساری دُنیا کے مروّجہ دینوں سے افضل و اعلےٰ
ہے۔ اگر مجھے قوم کی ملامت اور طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتو تم مجھے بیشک اس دین کا
ظاہر کرنے والا پاتے۔

یہ اشعار ایسے ہیں کہ صرف ایک شرط لولا الملامۃ کی نکال دیجائے تو ابوطالب کے
پورے اور سچے معتقد مسلمان ہونے میں شک و شبہ ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ یہ شُبہ
اشتہارِ وقت پیدا بھی ہوگیا تھا۔ جبکہ نامراد ابوجہل نے پوچھا۔ کہ ابوطالب! کیا تم اپنے
آبا و اجداد کے دین سے پھر گئے؟ ابوطالب نے کہا میں اپنے اجداد کے دین پر مرتا
ہوں۔ یہ فقرہ بھی ذومعنی ہے۔ جیسے کہ حضرت خبابؓ اور جنّی کہ حضرت ابراہیمؑ
نے اپنے اپنے مواقعات پر ایسے ہی فقرات کا استعمال کیا تھا۔ اسی لئے علماء
میں ابوطالب کے مسلمان ہونے میں اختلاف ہوگیا ہے۔ بہرحال وہ مسلمان ہوئے
ہوں یا نہیں مگر اُن کے خیر خواہِ اسلام اور خیر اندیش حضرتِ خیرالانامؐ ہونے میں ذرہ
بھر بھی کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اپنے وقتِ نزع کے قریب بھی آپ نے
تمام قریش کو مخاطب کرکے وصیت کی۔ کہ حضرت محمدؐ کی مخالفت سے باز آجائیں۔
اور اُنکی محبت و رفاقت سے ثوابِ دارین حاصل کریں۔

حضرت عباسؓ عمِ رسُول مقبولؐ راوی ہیں کہ مرتے وقت ابوطالب کی لبوں کو
جنبش ہوتے دیکھ کر میں نے کان لگایا تو وہ کلمہ شریف پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ اُسیوقت
جناب رسُول مقبولؐ کو آپ نے یہ خوشخبری پہنچائی کہ مرتے ہوئے ابوطالب آپؐ کے
ارشاد کی تعمیل کر گئے ہیں۔ بہرحال ابوطالب کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور غالباً
جب تمام اہلِ قریش اُن کو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا حامی اور محافظ سمجھ بیٹھے
تھے۔ تو خدا بھی انہیں کیوں بیگانہ جاننے لگا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرکیف ابوطالب کا کفن
دفن حضرت علیؓ نے کیا۔ اور جنازہ کے ساتھ سرورِ کائناتؐ بھی تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات۔ اسی سال میں ابوطالب کی وفات کے

ایک مہینہ بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جناب رسُول مقبُول صلعم کے حرم محترم کا بھی انتقال ہُوا۔ جس سے حضور ممدوح کو اور بھی غم و الم پہونچا۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ بھی باعث اپنے تموّل اور ذیعزت ہونے کے قوم میں ایک خاص وقار رکھتی تھیں۔ اور بعض لوگ اُن کیوجہ سے بھی بیہودگی نہ کر سکتے تھے۔ مگر قدرتِ خدا اُدھر ابوطالب نے وفات پائی اِدھر حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا انتقال ہوگیا۔ اور مخالفین نے آدمیت کو بالائے طاق رکھ کر بُزدلانہ حملوں اور کینہ حرکتوں میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی یعنے راہ چلتے آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ اور بعض بدباطن لوگ تو اُس آفتاب ہدایت و رسالتؐ پر خاک ڈالنے سے بھی باز نہ آئے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے اس سال کا نام مسلمانوں نے عام الحزن (سالِ غم) رکھا۔ کیونکہ ایسے ممتاز لوگوں کی وفات اور کفّار کی اشرار کی زیادتیوں سے جناب رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سال بہت بڑا رنج پہونچا تھا۔

ابولہب کی حمایت اور پھر بدستور مخالفت - ابوطالب اور خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب کفار قریش نے سختیاں شروع کیں تو ہیجڑے کی جرأت کیطرح ایک دفعہ ابولہب کو بھی خیال آیا کہ آؤ اب اور کوئی بڑا بوڑھا نہیں تو ہم ہی حضرتؐ کی حفاظت کریں۔ چنانچہ اُس نے حضرتؐ سے کہہ بھی دیا کہ پہلے تو ابوطالب تمہارا محافظ تھا۔ اور لوگ اس باعث کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر اب بھی تا وقتیکہ میں زندہ ہوں کوئی تمہیں ایذا نہ پہنچا سکے گا۔ لیکن جونہی یہ خبر مشہور ہوئی۔ ابوجہل نے آکر ابولہب سے پوچھا کہ کیا تم بھی مسلمان ہوگئے۔ اُس نے کہا نہیں۔ میں نے صرف قرابتداری کیوجہ سے حضرتؐ کو اپنی حمایت میں لیا ہے۔ ابوجہل تھا غضب کا چالیا۔ ابولہب سے بدنصیب بیوقوف کو چنگ پہ چڑھا لینا اُسکے نزدیک کیا مشکل تھا۔ اُس نے کہا جو شخص تمہیں اور تمہارے بزرگوں تک کو دوزخی بتاتا ہو اُسکا تمہارا رشتہ کا ہیکا۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو خود حضرتؐ سے پوچھ دیکھو۔ کہ تمہارے باپ دادا کی نسبت وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے جب عند الملاقات حضرتؐ سے پوچھا کہ ابوطالب اور عبد المطلب بہشت میں ہیں یا دوزخ میں

تو آپؐ نے صاف فرما دیا کہ وہ اپنے بزرگوں کے پاس ہیں۔ جسکے معنے یہ سمجھے گئے
کہ وہ دوزخ میں ہیں (یا کم از کم یہ کہ بہشت میں نہیں) اور اسپر سخت برافروختہ ہوکر
ابولہب نے آپؐ کی حمایت سے انکار کر دیا اور آپؐ نے بھی بلا خوف وخطر فرما دیا کہ
مجھے خدائی حمایت کے بغیر دوسرے کی ضرورت بھی نہیں اور اس طرح ابولہب اس
سعادت سے جو اُسے حاصل ہونے لگی تھی۔ قطعاً محروم رہ گیا سچ ہے ؎

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

دوستو! غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ وہ ابتلا ومصیبت کا زمانہ تھا کہ خدانخواستہ اگر
لغزش وغیرہ کا کوئی شائبہ بھی ہوتا۔ تو آنحضرتؐ ہرگز ہرگز مستقل نہ رہ سکتے۔ مگر چونکہ
وہاں سوائے صداقت اور مامور ہونے کی مجبوری کے کوئی دوسری بات تھی ہی نہیں
اسلئے ایک نبیؐ اُمّی نے (روحی فداک) جسکو نہ تو کوئی اپنی علمیتِ ظاہری پر دعویٰ
تھا اور نہ کچھ دنیوی دولت پر گھمنڈ۔ اس طرح بے یارو یاور ہوجانے کی حالت میں بھی
سوائے خدا کے آسرے کے اپنے لئے کوئی پناہ پسند نہ کی۔ اور برابر اپنے کام میں
مشغول ومصروف رہا۔

حضور ممدوحؐ کا طائف جانا۔ چونکہ قریش کی مخالفت دن بدن زیادہ
ہو رہی تھی اور اصلاحی صورتیں بالکل نظر نہ آتی تھیں۔ لہذا حضور ممدوحؐ نے ارادہ
فرمایا۔ کہ شہر مکہ کے رہنے والوں کے سوا دوسرے مقامات پر بھی جاکر اشاعتِ
اسلام کرنی چاہیئے۔ کہ اس سے ایک تو طوفانِ مخالفت سے کسیقدر بچاؤ ہوگا۔ اور
دوسرا یہ کہ دوسرے مقامات کے لوگ بھی کچھ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ
حضور ممدوحؐ کا خیال تو نہایت ہی مناسب بلکہ انسب تھا۔ مگر افسوس ہے کہ
نتیجہ حسب دلخواہ نہ نکلا۔

حضور ممدوحؐ سب سے پہلے قصبہ طائف کو تشریف لے گئے جہاں بنو ثقیف کی
آبادی کثرت سے تھی۔ اس سفر میں صرف ایک خادم زیدؓ بن حارث آپؐ کے پاس تھے

حالانکہ اگر حضور ممدوح چاہتے تو اَور بھی بہت سے جاں نثار ہمرکاب چلنے کو فخر سمجھتے مگر جہاں شان و شوکت نمود اور نمائش کی ہوا تک بھی نہ لگی ہو۔ وہاں خدم و حشم کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ بنو ثقیف کو دعوتِ اسلام کرنے کے بعد آپ قومِ طائف کے پاس تشریف لے گئے مگر کسی نے اس آوازِ حق کی طرف توجہ نہ کی۔ بلکہ تمسخر اور مضحکہ اڑانا شروع کیا۔ اور یہ جواب دیئے کہ اگر آپ واقعی پیغمبر ہیں تو آپ سے ہمکلام ہونے کی بوجہ آپ کے تقدس کے ہم مجال نہیں ہو سکتی اور اگر پیغمبر نہیں تو پھر آپ ہماری ہمکلامی کے لائق نہیں۔ حضور ممدوح نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی مگر شقی بدبخت کب سمجھ سکتے ہیں۔ ؎

باآب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ

بلکہ جاہل مشرکین نے آپ کی ایذا رسانی میں وہ مستعدی دکھائی جو اہلِ مکہ سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ یعنے حضور ممدوح کی طرف پتھر اور ڈھیلے پھینکنے تک سے باز نہ آتے تھے کہ زید بن حارث انہیں پتھروں سے سخت زخمی ہو گئے۔ اور خود حضور ممدوح کے پائے مبارک پر بھی چوٹیں آئیں جس سے جناب ممدوح کو قوم کی اس بے اعتنائی اور بداطواری پر سخت رنج ہوا۔ اور بنظر حالاتِ مذکور مراجعتِ مکہ کا عزم فرمایا گیا۔ آتے ہوئے رستہ میں عداس نام ایک نینوا کا رہنے والا آپ پر ایمان لایا اور آپ کوہ حرا پر جلوہ افروز ہوئے۔ جہاں آپ نے سنا کہ طائف میں جو حالت گذری ہے ساکنانِ مکہ بھی اس سے پورے طور پر واقف ہو چکے ہیں۔ اور پہلے سے بھی زیادہ وحشیانہ برتاؤ کرنے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔ اس سے احتیاط لازمی ہو گئی اور آپ نے وہیں اقامت فرمائی۔ قریش کو بھی خبر ہوئی مگر جہالت اور شورہ پشتی سے انہیں خیال تک بھی نہ آیا کہ اس وقت حضور ممدوح سے مخالفت کیسی نامردانہ حرکت ہے۔ اتنے میں مطعم بن عدی کو بھی خبر ہوئی جو اس واقعہ سے سخت متاثر ہوا اور وہ جا کر آنحضرت کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے قریش کے اس ظالمانہ عہد نامہ کو پھاڑ ڈالا تھا۔ جیسے

موافق شعب ابو طالب والوں کے برخلاف قریش نے قطع تعلق اختیار کر رکھا تھا۔ بہر کیف
اس شخص کی وجاہت اور اثر کے باعث قریش نے حضور ممدوحؐ کو داخلۂ شہر سے
تو نہیں روکا۔ مگر حسب معمول اپنے مقتضائے طبیعت مخالفت سے کبھی درگذر نہیں
کی۔ حضور علیہ السلام نے صرف ایک شب تو مطعم کے ہاں قیام فرما لیا۔ مگر دوسرے
دن اپنی جگہ تشریف لے گئے مطعم بن عدی نے وجہ پوچھی تو آپ نے صاف فرما دیا کہ مشرک
کے ہاں ٹھہرنا مجھے سخت گراں معلوم ہوتا ہے۔ خیر اس نے بھی اس پر کچھ ملال نہیں کیا
اور آپ حسب قاعدہ بدستور کعبۃ اللہ میں آنے جانے لگے۔ مکان پر جہاں آپ
تشریف رکھتے۔ اہل حاجت لوگ برابر حاضر ہوتے اور حضور ممدوحؐ کی زبان فیض ترجمان
جام ہدایت سے رشد و ہدایت کا دریا برابر جاری رکھتی۔

سنہ ۱۰ نبوی میں خولہ بنت حکیم کی وساطت سے حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے آپ سے
نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ جسکو حضور ممدوحؐ نے منظور فرمایا۔ اسی سال حضرت
عائشہ صدیقہؓ کا بھی آپ سے نکاح ہوا۔ حضرت سودہؓ تو رخصت ہو (کر آگئیں) اور چونکہ
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر صرف سات برس کی تھی۔ اسلئے تین سال تک آپ نے ان
سے زفاف نہیں فرمایا۔ ان کے مفصل تذکرات اپنے موقع پر آئینگے۔

مدینہ کے پہلے مسلمان۔ اسی سال میں یثرب یعنی مدینہ سے قبیلہ خزرج کے
جو لوگ حج کو آئے تھے ان میں سے چھ شخص مسلمان ہوئے۔ جن کا پیشرو اسعد بن زرارہ
ایک سعادتمند شخص تھا۔ یثرب یا مدینہ پر اسوقت یہود کا غلبہ تھا۔ اور وہ لوگ گویا اپنے
آپکو بادشاہِ شہر سمجھتے تھے۔ لیکن اعراب بھی دبنے والی اسامی نہ تھے اسلئے
دنگہ فساد بھی ہو جاتا تھا۔ لہذا ایسے ایسے مواقعات پر وہ لوگ اعراب کو ڈرایا کرتے تھے
کہ کتب آسمانی کے موافق عنقریب ایک پیغمبر آخر الزمانؐ مبعوث ہونے والا ہے پس
ہم انکی شراکت سے تم پر غلبہ حاصل کرینگے۔ یہود کا یہ خیال کہ وہ اعراب کو پیغمبرؐ کی شراکت
سے دباکر اپنی حکومت جمالیں گے۔ گو غلط تھا۔ مگر پیغمبرؐ کی خبر آسمانی کتابوں میں ضرور
تھی۔ خیر اس تذکرہ سے کم سے کم یہ اثر ضرور ہوا کہ مدینہ کے لوگ بھی پیغمبر آخر الزمانؐ کے

منتظر رہنے لگے۔ بلکہ انتظار کے ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ بجائے یہود کے ہمارے موید اور سرپرست بن جائیں۔ پس اس لحاظ سے یہ آوازِ حق ان لوگوں کو خوش آیند معلوم ہوئی اور ہرچند عتبہ نامی ایک رئیس قریش نے ان لوگوں کو آنحضرت صلعم کی ملاقات سے بہت کچھ جاہلانہ خیالات سنا سنا کر روکنا بھی چاہا۔ مگر وہ رُک نہ سکے اور حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ سچ ہے ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

معراج ۔ بارہویں سن نبوی میں حضور علیہ السّلام کو معراج ہوا جس کا مفصل ذکر آگے کیا جائیگا جسکے بعد وقتاً فوقتاً اور یوماً فیوماً اسلام کی ترقی اور دینِ مبین کی اشاعت بڑھنی شروع ہوگئی۔

نمازِ جمعہ ۔ اسی سال میں مسلمانوں پر نمازِ جمعہ فرض ہوئی۔ اور حضور علیہ السلام نے اس کا التزام بھی فرما دیا۔ اور سب مسلمان اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ ۔ اسی سال ایامِ حج میں اشرافِ مدینہ میں سے بارہ سعادتمند بزرگوار آکر آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوئے۔ اور اسکے ساتھ ہی صدقِ دل سے التجا کی کہ حضور مدینہ کو شرفِ اقامت سے معزز فرما دیں۔ جہاں ہماری مالی اور جانی خدمات حضور کے نثار ہونگی۔ چنانچہ اسی امر کے لئے پہاڑ کی گھاٹی پر بیٹھکر آپ نے ان سے بیعت لی جسکو بیعت عقبۂ اولےٰ کہا جاتا ہے ان بارہ انصار کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سعد بن عبادہ۔ ۲۔ سعد بن زرارہ ۳۔ عوف ۔ ۴۔ معاذ بن غفران۔ ۵۔ رفیع بن مالک۔ ۶۔ منذر بن صامت۔ ۷۔ یزید بن ثعلبہ۔ ۸۔ عتبہ بن عامر۔ ۹۔ قطبہ بن عامر۔ ۱۰۔ جدیدہ ابوالہاشم بن التیہان۔ ۱۱۔ عویم بن ساعدہ۔ ۱۲۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور ممدوح نے انہیں تسلی دینے کے بعد مصعب بن عمیر کو توان کی امامت اور دینِ متین کے احکام کی اشاعت کے لئے ان کے ساتھ کر دیا اور اپنی تشریف بری اجازتِ الٰہی پر موقوف رکھی۔ مدینہ کے رہنے والے بھی گو ویسے ہی عقائدِ فاسدہ میں مبتلا تھے

جس میں قریش اور ساکنینِ مکہ گرفتار رہتے تھے۔ مگر پھر بھی تجارت پیشہ ہونے کے باعث جنگجوئی اور خونریزی کی جگہ کسیقدر صلاحیت ضرور رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں یہود کے ذریعہ وہ آنحضرت صلعم کے نام سے بھی ناواقف نہ رہ گئے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے دعوتِ اسلام پر مخالفت نہیں کی بلکہ خوشی خوشی اسلام قبول کیا۔ اور اسطرح مصعب بن عمیر و سعد بن زرارہ کی تحریک اور اُسید بن خضیر و سعد بن معاذ کی تائید سے مدینہ میں اسلام کا چرچا اس عمدگی اور جلدی کے ساتھ ہوگیا کہ کرشمہ رحمت کہنا چاہیئے چند ہی دنوں میں صدہا لوگ اسلام لے آئے۔ اور سنہ ١٣ نبوی میں موقع حج پر پانسو آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں شرفِ ملازمت اور سعادتِ اسلام حاصل کرنے اور نیز حضور علیہ السلام کو آمادہ ہجرت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے بیشتر مشاہیر سے بھی اسی موقعہ پر بیعت لیگئی۔ گو اسوقت تک حضرت عباس عم رسول مقبول صلعم مسلمان نہ ہوئے تھے۔ مگر بوجہ قرابت اس بیعت کے وقت وہ بھی موجود تھے۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانی کہاجاتا ہے۔ بہرحال اسکے بعد آپ نے مسلمانانِ مکہ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا۔ جسکے بعد مرۃً بعد اخریٰ سب کی روانگی شروع ہوئی مگر قریش کی مخالفت و عداوت بدستور زوروں پر تھی۔ لہٰذا جو جو صاحب جاتے چھپ چھپا کے جاتے۔ سوائے حضرت عمرؓ کے کہ وہ علی الاعلان مسلح ہوکر کعبہ میں آئے اور نماز گذار کے بیس آدمیوں کی جمعیت سے ہجرت فرمائی۔ صدیق اکبرؓ نے بھی اجازت چاہی مگر ممدوحؐ نے فرمایا کہ صرف حکمِ الٰہی کا انتظار ہے جسکے بعد ہم بھی چلیں گے۔ اور تم بھی ساتھ ہی چلنا۔ سامان سب ٹھیک ٹھاک کر رکھو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے دو تیز رفتار اونٹنیاں خرید رکھیں ایک اپنے لئے اور ایک حضور ممدوحؐ کے لئے۔ جس کی قیمت باوجود صدیق اکبرؓ کے انکار کے بھی آنحضرت صلعم نے اپنے پاس سے ادا فرمادی کہ اس مقام پر یہی روپیہ صرف ہونا مناسب ہے۔

فصل چہارم

ہجرت سے وصال تک

ہجرت کے واقعات ۔ تیرھویں سنِ نبوی کے اواخر میں بیعتِ عقبہ ثانی کے بعد مسلمانوں کی ہجرت شروع ہو گئی تھی ۔ قریباً سب بجز ان اور اد چند مسلمان مدینہ پہنچ چکے تھے ۔ پیچھے ابوبکرؓ اور علیؓ کے سوا باقی نہیں ۔ اسی عالم میں ۱۴ سنہ نبوی شروع ہوا جس میں باختلافِ روایت اوائلِ ماہ ربیع الاوّل یا اوائلِ شعبان میں آپؐ نے بھی بامرِ الٰہی ارادہ فرمایا ۔

آنحضرتؐ کے قتل پر آمادگی اور ناکامی ۔ قریش نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ آنحضرتؐ کے سبب ہماری ریاست و حکومت سے نکلی جاتی ہے اور مدینہ والے دن بدن مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں تو ان کی طبعی جہالت اور عداوت نے ایک مرتبہ پھر جوش مارا ۔ اور انہوں نے ایک مجلس مشورہ کے خاص اس غرض کے لئے منعقد کی کہ آپؐ سے کیا انتقام کیا جائے ۔ مناسبت سے تو انہیں تعلق ہی کیا تھا اُلٹا عداوت اور جوشِ جہالت نے یہی تین تجویزیں ان کو سُجھائیں کہ نعوذ باللہ یا تو آنحضرتؐ کو قید کر لیا جائے یا جلا وطنی کی سزا دی جائے ۔ اور یا ہلاک کر کے تصفیہ ہی کر دیا جائے ۔ ابوجہل سب سے زیادہ تیسری تجویز کا محرک و موید تھا ۔ اور آخر یہی پاس بھی ہوئی اور قرار پایا کہ آج شب کو آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر کے شبخون ماریں اور اس خیال سے کہ بنو ہاشم کو لڑنے کی جرأت نہ ہو سکے ۔ ہر ایک قبیلہ کے ایک ایک دو دو آدمی اس میں شریک کئے گئے جن کی مجموعی تعداد باختلافِ روایت چالیس بیان کی گئی ہے ۔ اور جن میں مندرجہ ذیل لوگ خود وار کرنے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے ۔

۱- ابوجہل - ۲- حکم بن ابوالعاص ۳- عقبہ بن ابی معیط ۴- نضر بن حارث
۵- ابن عیطلہ - ۶- طلعہ بن عدی - ۷- ابولہب ۸- امیہ و ۹- ابی پسران خلف

اُدھر تو یہ منصوبے ہو رہے تھے۔ اُدھر با مرِ الٰہی جناب رسالتمآبؐ بھی اسی دن رات میں جانے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔ اور صدیق اکبرؓ بھی طیار ہو چکے تھے چنانچہ رات کو آپؐ نے جن جن لوگوں کی امانتیں وغیرہ آپؐ کے پاس تھیں وہ سب حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائیں اور اُن کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دے کر ہجرت مدینہ کا عزم فرمایا۔ کفار قریش نے حسب قرارداد مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا یہ بھی صرف حکمت الٰہی تھی کہ اُن کو اتنا صبر ہوا اندر گھسنے کی جرأت نہ پڑی۔ غرضکہ وہ محاصرہ کئے کھڑے تھے کہ حضور علیہ السلام سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے۔ جس وقت آپ دروازہ سے نکل رہے تھے اُس وقت پڑھتے پڑھتے فاغشینٰھم فھم لا یبصرون ترجمہ (اُنکی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے پس وہ نہیں دیکھتے) تک پہنچے تھے۔ لہذا آپؐ ایک مٹھی خاک کی اُن کی طرف پھینک کر بے غل وغش درآنہ چلے گئے۔ اور کسی کو نظر نہ آئے۔ اپنے مکان سے نکلکر حسب وعدہ آپؐ صدیق اکبرؓ کے ہاں پہنچے اور وہاں سے دونوں صاحب پاپیادہ چلکے فہیرہ بن عامر ایک غلام کو ساتھ لے کے صبح تک صرف غار ثور تک پہونچے جو مکہ سے تین میل پر واقع ہے۔ اس تمام رستہ کو آپؐ نے اور صدیق اکبرؓ نے گھٹنوں کے بل طے فرمایا تھا۔ تا نقش پا سے کفار اشرار کو آپؐ کے مقام کا رہنمائی نہ ہو۔

غار ثور پہنچ کر دونوں صاحب کفار کے تعاقب کے خیال سے غار کے اندر تشریف لے گئے جبکے منہ پر آپؐ کے داخل ہوتے ہی بحکم خدا ایک مکڑی نے جالا تن دیا۔ اور جنگلی کبوتروں کے جوڑے نے آکر انڈے سینے شروع کر دیئے۔ اللہ اکبر کتنا بڑا محافظ قلعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کے لئے اُس غار کو بنا دیا تھا تاکہ کسی کو وہاں جانے کا خیال تک بھی نہ گذرے غرضیکہ بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے

غار میں جہاں جہاں کوئی سوراخ تھا بنظرِ احتیاط اُسے بھی کپڑے سے بند کرکے جناب رسالتمآبؐ کو اپنے زانو کا تکیہ بناکر خوابِ استراحت کے لئے لٹا دیا۔ مگر قدرتِ خدا جب آپؐ سو رہے تھے اُسوقت صدیق اکبرؓ کی نگاہ ایک چھوٹے سے سوراخ پر جا پڑی جو بند ہونے سے رہ گیا تھا۔ اور کوئی چیز تو پاس نہ تھی۔ اسلئے آپؓ نے اپنا انگوٹھا ہی اُس میں ٹھونس دیا۔ مگر وہاں ایک زہریلا سانپ بیٹھا تھا۔ جس نے فوراً آپؓ کے انگوٹھے پر کاٹ کھایا۔ درد نے بچین تو بہت کیا مگر بپاسِ ادب آپؓ نے حضور علیہ السلام کے سرِ مبارک کا اُٹھانا۔ اور آپؐ کو جگانا گوارا نہ کیا۔ لیکن شدتِ درد سے آنسو نکل پڑے جنہوں نے رسُولِ خداؐ کے رخسارِ مبارک پر گر کر آپؐ کو بیدار کردیا۔ اور آپؐ نے وجہ دریافت فرماکر اپنا لعابِ دہن اُس جگہ لگا دیا۔ جس سے حق تعالےٰ نے آن زہر کا اثر بالکل زائل کردیا۔ سچ ہے ؎

تریاق در دہانِ رسُولؐ آفرید حق

صدیقؓ را چہ غم بود از زہر جاں گزا

آنحضرتؐ کی تلاش - ادہر تو یہ کیفیت گذری اُدہر محاصرین نے آپؐ کے دولتخانہ میں گھسکر معلوم کیا تو بجائے آپؐ کے صرف حضرت علیؓ کو دیکھکر سخت متعجب ہُوئے اور جب حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمادیا کہ حضور ممدوحؐ یہاں نہیں ہیں تو وہ اور بھی کھسیانے ہوئے کہ آخر سب آنکھوں میں خاک ڈالکر وہ نکل کیسے گئے۔ غرضکہ مفسدین کو اس ناکامی پر سخت ہی ندامت ہوئی مگر اُنھوں نے فوراً ہی نہ دیکھے وہ در آپؐ کی تلاش شروع کردی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشتہر کردیا کہ جو شخص اِن دونوں (آنحضرت صلعم اور صدیق اکبرؓ) صاحبوں کو گرفتار کرلے گا یا اِن کا سر لائے گا۔ اُسکو سو اونٹ دیئے جائینگے۔ یہ لالچ تھوڑا نہ تھا۔ اسپر بہت لوگ آپؐ کو ڈہونڈنے چڑھ دوڑے اور عین غار کے سر پر بھی آن پہونچے۔ مگر قدرت نے وہاں وہ سامان جمع کر رکھے تھے کہ اُنکی عقل وہاں اِن کی موجودگی کا احتمال تک بھی نہ کرسکی۔ کفار کو عین غار کے دروازے پر کھڑا دیکھکر حضرت ابوبکر صدیقؓ سخت متردد ہوئے۔ مگر آپؐ نے فرمایا لاتحزن

ان اللہ معنا (کچھ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) غرضیکہ وہ ادھر ادھر دیکھ بھال
کر واپس چلے گئے۔ لیکن بمصلحت وقت آپ نے تین راتیں وہیں گذاریں اور تیسری
رات وہاں سے روانہ آئندہ ہوئے۔ ایام قیام غار میں فہیرہ بن عامر رات کے وقت
آپ کے لئے دودھ پہنچا دیتا۔ اور آپ اسی پر قناعت فرماتے۔ چلتے وقت ایک اونٹ
پر تو حضور علیہ السلام اور حضرت صدیق ہمردیف ہوگئے۔ اور دوسرے پر فہیرہ بن
عامر اور عبداللہ بن اریقط دیلمی کہ دونوں حضرت صدیق کے آزاد کردہ غلام اور
راہ سے واقف تھے۔ دونوں اونٹ بے نشان رستے میں قیام و مقام کرنے
کے بغیر جلدی کے ساتھ چلائے جاتے تھے۔ اپنے رات کے چلے ہوئے صرف
اگلے دن بعد دوپہر کسیقدر وقفہ اور نماز کے لئے نواح سواحل پر ایک بوڑھی
عورت ام معبد کے ہاں تھوڑا عرصہ ٹھہرنا ہوا اور بس کھانے کے لئے پوچھا گیا تو اسکے
پاس سوائے ایک لاغر اور بانجھ بکری کے کچھ نہ تھا۔ لہذا حضور ممدوح نے اسکی
اجازت سے خود اس بکری کو دوہنا شروع کیا۔ مگر باوصفیکہ وہ ایک باشہ بھر دودھ دینے
کے قابل بھی نہ تھی۔ صرف آپکے دست مبارک کے یمن و برکت سے اسقدر دودھ آ گیا
کہ ان چاروں کے سیر ہو جانے پر بھی بڑھیا کے لئے ایک لبالب ظرف بچ رہا۔ اور
اسکے بعد بھی تا صین حیات وہ برابر دودھ دیتی رہی جس پر وہ عورت مسلمان ہوگئی اور
اسکے گھر والے بھی صدق دل سے معتقد ہو کر ایمان لے آئے۔

تعاقب ۔ وہاں سے روانہ ہو کر بدستور آپ جا رہے تھے کہ ایک شخص سراقہ بن
مالک جو ایک مشہور شہسوار سواحل کا رہنے والا تھا مسلح ہو کر انعام کے لالچ میں گھوڑے
پر سوار آپ کے تعاقب پہنچا۔ چنانچہ جب بالکل قریب پہنچ لیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق
نے حضور علیہ السلام کو مطلع کیا۔ کہ یا رسول اللہ (روحی فداک) دشمن ہمارے سر
آ پہنچا ہے۔ لیکن آپ نے وہی کلمہ پھر فرمایا کہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ اتنے میں
قدرت حق سے سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا جس سے سراقہ
سخت عاجز ہوا اور دل میں بخوبی سمجھ گیا کہ آنحضرت کی ہی حفاظت کی دلیل ہے

پس آپ سے التماس کیا کہ یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم مجھے اس بلا سے نجات دلوائیے تو میں ہرگز آپ کی مخالفت نہ کروں گا بلکہ تلاش کرنے والوں کو پتہ بھی نہ بتاؤں گا آپ تو دریائے رحمت تھے۔ آپ نے فوراً دعا فرمائی۔ اللھم ان کان صادقاً فاطلق فرسہ (الہی یہ سچا ہے تو اس کا گھوڑا چھوٹ جائے) چنانچہ گھوڑا نکل آیا۔ اور سراقہ واپس ہوا۔ جسکے بعد پھر وہ مسلمان بھی ہوگیا۔ اور حضرت بدستور قطع منازل فرماتے چلے گئے۔ سراقہ کیطرح ایک شخص بریدہ بن الخصیب بھی مع ستر سواروں کے آپ کے تعاقب میں تھا۔ جس نے مدینہ کے قریب آپکو جالیا۔ مگر جونہی وہ آپ سے ہمکلام ہوا۔ قائل ہوکر قدموں پر گر پڑا۔ اور صدق دل سے مع تمام ہمراہی سواروں کے مسلمان ہوگیا۔ اللہ اکبر! آیا تو تھا گرفتار یا قتل کے لئے۔ لیکن توفیق ایزدی کی رہنمونی کر اب آپکے ساتھ ساتھ اپنی پگڑی کا علم بنا کر آگے آگے دوڑ رہا ہے۔ سچ ہے ؎

آنرا کہ بخواند بدرِ کس ندواند

رستہ میں طلحہ بن عبید اللہ یا زبیر بن العوام شام سے آتے ہوئے آپکو ملے۔ اور چونکہ ان سب صاحبوں کے کپڑے قابلِ تبدیلی تھے۔ لہذا انہوں نے نئے کپڑے بدلوائے اور خود بھی ساتھ چلنے کے لئے عرض کیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا فی الحال سیدھے مکہ جانا اور پھر وہاں سے ہی مدینہ آنا مناسب ہے تاکہ ہجرت کامل ہوسکے۔ جسپر وہ مکہ چلے گئے اور حضور علیہ السلام منزل بمنزل بصدق اندرون مدینہ ہوئے۔

ورود مدینہ ۔ مدینہ والوں کو آپ کی ہجرت کی خبر پیشتر سے ہوچکی تھی اور وہ آپ کے انتظار میں دیدہ و دل لگائے بیٹھے تھے ہر روز سینکڑوں عقیدتمند مرد و عورت شہر سے باہر آپکے استقبال کو آتے اور دن بھر چشم انتظار رکھ کر دیکھا کرتے آخر ش ایک روز جبکہ تیسرا پہر ہوچکا تھا اور لوگ مایوس ہو کر لوٹنے کو طیار تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آپ کی سواری دیکھکر پہچانا اور آواز دی کہ یا معشر العرب! ھذا جدکم (اے اعرابیو! یہ تمہارا بزرگ آن پہنچا یا تمہاری مراد آپہنچی) اس آواز کے سنتے ہی سب لوگ دوڑتے ہوئے آپکے گرد جمع ہوگئے۔ اسوقت کی خوشی کا کیا

اندازہ ہو سکتا ہے۔ جناب ختمی مآب کو اپنے ارادتمندوں کے پاس صحیح و سلامت پہنچنے اور اُن طالبانِ حق کو اپنی دلی مراد کو پایا پہنچانا اور اپنی قدیمی درخواست کا عالمِ شہود میں پورا ہوتا دیکھنا ایک عجیب مبارک سماں تھا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کی آواز آرہی تھی۔ اور اشعار و فقرات میں ہر شخص اپنا مافی الضمیر عرض کر رہا تھا بالخصوص یہ شعر اکثر مرد و عورت خوش الحانی سے گا رہے تھے ؎

اشرق البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

یعنے ہم پر چودھویں رات کا چاند ثنیات الوداع[1] سے طلوع ہوا۔ اور ہم پر شکر واجب ہوا کہ حق تعالےٰ نے ہماری دُعا قبول فرمائی۔"

مسجدِ قبا بہرحال آپ نے بھی اُن لوگوں کو دیکھ کر نہایت خوشنودی ظاہر فرمائی۔ اور عارضی طور پر محلہ قبا کے متصل بنی عمرو بن عوف میں اقامت اختیار فرمائی جو شہر کے کنارہ پر تھا چودہ روز آپ وہیں جلوہ افروز رہے۔ پہلی مسجد جو کہ مدینہ میں آپ نے وہیں بنائی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مسجد کے حق میں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ لمسجد اسس علے التقوےٰ من اوّل یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین (سورہ توبہ) ترجمہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس کے لئے احق ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو۔ کیونکہ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پہلے درجہ کے پاک صاف رہنے کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ پاکبازوں کو محبت کرتا ہے۔

---

[1] ثنیات الوداع اُن گھاٹیوں کو کہتے ہیں جہاں وہ لوگ آنحضرتؐ کے استقبال کو آئے تھے چونکہ تمام مدینہ والے اپنے خویش و اقارب کو رخصت کرنے وہیں آیا کرتے تھے اس سے انہیں ثنیات الوداع کہا جاتا تھا ۱۲

آپؐ کے وردِ مسعود کی تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ کہی جاتی ہے جسکے تیسرے دن بعد حضرت علیؓ بھی حسبِ قرار داد تمام امانتیں اہلِ مکہ کو پہنچا دینے کے بعد پاپیادہ آپؐ کے پاس پہنچ گئے۔ پیادہ چلنے کے باعث آپؓ کے پاؤں مبارک میں آبلے پڑ گئے تھے۔ مگر حضرتؐ کے لعابِ دہن لگانے سے سب اچھے ہو گئے۔

حضور علیہ السلام کا قیام مدینہ۔ شہر کے تمام قبائل چونکہ حضورؐ سے اخلاص و اختصاصِ دلی رکھتے تھے۔ لہٰذا سب کی یہ آرزو تھی کہ حضورؐ ہمارے ہاں اقامت فرمائیں۔ اور ان کی محبت کے اقتضاء سے یہ درخواست رد بھی نہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا حضور محمد صلعم نے بامرِ الٰہی یہ فیصلہ فرمایا کہ میں تم سب کا ساتھ دوست ہوں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دینا چاہتا۔ اونٹ پر سوار ہو کر تمہارے ساتھ چلتا ہوں جہاں اللہ تعالےٰ کے حکم سے میرا اونٹ خود بخود بیٹھ جائے گا وہی میرا مقام قیام ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اور وردِ مسعود کے چودہویں روز سوار ہو کر آپ شہر میں تشریف لے گئے۔ ہجوم معتقدین اور انبوہ مسلمین ساتھ تھا کہ یکا یک آپؐ کی اونٹنی اُس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ یہ زمین دو یتیموں کی ملکیت تھی اور اسکے قریب ہی اسوقت ابو ایوبؓ انصاری کا مکان تھا۔ اونٹنی کے بیٹھتے ہی ابو ایوبؓ خوشی خوشی آپؐ کا سامان اُٹھا کر مکان میں لے گئے۔ اور آپؐ نے بھی المرءُ مع رحلہ (آدمی اپنے اسباب کے ساتھ رہتا ہے) کہہ کے وہیں قیام فرمایا۔ پہلی شب تو آپؐ نے مکان کے حصۂ زیرین میں بسر فرمائی۔ مگر علی الصباح ابو ایوبؓ نے آپؐ کا سامان اوپر کے حصہ میں اور اپنا نیچے کے حصہ میں منتقل کر دیا کیونکہ وہ اسکو سوءِ ادب سمجھ کر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نچلے حصہ میں ہیں شب بھر نہ سوئے تھے۔

ایک قدیم تحریر۔ ابو ایوبؓ انصاری شامول کی اولاد میں ہو گئے ہیں اور شامول ایک بڑے زبردست عالم زمانۂ قدیم کے تسلیم کئے گئے ہیں جو قوم حمیر بادشاہ تبع کے وقت میں گذرے ہیں۔ یہ چار سو علماء کے افسر تھے۔ لکھا ہے

کہ ایکدفعہ تبع حمیری کا گذر اس طرف ہوا۔ تو یثرب کا خوش سواد میدان اور دلکشا منظر اور شیریں و سرد پانی دیکھکر وہ بہت خوش ہوا۔ اور شامول جو ساتھ تھے۔ اُن سے کہا کہ کیا ہی اچھی جگہ ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس مقام کی خوش منظری اور دلچسپی کی اصلی وجہ یہ ہے۔ کہ اسی جگہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزمان ہجرت کرکے قیام فرمائینگے۔ حالانکہ اُسوقت آنحضرت صلعم کی پیدائش ظاہری بھی نہوئی تھی۔ اور یہ سب خبریں وہ کتب قدیم کے ذریعہ کہہ رہا تھا۔ باقی علماء نے بھی چونکہ اس قول کی تصدیق کی۔ لہٰذا تبع نے دل عقیدت و ارادت سے وہاں ایک عالیشان مکان بنوایا اور ایک شہر کی بنیاد ڈال دی جو یثرب و مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور شامول وہیں رہنے لگے۔ کیونکہ تبع کا دارالخلافہ یمن تھا جو یثرب سے کچھ بعید و دور دست نہیں کہا جا سکتا۔ تبع مصلحت سلطنت کے لحاظ سے خود تو وہاں رہنا اختیار نہ کر سکا۔ مگر اُس نے ایک تحریر حریری کاغذ پر اپنی طرف سے اظہارِ خلوص و محبت کی لکھواکر شامول کے حوالہ کی کہ میری طرف سے یہ تحریر جب وہ نبی آخرالزمان یہاں تشریف لائیں اُن کے حضور میں پیش کر دینا۔ شامول تو مدتوں سے مرچکے تھے مگر وہ تحریر نسلاً بعد نسلاً امانت ہوتی آتی تھی۔ چنانچہ اکیسویں پشت میں ابوایوب رضہ انصاری نے وہ ودیعت جناب رسالتمآب صلعم کے حضور میں پیش کی۔ اور جس مکان میں ابوایوب رضہ رہتے تھے اور جناب رسول اللہ صلعم کو اُتارا تھا وہ بھی اُسی مکان کا بقیہ تھا جو تبع نے آنحضرت صلعم کے لئے بنوا رکھا تھا غرضکہ آپ صلعم نے وہ تحریر لے لی۔ اور ابوایوب رضہ کی امانت گذاری کے لئے مسرت ظاہر فرمائی۔ ابوایوب رضہ بڑے بزرگ صحابی گذرے ہیں جو دل سے عاشقِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ رضہ کی قبر شریف قسطنطنیہ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے بلکہ ہر سلطانِ وقت کی تاجپوشی وہیں ہوا کرتی ہے۔ آپ رضہ سنہ ۴۶ ہجری میں امیر معاویہ کے وقت ایک لڑائی پر جاکر وہیں شہید ہوئے اور دفن کئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؀

مسجدِ نبوی - مسجدِ قُبا کے سوا آپؐ نے ایک زمین جو سہل و سہیل نام دو یتیموں کا مالک تھی (اور جسپر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی) دس دینار پر خرید کر مسجدِ نبوی کی بنیاد ڈالی۔ زمین ناہموار تھی۔ اسلیئے تمام صحابہؓ اور خود حضور ممدوحؐ نے ہموار فرماکر درست کر دی جسکے بعد اُسکے ساتھ والی زمین بھی (جسپر ایک کھجوروں کا باغ تھا) دس ہزار درہم پہ خرید کر حضرت عثمانؓ بن عفان نے آپؐ کی نذر کی اور آپؐ نے اُسے مسجد میں شامل فرما دیا اسی میں چند حجرات ازواج مطہرات کے لیئے اور اصحاب صُفّہ کے لیئے بنائے گئے۔ مگر کیسے؟ کچی زمین۔ کچا فرش۔ دیواروں کے پائے کھجور کی لکڑی اور کچی مٹی کے۔ چھت بھی کھجور ہی کی لکڑی کی اور بس۔ اللہ غنی۔

دوستو! جو عمارت اسوقت مسجدِ نبوی کی دیکھتے ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی بنی ہوئی نہیں بلکہ اسکو تو خلفا و سلاطینِ اسلام نے یہ لباس پہنایا ہے جس سے اب اسکی شان و شوکت اور نفاست سب کو عظیم الشان نظر آتی ہے۔ چونکہ تم نے دیکھ لیا کہ ہمارے تمہارے مالک و مولےٰ نے کس سادگی اور کس دُشواری بے نوائی سے مسجد بنائی تھی۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے تمہارے مکانات کی طرح اُس کچی مسجد کو بھی کسی مسماری یا کہنگی کا خطرہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ بادشاہوں کے پختہ گچ کاری پتھروں بلکہ سونے چاندی کے مکانات خاک میں ملجائینگے۔ اُن کی پختہ عمارتوں کی خاک بھی نابود ہوجائے گی۔ مگر وہ کچے مکانات جن کو رسول اللہ صلعم کا دست مبارک و قدمین لگ گیا ہے۔ تا ابد فرمانروائی عالم کا اجلاس گاہ رہیں گے اور اپنی شان و شوکت کے روبرو بڑے بڑے شاہی محلّات کو بھی شرماتے رہینگے سبحان اللہ کیا یمن و برکت ہے۔ بقائے دوام اسی کو کہا جاتا ہے۔ ؎

بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

ایک دلچسپ نقل - اس موقع پر یہ واقعہ نقل کرنا بھی کچھ بیجا نہ ہوگا کہ "یزید پلید جب اپنے مقصد لطف المارد و مطلب سفا کانہ میں کامیاب ہوگیا۔ اور شہادتِ امام معصوم کے بعد شہدائے کربلا کے اہل بیت دمشق میں لائے گئے جن میں

امام زین العابدینؓ بھی موجود تھے تو دربار میں بیٹھے ہوئے نقارہ و دمامہ یزیدی بجا۔ اور یزید کے نقیبوں کو آوازے لگاتے ہوئے دیکھ کے معاویہ ابن یزید نے امام زین العابدینؓ سے پوچھا کہ میرے باپ کی نوبت تو یہ ہے جو اسوقت بج رہی ہے بتاؤ اب تمہارے باپ کی نوبت کہاں ہے؟ جسکے جواب میں آپؓ اسوقت تو خاموش ہو رہے مگر تھوڑی دیر میں مسجد سے نماز کے لئے اذان کی آواز آئی اور جب مؤذن نے زور سے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ تو حضرت امام زین العابدینؓ نے معاویہ بن یزید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ہے میرے باپ کی نوبت جو قیامت تک بجتی رہے گی۔ اسمیں بھی یزید نے کسی چچا تایا کا نام ملوا دیا ہوتا! ایسے ابدی ناموری اور حقیقی امتیاز تو ہمارے حصے میں کبھی کا آچکا نہ تمہارے گھٹانے گھٹے نہ کسی کے گھٹانے گھٹے۔ رہی دولت دنیا اسکے تو جس طرح ہمارے اجداد متنفر تھے ویسے ہی ہم بھی متنفر ہیں۔ اور واقعی اسکے لئے یزید جیسے ہی سگان دنیا زیبا بھی ہیں۔"

پس وہی حال ان پر برکت کچی عمارت کا سمجھنا چاہیئے۔ جن کی خاک بھی اکسیر ہو چکی ہے۔ ؎

جو خاک تیرے در پہ ہے جاروب سے اڑتی
وہ خاک ہمارے لئے دارو ئے شفا ہے

الغرض اس سادہ مسجد کے بن جانے پر حضور صلعم اسی میں رہنے لگے۔ مسجد کو بنانے میں تمام اجلہ صحابہؓ اور خود جناب سرور کائناتؐ کام کرتے تھے۔

مہاجرین انصار کا عقدِ اخوت - انصار (مددگار یعنی مدینہ کے رہنے والے) یوں تو پہلے بھی دل و جان سے مہاجرین کی خدمت کرتے تھے مگر جناب رسولِ خدا صلعم نے اور بھی سلسلہ یگانگت قایم کرنے کیلئے انہیں فرداً فرداً ہر ایک کی اخوت قایم کرا دی تاکہ بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے رنج و راحت شادی و غم کے حصہ دار ہو جائیں۔ بالعموم ایک ایک انصار اور ایک ایک مہاجر باہم

بھائی بنا دیے گئے مگر اسکو ہندوستان کی بھائی بندی نہ سمجھنا - جو ذرہ سے معاملہ پڑنے پر جاتی رہتی ہے - بلکہ یہ اخوت نہایت صداقت اور پا مردی کے ساتھ باندہی گئی تھی جس میں اطاعتِ رسولؐ اور محبت و یگانگت باہمی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ فی الواقع ایک دوسرے کا دل ہمدرد اور یار جانی بن گیا تھا حتیٰ کہ جب تک توریث کے متعلق قرآن میں یہ حکم نہ آگیا کہ وہ الوالارحام یعنے رشتہ داروں کے لئے ہے - تب تک ان اخوت والوں میں توریث تک برابر جاری تھی - اور یہ انصار نے التزام کر لیا تھا - کہ جس مہاجر سے رسول اللہ صلے اللہ جس انصار کا عقدِ اخوت باندہ دیتے وہ انصاری اپنا مال - جائداد - سامان - نقدی - غرضکہ سب کا آدھا آدھا بانٹ دیتا - حتیٰ کہ ایک انصار نے اپنی دو بیویوں میں سے مہاجر بھائی کو مجرد دیکھ کے ایک بی بی کو طلاق دے کر ان کے حبالہ نکاح میں دیدیا - اللہ اللہ کس اعتقاد و محبت کے لوگ تھے کہ اب دنیا جن کی نظیر جننے سے عقیم ہوگئی ہے

سنِ ہجرت کی ابتداء - ہجرت گو نبوت سے تیرہ سال بعد واقع ہوئی تھی مگر چونکہ بانفراغ تمام ہجرت سے ہی مسلمانوں کو اپنے فرائض مذہبی اور کاروبار دینوی کی آزادی میسر ہوئی - اور دینِ مبین کی ترقی اور اشاعتِ اسلام بھی تب سے ہی شروع ہوئی تھی - اور گویا اسلام کا دربار وہیں جاکر قایم ہوا تھا - اس لئے بجائے سنِ نبوی کے سنِ ہجری مسلمانوں میں رائج ہے - اور اس کتاب میں بھی آیندہ اسی کا التزام رہیگا -

یہود کی مخالفت - مدینہ کے رہنے والے اعراب تو بالعموم مسلمان ہو ہی چکے تھے - البتہ یہودی جو اپنے آپ کو رئیس شہر سمجھتے تھے - وہ بدستور مخالف تھے - اور ان میں جو زبردست تھے وہ مسلمانوں کو تکلیف بھی پہونچاتے اور برا بھی سمجھتے تھے - لیکن کم و بیش ان کی مخالفت آدمیت کیساتھ تھی - اور جہالِ قریش کی وحشیانہ مخالفت کے برابر نہ ہوسکتی تھی - کیونکہ وہ لوگ فی الجملہ سلجھے ہوئے لوگ تھے - اور اپنے صحائف میں نبی آخر الزمانؐ کے مبعوث ہونے کی خبریں پڑہ

چکے تھے اگر وہ آنحضرتؐ کو دیکھتے ہی مسلمان ہو جاتے تو تعجب نہ تھا۔ مگر آبائی مذہب سے جو عشق ہر انسان کو ہوتا ہے۔ ایک تو یہ قبولِ اسلام کے لئے ان کے سدِ راہ تھا۔ دوسرا قومیت بڑی عزیز چیز ہوا کرتی ہے۔ ہر قوم والا سوائے اپنی قوم کے اور ہر ملک والا سوائے اپنے ملک کے دوسرے ملک والوں کو اچھا نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلعم کے خویش و اقربا باوجودیکہ مسلمان نہ بھی ہوئے تھے۔ برابر آپ کی محافظت اور حمایت کرتے تھے پس یہ بات بھی یہود کے مطیعِ اسلام ہونے کی مانع تھی۔ اور وہ آپ کو غیر قوم سے دیکھ کر حسد رکھتے تھے۔ تیسرا یہود میں جو خود نمائی۔ زیادہ ستانی۔ شراب خواری۔ سود خوری وغیرہ وغیرہ معاصی موجود تھے اور آپ ان کو دور کر کے مالک و ملوک شاہ و رعایا کو ایک پلیٹ فارم پہ لانا چاہتے تھے۔ اس میں بھی ان لوگوں کا نقصانِ ظاہری متصور تھا۔ پس مدینہ میں اکثر انہیں لوگوں سے مناظرہ رہتا تھا۔ مگر پہلے ہی سال عبداللہ بن سلام ایک زبردست عالم یہود کے مسلمان ہو گئے۔

عبداللہؓ بن سلام کا ایمان لانا۔ ان کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں ہے کہ انہوں نے جنابِ رسالتمآبؐ کے حضور میں حاضر ہو کے مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب مانگا تھا۔ گی

اوّل تو قیامت کی پہلی علامت فرمائیے کیا ہے؟ دوسرا اہلِ جنّت کی غذا کیا ہے تیسرا بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو کیا وجہ کہ بعض ماں کی صورت پہ ہوتے ہیں اور بعض باپ سے مشابہت رکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ قیامت کی پہلی نشانی تو یہ ہوگی کہ ایک آگ تمام مخلوق کو ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی۔ اور اہلِ جنت کی پہلی غذا کباب ماہی ہوگی۔ اور لڑکی لڑکے کے ماں یا باپ کی صورت سے مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ اگر باپ کا نطفہ طاقتور ہوتا ہے تو باپ یا باپ کے اعزا و اقربا کی صورت سے مشابہت ہوا کرتی ہے۔ اور ماں کا نطفہ غالب ہوا تو ماں یا اس کے اقربا کی

صورت سے مماثلت ہو جاتی ہے۔ پس ان جوابات کو کتب قدیم سے موافق پا کر عبداللہ صدق دل سے ایمان لائے۔ یہود ابھی اس واقعہ سے ناواقف تھے کہ بحث و ابحاث ہوتے ہوتے۔ عندالتذکرہ رسول خدا نے پوچھا۔ عبداللہ بن سلام کی بابت تم کیا کہتے ہو۔ اُنہوں نے کہا خیرنا و ابن خیرنا وسیدنا و ابن سیدنا یعنے ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہم میں سے اچھا اور اچھے کا بیٹا آنحضرت نے فرمایا اگر وہ ہماری نبوت کی تصدیق کرے تو تم ایمان لے آؤ گے اُنہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اسپر آپ نے عبداللہ بن سلام کو بلایا جو پس پردہ بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جسکے سنتے ہی یہود اپنے قول سے پھر گئے اور عبداللہؓ کی نسبت کہنے لگے شرنا و ابن شرنا یہ تو ہم سے بُرا اور بُرے کا بیٹا ہے۔ اور ہمیں اس پر اعتبار ہی کیا ہو سکتا ہے۔

سلمانؓ فارسی کا قبول اسلام۔ اسی سال میں سلمانؓ فارسی ایک بڑے محسن اور متبحر عالم مسلمان ہوئے۔ یہ پہلے تو مجوسی المذہب تھے مگر بعدازاں عیسوی مذہب قبول کر چکے تھے۔ اب آنحضرتؐ کا شہرہ سنکر بتا آسانی سے تلاش کرنے کو حاضر خدمت ہوئے۔ اور گفت و کلام معمول کے بعد کچھ کھجوریں حضور میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ صدقہ قبول فرمائیے۔ جس کے قبول کرنے سے آپ نے انکار فرمایا۔ کہ صدقات مجھپر حرام ہیں۔ تھوڑے دنوں بعد پھر آپ حاضر ہوئے اور کچھ کھانا پیش کر کے کہا کہ یہ ہدیہ ہے۔ آپ نے اُسے منظور فرمالیا۔ اسپر آپؓ نے کہا واقعی پیغمبر کی یہی شان ہے۔ اور پھر صدق دل سے ایمان لائے۔ آپؓ جسوقت مسلمان ہوئے ہیں ایک یہودی کے غلام تھے۔ رسول خدا نے فرمایا۔ سلمان! اب اپنی آزادی کا فکر کرو۔ اُنہوں نے آقا سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ ایک باغ لگادو۔ جب وہ باردار ہو جائے گا۔ اسوقت چالیس اوقیہ سونا دے کر آزاد ہو جانا۔ اُنہوں نے رسول خدا سے ذکر کیا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے باغ لگا دیا۔ جو

بہ یمینِ دستِ مبارک ایک ہی سال میں بار آور ہوا۔ سونا بھی آپؐ نے خود عطا فرمایا۔ اور اس طرح سلمانؓ آزاد ہو گئے۔

مدینہ میں بخار۔ اسی سال مدینہ میں آبادی کے بڑھ جانے اور آب و ہوا کی تبدیلی کے باعث وبائی بخار میں تمام مہاجرین مبتلا ہو گئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں صفائی شہر کے انتظام کرنے پر اس سے مخلصی ہو گئی۔

پانی کا انتظام۔ مدینہ کی آبادی بڑھ جانے کے باعث پانی کی مسلمانوں کو سخت تکلیف تھی۔ کیونکہ سوائے ایک کنوئیں کے دوسرا کنواں نہ تھا۔ اور وہ بھی ایک یہود کا مالک تھا۔ رسول اللہ صلعم کو یہ تکلیف دیکھنی گراں گذری۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص ایسا ہے جو اس کنوئیں میں مسلمانوں کے ڈول جاری کر کے بہشت میں جگہ لے۔ اسپر عثمانؓ بن عفان نے اُس کنوئیں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے جاری کر دیا۔

آنحضرتؐ کے اہل و عیال مدینہ میں۔ اسی سال میں حضور ممدوحؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اور ابی رافع کو مکہ میں اپنے اہل و عیال کے لانے کے لئے بھیجا۔ اور پانچسو درہم زادراہ کے لئے یعنی قریباً ڈیڑھ سو روپیہ منظور فرمایا۔ اللہ اکبر کیا پاک اور سادہ زندگی تھی۔ آج معمولی رئیسوں کو کہیں آنے جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو لاکھوں روپے بیہودہ تکلفات میں اُڑ جاتے ہیں۔ لیکن یہاں شہنشاہِ دو جہاں رائل فیملی کے جا دمبرلا سے ہیں اور صرف ڈیڑھ سو روپیہ سفر خرچ منظور ہوتا ہے۔ بہرحال ان دونوں کے ساتھ مکہ سے حضرت فاطمہ زہراؓ و ام کلثومؓ جناب رسالتمآبؐ کی بیٹیاں اور ام المومنین سودہ بنت زمعہ آنحضرتؐ کی حرم محترم اور آپ کی کھلائی ام ایمن مع اپنے لڑکے اسامہ بن زید کے اور عبداللہ بن ابوبکرؓ مع عائشہ صدیقہؓ اور اسماء و ام رومان وغیرہ اپنے تمام اہل خاندان کے اور طلحہ بن عبید اللہ مع اپنے اہل و عیال کے مدینہ پہنچے۔ اسوقت جناب رسالتمآبؐ

کو رونق افروز مدینہ ہوئے سات مہینے گذرے تھے۔

ابتدائے اذان - اسی سال چونکہ مسلمانوں کو بے تردّد و مزاحمت یکجا جمع ہو کر نماز گذاری کا موقع ملا تھا۔ لہٰذا تجویزیں ہونے لگیں کہ کس طرح ایک مقررہ وقت پر سب کو خبر کیجایا کرے۔ کسی نے بوق و ناقوس کی صلاح دی۔ کسی نے آگ سلگانے کی رائے دی۔ مگر حضرت عمرؓ نے کہا۔ اوقاتِ معینہ پر ایک شخص کھڑا ہو کر پکار دیا کرے چنانچہ اسی تجویز کو رسولِ خداؐ نے پسند فرمایا اور وقت کے مقررہ پر بلالؓ الصلوٰۃ جامعۃ (نماز باجماعت) پکارنے لگے۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد عبد اللہ بن زید انصاریؓ نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں کسی کو اذان دیتے سُنا ہے جسکے فقرات اُنہوں نے وہی بیان کئے جو آجکل رائج ہیں۔ ایسے ہی خواب چند اور شخصوں نے بھی دیکھے تھے۔ لہٰذا سرورِ کائنات نے انہیں فقرات کے لئے حکم دیدیا۔ اور بلالؓ مروجہ حال اذان کہنے لگے۔ ایک دن رسول اللہ صلعم سو رہے تھے کہ علے الصباح بلالؓ نے حجرۂ مبارک پر جا کر دستک دی اور کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ (نماز نیند سے بہتر ہے) یہ فقرہ چونکہ پُر اثر تھا۔ لہٰذا رسولِ خداؐ نے آیندہ سے اسکو بھی اذانِ صبح میں داخل فرما دیا۔ شیعہ صاحبان اس ازدیاد کو حضرت عمرؓ کے وقت سے بتاتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ اس فقرہ کو اذانِ صبح میں شامل نہیں کرتے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ازدیاد جنابِ رسولِ خداؐ کے وقت میں ہی ہو چکی تھی۔ اور کیوں ماننے نہ ماننے کا ہر شخص مختار ہے۔ اذان کا جو طریقہ رائج ہے وہ بھی تو حضرت عمرؓ کا ہی بتایا ہوا ہے۔ اور واقعی جو اثر اور قبولیت اس طریق میں پائی جاتی ہے وہ نہ تو عیسائیوں کے گھنٹے میں دیکھی جاتی ہے نہ ہنود کی کرنا وغیرہ میں۔ عبادت کے لئے ولولہ اور شوق دلوں میں جس طرح یہ خوش آیند آواز پیدا کر دیتی ہے۔ وہ در اصل اسی کا حصّہ ہے اور باوصف دن بھر میں پانچ دفعہ سُننے کے بھی انسان اس سے سیر نہیں ہوتا۔ اور الفاظ کو برابر دلپذیر اثر کرتے جاتے ہیں۔ اس سے اس کے الفاظ کا

الہامی ہونا بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ انسانی کلام کو چند مرتبہ پڑھ یا سُن لینے کے بعد قدرتاً انسان کے کان بھر جاتے ہیں۔ لیکن اذان کے الفاظ اور اسکے طریقِ ادا پر ہر قوم کے بے تعصب لوگ وجد کرتے ہیں۔ بالخصوص صبح کے وقت خوابِ استراحت سے اُٹھتے ہی یہ آواز جو نوری اثر در حقنا طیسی کشش لئے ہوئے کانوں میں پہنچتی ہے۔ اُس کو وہ مُسلمان بھول نہیں سکتے۔ جو نماز پڑھنے کے عادی ہیں۔

ہجرت ہی کے سالِ اوّل میں مدینہ اور اس کے قرب وجوار کے یہود بنی قینقاع۔ بنو نظیر اور بنی قریظہ نے آپؐ کے ساتھ عہد کیا۔ کہ ہم ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ اور صلح و جنگ کی حالت میں ایک دوسرے کی اعانت کرینگے۔ اور اسکی خلاف ورزی کی حالت میں مسلمانوں کو یہودیوں کا خون بہانا جائز ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اور اِس عہد میں فریقین کی ہم عہد قومیں بھی شامل سمجھی جائیں گی۔

تحویلِ قبلہ۔ ۲ھ ہجری کے اہم واقعات میں نماز میں کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا حکم صادر ہوا۔ اِس سے پہلے بیت المقدس کیطرف نماز پڑھی جاتی تھی۔ خاص مکہ میں بھی سرورِ کائنات ؐ اِس طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ کہ کعبہ کیطرف پیٹھ نہ ہو اور مُنہ بیت المقدس کیطرف رہے۔ ہجرت کے بعد بھی ویسا ہی ہوتا رہا۔ اسپر یہود نے اعتراض کرتے اور پھبتیاں اڑانی شروع کیں کہ آپ مُنہ تو ہمارے ہی قبلہ کیطرف کرتے ہیں لیکن ہمارے دین پر نہیں چلتے اور اپنا نیا دین جاری کرتے ہیں۔ یہ باتیں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سُنتے تھے۔ مگر سوائے امرِ الٰہی کے اپنی رائے سے کوئی قبلہ بدل نہ سکتے تھے۔ اور ایسی ایسی باتیں سُنکر بانتظارِ وحی آسمان کیطرف دیکھا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہی اِس کا فیصلہ فرمائیگا۔ چنانچہ ۲ھ ہجری کے رجب مہینہ کی پندرھویں تاریخ پیر کے دن (بقول امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ) یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

قد نری تقلب وجهك في السماء ج فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام ط وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ط وان الذين اوتوا الكتب ليعلمون انه الحق من ربهم وما الله بغافل عما يعملون ٥

(ترجمہ) تحقیق ہم دیکھ رہے ہیں تیرا آسمان کیطرف منہ کرنا۔ ضرور ہم تجھ کو اُس قبلہ کیطرف متوجہ کرینگے جس سے تو خوش ہوگا پس پھیر اپنا مونھہ مسجد الحرام (کعبہ) کیطرف۔ اور جہاں کہیں تم ہو نماز میں اُسی کیطرف منہ کر لیا کرو۔ اور بیشک اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہی حق ہے رب کیطرف سے اور اللہ بیخبر نہیں ہے اُس سے کہ جو وہ کر رہے ہیں

تحویل قبلہ کے بارہ میں چونکہ غیر مذاہب کے لوگ اکثر یہہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ (۱) پہلے بیت المقدس کیوں قبلہ تھا اور پھر کعبہ کیوں تبدیل ہوا۔ (۲) یا یہ کہ سرے سے کسی طرف کا بھی جہت قبلہ معین کرنا کیا ضرور تھا۔ لہذا مختصر طور پر سمجھا دینا ضروری ہے۔ کہ یہہ اعتراض ان کی اپنی ہی خوش فہمی اور تعصب نے اُن کے دل میں پیدا کر دیئے ہیں ورنہ سیدھی بات ہے۔ کہ جہت قبلہ کا مقرر کرنا نہایت ہی ضروری تھا۔ اگر اختیار عام ہوتا کہ مشرق۔ مغرب۔ جنوب۔ شمال۔ جدھر چاہو نماز پڑھ لیا کرو تو نماز جماعت اور اتفاق امت کے لئے سخت ہی مضر ہوتا۔ ہر شخص جدھر منہ اُٹھاتا نماز پڑھ لیتا۔ اور اس طرح ایک تفرقہ پڑ جاتا۔ جس سے خشوع و خضوع میں سخت خلل اندازی واقع ہوتی۔ لہذا ضرور تھا کہ اتفاق امت اور ترتیب جماعت کے لئے ایک جہت کو قبلہ مقرر کیا جاتا۔ رہا یہ امر کہ قبلہ کس کو مقرر کیا جاوے۔ اس کی بابت اصول مذہب کہہ رہا ہے کہ وہ ایسی ہی جگہ مناسب ہو سکتی ہے جو آلائش شرک و بدعت سے پاک ہو اور ہر قسم کی صنعت انسانیہ سے منزہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ کعبہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جو دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے پہلے بنائی گئی تھی۔ اور نیز عقائد اسلامی کے مطابق [illegible] بیت المقدس کی مسجد بنائی

گئی تھی (بیت المعمور آسمان پر فرشتوں کی عبادتگاہ ہے) رہا یہ امر کہ اس سے پہلے
بیت المقدس کیطرف کیوں نماز پڑھی جاتی تھی۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ اعتراض بالکل
لغو معلوم ہوگا۔ کیونکہ رسول خدا صلعم اصلاح عالم کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور جب
تحویل قبلہ ہوئی ہے اسوقت تک ابھی ابتدائی حالت تھی۔ اصلاحات دینی و دنیوی
جاری تھیں۔ تکمیل ابھی ہوئی نہ تھی۔ پس اگر ایسے موقع مناسب پر جبکہ
ضرورت تھی تب سے تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو یہ ابتدائی کیا ہوتی۔ بلکہ جس مصلحت سے پہلی
استحکام ہوا وہ ابتداء میں جبتک کہ تمام انتظام شریعت کا اعلان نہ ہوئے تھے
بیت المقدس کیطرف نماز پڑھتے رہیں تھی یہ اسرار الٰہی تھا کہ رسول اللہ کا دین پہلے
ابراہیمی محض رہے اور سوائے امر الٰہی کے صرف روایتی طور پر سوائے اس اول
کے مقرر کردہ قبلہ کے دوسری طرف رخ نہ ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے اسرائیلیاں
کو نبوت کی شاخ بنی اسرائیل میں چلی آتی تھی۔ بیت المقدس کہ جو بوستان انبیاء
اور جہاں پیدا ہوا تھا قبلہ بھی مقرر تھا۔ پس آپ کا بھی اسی کیطرف رجوع ہونا ضروری
تھا۔ لیکن جب اللہ تعالے نے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ سے
نبی بنا کر بھیجا اور شریعتِ غرا مکمل ہونے لگی۔ تو ضرور تھا۔ کہ اس دین کا قبلہ جو دوسرے
ادیان کا مکمل کرنے والا اور ناسخ بھی تھا۔ ایسا مقرر کیا جاتا جو روحانی برکات میں
بیت المقدس کا ہمسر اور دفع شرکت و بدعت میں اس سے بھی بہتر ہوتا۔ لہذا مسلمانوں
کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حق تعالے نے فرمادیا ہے

للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط المستقیم ترجمہ
مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے رستے کی ہدایت کرتا ہے
اس میں گویا اس امر کا بھی جواب ہے کہ اگر یہ سمت قبلہ مقرر نہ ہوتی کوئی اور ہوتی تو پھر
بھی تو یہ لوگ ایسے ہی اعتراض کرتے حالانکہ مشرق و مغرب اللہ تعالے کے ہیں۔
پس جس طرف اس کا جی چاہا اس نے حکم دیا۔ ع

کس را چہ زور و زہرہ کہ آں چون و این چرا

بہرحال اسی حکمِ الٰہی پر مسجدِ قبا کی ترمیم کی گئی - اور کعبہ کا رُخ درست کر دیا گیا - ان دونوں کاموں میں جنابِ رسولِ خدا صلعم اپنے اصحابِ کبار رضؓ کے ساتھ بنفسِ نفیس خود بھی عام طور پر کام کرتے تھے -

حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کا نکاح - اسی سال باختلافِ روایت ربیع الاول یا رجب ۲ھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ عمل میں آیا -

حضرت علی رضؓ کو جو خصوصیت حضور علیہ السلام سے تھی - وہ کچھ چھپی ڈھکی تو نہیں رشتہ قریبی - نشست برخاست قدیمی اور اس پر سب سے افضل یہ کہ حضرت علی رضؓ ابتدائے شعور سے ہی مسلمان تھے - اور یہ وہ سعادت تھی جو سوائے حضرت علی رضؓ کے کسی کے حصے میں نہ آئی تھی - لہٰذا دوستوں کی تحریک پر حضرت علی رضؓ نے ایک دن رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سیدۃ النساء کی بابت اپنا سوال کیا - جس پر آپؐ نے مرحبا و اہلاً فرما دیا - ناظرین نے ہندوستانی رئیسوں امیروں کی شادیاں تو دیکھی ہونگی جہاں لاکھوں روپے صرف فضولیات بلکہ ممنوعاتِ شرعی میں اُٹھ جاتے ہیں - اور جوڑوں و زیورات کی طیاریوں میں برسوں گذر جاتے اور پھر کے جھگڑوں پر صدہا قضیئے ہوا کرتے ہیں - اب ذرا شہنشاہِ دوجہاں کی دخترِ نیک اختر کی شادی کی کیفیت بھی سُننی چاہیئے کہ دوسرے دن حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضؓ سے خود فرمایا - کہ تم نے فاطمہ رضؓ کے نکاح کی خواہش تو کر دی - مہر اور اخراجاتِ ضروری کا بھی کوئی انتظام کیا - انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مفلس شخص ہوں - ایک گھوڑا اور ایک زرہ میرے پاس ہے جتنے دام ان کے آجائیں وہ حاضر ہو سکتے ہیں - آپؐ نے فرمایا - گھوڑا تو تمہارے کام کی چیز ہے - البتہ زرہ بیچ ڈالو - چنانچہ حضرت علی رضؓ نے بازار میں جا کر حضرت عثمان رضؓ ابن عفان کے ہاتھ چار سو اسّی درہموں پر یعنے قریباً ڈیڑھ سو روپیہ میں زرہ بیچ دی اور جب وہ نقدی حضور میں لاکر پیش کی تو آپؐ نے اس میں سے معمولی ضروریات کی چیزیں منگوائیں یعنے کچھ ترخ شیرینی - اور دو چادریں - دو چاندی کے

بازو بند۔ توشک۔ تکیہ۔ ایک پیالہ۔ ایک چکی۔ ایک چھلنی۔ دو مشکیزے۔ ایک مشک۔ دو
تھالیاں۔ چار تکیے جن میں سے دو میں اون اور دو میں کھجور کی چھال بھری ہوئی
تھی۔ اللہ اکبر۔ دوستو! یہ شہنشاہِ دوجہاں کی لختِ جگر اور حضرت علیؓ اسد اللہ
وصیِ المصطفیٰ ولیِ کامل کی شادی کے سامان تھے۔

غرضکہ اتنے میں آثارِ وحی نازل ہوگئے۔ اور آپ نے انس رضی اللہ عنہ
سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت علیؓ کے ساتھ فاطمہؓ کے نکاح کے
متعلق حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت ابوبکرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیر رضی اللہ عنہم اور
مہاجرین و انصار کی جماعت کو بلا کر خطبہ نکاح پڑھ دیا۔ جس میں مہر کی تعداد چار
سو مثقال مقرر کی گئی تھی۔ اور اختتامِ خطبہ پر چھوہاروں کا ایک بڑا طشت
منگوا کے سب میں لٹوا دیا اور جناب سیدہ کو ام سلمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ
کے گھر بھجوا دیا۔ سبحان اللہ کیا سادگی اور بے تکلفی تھی۔ پھر اس کے بعد حضرت
علیؓ کے ساتھ جناب سرورِ عالم صلعم خود بھی ان کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں
حضرت فاطمہؓ پہلے سے جلوہ گر ہو چکی تھیں۔ اور پانی کا ایک کوزہ منگوا کر اس پر خود
دم فرمائیں اور اپنے لعابِ دہن سے مشرف فرما کر زوجین کو اس کے ساتھ وضو
کر لینے اور پانی پینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ پہلے حضرت علیؓ نے وضو کر کے اس
میں سے پانی پیا اور پھر جناب سیدہؓ نے۔ اس کے بعد آپ نے دونوں میں خیر و برکت
کی دعا فرمائی۔ اور فرما دیا کہ چکی پیسنا۔ روٹی پکانا۔ جھاڑو بہارو دینا۔ لیپنا۔ پوتنا
یہ سب کام تو فاطمہؓ کیا کریں۔ اور اونٹوں کو پانی پلانا۔ بازار سے سودا سلف لانا۔ یہ سب
حضرت علیؓ کیا کریں۔ اور آپ حجرہ میں واپس تشریف لائے۔ نکاح کے سال حضرت
فاطمہؓ کی عمر شریف اٹھارہ سال اور حضرت علیؓ کی اکیس سال کی تھی۔ اور
نکاح کے بعد دونوں حضرات آنحضرت صلعم سے جدا مکان میں رکھے گئے تھے

روزہ ہائے رمضان کی فرضیت اور عید الفطر کی پہلی جماعت

اسی سال پہلے شعبان المعظم کے مہینہ میں مسلمانوں کو رمضان

کے روزے رکھنے کا حکم ہوا - اور عید الفطر کی نماز واجب ہوئی اور اسی سال حضور علیہ السلام نے محرم کی دہم کا روزہ رکھنے کی فضیلت بیان فرما کر خود بھی رکھا اور اصحاب نے بھی رکھے -

ابتدائے جہاد: اسی سال جہاد کے احکام نازل ہوئے جن کی ابتدا اس آیت کریمہ سے ہوئی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْر ان مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دی جاتی ہے جو بلا وجہ ظلم سے ستائے گئے ہیں اور اللہ ان کی فتح و نصرت پر قادر ہے -

عمیر بن وہب کا اسلام لانا - اسی سال عمیر بن وہب مسلمان ہوئے جن کی کیفیت یہ ہے کہ یہ مکہ سے مدینہ میں حضور علیہ السلام کے قتل کے ارادہ سے مدینہ آئے تھے - لیکن کسی کو اس کی خبر نہ تھی - جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ عمیر تم اپنے ارادہ پر کیا جانتے ہو - انہوں نے عرض کیا کہ میں تو کسی ارادہ سے آیا ہوں - آپ نے فرمایا میرے قتل کے ارادہ سے - انہوں نے کہا آپ کو کیسے خبر ہوئی - آپ نے فرمایا خدا سے - اسپر وہ اسلام لے آئے اور بجائے آنحضرت کے ایک یہودیہ عورت کو قتل کیا جو سرورِ عالم کو برا بھلا کہنے کے علاوہ مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچایا کرتی اور طرح طرح کی غلط افواہیں مشہور کیا کرتی تھی -

اسکے بعد بہت جلد جہاد کے معرکے ہونے لگے - جن کی تفصیل علیحدہ باب میں آئے گی - یہاں اسیقدر بتا دینا کافی ہے کہ حضور ممدوحؐ کے عہدِ حیات ۵۶ سریات اور ۱۹ یا زیادہ غزوات ہوئے ہیں - شرعی اصطلاح میں سریہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں پانچ سے زیادہ چار سو تک فوج ہو - اور رسول خدا نے کسی افسر کی نامزدگی سے روانہ فرمائی ہو - اور غزوہ وہ معرکے ہیں جن میں حضور ممدوحؐ خود بطور کمانڈر انچیف کے شامل ہوئے ہوں -

قبیلہ بنی قینقاع کی جلاوطنی - اسی اثناء میں سنہ ۲ ہجری شروع ہوا

اسوقت مسلمانوں کی حالت کچھ اور ہو گئی تھی ۔ یعنے نواح مدینہ میں اسلام کی روز
افزوں ترقی ہو رہی تھی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم الشان
حکومت و فتوحات کی حاصل تھی ۔ یہود سمجھے ہوئے تھے اور مسلمانوں سے صلح و
آشتی رکھنے کے خواہشمند بھی تھے ۔ مگر اندرونی یہود کو اسلام اور حضور علیہ السلام
سے اس درجہ عداوت تھی کہ کسی طرح قریش اور ابوجہل سے کم نہ سمجھنی چاہئے ۔ فرق
صرف یہ تھا کہ قریش بوجہ اپنی قومیت اور سخت جہالت کے حضور ممدوح ؐ
اور تمام مسلمانوں کو نہایت بڑی بڑی اذیتیں پہنچاتے تھے ۔ یہود ایسی ایذا رسانی
پر تو قادر نہ تھے ۔ وہ مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کرتے اور مناظروں میں لاطائل اور فضول
حجتیں پیش کرتے ۔ احکام دین اور رسول اللہ کی نسبت نئی نئی جھوٹی افواہیں اور
بری بری باتیں مشہور کرتے ۔ اور ترقی اسلام پر سخت حسد و بغض رکھتے حتی کہ
مسلمانوں سے ملتے ۔ تو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے جس کے معنے ہیں
کہ (تم پر موت ہو) وہ یہ سب کچھ صرف عداوت اور کدورت باطنی کی وجہ سے کرتے
تھے نبی آخر الزمان کی خبریں توریت میں دیکھتے ہوئے معجزات دیکھتے تھے ۔ مگر حسد
کے مارے انکار کر جاتے تھے ۔ کیونکہ ان کے نزدیک خدا کو بنی اسرائیل کے
بغیر کسی اور کو نبی ہی نہیں کرنا چاہئے تھا ۔

غرضکہ ایک طرف مسلمانوں کو دن بدن ترقی و خوشحالی بھی تھی اور دوسری
طرف مخالفین کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی ۔ یعنے ایک تو قریش بدستور مخالف
تھے ہی یہود مزید برآں ہو گئے ۔ مگر مسلمان کچھ پرواہ نہ کرتے تھے ۔
باوجودیکہ یہود اپنے عہد و میثاق کے مطابق مسلمانوں کی ذرہ برابر بھی پنہانی یا
یا ظاہری مخالفت نہ کر سکتے تھے ۔ لیکن رسول خدا ؐ تو ظاہری اور محسوس واقعات
کے دیکھے بغیر کسی پر مطلقاً حکم سزا جاری نہ فرماتے تھے ۔ آخر الامر ۲ ہجری
میں غزوہ بدر میں جب قبیلہ بنی قینقاع کی عہد شکنی کھلے طور پر ظاہر ہو گئی اور وہ کھلے
بندوں مسلمانوں کو ستانے لگے ۔ اور اجڈ قریش و اعراب پر غلبہ پانے سے مروت نالائم

نہیں ہوتی - ذرہ ہم سے لڑ کر دیکھو تو مزہ آ جائے گا اور علاوہ ازیں مسلمانوں کی عورتوں تک سے تمسخر کرنے لگے تو آپؐ نے صرف ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن اس طرح کہ ان کے مال - اسباب - ہتھیار - نقد و جنس کسی چیز سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔

ولید کی موت - قریش کی مخالفت کی یہ حالت تھی کہ سنہ ۳ ہجری میں جب ولید المشہور ولید مکہ میں اپنی موت نے نکال رہا تھا ہوتے تھے بھی رو رو کر اعیان قوم سے مخالفت اسلام کے وعدے لیتا گیا - سچ ہے - فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب عظیم ۰

بہر حال اب مسلمانوں کی حالت غلامانہ نہ تھی - بلکہ وہ احتیاط کے ساتھ مخالفین کی تاب مقاومت رکھتے تھے - اور جوش تو اس قدر تھا کہ مخالفوں کو کچا چبا جانے کے بھی مشتاق تھے - لیکن رسول خدا صلعم کوئی کام بغیر وحی کے نہ کرتے تھے - لہٰذا جب بھی حکم آتا تبھی جہاد کو بھی جاتے۔

حضرت حفصہؓ کا نکاح - سنہ ۳ ہجری میں ہی حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپؐ کے حبالۂ نکاح میں آئیں -

یہود بنو نضیر کی جلا وطنی - سنہ ۴ ہجری میں عمرو بن امیہ کے ہاتھ سے دو یہودی مارے گئے - جو قبیلۂ بنو نضیر کی حفاظت میں ہونے کے باعث عہد نامۂ سابق کے مطابق مارے جانے کے مستحق نہ تھے - رسول خدا صلعم کے روبرو یہ معاملہ پیش ہوا - تو آپؐ نے عمرو بن امیہ پر قصاص کا حکم جاری فرمایا - گو یہود کو آپؐ سے کیسی ہی عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث وہ عہد کی مد سے بھی تجاوز کر جاتے تھے - مگر آپؐ تو انصاف کی شمع اور عہد و میثاق کی جان تھے - عہد کے خلاف کرنا کیونکر گوارا فرماتے - اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایک تو یہود کہ ہم سے پرلے درجہ کا عناد ہے - دوسرا ان کا اس معاملہ میں بھی عمرو بن امیہ کی ناواقفیت ضرور قابل لحاظ ہے - لہٰذا اگر یہود کو خون بہا دلا دیا جاتا تو مسلمانوں کی

کم وقعتی نہ ہوگی۔ چنانچہ آپؐ نے اس معاملہ میں بنو نظیر سے ہی استعانت چاہی اور
حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ بنفسِ نفیس ایک دن اُن کے ہاں تشریف
لے گئے۔ یہود تو آپؐ کے جانی دشمن تھے۔ اُنہوں نے ایک شخص عمرو بن حجاش کو
اس کام پر مامور کیا کہ جس وقت آنحضرتؐ بیٹھے ہوں۔ وہ چھت پر سے پتھر کی
ایک سِل آپؐ کے سر پر گرا کر کام تمام کر دے۔ چنانچہ تجویز کے مطابق جب آپؐ
اُن کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے تو تعمیل کے لئے عمرو بن حجاش چھت پر بھی چڑھ
گیا۔ اور آمادہ ہی تھا کہ آپؐ کو اطلاع ہو گئی۔ اور آپؐ اُٹھ کر چلے آئے۔ غور
کرنے کی جگہ ہے کہ بموجب عہد نامہ کے اُن کے جان و مال اسی وقت تک محفوظ
تھے جب تک وہ مسلمانوں کی مخالفت نہ کریں۔ بلکہ اُن کی فتحمندی کو اپنی
فتحمندی اور اُن کی شکست کو اپنی شکست سمجھیں۔ لیکن جب اُنہوں نے مخالفت
زبانی اور معاشرتِ مذہبی پر بھی اکتفا نہ کر کے خاص آنحضرتؐ کی جان پر بھی حملہ
کی ٹھان لی۔ تو اب بموجب عہد نامہ کے مسلمانوں کو اُن کا خون مباح تھا۔ مگر
آپؐ کی ذاتِ باصفات اسقدر رحم و مروّت کا سرچشمہ تھی کہ آپؐ نے صرف جلاوطنی
اُن کی سزا تجویز فرمائی اور ساتھ ہی یہ رعایت بھی فرما دی کہ وہ اپنا مال۔ اسباب
ہتھیار نقد و جنس جو کچھ بھی ہے ساتھ لیجائیں۔ یہ حکم صریح اُن کے حق میں تھا۔
لہذا پہلے تو بے تامل اُنہوں نے منظور کر لیا۔ لیکن پھر انکار کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ تو
آپؐ نے تلوار اُٹھانی تو مناسب نہیں سمجھی مجبوری صرف محاصرہ کا حکم دیا۔ جس پر
پندرہویں روز اُنہوں نے پھر سے درخواست کی کہ ہمیں نکل جانے کی اجازت
دی جائے۔ ظاہر ہے کہ کوئی فتحمند شخص کسی طرح بھی ایسے موقع پر اپنے
شکار کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا۔ مگر آپؐ نے اجازتِ سابقہ بحال
رکھی۔ اور صرف اتنا یہ حکم دیا کہ ہتھیار اور وہ سامان جو وہ لیجا نہ سکیں روک
لئے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ بہت کچھ لدوا کر مکانات خالی کر کے کچھ شام اور کچھ
خیبر میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور اپنے شامتِ اعمال سے بہت جلد خود ہی برباد

و تباہ ہو گئے۔

مہاجرین کے بطورِ خود رہنے کا انتظام۔ قبیلۂ بنی نضیر کی جلا وطنی سے اُن کے مکانات ہتھیار۔ اور کچھ بچا کھچا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا مہاجرین و انصار دونوں محاصرہ میں شریک تھے۔ مگر چونکہ بغیر جنگ کے سب کچھ ہاتھ آیا تھا۔ اسلئے از روئے قواعدِ جنگ اسکی تقسیم نہ ہو سکتی تھی۔ اور حضور علیہ السلام کے ہی فیصلہ پر اُس کا دارومدار تھا۔ لہٰذا آپؐ نے ایک نہایت عالیقدر طریقے سے اسکی تقسیم کا حکم دیا۔ یعنے اس سے پہلے جیسا کہ ناظرین واقف ہیں ایک ایک مہاجر ایک ایک انصار کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا۔ اور وہی اُن کے اخراجات کے بھی متکفل تھے۔ لہٰذا آپؐ نے اس موقع پر مکانات صرف مہاجرین کو عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی رہائش کا علیحدہ انتظام کر سکیں اور مال وغیرہ بھی سوائے غریب انصار کے اکثر مہاجرین کو دے کر انصار کو اُن کے بارِ کفالت سے سبکدوش فرما دیا۔ اور اس طرح گو بظاہر یہ سب مہاجرین کو ہی ملا تھا۔ لیکن در اصل عملی طور پر یہ تقسیم دونو کے لئے فائدہ مند اور دونوں کے لئے نفع رساں تھی۔ انصار کی محبت و یگانگت بھی قابلِ داد ہے کہ اُنہوں نے اس پر بھی یہی عرض کیا۔ کہ مہاجرین نے صرف دین کے لئے اپنے وطن املاک اور بال بچوں کو چھوڑا ہے۔ لہٰذا وہ بہت بڑے قابلِ ہمدردی ہیں اور ہماری دلی تمنا یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف اُنہیں کو دے کر پھر بھی اُنہیں ہمارے ہاں ہی رہنے دیا جائے۔ اُن کا رہنا بھی ہمارے لئے باعثِ خیر و برکت ہے۔ مگر رسول اللہ صلعم نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب زیادہ بار انصار پر رہے لہٰذا اُسکے بعد مہاجرین الگ مکانات میں رہنے اور اپنے خورد و نوش کا خود ہی سامان کرنے لگ گئے۔ لیکن اس علیحدگی سے اُن کی اخوت میں سرمو بھی فرق نہ آیا بلکہ دن بدن اور بھی استوار ہوتی گئی۔

خاندانی واقعات۔ اسی سنہ ہجری میں حضرت اُم سلمہؓ مخزومی آپ کے نکاح سے مشرف ہوئیں اور آپ کی دختر نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ہاں حسن ابن

الیؓ کا تولد ہوا - اسکے علاوہ چند غمناک واقعات بھی پیش آئے - یعنے فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ جو آپ کی شفیق چچی ہوتی تھیں ان کا انتقال ہو گیا یعنے عبداللہ بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپؐ کے نواسے نے چھ برس کی عمر میں ایک ناگہانی صدمہ سے وفات پائی - یعنے مرغ نے انکی آنکھ میں چونچ ماردی تھی جسکے صدمہ سے وہ جانبر نہو سکے -

توریت کی تعلیم - اسی سال زنا کی سزا میں ایک یہود کو سنگسار کیا گیا - کیونکہ توریت کا بھی یہی حکم تھا - آپؐ کی سوانح عمری میں اس واقعہ کا ذکر اس نہج سے کیا گیا ہے کہ اس نواح مدینہ میں آپؐ کی حکومت کا اعلےٰ درجہ پر پہونچنا ثابت ہوتا ہے کہ جس کے اثر سے یہود بھی مستثنے نہ تھے - اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وہ سخت مخالفین اپنے مذہب کے احکام تک سے ناواقف تھے - چنانچہ اسکے ساتھ ہی حضور ممدوح نے زید بن حارث کو تعلیم توریت کے لئے مامور فرمایا کہ ان لوگوں کو توریت سے واقفیت ہو -

شراب اور جوئے کی بندش - اسی سال میں شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم نازل ہوا - اس سے پہلے کوئی ممانعت نہ تھی - اور بلا استثنا شراب پی جاتی تھی - اور جوا کھیلا جاتا تھا مگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے پیدائش سے نہ کبھی شراب پی نہ جوا کھیلا جو آنحضرتؐ کی ایک اعلےٰ درجہ کی تطہیر ہے - اسلام چونکہ ایک پاک مذہب ہے اسلئے حکم حرمت سے قبل بھی بعض پاکباز لوگوں کے خیالات شراب اور جوئے کی نسبت اچھے نہ تھے - چنانچہ حضرت عمرؓ کو بہت بڑا خیال تھا - اور وہ اکثر جناب رسالتمآبؐ سے ان کی نسبت پوچھا کرتے تھے - جس پر پہلے یہ آیت شریف نازل ہوئی - یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما - ترجمہ "تجھ سے شراب اور جوئے کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہدے کہ ان میں گناہ بھی ہے اور فائدے بھی ہیں آدمیوں کے لئے اور ان کے گناہ ان کے فوائد سے بہت زیادہ ہیں" اس آیت سے شراب اور جوئے کو برا سمجھا گیا - اس کے بعد جب لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارٰی

کا حکم آیا تو سب نے سمجھ لیا کہ جو چیز عبادت میں خلل انداز ہے اس کا استعمال کب مناسب ہو سکتا ہے مگر قطعی بندش کا حکم نہ ہوا تھا۔ اسلئے حضرت عمرؓ پھر بھی یہی دعا کرتے تھے اللھم بین لنا فی الخمر۔ چند روز بعد شراب کی حالت میں باہمی لڑائی ہو کر سعد بن وقاص کا سر زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد اس آیت میں اس کی نسبت عام حکم آگیا۔ یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون یعنی اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت (نا تراشیدہ پتھر) اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں۔ پس ان سے بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ اسپر شراب حرام ہو گئی۔ اور رسولِ خدا صلعم نے تمام مدینہ میں منادی کرا دی آج سے شراب کوئی نہ پیئے اسکو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ پس سب نے شراب پینا ترک کر دیا۔ اور جسقدر بنی ہوئی موجود تھی سب لنڈھا دی گئی حتی کہ جسدن ممانعت کا حکم عام ہوا ہے تمام مدینہ کے کوچہ و بازار میں شراب لنڈھانے سے موجِ شراب کا سماں نظر آتا تھا۔

بعض مورخوں نے اس واقعہ کو سنہ ۳ یا سنہ ۴ ہجری کا لکھا ہے۔ لیکن یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ شراب کی نسبت احکام جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ایک ہی وقت اور ایک ہی سال کے نہیں ہو سکتے۔ ابتدائی حکم غالباً اسی سال سنہ ۳ ہجری میں نازل ہوا تھا۔ اور باقی دو احکام مختلف اوقات و سنین میں اسکے بعد نازل ہو گئے پس اس اعتبار سے یہ اختلاف کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت جویریہؓ اور زینبؓ کا نکاح۔ سنہ ۵ ہجری میں حضرت جویریہؓ بنت حارث آپ کی زوجیت میں آئیں اور اسی سال میں حضرت زینبؓ بنت جحش سے بھی آپ نے نکاح فرمایا۔

عبداللہ بن ابی کا نفاق اور آپ کی چشم پوشی۔ اسی سال میں عبداللہ بن ابی انصار کے ایک ذی وقعت شخص کا نفاق مسلمانوں پر ظاہر ہوا۔ یہ شخص

بظاہر تو مسلمان تھا مگر دل میں اس ترقیِ خداداد پر سخت جلا کرتا تھا۔ اور اس کی شرکتِ جنگ بھی زیادہ تر حصولِ مالِ غنیمت کے لئے تھی۔ محض خوشنودیٔ خدا اور رسول ؐ کیواسطے نہ تھی۔ اسی لئے جنگِ اُحد سے یہ شخص اپنے تین سو ہمراہیوں سمیت عین میدانِ جنگ سے واپس چلا آیا تھا جس سے تمام صحابہ کو سخت رنج ہوا۔ اور پھر غزوہ بنو مصطلق میں بھی اس شخص نے مہاجرین و انصار کے مابین نفاق ڈالنے اور آنحضرت صلعم کی نسبت گستاخانہ کلمات استعمال کرنے میں دریغ نہ کیا تھا جسپر مسلمانوں کو سخت طیش آیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو رسول اللہ صلعم سے عبداللہ کی اس نفاق کے لئے گردن مارنے کی بھی اجازت چاہی مگر آپ ؐ نے روک دیا کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد مارنے سے اچھے نتیجے پیدا نہ ہوں گے۔ یہ بات بھی خاص قابلِ تذکرہ ہے کہ جب اس ناراضگی کی اطلاع عبداللہ کے بیٹے کو ہوئی جو سچا اور پکا مسلمان تھا تو اس نے جنابِ رسالتمآب ؐ کے حضور میں حاضر ہوکر التماس کیا کہ "یا رسول اللہ روحی فداک۔ اگر میرا باپ واجب القتل ہے تو براہِ مہربانی خاص مجھے اُسکے قتل کے لئے حکم دیا جائے۔ میں ابھی اُس کا سر نامبارک حضور میں حاضر کئے دیتا ہوں۔ ورنہ اگر کسی دوسرے نے میرے بغیر اُسپر وار کیا تو ممکن ہے کہ بشریت اور رشتہ داری کے اعتبار سے مجھے رنج آجائے اور میں دوزخ کا کندہ بنوں۔" آپ ؐ نے فرمایا ہم اُس کی ہلاکت پسند نہیں کرتے (اگرچہ اُسکے کام سخت قابلِ افسوس ہیں)۔ حضور کے کلام سے یہ تو ظاہر ہوا کہ آپ ؐ اُسکی ہلاکت نہیں چاہتے مگر یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ؐ کو اس سے تکدر بھی ضرور ہے۔ لہٰذا عبداللہ کے بیٹے نے (اس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا) اپنے باپ کو مدینہ کے باہر گرفتار کر دیا کہ تم ہرگز مدینۂ رسول ؐ میں داخل ہونے کے قابل نہیں مگر جب جنابِ رسالتمآب ؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ بیٹا باپ کو روکے کھڑا ہے تو کمال مہربانی سے فرمایا کہ بس اب چھوڑ دو۔ چنانچہ اس حکم کے بعد وہ مدینہ میں داخل ہوا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو عام اس سے کہ مہاجر ہوں یا انصا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت اور محبت تھی۔ کہ اپنے باپ تک کو قتل کر دینا بھی آنحضرت کے ایک معمولی حکم کے روبرو کچھ بات نہ سمجھتے تھے۔ ایسے امتحان میں اگر ہم مسلمان آجائیں تو شاید فی دس ہزار بھی ایک بمشکل ہی پاس ہو۔ اور وہ بھی سرحد کے پار رہنے والا ہی ہوگا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بلا امتحان ہم کو اسلام سے مشرف فرمایا ہے ؎

اے خدا قربانِ احسانت شوم

ایں چہ احسانست قربانت شوم

اصبغ بن کلبی کا مسلمان ہونا۔ سنہ ۶ ہجری میں حضور علیہ السلام نے دعوتِ اسلام کے لئے عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ فرمایا یہ قلعہ مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع تھا۔ اس قلعہ میں ایک عیسائی المذہب سردار اصبغ بن کلبی نام حکمران تھا۔ قلعہ گویا پایۂ تخت تھا۔ اور قرب و جوار کے گاؤں اسکے ماتحت تھے۔ عبدالرحمٰن رضؓ نے جا کر پیام رسول پہنچایا۔ اصبغ نے حالاتِ رسالت اور مسائلِ اسلام کی نسبت مختلف سوالات کرکے اپنی تسلی کر لی۔ اور پھر صدقِ دل سے مسلمان ہوگیا۔ کیونکہ توریت و انجیل کا عالم تھا۔ اسپر اسلام لانے کے ساتھ ہی اپنی نوجوان لڑکی تماضر نامی کو عبدالرحمٰن رضؓ کی زوجیت میں دے کر رشتۂ اخوتِ اسلامی کو عملاً بھی مضبوط کر دکھایا۔ اسی نیک خاتون کے بطن سے ابو سلمہ رضؓ پیدا ہوئے۔ جو ایک اعلےٰ درجہ کے ادیب و فقیہ اور صاحب نظر شمار ہوتے ہیں۔ بہرحال اصبغ کے اسلام لانے سے اسکے متعلقین کے علاوہ بہت سے ماتحتین اور عام لوگ بھی مسلمان ہوگئے بعض بدستور اپنے مذاہب پر رہ کر جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے۔ اور ان سے بھی کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

قصۂ عرینہ۔ اسلام کی حالت اب دن بدن ترقی تھی اور اسلام کے جوار میں آجانا ایک حصن حصین میں محفوظ ہونے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اکثر اشخاص

نجات اور طالبانِ حق کے علاوہ بعض تیرہ درون اور ازلی بدبخت بھی اس جماعت
سے فائدہ اٹھانے کے لئے مسلمان ہونا مناسب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی ۶ھ
میں عرینہ کے چند لٹیرے بھی اس غرض سے مدینہ میں آکر بظاہر مسلمان ہو گئے
ان کے نصیب یاوری کرتے تو چند روز حضورؐ کے فیضِ صحبت سے انکی فرضی اور
نمائشی اطاعت بھی واقعی اور دلی ہو جاتی اگر نیت ساتھ ہوتی ہے۔ ایمان لاتے
ہی وہ بیمار ہو گئے یا عمداً اپنے آپ کو بیمار مشہور کر دیا۔ لہذا حضورؐ نے ان کو
قبا کے پہاڑوں پر تبدیل آب و ہوا کے لئے بھیج دیا۔ وہاں جا کر کھلی آب و
ہوا اور دوا فرمودہ کا اثر تھا کہ جسمت تندرست ہو گئے۔ تو آنحضرتؐ کے غلام
یسار نامی کو قتل کر کے اونٹ وغیرہ لے کر بھاگ نکلے۔ فدایانِ حضورؐ کو اطلاع
ہوئی تو وہ بھی پیچھے دوڑے۔ اور ان لٹیروں کو بھاگتے میں مع سامان جا لیا
چنانچہ قصاص یسار کے بعد مال واپس لے لیا گیا۔ عرینہ ایک باغ کا نام تھا۔ جہاں یہ
لوگ رہتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس واقعہ کو قصہ عرینہ کہتے ہیں۔

آپ کا حج و عمرہ کے لئے جانا۔ اسی سال ماہِ ذیقعد ۶ھ ہجری میں
آنحضرتؐ نے خواب دیکھا کہ آپؐ مع اصحاب حج و عمرہ فرما رہے ہیں۔ اصحاب
سے خواب بیان فرمایا تو سب کو شوق نے بے چین کر دیا۔ ایک تو حج و عمرہ کا شوق
تھا۔ دوسرا یہی وطن جانے کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے بھی تیاری فرمائی۔
اور مہاجرین و انصار میں سے پندرہ سولہ سو آدمی آپؐ کے ہمرکاب ہو لئے اور قربانی
کے لئے ستر اونٹ بھی ساتھ لے گئے۔ قریشِ مکہ کو جب اس قافلہ کی خبر ہوئی تو
انہوں نے بڑے ساز و سامان سے مزاحمت کا ارادہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو
جب یہ حالات مسموع ہوئے۔ تو آپؐ نے حدیبیہ میں مقام فرما دیا۔ یہ مکہ سے قریب
ایک کنواں ہے جو بعض کے نزدیک حل اور بعض کے نزدیک حرم میں داخل سمجھا جاتا ہے
اسی جگہ قریش کی طرف سے بدیل نامی سفیر بن کے آیا۔ کہ اگر مسلمانوں نے زمین
حرم میں قدم رکھا۔ تو خونریزی ہو گی جس کے لئے قریش بالکل تیار ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے

فرمایا کہ ہم خونریزی کے لئے ہرگز نہیں آئے بلکہ صرف حج و عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے قربانی کے اونٹ بھی دکھائے بدیل یہ حالت دیکھ کر واپس ہوا۔ اور قریش سے مفصل بیان کیا کہ حضورؐ کے اصحاب احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اونٹ بھی ساتھ ہیں۔ لڑائی کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا۔ مگر قریش مطلق نہ سمجھے اور انہوں نے پھر عروہ بن مسعود سفیر کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہم کسی طرح بھی آپؐ کے حج و عمرہ کرنے کے روادار نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک قاصد آتے جاتے رہے جیسے حلیس وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں۔ آخرش حضورؐ نے عروہ کے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کو قریش کی طرف اپنی جانب سے روانہ فرمایا۔ کہ ان کو آمادۂ صلح کر کے جدال و قتال سے باز رکھیں مگر وہ کب سمجھتے تھے ؎

با سیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نرود میخ آہنی در سنگ

صلحنامہ حدیبیہ۔ عروہ نے قریش سے جا کر صاف بیان کر دیا کہ حضورؐ کا خواستگار صلح ہونا محض بیت حرم کو خونریزی سے بچانے کے لئے ہے ورنہ ان کا ایک ایک جاں نثار تم دس دس پر بھی بھاری ہے۔ میں نے قیصر و کسریٰ کی بارگاہیں بھی دیکھی ہیں مگر جو ادب و تعظیم حضور علیہ السلام کے فدائیوں میں دیکھا ہے۔ واللہ ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی کہیں نہیں دیکھا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے بھی سمجھایا بجھایا۔ اس پر مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور آخرش چند سخت شرائط پیش کی گئیں۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ امسال تو کسی طرح بھی حج و عمرہ نہ ہو سکیگا ان مشوروں اور حجت و بحث میں چونکہ حضرت عثمان رضؓ کو معمول سے بہت زیادہ دیر ہوئی۔ لہذا اصحابؓ حضورؐ کو خدشہ ہوا۔ اور کسی طرح یہ غلط خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضؓ کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔ اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ ایک عام جوش انتقام مسلمانوں میں پیدا ہو گیا۔ اور ہر شخص بلا تحریک آمادہ ہوا رہا تھا۔ بلکہ کئی ایک بہادروں نے تو تہیا

سینے بھی شروع کر دیئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی ہتھیار سج لئے تھے کہ قریش حضورؐ ممدوح نے اس بڑھتے ہوئے جوش کو دیکھکر ایک سایہ دار درخت[1] کے نیچے سب اصحاب کو بیعت کے لئے طلب فرمایا۔ اسی واسطے اسکو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کہ ایک تو وہ درخت سایہ دار کے نیچے ہوئی تھی ہوئی اور دوسرا اسکے شرکا بموجب قرآن و حدیث کے قطعی بہشتی شمار ہوتے ہیں۔ یہ بیعت کیا تھی؟ گویا اس امر کا اقرار تھا کہ مر جائیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ لیکن حضور علیہ السلام کو باوجود اس قدر افواہ کے شہادتِ عثمانؓ کا یقین نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضہ کی طرف سے اس طرح بیعت لی کہ اپنا بایاں دست مبارک حضرت عثمانؓ کیطرف سے بیعت لینے والے دائیں ہاتھ پر رکھا۔ بیعت سے فراغت ہوئی تو سہیل بن عمرو مع حضرت عثمانؓ کے قریش کیطرف سے پیام صلح لائے۔ بڑی بڑی شرائط صلح یہ تھیں کہ اوّل تو یہ صلح دس برس کے لئے قائم رہے اور اس عرصہ میں قریش اور مسلمان ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں۔ دوم اس سال (چونکہ قریش قسم کھا چکے ہیں) مسلمان یہیں سے واپس جائیں۔ اور آئندہ سال سے حج و عمرہ کے لئے آیا کریں۔ لیکن تین دن سے زیادہ حرم میں نہ ٹھہرا کریں تیسرا یہ کہ مسلمانوں کیطرف سے اگر کوئی بھاگ کر (مرتد ہوکر) قریش کی پناہ میں آجائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔ اور قریش میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس جائے گا تو اُسکے ورثاء کی درخواست پر حضرت صلعم اُسے واپس کر دیں گے۔

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئیں مگر رسولِ خدا نے بامرِ الٰہی سب کو منظور کر لیا۔ ابھی عہدنامہ مکمل نہ ہوا تھا کہ خود سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل کہ

---

[1] یہ درخت اب نہیں پایا جاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکی پرستش ہونے کے احتمال سے اُسے کٹوا دیا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کاٹا نہیں گیا۔ قدرت نے اُسکا مقام مسلمانوں کو بالکل بھلا دیا۔ ایسے کہ اُسکی عزت و تعظیم کرتے کرتے شرک تک نہ پہنچ جائیں

بھاگ کر حضور علیہ السلام آنحضرت کے پاس پہونچا اور عرض کیا کہ صرف مسلمان ہو جانے کی وجہ سے میرے باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے مجھے قید کر رکھا ہے بمشکل حاضر ہوا ہوں۔ اسپر سہیل نے کہا کہ بموجب عہدنامہ کے یہ ہم کو واپس ملنا چاہئے۔ مسلمانوں پر اسکی واپسی نہایت شاق تھی۔ مگر حضور علیہ السلام نے شرط کے موافق واپس کر دیا۔ اور عہدنامہ مکمل ہو گیا۔ اس امر سے مسلمان دل شکستہ ہو گئے تھے۔ حتی کہ حضرت عمرؓ نے حضور میں حاضر ہو کر نہایت بیباکی سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! کیا آپ رسول برحق اور ہم مومن نہیں ہیں؟ اور کیا کفار کا مقام جہنم اور ہمارا مقام جنت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا بیشک اسلام دین الٰہی ہے۔ اور میں رسول برحق ہوں اور تم سچے مومن ہو اور اللہ تعالےٰ نے دوزخ کفار کے لئے اور بہشت ابرار کے لئے بنایا ہے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر کیوں اسقدر دب کر آپ صلح کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں امر الٰہی کے سوائے کچھ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سنکر تو خاموش ہو گئے مگر ان کو اور اکثر مسلمانوں کو ان شرائط صلح کی نہایت گراں گذری۔ کفار کی بات بات پر کد کرتے تھے۔ تحریر صلحنامہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے تفویض ہوئی تھی۔ آپ نے پہلے حسب عادۃ اسلام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنی چاہی۔ تو کفار نے اعتراض کیا کہ رحمٰن ورحیم کے تم قائل ہو گے۔ ہم تو نہیں جانتے۔ صرف باسمک اللّٰھم لکھو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہی لکھدو ہرج کیا ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے لکھا۔ یہ تحریر محمد رسول اللہ کیطرف سے ہے۔ اسپر بھی سہیل نے کفار کی طرف سے اعتراض کیا کہ ہم تو ان کی رسالت کے قائل ہی نہیں۔ ورنہ جدال وقتال کی کیا ضرورت ہوتی پس رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر صرف محمد بن عبداللہ لکھو۔ اسپر حضرت علیؓ نے طیش میں آ کر کاغذ زمین پر پھینک دیا۔ اور قبضۂ تلوار پر ہاتھ رکھکے فرمایا۔ کہ او بے ادبو! یہ کیا بیہودگی ہے۔ واللہ ثم باللہ میں کبھی لفظ رسول اللہ کو محو نہیں کرسکتا

مگر وہ لوگ مطلق نہ سمجھے۔ ادھر مسلمان پہلے سے ہی برافروختہ تھے۔ قریب تھا کہ تنازع ہو تو وہیں تلوار چل جاتی۔ لہٰذا سرورِ کائنات ؐ نے فرمایا۔ لاؤ میں خود بتلا دوں کیونکہ میں محمدؐ بن عبداللہ بھی ہوں اور محمدؐ رسول اللہ بھی ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے قلم اپنے دستِ مبارک میں لیکر بطریق اعجاز خود بن عبداللہ کے الفاظ تحریر فرما دیئے جس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ عثمانؓ بن عفان۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ محمد بن مسلمہ۔ ابوجندلؓ بن سہیل کے دستخط ہوئے۔ اور کفارِ قریش کی طرف سے خویطب بن عبدالعزیٰ و مکرز بن حفص و سہیل بن عمرو۔ وغیرہ وغیرہ کے اس کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا۔ کہ اب یہیں سر منڈا کر احرام کھول دو۔ اور اپنی اپنی قربانیاں ادا کرلو۔ مگر سب لوگ مغموم ہو رہے تھے۔ کسی نے لا و نعم نہ کہا۔ آپؐ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ تو آپؐ کے حرمِ محترم حضرت ام سلمہؓ نے (جو اس سفر میں ساتھ تھیں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ خود قربانی دیں اور سر منڈائیں۔ پھر سب آپ کی تقلید کریں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپؐ نے خود اپنا شتر کو نحر فرما کر حجامت کرائی۔ اور پھر سب نے بلا اختلاف آپکی تقلید کی۔ تاریخ کہتی ہے کہ ایام قیام میں مکہ اور قرب و جوار کے لوگ حاضر ہوکر اور اخلاق رسولؐ دیکھ دیکھ کے اس کثرت کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ کہ گذشتہ چند سال میں بھی اتنے لوگ اسلام نہ لائے تھے۔ اور یہ سارا نتیجہ حضور علیہ السلام کے اخلاقِ عظیم کا تھا۔ بہرحال قربانیوں وغیرہ سے فراغت پاکر حضور علیہ السلام نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور اثنائے سفر میں ہی مسلمانوں کی دل شکستگی دیکھ کر اللہ تعالےٰ نے سورۂ فاتح نازل فرمائی جس میں صلح کے بعض اسرار و نکات اور فتوحِ آئندہ کی پیشین گوئیاں بھی بیان فرمائیں جسکے سنتے ہی مسلمانوں کی دلشکنی جاتی رہی۔ بلکہ جو لوگ صلح کے سخت مخالف تھے اپنے آپ میں وہ سخت محجوب منفعل ہوئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بڑے رنج میں تھے کہ منہ سے کیسے ایسے الفاظ

نکل گئے اور باوجود لطفِ احمدیؐ کے عرصہ تک یہی خجلت اُن کو دامنگیر رہی
اصل یُوں ہے کہ سرورِ کائناتؐ کو زمینِ حرم میں خونریزی نہایت ناپسند
تھی۔ اور اسی لحاظ سے حضور علیہ السلام نے یہ سفر بالکل بے ہتھیار فرمایا تھا۔
اور چونکہ حج و عمرہ محض خدا کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس لئے
یہ بھی مقصود تھا کہ مجاہدین کو زمینِ حرم میں کفار کے ساتھ جہاد کرنے کی بجائے
خود اپنے نفسوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا جائے۔ کہ نفس کا جہاد سب سے بڑا ہے۔
اس کے علاوہ کئی ایک مرد و عورت مکہ میں در پردہ مسلمان ہو چکے تھے۔ اگر لڑائی
ہوتی تو ان بیچاروں کو گزند پہنچتی۔ اور عہدنامہ کی حالت میں کفار مسلمانوں کو ایذا نہ
پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ اسکے بعد مکہ میں عام طور پر کھلے بندوں لوگ مسلمان ہوتے
تھے۔ بندش یہ بھی کہ کوئی اپنے ولی کی اجازت بغیر حضرتؐ کے حضور میں نہ رہ سکتا تھا۔
سوائے اسکے یہ شرائط اگرچہ ظاہری طور پر نہایت سخت تھیں مگر پھر بھی کفار ہی نقضِ عہد
کرنے والے تھے اور اسلام کی ترقی ہونے والی تھی۔ اسلئے حضور سرورِ کائناتؐ
نے ہر طرح سے صلح ہی پسند فرمائی تھی۔ اور عام لوگ ان مصالح کو بخوبی سمجھ نہ سکتے
تھے۔ لہذا کسیقدر شکستہ دل تھے۔ اسیواسطے اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت
خاص سے سورہ فتح میں ان کو فتوحِ ممالک وغیرہ کی پیشین گوئیاں سنا کر مرتبہ
فرمادیا۔ چنانچہ اس مراجعت کے بعد ہی خیبر فتح ہوا۔ اور پھر علی التواتر قلاع و ممالک
فتح ہوتے رہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مکہ معظمہ بھی فتح ہو کر مسلمانوں کے
ہاتھ آگیا۔

ابوبصیر آنحضرتؐ کے مدینہ پہنچنے پر مکہ سے ابوبصیر بن اُسید نام ایک شخص مسلمان
ہو کے حضور میں حاضر ہوا۔ مگر ساتھ ہی دو شخص ان کے اولیا کیجانب سے بھی
پہنچے۔ کہ عہدنامہ کے مطابق پھیر دینے چاہئیں۔ چنانچہ آپؐ نے ابوبصیر کو ان دونوں
کے ساتھ کر دیا۔ ابوبصیر کو یہ واپسی نہایت گراں تھی۔ اُس نے موقع پا کر
دونوں میں سے ایک کو رستہ میں ہلاک کر دیا۔ یہ صورت دیکھتے ہی دوسرا بھی

خوف زدہ ہوکر بھاگا - اور سیدھا مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس پہونچکر یہ سب قصہ عرض کیا - ابوبصیر بھی سایہ کیطرح ساتھ پہونچے - اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ تو اپنے عہد کے مطابق مجھے حوالہ کرچکے تھے اور اب مجھے صرف اپنی تدبیر سے مخلصی ہوئی ہے - لہٰذا اب میری واپسی درست نہیں ہوسکتی - بلکہ حکم دیجئے تو اس کافر فریادی کی گردن ماردوں - آپؐ نے اس کا کچھ جواب بجز اسکے نہ دیا کہ "اگر ایک آدہ بھی مدد کرنے والا ہو تو ابوبصیر بڑا جنگی[1] آدمی ہے" اس سے ابوبصیر یہ تو سمجھ گئے کہ طبعی صلح پسندی کے باعث غالباً حضورؐ اب میرا یہاں رہنا منظور نہ فرمائینگے مگر ساتھ ہی یہ بھی جان گئے کہ آیندہ زندگی میں مجھسے جدال و قتال بھی ضرور ہوا کریگا - اور لوگ میری مساعدت بھی کیا کریں گے چنانچہ ابوبصیر وہاں سے بھاگ کے مقام عیص کے جنگل میں جا رہے - یعنے جس رستہ سے قریش کے لوگ شام جایا کرتے تھے - ابوجندل بن سہیل نے جب یہ خبر سُنی تو وہ بھی ابوبصیر سے جا شریک ہوئے - اور اسیطرح شدہ شدہ ستر آدمی ابوبصیر کے ساتھ ہو لئے - یہ سب کے سب چونکہ قریش کے ستائے ہوئے تھے اور صحبت نبویؐ سے مستفید نہ ہوئے تھے - کہ صبر و تحمل کی زندہ تصویریں سامنے دیکھا کرتے - لہٰذا جوشِ انتقام میں انھوں نے یہی منصوبہ باندہ رکھا تھا کہ مسافرینِ قریش کو لوٹ مار سے برباد کرتے حتی کہ قریش تنگ ہو گئے - اور انھوں نے ابوسفیان بن حرب کو سرور کائناتؐ کے حضور میں مدینہ بھیجکر اس شرط کو بدلنے کی درخواست کی اور پھر یہ قرار پایا کہ جو شخص چاہے بلا مزاحمت مکہ سے مدینہ میں آ کر رہے - قریش نہ اسکو مانگیں گے اور نہ آنحضرتؐ پر اسکا واپس دینا لازم ہوگا - حضورؐ کی ذات بابرکات تو دریائے رحمت تھی آپؐ نے فوراً ابوبصیر کو بلا بھیجا کہ اگر صرف اس خوف سے تم صحرا نشین ہو

[1] آنحضرت صلعم نے مسعر الحرب کا لفظ فرمایا ہے جو جنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے

لوگوں کو دق کرتے ہو کہ مدینہ میں تمہیں رہنے نہ دیا جائے گا۔ تو اس صورت میں بہتر ہے کہ آپ ہمارے حضور میں حاضر ہو جاؤ۔ کہ واپسی کی شرط قریش کی درخواست پر فسخ ہو چکی ہے" مگر یہ فرمان نبوی جس وقت ابوبصیرؓ کو پہنچا وہ حالت نزع میں تھے۔ فرمان واجب الاذعان کو بار بار سر آنکھوں پر لگاتے اور کلمۂ توحید پڑھتے جاتے تھے۔ اسی طرح ان کا خاتمہ ہوا۔ اور ابوجندل وغیرہ ان کے کفن و دفن سے فراغت کر کے سرور کائنات کے حضور میں حاضر ہو گئے۔

اسی سال آنحضرت صلعم نے بادشاہان وقت کو تبلیغ اسلام کے لیے مراسلات روانہ فرمائے۔ جن کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

مختلف واقعات۔ اسی سال میں آپ نے اونٹوں اور گھوڑوں کے دوڑانے کا قاعدہ جاری فرمایا۔ تاکہ موقع کے لیے جانوروں کا امتحان ہو جایا کرے۔ اسی سال حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ امّ رومان جو حضرت عائشہؓ کی والدہ تھیں ان کا انتقال ہوا۔ اور اسی سال حضرت ابوہریرہ دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اسی سال آپ نے پہلی بار بوجہ خشک سالی میدان میں جا کر نماز استسقاء ادا فرمائی۔ چنانچہ دعا کے ختم ہونے پر ہی بادل آیا۔ اور آٹھ دن تک شب و روز بارش ہوتی رہی جس پر لوگوں نے آپ سے پھر دعا چاہی۔ آپ مخلوق کی کمزوری پر متبسم ہوئے اور دعا فرمائی کہ الٰہی بارش ہم پر نہ ہو۔ بلکہ جنگلوں اور پہاڑوں پر ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سورۃ الفتح کی پیشین گوئی کے مطابق اس سال اسلام کو بہت بڑی ترقی اللہ تعالےٰ نے دی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کہیں بھی مسلمان بلا روک ٹوک رہنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے لگ گئے۔ اور اطراف و جوانب میں بھی بخوبی اشاعت ہو گئی۔ بلکہ دور دست مقامات میں بھی دعوت اسلام ہونے لگی۔ اور نتیجہ بھی اچھا نکلا۔

ہجرت کا ساتواں سال بالعموم جہاد میں گذرا جن کا مفصل ذکر اپنے موقع
پر آئے گا۔ اسی سال آپؐ کو زینب نامی ایک یہودیہ عورت نے کھانے میں زہر
دیا مگر آپؐ نے قبل از تناول ہی حافظِ حقیقی کے فضل و کرم سے مطلع ہو کر کھانا نہ
کھایا۔ ایک صحابی بشر بن البراء جو ایک لقمہ کھا گئے تھے سال بھر بیمار رہ کر انتقال
فرما گئے۔ مگر زینب کے مسلمان ہونے کے باعث اس سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا

ظہار کی بندش ظہار جو ایک قسم کی طلاق پہلے عرب میں رائج تھی وہ بھی
اسی سال موقوف ہوئی۔ اس کی شانِ نزول یوں لکھی ہے کہ اوس بن صامت نے
اپنی بڈھی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو ماں کہہ دیا تھا۔ لہٰذا دونوں میں جدائی ہو گئی
مگر دونوں کے دونوں اپنی اس حرکت سے سخت منفعل اور نادم ہوئے۔ خولہ حضورؐ کے پاس
آکر واقعہ عرض کیا۔ حضورؐ خاموش رہے۔ عورت سخت متردد تھی اور بار بار عرض کرتی تھی کہ میری
جوانی بھی جاتی رہی اور دولت بھی خرچ ہو گئی۔ اس پر اب یہ مصیبت ہے کہ چھوٹے
چھوٹے بچے ہیں ان کو بچاؤں تو کھلاؤں کہاں سے اور اسے دوں تو یہ بچے بلکیں گے
لہٰذا میرے لئے اللہ سے دریافت فرمائیے کہ کسی طرح ہم میاں بیوی جدا نہ ہوں۔
آپؐ بار بار فرماتے تھے کہ تا حال میرے پاس کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ میں کچھ
نہیں کہہ سکتا۔ اتنے میں اُس عورت کے دلی اضطراب اور عجز و نیاز نے
بارگاہِ الٰہی میں رسائی پیدا کی اور اسی وقت آپؐ پر آثارِ وحی نازل ہوئے اور
آیہ کریمہ قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا وتشتکی الی اللہ الخ کا نزول ہوا
جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ماں کہنے سے کوئی عورت ماں نہیں بن سکتی ماں تو وہی ہے
جس نے تمہیں جنا ہے۔ مگر ایسی لغویت اور جہالت و غصہ کے روکنے کے لئے یہ
بھی قید لگا دی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو ایسا کہہ بیٹھے تو ایک غلام آزاد کرے اور
اس کی توفیق نہ ہو تو ساٹھ روزے رکھے۔ اور وہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں
کو کھانا کھلائے تاکہ ایسی بیہودگی کوئی کرنے نہ پائے۔ اوس بن صامت کے
پاس غلام آزاد کرنے کی توفیق بھی نہ تھی۔ اور ناتوانی کے باعث روزے بھی نہ

رکھ سکتے تھے۔ اور بے نوائی کے سبب ساٹھ آدمیوں کا کھانا بھی نہ دے سکتے تھے۔ لہذا حضورؐ نے اپنے پاس سے انہیں آٹا اور کھجوریں عطا فرمائیں کہ تم کفارہ پورا کر دو۔

قروہ کا قبول اسلام - اسی سال قروہ بن جذامی نے جو بادشاہِ روم کی طرف سے ارضِ بلقاء کا گورنر تھا اسلام لا کر مسعود بن سعید نامی ایک صاحب کو تحائف و ہدایا کے ساتھ حضورؐ میں بھیجا۔ چنانچہ آپؐ نے بھی قبولِ تحائف سے عزت افزائی فرمائی اور مسعود کو بلال کے گھر ٹھہرایا اور رخصت کے وقت جواب میں ایک نصیحت نامہ بھی تحریر فرمایا۔ یہ حالات سن کر قروہ کو بادشاہِ روم نے اپنے پاس بلا بھیجا اور اُسے ارتداد کے لئے مجبور کیا۔ لیکن وہ سچا مومن ہرگز نہ پھرا۔ حتیٰ کہ بادشاہ نے اُسے قتل بھی کروا دیا مگر اُسکے اسلام کو ذرہ بھر جنبش نہ ہوئی۔

باغ فدک - بہرحال اب بفضلِ الٰہی اسلام دن بدن مترقی تھا۔ وادی القریٰ اور تیما کے یہودیوں نے بھی اسی سال جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ اور خیبر کے پاس فدک جو ایک گاؤں تھا اور اس میں یہود کی بستی تھی۔ انہوں نے بھی نصف زمین فدک کی جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نذر کی۔ چنانچہ اُسکے بعد اس زمین کی آمدنی آپؐ اپنے اہلِ بیت اور خویش و اقرباء میں صرف فرماتے رہے اور نصف پر بدستور یہود قابض و متصرف رہے۔ پھر آپؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے وقت میں یہود کو پچاس ہزار درہم دے کر وہ باقی نصف بھی بیت المال کے لئے خرید لیا۔ اور یہود کو شام کی طرف رہنے کو بھیج دیا۔

آپؐ کا عمرہ کے لئے مکہ جانا - اسی سال آپؐ نے قضائے عمرہ کے لئے ماہ ذیقعدہ میں مکہ معظمہ کا ارادہ کیا۔ چنانچہ دو ہزار مسلمان آپؐ کے ہمرکاب روانہ ہوئے اور بخوشی تمام بلا مزاحمت عمرہ کر کے تین دن مکہ میں رہنے کے بعد حضورؐ مع اپنے جاں نثاروں کے مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے۔ مکہ میں ہی عباس بن عبد المطلب کی بیوی ام فضل کی ہمشیرہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے آپؐ نے نکاح فرمایا۔ اور اسی سفر

ہیں حمزہ بن عبد المطلب کی لڑکی حضرت علی کرم اللہ وجہ کی حمایت میں مدینہ آئیں۔ جہاں پہنچکر آپ نے اُن کو جعفر طیار رض کی ولایت میں دیدیا۔

حاکمانِ شام و یمامہ کا انتقال - حضور علیہ السلام جن دنوں مکہ کیطرف تشریف لیجا رہے تھے اُنہیں دنوں میں حارث ابن ابی شمر غسانی شام میں اور ہوذہ بن علی حنفی یمامہ میں فوت ہوگئے۔ لہٰذا آپ نے حارث کے بیٹے جبلہ کو پھر ایک نشور ہدایت بھیجا جسپر وُہ مسلمان ہوگیا۔ مگر پھر حضرت عمر رض کے وقت میں مرتد ہوا جس کا ذکر اپنے موقع پر آئیگا۔

خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا مسلمان ہونا - اسی سال خالد بن ولید اور عمرو بن العاص اسلام سے مشرف ہوگئے۔ بعض نے اس واقعہ کو اوائل ۸ھ میں لکھا ہے لیکن قرائن سے ۷ھ کا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے مسلمان ہونے کی خبر سُنکر ہی خالد زیادہ تر آمادہ ہوئے تھے اور عمرو بن العاص بھی نجاشی کے مسلمان ہونے کے بعد ہی حبشہ سے واپس آئے تھے۔ اور نجاشی ۶ھ ہجری میں مسلمان ہوچکا تھا۔ لہٰذا ان صاحبوں کے قبول اسلام کا ۷ھ ہی بہ نسبت ۸ھ کے زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے۔

یہ واقعہ یوں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد چونکہ دن بدن اسلام کی ترقی ہورہی تھی۔ اور احکامِ اسلام میں مخالفین رکاوٹ پیدا نہ کر سکتے تھے۔ بلکہ معاندین دن بدن کمزور ہورہے تھے۔ اسلئے اوّل تو مسلمانان مکہ کے حال کو دیکھ دیکھ کے خالد کے دل میں محبت اسلام پیدا ہوئی۔ دوسری یہ بھی وجہ ہوئی کہ فتوحات روز افزوں سے اُنہوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ اب سوائے اطاعت کے چارہ نہیں ہے۔ تیسرا سونے پہ سہاگہ یہ ہوگیا کہ اِن کے بھائی ولید ابن ولید دجو پہلے مسلمان ہوکر مدینہ میں رہتے تھے) نے ان کو ایک خط میں لکھا کہ مجھ سے ایک دن رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہاری نسبت دریافت فرمایا کہ وُہ کیوں اب تک مسلمان نہیں ہُوا۔ لہٰذا تم پس وپیش کو چھوڑو اور ترک رکاوٹ چھوڑ کر مسلمان

ہو جاؤ" خالد اس سے پہلے ہی مذہب کے معاملہ میں متردد تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ کس کو ترجیح دیں۔ کبھی عیسائیت کا خیال کرتے تھے کبھی یہودیت کا کیونکہ آبائی مذہب قریش سے وہ بددل ہو چکے تھے۔ بھائی کی اس تحریر اور آنحضرت ؐ کے حالات کو دیکھ کر انہوں نے دوٹوک فیصلہ کر دیا۔ کہ واقعی اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں اور عثمان بن طلحہ کو بھی اس ارادہ میں شریک کر کے روانہ مدینہ ہوئے۔ رستہ میں ہی عمرو بن العاص بھی حبشہ (سوڈان) سے آتے ہوئے مل گئے۔ انہوں نے خالد ؓ سے حال دریافت کیا تو انہوں نے بلا کم و کاست راست راست کہہ دیا اس پر وہ بھی شریک سفر ہوئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ خالد اور عمرو دونوں ایام جاہلیت میں بھی باہم پیلے درجہ کے دوست تھے۔ اور فنون جنگ میں خصوصیت کے ساتھ ناموری رکھتے تھے اور اسلام میں بھی ایک ہی دن داخل ہوئے۔ اور ویسے ہی نامور اور ممتاز رہے۔ مدینہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے پاس بھیج دئے ہیں حالانکہ انکی کسی کو خبر نہ تھی تھوڑی دیر میں یہ بھی جا پہنچے۔ سب سے پہلے خالد ؓ پھر عمرو بن العاص ؓ پھر عثمان بن طلحہ ایمان لائے۔ اور حضور علیہ السلام بھی ان کے اسلام لانے سے بہت محظوظ ہوئے۔ خالد ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ مجھ سے ایام جاہلیت میں سخت گناہ ہوتے رہے ہیں۔ میری بخشش کیسے ہو گی۔ آپ ؐ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد محتاط رہو۔ اور خدا کی رضا حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ خالد ؓ نے شفاعت کے لئے عرض کیا تو آپ ؐ نے دست مبارک اٹھا کر دعا فرمائی کہ الٰہی اس کو خیر و سعادت کی توفیق بخش۔ اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما۔ پھر عمرو بن العاص ملتمس ہوئے کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حالت کفر میں ہم نے ایوان شریعت کی مسماری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اگر اب کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ اسلام کی خدمت میں بھی ہم سے بڑے بڑے کام ظہور میں آئیں۔ تب کہیں جا کے تسکین ہو گی۔ آپ ؐ

نے فرمایا۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ ان دونوں جنگی بہادروں نے
جو جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ مختصر یہ کہ خالدؓ نے
مصر اور شام فتح کیا اور عمرو بن العاص نے ایران۔

فتح مکّہ۔ اسی سال حضورؐ ممدوح معہ اپنے بارہ ہزار فدائیوں کے مظفر و منصور
داخلِ مکّہ ہوئے۔ جسکی مفصّل کیفیت اپنے موقع پر آئے گی۔

قطعِ ید۔ اسی سال حضور علیہ السلام کے قیام مکّہ میں ہی ایک امیر عورت
چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اور چونکہ قطعِ ید کا حکم آچکا تھا۔ اس لئے
آپؐ نے بھی پوری سزا کا حکم جاری فرمایا۔ ہر چند کئی لوگ سفارشی بھی ہوئے مگر
آپؐ نے فرمایا کہ اسلام کے احکام امیر و غریب سب کے لئے یکساں ہیں۔ اسمیں
امتیاز فضول ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر فاطمہؓ سے بھی ایسی حرکت سرزد ہو
تو میں اُن کے ہاتھ کاٹنے میں بھی تامل نہ کروں گا۔ اللہ اکبر کتنا بڑا عدل اور
انصاف ہے۔

کعبہ کی صفائی۔ فتح مکّہ کے بعد بیت اللہ میں جسقدر بُت زمانۂ جاہلیت میں
مختلف اقوام نے پرستش کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب آپؐ
نے تڑوا کر پھینکوا دئیے۔ اور اس کام کو بنفسِ نفیس خود انجام دیا۔ جو بُت اوپر رکھے
ہوئے تھے اُن کے پھینکنے کے لئے حضورؐ ممدوح نے اپنے فرزندِ موصول یعنے
حضرت علیؓ کو سوار کرایا اور اس خانۂ خدا کو بالکل آلائشِ شرک و بدعت سے پاک
فرما دیا۔ لکھا ہے کہ آپؐ بتوں کو توڑتے ہوئے یہ آیت شریف پڑھتے جاتے تھے
جاءَ الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ ظاہر ہوا سچ اور مٹ گیا
جھوٹ واقعی جھوٹ مٹنے کے ہی لائق ہے۔

خانگی واقعات۔ اسی سال ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے
اور حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا حق حضرت عائشہؓ کو دیا۔ اسی سال حضرت زینبؓ
حضور علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر کا انتقال ہوا۔

پہلا ممبر ۔ اسی سال میں پہلی دفعہ ممبر بنایا گیا۔ ورنہ اس سے پہلے مسجد نبوی کے غربی جانب کی محراب میں ایک چوبی ستون تھا۔ جسکے پاس کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر وعظ و خطبہ سُنایا جاتا تھا۔ اس ممبر کے تین درجے تھے۔ ہر ایک سیڑھی ایک بالشت کی تھی اور اوپر کا درجہ دو ہاتھ طویل اور ایک ہاتھ عریض تھا۔ اور سب سے اوپر کے درجہ پر بیٹھکر حضور علیہ السلام خطبہ و وعظ کہا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رض ادب نبوی کے لحاظ سے دوسرے ہی درجہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رض ان سے بھی ایک درجہ درے ہی کھڑے ہوتے۔ مگر حضرت عثمان رض نے اپنے وقت میں یہ دستور بدل دیا۔ اور اس خیال سے کہ یہ ممبر پرستش گاہ نہ ہو جائے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ بیٹھنا شروع کیا۔ امیر معاویہ نے اس کے نیچے چھ درجہ اور بڑھا دئے اور خلفائے عباسیہ نے بعد بسیدگی پھر بنوا دیا۔ مگر ۶۵۴ھ میں جب مسجد نبوی کو آگ لگ گئی تھی۔ یہ ممبر بھی جل گیا۔ پھر ہر ایک بادشاہ روم ایک ایک نفیس ممبر بھیجتا رہا۔ اور اب تو ۹۹۸ھ سے سلطان مراد خاں نے ایک سنگی ممبر بھیج رکھا ہے۔ وہی ستون جس سے وقتاً فوقتاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پشت مبارک لگا لیا کرتے تھے۔ ستون حنانہ کے نام سے مشہور ہے۔ یعنے جس دن حضور رض نے ممبر پر اجلاس فرمایا ہے۔ اسدن اسمیں سے رونے کی سی آواز آتی تھی۔ راسخ الاعتقاد مسلمان تو اس روایت کو انہیں لفظوں کے ساتھ صحیح مانتے ہیں۔ کیونکہ اسوقت کئی ایک لوگ اسکے شاہد بھی تھے۔ مگر جو لوگ ہر بات میں فلسفہ کو دخل دیتے ہیں وہ بھی اس روایت کے معنوی طور پر صحیح مانتے ہیں اعتراض نہیں کرسکتے۔

حاکم بحرین کا قبولِ اسلام ۔ اسی سال کے اخیر میں منذر بن ساری حاکم بحرین کے پاس دعوت اسلام کے لئے منشور ہدایت دے کر علاء بن حضرمی کو روانہ کیا گیا۔ چنانچہ ہدایت نامہ دیکھ کر وہ صدق دل سے مسلمان ہوا۔ اور بطور آپ کے لازم کے کام کرنے لگا۔

جیفر اور جیفر حاکم عمان کا قبولِ اسلام ۔ اسی سال کے اخیر میں عبد اللہ جیفر

حاکم عمان کے پاس نامۂ ہدایت لے کر عمروؓ بن العاص کو بھیجا گیا۔ عبید اور جیفر دونوں بھائی تھے۔ عمرو بن العاصؓ پہلے تو عبید سے ملے اور پھر جیفر سے۔ نامہ مبارک دیا اور عند الاستفسار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی بتائے۔ جس پر آخر الامر دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی ہزارہا آدمی اور بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ اور عمرو بن العاصؓ کو زکوٰۃ وغیرہ بھی وصول کرا دی۔ اور ایک روایت کے مطابق خود بھی حاضر ہو گئے۔

عروہ بن مسعود کا قبول اسلام۔ اسی سال کے اخیر طائف کے سردار عروہ بن مسعود نے حاضر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ مگر ابھی انکی قوم سر بسر مخالف تھی۔ اس نے انہیں شہید کر ڈالا۔ عروہ وصیت کر گئے تھے کہ میرا قصاص نہ لیا جائے۔ پس انکے ورثا ابوالملیح اور قارب نے یہ وصیت آنحضرت صلعم تک پہنچائی اور خود مسلمان ہو کر چلے گئے۔ جن سے طائف میں بھی اسلامی نمونہ نظر آنے لگا اور غزوہ تبوک کے بعد اہل طائف کو بھی معلوم ہوا کہ اب اسلام ہی ہر طرف غالب ہے تو بایان طائف میں سے کچھ آدمی حضور نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسلمان تو ہو جائینگے مگر تین شرطیں ضروری ہیں کہ ایک سال یا تین سال تک منات کا بُت جو ہمارے کل معبود ہے۔ اسکو نہ توڑا جائے۔ دوسرا ہمیں نماز معاف ہو جائے۔ اور تیسرا ہمیں شرکت غزوات سے بری رکھا جائے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلی دو باتیں منظور نہ فرمائیں۔ اور تیسری کی نسبت انہیں اختیار دیا گیا کہ جی چاہے تو مسلمانوں کے غزوات میں شریک ہوں اور جی نہ چاہے تو نہ ہوں۔ آخر کار انہوں نے یہی منظور کر لیا اور صرف اتنی بات کی اور خواہش کی کہ منات کا بُت ہم سے نہ تڑوایا جائے۔ کسی دوسرے صحابی کو اسکے انہدام پر مقرر فرمایا جائے چنانچہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ ان کے بتکدہ کے مسمار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ جنہوں نے بتخانہ تہہ و میر کر دیا۔ اور جسقدر زیورات وہاں سے دستیاب ہوئے اس میں سے عروہ و اسود پسران مسعود کا قرض اُتار دیا۔ اور جو اس سے

بھی باقی بچ رہا وہ بہت غریب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔

وفد عبد القیس کا قبول اسلام - اسی سال دربار نبوی میں عبد اللہ اشج بن عوف اور منذر عامری معہ بیس آدمیوں کے حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ مدینہ میں دس دن یہ لوگ رملہ بنت الحارث کے مکان میں مہمان رسول علیہ السلام کی حیثیت سے رکھے گئے اور تلقین احکام اسلام کے بعد ہر ایک کو پانچ پانچ سو درہم اور عبد اللہ اشج کو کچھ اس سے بھی زیادہ دے کر رخصت کیا گیا۔ عبد اللہ اشج اگرچہ کم رو شخص تھے۔ مگر دانائی اور بہادری میں بہت مشہور تھے۔ آنحضرت صلعم نے بھی ان کے علم اور دانائی کو پسند فرمایا۔

عبد اللہ بن ابی کی موت - اسی سال عبد اللہ بن ابی مشہور منافق ماہ ذیقعدہ میں بیس دن بیمار رہ کر مر گیا۔ آنحضرت صلعم کے ورود مدینہ سے پہلے چونکہ اس شخص کو باعتبار اپنے اثر و قوت کے یقین تھا کہ لوگ مجھے سردار مان لینگے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج اسکو سخت ناگوار تھا۔ لوگوں کی دیکھا دیکھی مسلمان تو ہو گیا مگر دل سے نفاق نہ دور ہوا۔ قریباً ایکہزار آدمی اسکے ہم خیال بھی تھے بعض کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی عیادت کی اور بعض کے نزدیک نماز جنازہ بھی پڑھائی جس کا یہ اثر ہوا کہ خلق نبوی دیکھ کر اسکے سب پیرو صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔

عام طاقت - ۹ ہجری شروع ہوا تو ماشاء اللہ اسلام پوری قوت حاصل کر چکا تھا۔ اور حضور علیہ السلام سلطنتی حیثیت سے بھی پورے شہنشاہ عرب تھے بلکہ شہنشاہوں کی خدمت کی آرزو جسقدر رعایا اور ملازمین کو ہوا کرتی ہے حضور علیہ السلام کے فدائیوں کی طاعت اس سے بھی ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی تھی البتہ شہنشاہوں کے سے محل اور نقیب و خدام اور ظاہری شان و شوکت آپکو پسند نہ تھی مگر سادگی پر بھی اس بوریا نشین شہنشاہ دو جہان کا نام ہی سن کے بڑے بڑے شہنشاہوں کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ اور عرب تو قریباً سارے کا سارا

زیر فرمان ہوچکا تھا۔

ذکوٰۃ کے محصلوں کا تقرر۔ جنگی خدمات چونکہ ہر مسلمان کے لئے مذہباً فرض ہو چکی تھیں۔ اسلئے صرف ذکوٰۃ ہی بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ یعنے سال بھر کے بعد جسقدر مال مسلمانوں کے پاس باقی بچ رہے اس کا چالیسواں حصہ۔ کفار اس ذکوٰۃ سے بھی آزاد تھے۔ ان سے صرف جزیہ وصول ہوتا تھا۔ یعنے ان کی محافظت کا ٹیکس۔ اور ایسے ٹیکس کا دستور نوشیرواں کے وقت سے بھی چلا آتا تھا۔ اس سال میں ذکوٰۃ کی باقاعدہ وصولیت کے لئے جناب رسول خدا صلعم نے جو محصل مقرر فرمائے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ بریدہ بن الحصیب۔ کعب بن مالک عباد بن بشیر۔ رافع بن مکیث۔ عمرو بن العاص۔ ضحاک بن سفیان۔ بشیر بن سفیان۔ عبداللہ بن البتیہ۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن البتیہ نے مال ذکوٰۃ کے ساتھ کچھ اپنا نذرانہ بھی وصول کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضی فرما کر ارشاد فرمایا۔ کہ اگر تم تحصیل ذکوٰۃ کو نہ جاتے۔ اور پھر بھی تمہیں کوئی نذرانہ دیتا تو وہ نذرانہ تمہارا ذاتی ہوتا۔ لیکن اب تو یہ سب مال مسلمانوں کا حق ہے۔

مسجد ضرار۔ منافقین مدینہ جو اکثر آپ کے عروج سے جلتے تھے۔ انہوں نے ابو عامر خزرجی نصرانی کی تجویز سے ایک مسجد کا ڈھنگ ڈالا۔ تاکہ اس میں بیٹھ کر اپنا کوئی نیا دین جاری کرلیں۔ اور اسطرح مسجد کے بہانے مسلمانوں کی مخالفت سے بھی بچے رہیں۔ جب یہ مسجد بنکے طیار ہوئی۔ تو انہوں نے آنحضرت صلعم سے اس کے افتتاح کی درخواست کی۔ مگر حضور اسوقت غزوہ تبوک کی طیاری میں تھے۔ فرمایا کہ واپسی کے وقت دیکھا جائے گا۔ واپسی پر انہوں نے درخواست کی تو آنحضرت صلعم نے بذریعہ وحی واقف ہوکے اسکے انہدام کے لئے مالک ابن الاخشم اور معن ابن عدی کو مامور فرمایا۔ چنانچہ فوراً تعمیل ارشاد کردی۔ اس مسجد کے بانی یہ بارہ لوگ تھے۔ ۱۔ خدام بن خالد (اسی کے گھر میں یہ مسجد بنائی گئی تھی) ۲۔ ثعلبہ بن حاطب ۳۔ معتب بن قشیر ۴۔ ابو حبیبہ بن الازعر ۵۔ جاریہ بن عامر مع دونوں بیٹوں کے

۶- مجمع ۷- زید- ۸- نبتل بن الحرث- ۹- بحزج- ۱۰- عاد بن عثمان- ۱۱- عباد بن حنیف ۱۲- ودیعہ بن ثابت-

اس مسجد کا قائم ہونا واقعی بڑا نقصان رسان تھا- مگر حق تعالےٰ نے رسولِ خدا صلعم کو بذریعہ اس آیت کے اسکے حالات سے واقف فرمایا-

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المؤمنین و ارصاداً لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل و لیحلفن ان اردنا الا الحسنےٰ واللہ یشھد انھم لکاذبون لا تقم فیہ ابداً-	ترجمہ یعنی جن لوگوں نے مسجد ضرار کفر کی نیت اور مومنین میں نفاق ڈالنے اور خدا رسول سے لڑنے والوں کے انتظار کیلئے بنائی ہے اور قسم کھاتے ہیں کہ ہم اور کچھ نہیں چاہتے مگر نیکی اُنکی نیت خدا گواہی دیتا ہے کہ جھوٹے ہیں اے محمد صلعم اس مسجد میں ہرگز نہ کھڑے ہونا-

حج کی فرضیت - اسی سال میں حج کی فرضیت کا حکم ہوا- جس کے مطابق ہر مسلمان پر جو سواری اور راہ خرچ کے علاوہ اپنی واپسی تک کا خرچ اپنے اہل وعیال کو دینے کی استطاعت رکھتا ہو- حج بیت اللہ فرض ہوگیا- بعض لوگوں نے فرضیتِ حج کو سنہ ۶ ہجری میں بھی لکھا ہے مگر اتفاق اسی سال پر ہے- اور ایک دلیل بیّن بھی اسکی موجود ہے کہ جب تک بیت اللہ مختلف بتوں اور شرک و بدعت سے پاک نہ ہوچکا تھا حج کی فرضیت کا حکم کیسے ہوسکتا تھا-

زنا کی سزا - اسی سال ایک مسلمان عورت غامدیہ نامی حمل حرام لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئی کہ مجھ سے یہ حرکتِ ناشائستہ سرزد ہوگئی تھی اب حضور علیہ السلام مجھے شرعی سزا دے کر پاک فرمادیں- یعنے سزائے سنگساری کا حکم ہوجائے- آپ کے مزاج میں حلم و مروّت پرلے درجہ کی تھی- پہلے تو آپ صلعم ملتفت نہ ہوئے- مگر اُس نے پھر بھی یہی درخواست کی- تو آپ نے حکم دیا کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جب وہ کھانے پینے کے لائق ہو اسے سنگسار کیا جائے- چنانچہ اس کی تعمیل اپنے وقت پر ہوگئی- یہ واقعہ بھی غور کے لائق ہے اور اس سے بخوبی

معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر اسلام کے احکام ہر ایک مسلمان کے دل میں جاگزین ہو چکے تھے۔ اور خواص تو کجا عام لوگوں کی پاکبازی اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اپنی سزا کی خود درخواست کرتے۔ اور سزا نے آخرت سے سبکدوش ہونے کو غنیمت سمجھتے تھے۔ ایک ہم مسلمان ہیں کہ جرم کرتے ہیں اور ساتھ اسکے سَو سَو حجتیں کر کے اسکے مباح و جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ بھی جب کہ اسکا اخفا حیطۂ امکان سے باہر ہو جائے ورنہ اقبال ہی کون کرتا ہے۔

وفودِ متعددہ کی حاضری - اسی سال وفود (ڈیپوٹیشنز) مختلف مقامات سے اس کثرت کے ساتھ قبول اسلام کے لئے آئے کہ اس سال کا نام سنۃ الوفود مشہور ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کیطرف سے ان وفود کی بخوبی مہمانداری ہوتی تھی اور تلقینِ اسلام کے بعد انکے اپنے اوطان میں اشاعتِ دین کا کام ان کے سپرد فرمایا جاتا تھا۔ جن کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کا امیر الحجاج مقرر ہو کر جانا - اسی اثناء میں ایامِ حج قریب آئے تو کثرتِ وفود کے باعث حضور علیہ السلام خود تشریف نہ لیجا سکے اور ابوبکر صدیقؓ کو ہی امیر الحجاج مقرر کر کے حج کو روانہ فرمایا۔ اور حضورؐ ممدوح نے اپنی جانب سے قربانی کے لئے اونٹ بھی انہیں کے سپرد فرمائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھی روانہ فرما دیا کہ وہ آپ کے حج میں یہ بھی اعلان عام کر دیں۔ کہ

۱۔ بغیر اسلام لائے کوئی شخص جنت میں نہ جا سکے گا۔

۲۔ آج سے کوئی شخص حالتِ برہنگی میں حج کرنے نہ پائے گا۔

۳۔ آج سے کوئی غیر مسلم شخص بھی بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پائیگا۔

۴۔ جن کفار سے اب تک عہد نہیں ہوا۔ آیندہ بھی اُن سے مسلمان عہد نہ کرینگے۔ لیکن ایامِ حج میں بہرحال اُن کا بھی خون بہانا جائز نہ ہوگا۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے یہ چاروں مضامین اپنی فصیح و بلیغ تقریر میں حج کو

بعد عام طور پر بیان فرما دیئے۔ اور نیز وہ اونٹ جو حضرت ابوبکر صدیق رض جناب ختمی مآب کی طرف سے قربانی کے لئے لائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالٰے نے ہی نحر فرمائے۔

نجاشی کی نماز جنازہ۔ اسی سال میں نجاشی بادشاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور آپؐ نے مدینہ منورہ میں مع اصحاب کبار غائبانہ اُس کی نماز جنازہ پڑھکر دعائے مغفرت فرمائی۔

اسی سال آپؐ کی دوسری لڑکی حضرت ام کلثومؓ نے وفات پائی۔

مباہلہ سے عیسائیوں کا انکار۔ سنہ ۱۰ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کے دعوت اسلام کے لئے آپؐ نے ایک قاصد بھیجا تو اُن کے چودہ بڑے بڑے عالم اور بااثر لوگ بسر کردگی سید و عاقب کرز و الحارث آپؐ کے حضور میں مدینہ حاضر ہوئے۔ کہ سوائے بحث کے ہم کوئی بات نہیں مان سکتے۔ چنانچہ اُنہوں نے آ کے اپنے نزدیک بڑے پایہ کی بات پوچھی کہ حضرت عیسٰی اگر خدا نہیں تھے تو بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوگئے۔ جبکہ اُن کی عصمت و عظمت کے آپؐ بھی قائل ہیں۔ اسپر آیہ کریمہ ان مثل عیسٰے عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ نازل ہوئی کہ عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش اللہ تعالٰے کے نزدیک آدم کی پیدائش کے مطابق ہے۔ کہ مٹی سے پتلا بنا کر کہدیا۔ بن جا تو۔ وہ بن گیا بات تو ٹھکانے کی تھی مگر اسوقت اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔ اسپر آیہ مباہلہ نازل ہوئی۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم۔ ثم نبتھل فنجعل لعنت اللّٰہ علے الکاذبین۔ اگر اس سچی بات کے سُننے کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو اپنے بیٹوں اور بیویوں اور اپنے آپ کو جمع کر کے مباہلہ کرلو۔ یعنے خدا سے دُعا کرو کہ جھوٹوں پر لعنت ہو تو دیکھو اللہ جھوٹوں پر عذاب بھیجے گا۔

عیسائی پہلے تو اس بات پر راضی ہوگئے۔ مگر دوسرے دن وقت مقررہ

پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو ساتھ لے کے مدینہ کے باہر میدان میں تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے خوفزدہ ہو کر مباہلہ سے انکار کر دیا۔ کہ ایسا نہ ہو جیتے جی ہی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔ جب مباہلہ سے انکار ہوا تو آپ نے بدستور اسلام کی دعوت فرمائی۔ کہ یہی طریق نجات ہے۔ مگر ان کو نفسانیت نے اس پر بھی راضی نہ ہونے دیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا ملوا کو حکم گردان کر لو اُن سے فیصلہ کرا لو۔ لیکن اس پر بھی اُنہوں نے اپنی کمزوری بیان کی کہ آپ سے ہم لوگوں کو تاب مقابلہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے آخری شرط جزیہ کی پیش کی۔ جسے اُنہوں نے منظور کر لیا کہ ہم دو ہزار حلّے۔ تیس گھوڑے۔ تیس اونٹ۔ تیس زرہیں اور تیس نیزے ہر سال دیدیا کرینگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو منظور تو کر لیا مگر فرمایا کہ اچھا سود لینا تم کبھی چھوڑ دو۔ چنانچہ اُنہوں نے سود خوری سے توبہ کی۔ اور ایک امین اپنی سرداری کے لئے مانگا۔ جس پر آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امین مقرر فرما کے اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ یہیں سے ابو عبیدہؓ کا لقب امین الامتہ ہوا۔ الغرض ابو عبیدہ امین نجران مقرر ہوئے۔ تو چند ہی دنوں میں اُن کے حلم و تحمل اور نیکوکاری کو دیکھکر اہالیان نجران بھی اسلام لے آئے۔ اور جزیہ موقوف ہوا۔

یمن کا جدید انتظام۔ اسی سال باذان حاکم یمن کا انتقال ہوا۔ لہذا انتظام یمن کے لئے آپ نے متعدد اضلاع کر کے حضور علیہ السلام نے باذان کے بیٹے شہر ابو موسیٰ اشعری۔ عامر بن ہمدانی۔ علی ابن امیہ اور معاذ بن جبل انصاری پانچ شخص عامل مقرر ہوئے۔ اور پھر اس خیال سے کہ نئے انتظام میں لوگوں کو غدر و فساد کا خیال نہ ہو۔ تین سو سواروں کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی قاضی القضات اور حاکم اعلےٰ مقرر فرما کر روانہ فرمایا۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی نامزدگی سُنکر حضورؐ میں عرض کیا کہ میں جوان ہوں۔ اور قضاء کے علوم و آداب کا ماہر نہیں ممکن ہے کہ کسی مقدمہ میں غلطی ہو جائے لہذا کسی اور کو بھیجا جاتا تو بہتر تھا۔ مگر حضورؐ نے دعا فرمائی اللھم ثبت لسانہ

واھد قلبہ۔ الٰہی علیؓ کی زبان کو محکم اور دل کو روشن فرما۔ اس دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ امت مرحومہ میں حضرت علیؓ ایک نرور دزگار "داضی القضات" تسلیم ہوئے۔ اور آپ کا سینہ مبارک اسرارِ علوم اور نکاتِ معرفت کا خزینہ بن گیا۔

حجۃ الوداع یا حجۃ البلاغ

ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلعم نے جو حج فرمایا ہے اُسے حجۃ الوداع اسلئے کہا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی عمر میں یہ آخری حج تھا یعنے اسی کے چند ماہ بعد آپ کی وفات ہوئی ہے اور حجۃ البلاغ اسواسطے کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کو بھی اپنے اس انتقال کی خبر ہو چکی تھی۔ اسلئے آپؐ نے اس حج میں بسلسلہ مواعظ و نصائح فرمائے۔ کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اور چونکہ حضورؐ نے چلتے وقت عام طور پر یہ بھی فرما دیا تھا۔ کہ خذوا عنی مناسککم فانی لا احج بعد عامی ھذا یعنے مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔ کہ میں اسکے بعد حج نہ کرسکوں گا" لہٰذا اس سفر کے حالات ضروری کا دیدینا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

روانگی۔ آنحضرتؐ ۲۵- ذیلقعدہ سنہ ۱۰ ہجری کو معہ تمام ازواج مطہرات حضرت فاطمۃ الزہرؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد ادائے نماز ظہر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو عام مسلمانوں کا ایک عظیم الشان گروہ جسکی تعداد اکثر نے ایک لاکھ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھی ہے۔ ہمرکاب سعادت انتساب ہوا۔ کیونکہ آپؐ نے پہلے سے اپنے ارادہ حج کا اعلان تمام قبائل عرب میں کر رکھا تھا۔

احرام۔ ذوالحلیفہ میں پہنچکر آپؐ نے نماز عصر قصر سے پڑھکر احرام[1] باندھ لیا۔ اور

---

[1] بعض کے نزدیک آپؐ نے حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا تھا۔ جسے قران کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک تمتع کا احرام تھا مگر امام ابوحنیفہ بلکہ شافعی کا بھی یہی خیال ہے کہ قران کی نیت سے ۔ ۔ ۔ باندھا تھا ۱۲

سب کو ارشاد فرمایا۔ کہ جسکے پاس ہدیہ ہو وہ تو حج کا احرام باندھے اور جسکے
پاس ہدیہ نہ ہو وہ عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھ لے یا دونوں کی نیت سے
غرضکہ ہر شخص اپنے حسب منشاء عمل کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے حج و عمرہ ایک وقت
میں ہوا کرتا تھا۔ اسلئے ایک یہ مسئلہ بھی حضورؐ نے حل فرما دیا اور ان الفاظ میں
لبیک کہنا شروع کیا۔ لبیک اللھم لبیک سعدیک والخیر فی یدیک لبیک
والرغباء الیک والعمل۔

درمیانی حالات۔ رستہ کے استعمال کے لیئے جو سویق و آرد وغیرہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اُسے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اونٹ پر
رکھ لیا تھا۔ مگر راہ میں وہ اونٹ کہیں گم ہو گیا۔ حضرت صدیقؓ غلام پر سخت خفا
ہو رہے تھے۔ کہ آپؐ نے منع فرمایا۔ اور پھر وہ اونٹ بھی مل گیا۔

راہ میں منزل ابوا آیا۔ وہاں پر مصعبؓ بن جثامہ نے ایک گورخر شکار کر کے اس کا
کچھ گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی بطور ہدیہ پیش کیا۔
تو آپؐ نے اسکے قبول کرنے سے بایں وجہ انکار کیا۔ کہ یہ شکار تم نے احرام
باندھنے کے بعد کیا ہے۔

منزل سوھا میں ایک عورت نے اپنے ایک کم عمر لڑکے کو پیش کر کے عرض کیا۔ کہ
یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کا حج ہو جاتے گا۔ آپؐ نے فرمایا نعم
ولک اجرا۔

ورود مکہ۔ ۴ ذوالحجہ کو آپؐ باب بنی شیبہ پر پہنچے تو وہاں سے کعبۃ اللہ نظر آتا
تھا جسکے دیکھتے ہی آنحضرت صلعم نے یہ دعا پڑھی۔ اللھم زد ھذا البیت
تعظیماً و تشریفاً و تکریماً و مھابۃً و زد من عظمہ ممن حجہ واعتمرہ و تشریفا
و تکریماً۔ جسکے بعد مسجد الحرام میں تشریف لے جا کر حجر الاسود کو بوسہ دیا اور سات بار
طواف کعبہ فرمایا۔ طواف کے وقت آپؐ نے ردائے مبارک دائیں بغل کے نیچے سے
نکال کے بائیں شانہ پر ڈالی ہوئی تھی۔ اور سات باروں میں سے تین بار تو آپؐ نے

دوڑ کے طواف فرمایا تھا۔ اور چار دفعہ آہستہ آہستہ چلے۔ لیکن ہر شوط میں رکن یمانی
کا مس اور حجر اسود کا استلام آپ فرما لیتے تھے اور ان دونوں کے مابین قرآن شریف
کی یہ آیت پڑھتے تھے۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ اور جب طواف کے
بعد مقام ابراہیم کے پاس رونق افروز ہوئے تو فرمایا۔ واتخذوا من مقام ابراھیم
مصلی۔ اور پھر مقام ابراہیم اور بیت اللہ کے درمیان کھڑے ہو کر دو رکعت
نماز پڑھی جس کی پہلی رکعت میں الحمد کے ساتھ سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور
دوسری میں سورۃ اخلاص شامل فرمایا گیا۔

بعد نماز پھر آپ حجر الاسود کا استلام فرماتے ہوئے باب الصفا میں ہوتے ہوئے
کوہ صفا کی طرف تشریف لے گئے اور اس موقع پر آپ نے ان الصفا والمروۃ من
شعائر اللہ کی آیت پڑھی اور پھر صفا و مروہ کے درمیان بھی حسب دستور تین دفعہ
تو تیز گامی کے ساتھ اور چار دفعہ آہستہ خرامی کے ساتھ سعی فرمائی۔ سعی میں جب آپ
کوہ صفا پہ جاتے اور رو بقبلہ ہو کے یہ کلمات پڑھتے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو
حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر۔ لا الہ الا اللہ وحدہ
انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

دعا۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ دعا مانگی۔ انا نسالک موجبات رحمتک وعزائم
مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ
ولا ھما الا فرجتہ ولا کربا الا کشفتہ ولا حاجۃ من حوائج الدنیا و
الآخرۃ الا قضیتہا۔

اور یہ دعا بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اللھم انک قلت ادعونی استجب لکم
وانک لا تخلف المیعاد وانا اسالک کما ھدیتنی الاسلام ان لا تنزعہ
منی حتی تتوفانی وانا مسلم۔

اور صفا و مروہ کے درمیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔

ربّ اغفر وارحم انک انت الاعزّ الاکرم۔

سعی سے فراغت کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ جن کے پاس ہدی ہوں وہ تو بدستور احرام میں رہیں اور جن کے پاس ہدی نہ ہو وہ بیشک احرام کھول دیں۔ اس پر سراقہ بن مالکؓ نے عرض کیا کہ حج و عمرہ کا قِران صرف اسی سال کے لئے ہے یا آئندہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ دخلت العمرۃ فی الحج الی یوم القیامۃ۔

مختصراً تین شب روز وہیں قیام فرمانے کے بعد آپ منا میں تشریف لے گئے اور بروز پنجشنبہ احرام حج باندھ کر ظہر عصر اور مغرب عشا کی چار نمازیں وہیں پڑھیں۔ وہیں ایک عورت نے آپؐ سے سوال کیا کہ حضور میرا والد نہایت بوڑھا ہے میں اسکی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ اور آپؐ نے فرمایا بیشک!

۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ ہجری کو طلوع صبح وہاں سے چلکر عرفات کی طرف تشریف لائے جہاں پاس ہی ایک موضع نمرہ میں آپؐ کے لئے ایک خیمہ نصب ہو چکا تھا۔ جہاں پر کچھ آرام کے بعد آپؐ نے بسواری شتر بطن وادی میں بمقام عرفہ رونق افروز ہو کر تشہد و نعت کے بعد اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک فصیح و بلیغ خطبہ سنایا جس کے الفاظ یہ تھے۔

ایھا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابدا ایھا الناس ان دماءکم واموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا وحرمۃ شھرکم وستلقون ربکم فیسالکم عن اعمالکم وقد بلغت فمن کان عندہ امانۃ فلیودھا الی من ائتمنہ علیھا وان کل ربا فھو موضوع ولکن لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی اللہ انہ لا ربا وان ربا العباس بن عبدالمطلب موضوع کلہ وان کل دم کان فی الجاھلیۃ موضوع کلہ وان اوّل دم یوضع دم ربیعۃ بن الحرث بن عبدالمطلب وکان مسترضعا فی بنی لیث فقتلہ بنو ھذیل فھو اوّل ما ابدا من دم الجاھلیۃ ایھا الناس ان الشیطان قد یئس من ان یعبد بارضکم ھذہ ابدا ولکنہ رضی

ان يطاع فيما سوى ذلك مما تحقرون من اعمالكم فاحذروه على دينكم ايها الناس انما النسئ زيادة فى الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاماً ويحرمونه عاماً ليواطؤا عدة ما حرم الله فيحلوا ما حرم الله ويحرموا ما احل الله الا وان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموٰت والارض وان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً فى كتاب الله يوم خلق السموٰت والارض منها اربعة حرم ثلاثة متوالية ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب الفرد الذى بين جمادى وشعبان اما بعد ايها الناس فان لكم على نسائكم حقاً ولهن عليكم حقاً لكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احداً تكرهونه وعليهن ان لا ياتين بفاحشة مبينة فان فعلن فان الله قد اذن لكم ان تهجروهن فى المضاجع وتضربوهن ضرباً غير مبرح فان انتهين فلهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خيراً فانهن عندكم عوان لا يملكن لانفسهن شيئاً وانكم انما اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمات الله فاعقلوا ايها الناس واسمعوا قولى فانى قد بلغت قولى وتركت فيكم ما ان استعصمتم به فلن تضلوا ابداً كتاب الله وسنة نبيه ايها الناس اسمعوا قولى واعلموا ان كل مسلم اخ للمسلم وان المسلمين اخوة فلا يحل لامرئ من مال اخيه الا ما اعطاه اياه من طيب نفس فلا تظلموا انفسكم۔

ترجمہ: اے لوگو میرے کہنے کو تم سنو کیونکہ میں بلا شبہ آئندہ اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے ملنے کا یقین نہیں کر سکتا ہوں۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں تاآنکہ تم اپنے رب سے ملو (یعنی قتل و غارت تا قیامت ممنوع ہے) جیسا کہ تمہارا یہ دن اور تمہارا یہ مہینہ حرام ہے اور عنقریب تم لوگ اپنے رب سے ملو گے۔ پس وہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال کرے گا۔ (یعنی وہ تم سے

تمہارے کام کا حساب لے گا) اور بے شک میں نے اُس کا پیام پہنچا دیا - پس جس
شخص کے پاس امانت ہو چاہیئے کہ وہ اُسکو سپرد کردے جو اُس کا امین ہو اور
اگر ہو وہ ربا ہیں وُہ ساقط ہے اور تمہارے لئے راس المال ہے نہ ظلم کرو
تم نہ ظلم کئے جاؤ گے - اللہ نے حکم دیا ہے کہ ربا نہیں ہے - اور اگرچہ عباس بن
عبد المطلب نے ہی ربا کیا ہو تو وُہ بھی سب ساقط ہے اور بیشک جاہلیت کا
کل خون سب کا سب ساقط ہے اور بیشک پہلا وُہ خون جو وضع کیا جاتا ہے
ربیعہ بن الحرث بن عبد المطلب کا خون ہے جن کی رضاعت بنو لیث میں ہوئی
تھی اور اُن کو بنو ہذیل نے قتل کیا - پس وُہ جاہلیت کا پہلا خون ہے جس سے
میں آغاز کرتا ہوں - اے لوگو بلا شبہ شیطان اس سے نا اُمید ہو گیا ہے کہ اسکی
پرستش تمہارے اس سرزمین میں کبھی کی جائے اور لیکن اس پر وُہ راضی ہو گیا
ہے کہ اسکے سوا اسکی تمہارے اُن اعمال میں اطاعت کی جائے گی جن کو
تم حقیر جانتے ہو (یعنے وُہ اُس سرزمین میں اپنی پرستش سے نا امید ہو گیا ہے
لیکن اور فروعات میں اسکو اپنی اطاعت کی اُمید ہے - خلاصہ اسکا یہ ہے
کہ عرب میں شرک نہ ہو گا - لیکن اور فروعات میں افراط و تفریط ہو گی)
پس اُس سے اپنے دین میں بچو - بیشک نسئی شہور کفر میں زیادتی ہے - گمراہ
کرتے ہیں اُس سے اُن کو جو کافر ہوتے ہیں وُہ حلال کرتے ہیں اس کے سال
کو اور حرام کر لیتے ہیں اسکے دوسرے سال کو تاکہ روندیں اُس تعداد کو جس کو
اللہ نے حرام کیا ہے - پس وُہ حلال کرتے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے - اور
حرام کرتے ہیں اسکو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے - خبردار رہو بیشک زمانہ
پھرنے والا ہے مثل صورت اُس دن کے جبکہ اللہ نے آسمانوں اور زمین
کو پیدا کیا ہے اُن کے چار (مہینے) حرام ہیں - تین پے در پے آنے والے ذوالقعدہ
و ذوالحجہ و محرم اور رجب - تنہا جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے -
بعد اسکے اے لوگو بے شک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور ان کا بھی

ضرور حق ہے۔ تمہارا حق اُن پر یہ ہے کہ وُہ تمہارے بچھونے کو اُس سے نہ روندائیں
جسے تم بُرا جانو اور اُن پر یہ کہ وُہ کوئی بُرا کام کھلا ہوا نہ کریں پس اگر وُہ کریں تو
بیشک اللہ نے تم کو اجازت دی ہے اسکی کہ تم لوگ ان کو اپنی خوابگاہوں سے
علیحدہ کردو اور تم اُن کو ایسی مار مارو جسے چوٹیں پھوٹیں نہیں۔ پس اگر اُس سے
باز آئیں تو اُن کو کھانا کپڑا نیکی سے دو۔ اور عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو
پس بے شک وُہ تمہارے حصہ میں شریک ہیں جو اپنے نفس کے لئے کسی
شے کی مالک نہیں ہیں اور بے شک تم نے اُن کو اللہ کی امانت سے لیا ہے
اور حلال کیا ہے تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمات سے پس اسکو
تم لوگ واجب جانو۔ اے لوگو میرے کہنے کو تم سُنو بیشک میں نے اپنا قول
تم تک پہنچا دیا اور چھوڑی ہیں میں نے تم میں وُہ چیز کہ اگر تم اُسے پکڑو گے تو ہرگز گمراہ
نہ ہوگے (وُہ کیا ہے) اللہ کی کتاب اور سُنت اُس کے نبی ﷺ کی۔ اے لوگو
میرے کہنے کو سُنو اور جانو تم کہ کل مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی
ہیں۔ پس نہیں حلال ہے کسی شخص کو اپنے بھائی کے مال سے کھانا لیکن وُہ
جسکو اپنی طیب خاطر سے دیا جائے۔ پس نہ ظلم کرو تم اپنے نفسوں پر"
اختتام خطبہ کے بعد حضور علیہ السلام نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے
دریافت فرمایا۔ کہ مسلمانو! قیامت کے دن میری بابت تم سے پوچھا جائے گا
تو کیا جواب دوگے؟ اسپر متفقہ چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ کہ یا رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم! آپنے حقوق رسالت و امانت بہت اچھی طرح ادا فرمائے
نصیحت و ہدایت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ہدایت کامل میں آپ نے
تمام پیغمبروں سے بڑھ کر کام کیا ہے۔ آپ ﷺ کلمات سُنتے ہوتے انگشت سبابہ
آسمان کی طرف سے زمین کی طرف لا کر فرماتے جاتے تھے۔ اللّٰھم اشھد
اللّٰھم اشھد۔ اللّٰھم اشھد۔ الٰہی تو گواہ رہیو۔ الٰہی تو گواہ رہیو
الٰہی تو گواہ رہیو۔ اور پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

اللھم لک الحمد کالذی تقول وخیرا مما تقول اللھم لک صلاتی ونسکی
ومحیای ومماتی والیک مآبی ولک رب تراثی اللھم انی اعوذ بک من
عذاب القبر ووسوسۃ الصدر وشتات الامر اللھم انی اعوذ بک
من شر ما تجیء بہ الریح اللھم انک تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سری
وعلانیتی ولا یخفی علیک شیء من امری انا البائس الفقیر المستغیث
المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنوبہ اسألک مسألۃ المسکین
وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر
من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عیناہ وذل لک جسدہ ورغم
لک انفہ اللھم لا تجعلنی بدعائک شقیا وکن بی رؤفا رحیما یا
خیر المسؤلین ویا خیر المعطین۔

ترجمہ:- یا الٰہ العالمین جیسی تعریف کے لئے تو حکم کرے ویسی ہی تعریف کا تو
سزاوار ہے تو اس سے برتر و اعلیٰ ہے جیسا کہ ہم تجھے کہیں یا الٰہی میری نماز
میری عبادت میری زندگی میری موت تیرے ہی لئے ہے میں تیری ہی طرف
رجوع ہوں۔ اے میرے پروردگار میری میراث تیرے ہی واسطے ہے یا اللہ
میں عذاب قبر سے دل کے وسواس سے اور کام کے پراگندہ ہونے سے تیری
پناہ مانگتا ہوں یا اللہ میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جسے ہوا اپنے
ساتھ لائے یا الٰہ العالمین تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ دیکھتا ہے اور تو میرا
باطن و ظاہر جانتا ہے اور میرا کوئی حال تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں نہایت
حاجتمند فقیر ہوں۔ فریاد چاہنے والا ہوں پناہ مانگنے والا ہوں خوفناک ڈرنے والا
ہوں اور اپنے گناہوں کا مقر اور معترف ہوں میں مسکینوں کی طرح تجھ سے مانگتا ہوں
اور ذلیل گنہگاروں کی طرح تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں اور زاری کرتا ہوں یا اللہ
میں تجھے اُس طرح پکارتا ہوں جیسے کوئی آفت رسیدہ ڈرنے والا پکارتا ہو جسکی
گردن تیرے آگے جھکی ہو اور جسکے آنسو تیرے لئے بہتے ہوں اور اسکا بدن تیرے

ہی واسطے ذلیل ہو اور اُسکی ناک تیرے لئے مٹی میں ملی ہو یا الٰہی مجھکو اپنے پکارنے سے محروم اور بدبخت نہ رکھیو اور اسے بہترین اُن شخصوں کے جن سے سوال کرتے ہیں اور اسے بہترین دینے والے تو میرے واسطے بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہوجا۔"

اتمام کارروائی کے بعد حسب الحکم نبوی حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور ایک وضو اور ایک اذان سے ظہر و عصر کی نماز میں قدرے توقف کے ساتھ ادا فرماکے بسواری شتر موقف میں تشریف لاکر روبقبلہ دیر تک نہایت عجز و الحاح اور کمال خشوع و خضوع کیساتھ آپ نے دعا مانگی۔ بلکہ حاضرین سے یہی فرمایا کہ یہہ وقت اور دن دعا کے لئے بہت بڑا مبارک ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو بڑی دعائیں میں نے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں نے کی وہ یہ ہے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علےٰ کل شیٔ قدیر۔ اُسی دن یہ آیت شریف نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

ترجمہ آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا۔

عوام تو بہت خوش ہوئے۔ مگر خاص رمز شناس سخت اندوہگین ہوگئے کہ اس سے فراق پیغمبر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ تو دیر تک روتے رہے۔ پس وہاں سے مغرب کیوقت حضور اسامہ بن زید کو اپنا ردیف کئے ہوئے اونٹ پر سوار مزدلفہ تشریف لائے۔ اور مغرب و عشا کی نماز میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ پڑھ کے وہیں شب باش بھی ہوئے۔ جہاں سے صبح مشعر الحرام میں رونق افروز ہوکے قبلہ رو تکبیر و تہلیل و توحید کہتے رہے۔ اس موقع پر فضل بن عباسؓ آپ کے ہمردیف تھے۔ آفتاب بخوبی چڑھ آیا تھا۔ کہ آپ نے شجرہ کے متصل جمرہ پہنچکر محل سے پر قیام فرمایا۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے آپ کے

کنکریاں چن رکھی تھیں - چنانچہ آپ نے ایک ایک کر کے سات کنکریاں ہر ایک پر تکبیر کہتے ہوئے پھینکیں اس سے بھی فراغت پائی اور مقام منیٰ میں ایک اور خطبہ سنایا جس میں بدستور دقیق خطبہ میرے پچھلے تھے - اور یہ بھی فرمایا کہ اب میں نے تم کو امرِ الٰہی صراط المستقیم پر لگا دیا ہے - میرے بعد اسے بھول کر گمراہ نہ ہو جانا - اور باہم نفاق ہرگز نہ رکھنا - نیز خروج دجال اور اسکے علامات و شکل و شمائل کا بھی کچھ تذکرہ فرمایا -

قربانی - خطبہ سے فارغ ہو کر آپ قربانگاہ میں رونق افروز ہوئے - جہاں ایک سو اونٹ حضور کے لئے مہیا تھا - چنانچہ تریسٹھ اونٹ اپنی عمر شریف کے سالوں کے مطابق آپ نے نحر کئے اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اب تم انہیں اپنی طرف سے نحر کرو - چنانچہ سینتیس اونٹ اپنی عمر کے برسوں کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نحر فرمائے -

حجامت - قربانی سے فراغت کے بعد آپ نے حجامت بنوائی اور عوام و خواص کو ارشاد فرمایا کہ تمام موئے مبارک ازواج مطہرات اور اصحاب حاضرین میں تقسیم فرما دیئے - چنانچہ اب جو جا بجا جگہ موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے - اس کی بنیاد یہی واقعہ ہے -

تناول گوشت قربانی - قربانی و حجامت کے بعد آپ نے تمام قربان شدہ اونٹوں کے گوشت میں سے تھوڑا تھوڑا پارچہ لے کر ایک بڑی دیگ میں پکوایا - اور حضرت علیؓ کے ساتھ بیٹھ کر اسے تناول بھی فرمایا - اور قصاب کو نقدا اجرت مرحمت فرما کر قربانیوں کا گوشت سب میں تقسیم کرا دیا گیا -

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حالت احرام میں حیض آگیا تھا - جس سے وہ سخت متردد اور کچھ منفعل بھی رہی تھیں مگر آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا یہ کوئی نئی بات ہے - تمام عورتوں کو حیض آیا ہی کرتا ہے پس سوائے طواف کے تمام اور مشروط سب بجا لائیں اور جب پاک ہو جائیں تو غسل کر کے طواف

غدیر میں تو سب لوگ حضرت علیؓ کو مبارکباد دینے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ یا علیؓ تمہاری بڑی شان ہے کہ ہر مسلمان پر تمہاری دوستی واجب ہو گئی۔ اور آج سے آپ ہمارے مولا ہوگئے حتیٰ کہ اسکے بعد یہ دونوںؓ بھی حضرت علیؓ کے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ جس کی حد و انتہا نہیں۔ الغرض حضورؐ کے اس ارشاد سے حضرت علیؓ کے مخالفین نہ صرف موافق ہی ہوگئے بلکہ عاشق کہنے چاہئیں۔

قرآن اور اہلبیت۔ اسی موقع پر آپؐ نے مقام خم غدیر میں لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک تو قرآن اور دوسرے اپنے اہلبیت۔ پس اگر تم ان دونوں کی حفاظت کرو گے تو ہمیشہ فلاح پاؤ گے۔ قرآن پر آپؐ نے اس لئے فرمایا کہ قرآن ہی ایک مکمل قانون ہے۔ جو اللہ تعالے نے مخلوق کی بہتری کے لئے ابد تک کے لئے نازل فرمایا۔ اور اہلبیت ہی اسکے جاننے اور سمجھنے میں افضل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت ان سے زیادہ کس نے پایا ہے۔

مدعیان نبوت کی جسارت۔ فراغت حج کے بعد جب حضور ممدوحؐ مدینہ طیبہ کو رونق افروز ہوئے۔ اور سنہ ۱۱ ہجری شروع ہوا۔ تو اس خیال سے کہ آنحضرتؐ نے اپنی رحلت کے متعلق کھلے طور پر تذکرات فرمائے تھے۔ بعض شعبدہ بازوں کو بھی تحریک ہوئی۔ اور انہوں نے بھی اظہار نبوت کے ذریعہ شان و نمود حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے تو آپؐ کو چند قاصدوں کے ہاتھ یہ خط لکھ بھیجا۔

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فان الارض نصف لی ولقریش نصف ولکن قریش یعتدون۔

ترجمہ: ملک آدھا میرا ہے اور آدھا قریش کا۔ لیکن قریش اپنے نصف میں زیادتی کرتے ہیں۔

یہ خط آپؐ کو مدینہ میں اُسوقت ملا جب آپؐ مسواک کر رہے تھے۔ جسکے سُننے سے آپ متبسم ہوئے۔ کہ کسقدر دلیری اور کتنی بڑی جسارت ہے قاصدوں سے آپؐ نے پوچھا کیا میں رسُول اللہ نہیں ہوں؟ اُنہوں نے کہا۔ بیشک آپؐ رسُول برحق ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مسیلمہ پھر کیسے ہم سے برابری کرتا ہے اُنہوں نے کہا وہ بھی تو رسُول ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اُسے ہلاک کریگا اور مجھ سے تو اگر (مسواک کی طرف اشارہ فرما کر) یہ بھی مانگے تو نہ پائے گا پھر جواب نامہ لکھوایا۔ جسکی یہ عبارت تھی۔

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذّاب۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ قد بلغنی کتابک کتاب الکذب والافک والافتراء علے اللہ فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

ترجمہ "محمد رسُول اللہ کیطرف سے جھوٹے مسیلمہ کو معلوم ہو کہ تمہارا خط جو خدا پر جھُوٹ و بہتان اور افترا سے لبریز ہے۔ پہنچا۔ زمین اللہ تعالےٰ کی ملکیت ہے اور وہ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کی ہی بہتر ہے"

قاصد اس جواب کو لے گئے۔ تو رستہ میں کسی عالم نے دیکھکر کہا کہ بیشک پیغمبروں کی یہی شان ہے۔ جو حضورؐ کے جواب سے ظاہر ہوتی ہے[۱]

اس کے علاوہ **سجاح نام** ایک عورت بھی جو بڑی شاعرہ تھی پیغمبری کا دعوےٰ کرنے لگی۔ مگر مسیلمہ کے دامِ تزویر میں آکر اُسکے نکاح میں آگئی۔ اور دونوں کی جھوٹی پیغمبری کا وصل ہوگیا۔ آخرش مسیلمہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت مارا گیا اور سجاح مسلمان ہوگئی۔

اسی سال **اسود عنسی** (جو ایک شعبدہ باز کاہن تھا اور پہلے مسلمان ہوچکا تھا)

[۱] بعضوں نے اس واقعہ کو ۹ھ ہجری میں لکھا ہے۔

تھا مرتد ہوا - اور باذان گورنر یمن کے مرنے پر اس نے بھی صنعا پر قبضہ کرکے اپنی نبوت کا اعلان کردیا - لیکن یہ شخص فیروز دیلمی خواہرزادہ نجاشی کے ہاتھ سے واصل بجہنم ہوگیا - اور اسکے مقدمہ نے زیادہ طول نہیں کھینچا -

طلیحہ نامی ایک شخص قبیلہ بنی اسد میں سے تھا - اسکو بھی یہی مالیخولیا ہوا - مگر خالدؓ کی تاب مقابلہ نہ لاکر آخرش پھر مسلمان ہوا - اور جنگ نہاوند میں مسلمانوں کیطرف سے شہید ہوا - غرضکہ جتنے جھوٹے اُٹھے تھے - اُن کا انجام بخیر نہ ہوا - اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنی کیفرِ کردار کو پہنچ گئے -

ذوالکلاع حمیری بھی سنہ ۱۱ ہجری میں جبکہ بعض بوالہوسوں نے پیغمبری کے دعوے شروع کر رکھے تھے - طائف کے بادشاہ ذوالکلاع نے بھی شان غروری دکھانی شروع کی - یہ شخص قوم تبع میں سے تھا - اور اسکی قوم اسے سجدہ کرتی تھی - آنحضرت صلعم کو اطلاع ملی تو آپ نے جریرؓ بن عبداللہ کو اسکی ہدایت کے لئے بھیجا - یہ وہ زمانہ تھا کہ حضورؐ کی طبع مبارک علیل تھی - جریرؓ کے آتے آتے آپ انتقال فرما گئے - اور اس وقت یہ بات زیادہ نہ بڑھ سکی - مگر آخرالامر حضرت عمرؓ کے وقت میں یہ شخص مسلمان ہوگیا - اور حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق اسنے اپنے اٹھارہ ہزار غلام بھی آزاد کردیئے اور شان غروری چھوڑکر فقر و مسکنت کو اپنا شعار بنا لیا - حضرت عمرؓ نے اسے فرمایا تھا کہ اگر تم ان غلاموں کو آزاد کردو تو ہم ان کی قیمت تمہیں ادا کردیں گے - اور کچھ جاگیر بھی اضافہ کرینگے مگر اس نے ہدایت پاکے قیمت لینا منظور نہ کیا اور تمام غلاموں کو عنداللہ آزاد کردیا - جزاک اللہ فی الدارین خیرا -

عاملان اسلام - سنہ ۱۰ ہجری کے آخر یا سنہ ۱۱ ہجری کے شروع میں جو عامل حضور علیہ السلام نے مقرر فرمائے تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں -

۱ - یعلی بن امیہ سپہ سالار عساکر - ۲ - ابوموسیٰ اشعری حاکم معافر زبید ۳ - عامر بن شہر حاکم ہمدان - ۴ - طاہر بن ابی ہالہ حاکم عک - ۵ - خالد بن سعید حاکم نجران و رمع و زبید - ۶ - عمرو بن حزم حاکم اہل نجران ۷ - زیاد بن لبید

حاکم دیارِ حضرموت ۸ - معاذ بن جبل ناظم تعلیم فقہ و قرآن حضرموت ۹ - عبداللہ بن ابی امیہ سپہ سالار لشکر حضرموت - ۱۰ - عکاشہ بن ثور حاکم سکاسک و سکون - ۱۱ معاویہ بن کندہ - مددگار حاکم - ۱۲ - عدی بن حاتم طائی عامل زکوٰۃ قبیلہ طے و اسد - ۱۳ - مالک بن نویرہ عامل صدقات و جزیہ بنی حنظلہ ۱۴ - علا بن الحضرمی حاکم بحرین - ۱۵ - علی ابن ابیطالبؓ عامل صدقات و جزیہ ملک نجران - ۱۶ شہر بن باذان گورنر صنعا -

حدیث جبریلؑ - یہ بھی قابلِ ذکر ہے - کہ انہیں ایام اخیر میں حضرت جبریلؑ امین آپؐ کے حضور میں بصورتِ انسانی سب کے سامنے حاضر ہوئے اور چار سوالات جو گویا اسلام کے روح رواں تھے - آپؐ سے دریافت فرمائے - یعنے ایمان اسلام - احسان کے معنے - قیامت کی نشانیاں حضورؐ کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے -

۱ - ایمان یہ ہے - کہ انسان کا دل صدقِ نیّت سے خدا کی محبت کرے اور اُس کے پیغمبروں اور فرشتوں اور بعث و نشر اور قیامت کو بدرجۂ حق الیقین مان لے -

۲ - اور اسلام یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے اقرارِ صحیح کے بعد نماز روزہ اور بشرط طاقت زکوٰۃ و حج کی ادائیگی -

۳ - اور احسان و اخلاص سے یہ مُراد ہے - کہ خدا کی عبادت اس اخلاص و استغراق و ادب سے کرے - کہ گویا خدا سامنے بیٹھا ہے - اور یہ نہ ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ عابد یہ سمجھ لے کہ وہ خدا کے سامنے بیٹھا ہے - اور خدا اُس کی جملہ نہانی و عیانی حرکات کو دیکھ رہا ہے -

۴ - قیامت کا حال اللہ پر روشن ہے مگر عام نشانی یہ ہے - کہ جب بد تہذیب لوگ اپنی بد تہذیبی پر شیخی مارنا اور فخر کرنا شروع کردیں - اور محبت الٰہی دلوں سے مفقود ہو جائے تو سمجھو کہ قیامت نزدیک ہے -

فصل پنجم

آنحضرت صلعم کی وفات

ای دل! بچشم زخم حوادث فگار شو
اے چشم از طراوش غم اشکبار شو

اے خون! بدیدہ در رگ داز جگر برست
اے سر! بہ غصہ خاک سیر رہگذار شو

اے خاک! چرخ گر نتواں زد بپا درآ
اے چرخ! خاک گر نتوانی غبار شو

اے نوبہار! چوں تنِ بسمل بخوں غلط
اے روزگار! چوں شبِ سیاہ تار شو

اے ماہتاب! رشتے لیلی بگیسو کش
اے آفتاب! داغ دل روزگار شو

اے فتنہ! باد صبح ذریدا ینقدر مخسپ
اے رستخیز! وقت رسید آشکار شو

آہ ایں چہ سیل بود کہ مارا ز سر گذشت
تنہا نہ سر مگو کہ ز دیوار و در گذشت

سچ تو یہ ہے کہ اس واقعہ روح فرسا اور حادثہ جاں گداز کے پر اظہار تاسف و تالم و تحسر کے لئے وہ تمام الفاظ ناکافی تو کیا محض نا ہیچ ہیں جو ایسے مواقعات پر لکھے جاتے ہیں مگر یہ حالت ہمارے اپنے ہی قلوب کی ہے ورنہ رمز شناسانِ حقیقت تو ان واقعات پر سوائے اسکے کچھ نہیں کہا کرتے کہ ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اسکے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ بیٹھے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

وفات کے لغوی معنے ہیں - پورا ہونا عمر کا - اور چونکہ موت ہی عمر کو پورا کرنے والی چیز ہے - اسلئے وفات کا لفظ موت کے ساتھ لازم و ملزوم ہو چکا ہے کہ اس سے متوفی کے مشن حیات کا پورا ہونا مستنبط ہوتا ہے۔

لفظ وفات پر اگر غور کیا جائے تو یہ کوئی رنجیدہ لفظ نہیں ہے - اگر کوئی شخص اپنے ایام حیات کو کامل کرلے - تو گویا اس نے ایک قسم کی منزل طے کرلی اور

اب جب تمام مذاہب کے آئندہ زندگی کے میدان میں قدم رکھدیا ۔ جس کا ثبوت لفظ انتقال بھی دے رہا ہے ۔ جسکے معنے نقل مکانی کے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ روحانی لوگ وفات کو کچھ بُرا نہیں جانتے ۔ اور موت کو ناپسند نہیں کرتے کیونکہ وُہ دنیاوی بکھیڑوں میں اسقدر پڑتے ہی نہیں کہ جن سے نکلنے کا کچھ رنج بھی ہو سکے ۔ بلکہ وُہ لوگ دنیا کو عالم فانی سمجھ کے خود ہی سوائے تن پرستی و شکم پروری کے لذائید دنیوی سے بہرہ مند ہونا نہیں چاہتے ۔ اور اس تمام زندگی کو دنیوی تلخکامیوں کے ساتھ صرف اس امید پر گذار دیتے ہیں کہ جو زندگی موت کے بعد شروع ہونے والی ہے ۔ اُس کی خوبی میں کوئی فرق نہ آنے پائے ۔ پس ایسے لوگ موت کے ڈونالؤ در کنار ایک طرح پر اسکی متمنی رہتے ہیں ۔ چنانچہ اسی خیال سے ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

مرگ اگر مرد است گو نزد من بیا ۔ تا بگیرم در کنارش تنگ تنگ
من ازو یابم عمر جاوداں ۔ او زمن یک کہنہ دلق رنگ رنگ

اسی طرح ایک اردو شاعر نے بھی قبر کو انہیں لوگوں کی زبانی اس طرح خطاب کیا ہے ؎

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے ۔ اک خلق سے منہ موڑ کے پایا ہے تجھے
کس طرح لپٹ کے تجھ سے سوؤں نہ اے قبر ۔ مَیں نے بھی تو جاں دیکے پایا ہے تجھے

اِس تمام استقلال اور پامردی کا باعث یہ ہے کہ بقائے روح کا مسئلہ اُن لوگوں پہ بمنزلہ حق الیقین کے ثابت ہوتا ہے ۔ اور وُہ اپنے منازل و مراحل آئندہ کو براء العین دیکھ چکے ہوتے ہیں ۔ کیونکہ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین یعنی "عبادت کر اپنے رب کی جب تک جائے یقین کو نہ دیکھ لے" سے بھی یہی مطلب ہے ۔ بعض مفسرین نے یقین کو موت سے تعبیر کیا ہے ۔ بعض نے مقامات عالم آئندہ سے مراد لی ہے ۔ مگر جو کچھ ہو ۔ ایسے اشخاص بسبب اپنی وسعت نظر و علم کے اپنے دنیوی ایام حیات کے گذر جانے کو مرجانا نہیں سمجھتے جیسا

خواجہ حافظ نے کہا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں

لیکن عام طور پر وفات ایک نجندہ چیز تسلیم کی جاتی ہے جسکی وجہ یہ ہے ایک تو مرنے والے کو خود بھی بسبب علایق دنیوی کی دلبستگی کے اس زندگی سے پورا ہو جانے کا غم و الم ہوتا ہے۔ اور دوسرا اسکے متعلقین و محبین اور نہیں یا فتوں کو بوجہ دیرینہ محبت و صحبت و آشنائی اور حصول منافع کے رنج و قلق پہنچتا ہے۔ انہیں دو باتوں نے موت کی صورت نہایت ڈراونی اور مہیب بنا دی ہے۔ اور اسپر اظہار تاسف کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔ ورنہ مرنے سے آدمی کی تھوڑا ہی جاتا ہے۔ البتہ حکمائے روحانی کے نزدیک موت ایسی ہونی چاہئے۔ جسپر دوسرے تو روئیں اور مرنے والا خود خوش و خورسند ہو کہ الحمد للہ اس امتحان میں پاس ہو گئے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

تو چناں زی کہ بعد مردنِ تو ہمہ گریاں شوند و تو خنداں
نہ چناں زی کہ بعد مردنِ تو ہمہ خنداں شوند و تو گریاں

غرضکہ ہر ایک انسان کی غایت پیدایش ضرور کچھ نہ کچھ ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ دنیوی اعتبار سے بادشاہی اور کم سے کم گدائی بھلے برا دینی اعتبار سے ایک طرف ولیائی اور دوسری طرف رو سیاہی۔ کیونکہ کوئی چیز بیفائدہ حق تعالے نے پیدا نہیں فرمائی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی وارد ہے وما خلقنٰکم عبثاً۔ پس ہر شخص اور ہر چیز اپنے کام کو پورا کرکے انتقال حیات پر مجبور ہے۔ اور جب یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ یہ زندگی حیات آیندہ کا پیش خیمہ ہے۔ تو ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے مشن کو پورا کرنے کے بعد حیات جاودانی میں اپنا حصہ جا بٹائے۔

پس تبلیغ رسالت کا جو اہم کام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
تفویض فرمایا گیا تھا۔ جب آپ نے اُسے نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر انجام تک
دین خدا کو مکمل فرما دیا۔ اور آیۂ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم و
اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔
ترجمہ۔ آج ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر
پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرمالیا) نازل ہوئی تو
جو اخص الخواص رمز شناس اشخاص تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اب
آنحضرت کی وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اور خود یہ رسول خدا اس سے
بھی بہت پہلے جان چکے تھے۔ اور حجۃ الوداع میں شروع سے اخیر تک
اس کو ظاہر بھی فرماتے رہتے تھے۔ مگر اس بات سے آپ کبھی برداشتہ خاطر یا
افسردہ دل نہیں ہوئے۔ بلکہ لوگوں سے اکثر یہ سوال فرمایا کرتے تھے
کہ کیا میں نے کارِ رسالت کو دیانت کیساتھ ادا کر دیا ہے؟ جس پر سب
لوگ صدق دل سے تصدیق کرتے تھے۔ اور یہ سب واقعات اس وقت
ہیں جبکہ کوئی علالت وغیرہ ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ صرف کشف اور معجزہ کے
ہی طور پر آپ یہ سب کچھ فرمایا کرتے تھے۔

آپ کا قبرستان کیطرف متوجہ ہونا۔ اگرچہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم ہمیشہ سے قریباً ہفتہ میں دو بار جمعہ اور پیر کو جایا کرتے تھے۔ مگر
انتقال سے بہت پہلے آپ نے اسمیں زیادتی کر دی تھی اور قریباً روزمرہ
قبل فجر آپ گورستان بقیع میں تشریف لیجاکر دیر دیر تک تن تنہا بیٹھے رہتے تھے
اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ السلام علیکم یا اہل قوم مومنین انتم فرط انا بکم
لاحقون اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم اللھم اغفر
لاھل بقیع الغرقد۔
ایسا ہی ہوا! ایک مہینا انتقال سے پہلے ایکدفعہ جبکہ حضور مسجد سے حجرہ

عائشہؓ میں رونق افروز تھے - اور چند خاص خاص لوگ بھی حاضر حضور تھے تو آپ نے فرمایا کہ حاضرین اب ہمارے سفر آخرت کا وقت قریب آگیا ہے - اور جو نبی اپنے کام کو کامیابی کے ساتھ پورا کرتا ہے - یہ موقع صرف اُسی کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی اُمت کو چھوڑ کر اور خدا کے سپرد کر کے خود عالم بقا کو روانہ ہو جائے - اور یہ بات صرف نیک اشخاص کو ہی نیکیوں نصیب ہوتی ہے ورنہ اگر معاملہ اسکے برخلاف ہو تو امت کی نہایت بدبختی ہے - یعنی جو لوگ نافرمان ہوتے ہیں اور نبیوں کی پرواہ نہیں کرتے حق تعالےٰ اُن لوگوں کو ان پیغمبروں کے سامنے ہی عذاب دردناک میں مبتلا کر کے برباد کر دیتا ہے تاکہ وہ سچے نبی جو اُنہیں حق کیطرف بلاتے تھے اور وہ اُنکی مخالفت کرتے تھے - ان کی بربادی دیکھ کے کچھ تو اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہو" اسپر اصحابؓ رونے لگ گئے اور آپؐ بھی اُن کی حالت دیکھ کر چشم پُر آب ہو گئے -

علالت ابتدائی اور شفا - حجۃ الوداع سے واپس ہو کر ہی آنحضرتؐ کی طبع مبارک کچھ کسلمند ہو گئی تھی - مگر اس سے بہت جلد آپؐ کو صحت بھی ہو گئی تھی - لیکن قبل صحت یہ خبر دور دور تک پھیل گئی تھی - اور چونکہ اس سے بھی بہت پہلے آپؐ اپنے سفر آخرت کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے - اسلئے بعض شوربخت مدعیوں کو اس سے یہ خیال ہو گیا کہ اب آنحضرتؐ تو ملک عدم کو سدھارتے ہیں چلو ہم بھی دعوائے پیغمبری کر لیں - اور اسی دین کو کچھ ادل بدل کر پیغمبر بن جائیں - چنانچہ اسود عنسی - طلیحہ - مسیلمہ کذاب - اور سجاح نام ایک عورت نے دعوائے نبوت کر دیا - جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے لشکر اسلام کے ہاتھوں مغلوب و مقتول ہو گئے -

روم پر لشکرکشی کا حکم - ۲۶ ویں صفر سنہ ۱۱ ہجری کو آنحضرت صلعم نے اسامہ بن زید کو بحالت صحت امیر لشکر کر کے روم پر فوجکشی کا حکم دیا -

اور نہایت عمدگی کے ساتھ تمام صحابہ کو جن میں حضرت علی و عباس اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔ ان کے ساتھ جانیکا ارشاد فرمایا اور ان کو تمام ہدایات متعلق جنگ دے کے فرمایا کہ روانگی میں جسقدر بھی جلدی ہو سکے عمل میں لاؤ۔ چنانچہ تمام قبائل عرب میں جو مسلمان ہو چکے تھے حکم بھیجا گیا کہ سب لوگ اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے مدینہ طیبہ میں پہنچ جائیں۔ جسپر سب لوگ جوق در جوق جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ باوصف اپنی موت کی خبر پا لینے کے بھی حضور ممدوح صلعم اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت دین میں کہاں تک توجہ فرماتے تھے۔ ورنہ جو شخص یہ جان لے کہ اب میرا تو سفر ہے اور اس سے بھی واقف ہو کہ میری مسند پر میرا کوئی خاندانی فرزند بھی نہیں بیٹھنے کا تو وہ کس طرح ایسے احکام دے سکتا ہے۔ اور کس طرح اپنے یاروں اور غمخواروں کو اپنے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی علیحدہ کرنا گوارا کر سکتا ہے۔ بجز اس کے کہ نفسانیت اس سے بالکل دور ہو اور سوائے اشاعت دین کے کچھ بھی منظور نہ ہو۔

مرض الموت ۔ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ ہجری کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ یعنی آپ کو بخار اور دردِ سر کا عارضہ پیدا ہوا بخار کی وہ شدت تھی کہ جسم اطہر پہ ہاتھ نہ رکھا جاتا تھا۔ اور درد کا وہ غلبہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو ہو جاتے تھے۔

مرض کا ابتداء حضرت میمونہ رضہ کے گھر سے ہوا تھا۔ اور وہیں سب ازواج مطہرات بھی جمع ہو گئی تھیں۔ مگر جب طبع عالی زیادہ کسلمند ہونے لگی تو آپ نے فرمایا "این انا غدا؟" میں کل کہاں ہوں گا۔ یعنی کل کس بیوی کی باری ہوگی۔ اسپر سب ازواج نے سوچا کہ ان دنوں آپ کو آنے جانے کی تکلیف دینا ٹھیک نہ ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضہ کے مکان میں رہیں۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی کو پسند فرمایا۔ اور

آپ صلعم حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہم کے دوش مبارک پہ ہاتھ رکھے ہوئے حضرت عائشہ رض کے گھر تشریف لے گئے۔ اور آخر تک وہیں جلوہ افروز رہے۔

تاریخ وفات کی نسبت بھی اختلاف ہے مگر اصول درایت کے مطابق سب روایتوں کی تحقیق کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو آپ کی وفات کا دن قرار دیا گیا ہے۔ اور اس حساب سے کل تیرہ دن آپ صاحب فراش رہے ہیں۔

ایام بیماری کے واقعات میں جہاں تک دیکھا جاتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر ہر موقع پہ لوگوں کو ایمانداری اور نیکوکاری کی وصیتیں فرماتے رہے ہیں۔ کہیں لفظ شکایت آپ کی زبان مبارک پہ نہیں آیا۔ بلکہ جس وقت جب لوگ عیادت کو آتے تھے۔ تو آپ انہیں نیکی کی وصیت فرماتے تھے چنانچہ ابتدائے بیماری میں آپ نے جب تمام اصحاب کو جمع فرمایا تو ارشاد کیا۔

اوصیکم بتقوی اللہ واوصی اللہ بکم واستخلفہ علیکم واودعکم الیہ انی لکم نذیر وبشیر الا تعلوا علی اللہ فی بلادہ وعبادہ فانہ قال لی ولکم تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین وقال الیس فی جہنم مثوی المتکبرین۔

ترجمہ:- میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ نے جو تم کو وصیت کی ہے۔ میں اسکو تمہارے اوپر چھوڑتا ہوں اور تم کو اسکے سپرد کرتا ہوں بیشک میں تم کو دوزخ سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا ہوں۔ اے لوگو جانو اور آگاہ رہو کہ اللہ کے ملکوں اور اسکے بندوں پر فوقیت نہ ڈھونڈو کیونکہ اس نے ہم سے اور تم سے یہ کہا ہے کہ یہ مکان آخرت ان لوگوں کے لئے ہم نے بنایا ہے جو زمین پر نہ برتری کا قصد کرتے ہیں نہ فساد کا اور آخرت کی بھلائی متقین کے لئے ہے اور خدا کہتا ہے کہ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا مغروروں

کو ملنے والوں کو۔

الغرض کوئی وقت پند و نصیحت سے خالی نہیں گیا ۔ حتیٰ کہ انتقال سے چند لمحے بیشتر جو الفاظ آپؐ کی زبان مبارک پر تھے وہ یہ تھے ۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم ۔ یعنی نماز کی پابندی کرو اور لونڈی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ ۔

حضورؐ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوتا بلکہ خود بھی کبھی کسل مند ہوتے تھے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے ۔ اذھب الباس رب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما ۔ مگر اپنے ان ایام بیماری میں چونکہ حضورؐ مرض کے انجام سے واقف ہو چکے تھے ۔ اس لیے آپؐ نے یہ دعا نہیں فرمائی ۔ بلکہ بجائے اس کے اکثر اوقات یہی فرمایا کرتے تھے ۔ رب اغفرلی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ ۔

لشکر اسامہ کی تیاری میں باوجود اس شدت مرض کے بھی آپؐ نے توقف نہیں فرمایا ۔ بلکہ اسی بیماری میں ہی ۲۹ صفر کو اپنے دست مبارک سے انہیں علم بنا کے دیا ۔ اور سب جلیل القدر صحابہؓ کو ان کے ساتھ جانے کی تاکید فرمائی اور جب یہ بات آپؐ کے سمع اقدس تک پہنچی کہ بعض اصحابؓ اسامہ کو غلام زادہ سمجھ کر اسکے زیر امارت ہونا کسر شان سمجھتے ہیں تو آپؐ نے سب اہل صحابہؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ ایسا خیال ہرگز نہ کرنا ۔ اسامہ کا باپ بڑا نیک آدمی تھا اور اس نے اپنی وفادارانہ امارت کے لئے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیا تھا ۔ اسامہ بھی ویسا ہی نیک اور شریف ہے ۔ لہٰذا سب کو اسکی امارت پر خوش ہونا چاہئے ۔ چنانچہ اس پر سب متفق ہو گئے ۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دشمن خدا کے چند سپاہی نبوت کے دعاوی باطل کے باعث بعض قبائل کے مرتد ہونے کی خبریں آ رہی ہیں ۔ لہٰذا مصلحتاً اگر اس وقت لشکر اسامہ کو ملتوی کر دیا جائے تو مناسب ہو گا ۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ اگر تنہائی کے باعث

مدینہ میں شمشیر زنوں کے کم رہ جانے سے یہ بھی اندیشہ ہو گیا تھا کہ یہی لشکر
اسامہ کو شاید روک لیں گا۔ چنانچہ اسی پر اکثر صحابہ کی رائے ہو گئی۔ حضرت ابوبکر، عمر اور علی
و عباس رضی اللہ عنہم بھی اسی سبب سے ساتھ نہ گئے۔ اور دیر سے روانگی پیغام جرف
میں جا علم لگایا۔ لیکن آنحضرت صلعم کی بیماری کے زیادہ طویل ہو جانے کے
باعث اکثر صحابہ نے گو اپنا سامان سفر تو سب کچھ بھیج رکھا تھا۔ لیکن
خود حضور ہی کے روبرو آ کر حاضر رہتے تھے۔ جن میں سے حضرت علی اور
حضرت عباس کو تو آپ نے اسامہ سے اجازت پہلے ہی دے دی تھی۔ کہ بیماری
تیمارداری کو یہیں رہ جائیں۔

آپ کے ایام بیماری میں حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حسب الحکم نمازیں
امامت کیا کرتے تھے۔ ہر چند انہوں نے انکار بھی کیا مگر آپ نے یہی حکم دے رکھا
بلکہ بعض اوقات آپ خود بھی ایسے وقت مسجد میں رونق افروز ہوئے کہ ابوبکر
صدیق امامت کرا رہے تھے اور انہوں نے آنحضرت صلعم کی آہٹ پا کر پیچھے
ہٹنا چاہا۔ تو آپ نے اشارہ سے منع فرمایا۔ اور انہیں کے پیچھے ساتھ
نماز پڑھ لی۔

آپ کی تیمارداری پر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم مقرر
تھے۔ اور حضرت فاطمہ بھی شامل تھیں اور عائشہ صدیقہ کے مکان تو آپ
مقیم ہی تھے ہمہ وقت آپ کی خدمت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ حضرت
ابوبکر نے بھی حاضر رہنے اور خدمت کرنے کی اجازت تو چاہی تھی مگر آپ
نے فرمایا مصلحت یہی ہے کہ تم عبادت سے زیادہ تیمارداری کے پھیر میں نہ پڑو
ایسے سے لوگ کئی باتیں پیدا کر لیں گے۔ چنانچہ حسب الحکم عالی حضرت ابوبکر تیماردار
تو نہ ہوئے۔ مگر روزانہ کئی کئی بار مزاج پرسی کو آتے رہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری اصحاب پر اس قدر گراں تھی۔ کہ تمام لوگ
سخت بے چین ہو گئے تھے۔ جس دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی

معذوری ظاہر فرما کے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
عنہ امامت کرا کے نماز پڑھا دیں۔ ادہر تو حضرت ابو بکرؓ منظور نہ کرتے تھے۔ ادہر
اصحاب زار و قطار روتے تھے اور حضرت بلالؓ تو بیتاب ہو ہو کے آواز بلند
بکا کرتے تھے۔ کہ واغوثاہ وانقطاع رجاہ وانکسار ظہراہ۔ اس سے آپؐ کی
ہر دلعزیزی اور اس تقدیس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو آپؐ کو تمام لوگوں میں حاصل تھی

واقعہ قرطاس - انہیں ایام بیماری کا ایک یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ جمعرات
کے دن یعنی انتقال سے چار دن پہلے آپؐ نے ایک دن قلم دوات طلب فرمایا
کہ لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھدوں جس پر بعض لوگوں نے کہا کہ اسوقت آپؐ کو
تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے قرآن شریف کافی ہے۔ اور بعض
نے کہا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم ہجکی باتیں کرتے ہیں۔ بعض لوگ حضرت عمرؓ
کو اس کلمہ کا قائل بتاتے ہیں اور اسپر مسلمانوں میں ایک تفرقہ عظیم پڑ گیا ہے۔
لیکن جو لوگ کتب حدیث کے جمع ہونے کی کیفیت سے واقف ہیں۔ وہ بخوبی
قیاس کر سکتے ہیں کہ کسی حدیث کے لفظوں کی نسبت کوئی شخص دعوے نہیں کر سکتا
کہ واقعی اسکے یہی الفاظ تھے اور رسم کتابت کے نہ ہونے کے باعث کسی ایسے
واقعہ کی نسبت بھی کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ جبکہ
اسکے بہت عرصہ بعد اسکو نقل کیا جاتا ہے۔ مولف اس معاملہ میں مولینا شبلی
نعمانی کی رائے سے بالکل متفق ہے جنہوں نے اصول درایت پر نگاہ کر کے
اس واقعہ پر شبہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے
اسپر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور
اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اسلئے اصل مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب
بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا۔ کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن
ہے۔ کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عوارض

انسانی سے بری تھے۔

یہاں درحقیقت یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقہ سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر کا استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۱۔ آنحضرت ؐ کم و بیش ۱۳ دن بیمار رہے۔

۲۔ کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت ؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

۳۔ اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت ؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

۴۔ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سی طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) با ایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس ؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵۔ عبداللہ بن عباس ؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

۶۔ سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ اس موقع پر عبداللہ بن عباس ؓ خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔

۷۔ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم مانگا۔ تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں۔ تو صرف اسقدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کرلو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن ایسے یہ تو معنے نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان

سمجھی جاتے - ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھہ دوں کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہو" اس میں ہذیان کی کیا بات ہے - یہ روایت اگر خواہ مخواہ بھی صحیح سمجھی جاتے تب بھی اسقدر بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا - کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلعم ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کے عالم میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں - پس ایسی روایت کے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے - اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے - کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں اور یہ کہ ان کی عمر ۱۳-۱۴ برس کی تھی - اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے - کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہجاتی ہے - ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گذرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اسکو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھہ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے "

فرقۂ امامیہ کا خیال ہے کہ آنحضرت صلعم کا قلم دوات منگانا حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے تھا - مگر یہ شبہ بالکل فضول ہے - کیونکہ آنحضرت صلعم کے کسی عمل سے ایسا خیال پیدا نہیں ہوتا - اس کے علاوہ چار دن اس واقعہ کے بعد آپ کا انتقال ہوا ہے - اگر آپ چاہتے تو ہر وقت اعلان کر سکتے تھے - علاوہ ازیں کوئی ضرورت اسکے واسطے قلم دوات کی بھی نہ تھی زبانی بھی اعلان ہو سکتا تھا مگر نہ تو اس کا کوئی قرینہ تھا - اور نہ حضرت علیؓ کو خود بھی اس کی کوئی امید تھی - چنانچہ صحیح بخاری میں صاف لکھا ہے کہ :-

"دوشنبہ یعنے یوم وفات کی صبح کو جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بظاہر

سپرد کی گئی تھی اور آپ نمازِ صبح کے وقت جبکہ ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ لوگوں کی پاسِ خاطر سے مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر صدیقؓ آہٹ پا کے ہٹنے لگے تو آپ نے ان کا مونڈھا دبا کر کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا اور خود بیٹھ کر ان کے ساتھ نماز گذاری۔ جسکے بعد آپ نے تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا ایھا الناس سعرت النار وقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم وانی واللہ ما تمسکون علی بشیء انی لم احل الا ما احل القرآن ولم احرم الا ما حرم القرآن۔

ترجمہ۔ اے لوگو آگ بھڑک اٹھی اور فتنے آ گیا مثل اندھیری رات کے ٹکڑے کے اور واللہ نہ تمسک کرو تم مجھپر کسی چیز کا بے شک میں نے نہیں حلال کیا مگر اسکو جسکو قرآن نے حلال کیا ہے اور نہیں حرام کیا میں نے کسی چیز کو مگر اسکو جسکو قرآن نے حرام کیا ہے۔

اسپر ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم (روحی فداک) آپ نے آج بفضلِ الٰہی بہت اچھی صبح کی ہے۔ اور اس کے بعد وہ آپ کو بظاہر اچھا دیکھکر آنحضرتؐ سے اجازت لیکے اپنے گھر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور حجرہ عائشہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تو ہر وقت پاس رہتے تھے۔ یہ اندر سے نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ آج حضورؐ کا مزاج کیسا ہے۔ جسکے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ بفضلِ خدا اچھے ہیں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ یا علیؓ بخدا تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس مرض میں وفات پائینگے۔ کیونکہ مجھکو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو! رسول اللہ صلے اللہ سے پوچھ لیں۔ کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کس کو حاصل ہوگا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ صلعم ہمارے لئے وصیت فرمائیں گے۔"

جب حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو نہ پوچھوں گا۔ کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر کوئی امید نہ رہے گی۔[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے پیشتر کوئی اشارہ بھی اس معاملہ کے متعلق نہ فرمایا تھا۔ اور اسکے سوا یہ کہ حضرت علی رضؓ کو اپنے انتخاب کی کوئی امید بھی نہ تھی۔

اسکے سوا اس طرح تو حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی کہہ سکتے تھے کہ آنحضرتؐ انہیں کے لئے خلافت نامہ لکھوا رہے تھے۔ مگر یہ سب باتیں فضول ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ اگر کچھ لکھوانا منظور بھی ہوتا تو شاید اسامہ بن زیدؓ کو ہدایت نامہ امارت لشکر اسلام لکھواتے۔ کہ ایسا پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا کہ آپ نے کوئی لشکر روانہ فرمایا تو اسکے لئے احکام بھی لکھوا دئے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اصل واقعات کیا تھے۔ البتہ ان تمام باتوں کے دیکھنے کے بعد ایک سلیم العقل آدمی اس واقعہ کو یوں سمجھ سکتا ہے کہ شاید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پند و نصیحت فرماتے ہوئے دیکھ کر کسی نے کہا ہو کہ قلم دوات منگا لو تا کہ ہم رسول اللہ صلعم سے پوری کوئی تحریر ایسی لکھوا لیں جس سے ہم گمراہ نہ ہوں۔ اور کسی اور نے کہہ دیا صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہذیان کا کیا موقع ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلعم حالت غشی ہوش میں ہیں۔ اور ہمارے لئے تو قرآن ہی کافی ہے۔ ان باتوں کا قائل علیؓ کو خلیفہ مقرر عمرؓ کو کہو خواہ کسی اور کو کوئی حرج کی بات نہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی قسم کی لڑائی اور بات ہوتی تو لوگ اٹھتے بھی کب۔ اسوقت ہزار ہا باتیں پیدا ہوئیں آپ کا حضرت علیؓ خود تو کہتے ہی نہیں ہیں کہ وہ ہمارے لئے کچھ لکھنا چاہتے تھے مگر لوگ ہیں کہ خواہ مخواہ کسی کو خلیفہ اور کسی کو غاصب بنا رہے ہیں۔

جمعرات ہی کا واقعہ ہے کہ جب آپ لوگوں کو پند و نصیحت فرما رہے تھے

---

[1] الفاروق بحوالہ صحیح بخاری مع فتح الباری باب مرض النبی صلعم ١٢

اور اپنی خیریت کا حال بیان کر رہے تھے۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا وقت آ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا بیشک۔ پھر پوچھا کہ حضور کو غسل کون دے گا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مردان اہلبیت جو مجھ سے قریب تر ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو کفن کیسے پہنایا جائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہی کپڑے جو میں پہنے ہوئے ہوں کافی ہیں اور چاہو تو برد یمانی یا حلہ مصری سے کفن دینا۔ پھر عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائیگا تو آپ نے فرمایا کہ تم غسل و کفن کے بعد مجھے ایک ساعت الگ چھوڑ دینا۔ تاکہ سب سے پہلے ملائکہ اس پر نماز پڑھ لیں۔ پھر مردان اہلبیت پھر عورتیں اور پھر گروہ در گروہ سب لوگ آ آ کے پڑھتے جانا۔ اس پر سب لوگ رونے لگے۔ اور آپ بھی چشم پُر آب ہو گئے۔ بعض کے نزدیک اسی کے بعد قلم دوات کا تذکرہ چلا ہے۔ اور اس سے پایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے انہیں باتوں کی تفاصیل کے لئے قلم دوات کی رائے دی ہوگی۔ نہ کہ خود جناب رسول اللہ صلعم نے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے معاملہ کو لوگ فیصل شدہ سمجھتے تھے۔ ورنہ جہاں ذرا ذرا سی باتیں پوچھ لی گئیں۔ خلافت کے لئے کیوں نہ پوچھ لیا جاتا۔

بہرحال آپ نے تمام حاضرین کو وصیت فرمائی کہ قرآن پر عامل رہنا۔ وفود کے ساتھ حسن سلوک پیش آنا۔ مشرکین کو عرب سے باہر نکال دینا۔ اور اس کے بعد انصار کی فضیلت بھی بیان فرمائی کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بہت اچھے سلوک کئے ہیں اور آڑے وقت میں کام آتے رہتے ہیں۔ پس تم سب کو بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئیے۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ بعض مہاجرین انصار کو کچھ زیادہ وقعت نہیں سمجھتے تھے۔

انتقال۔ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو بروز دوشنبہ جبکہ صبح آپ کی طبیعت سنبھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور سب لوگوں کو اس سے ایک قسم کا اطمینان ہو گیا تھا۔ اسی دوپہر کو آپ نے رحلت فرمائی ہے۔ وفات کے تھوڑا عرصہ پیشتر

بن ابوبکرؓ حاضر ہوئے۔ تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ
کیا ہے جس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے لی اور
اپنے دانتوں سے خوب چبا کر آنحضرت صلعم کے دست مبارک میں دیدی اور آپؐ نے
بہت اچھی طرح مسواک فرمائی۔ اور اسکے بعد حضرت فاطمہ و حسنین رضی اللہ
عنہم کو بلا کر پیار فرمایا۔ حضرت علیؓ۔ عقیلؓ۔ عباسؓ۔ قثم وغیرہ سب موجود تھے
مسجد نبوی شریف کے جو دروازے حجرہ مبارک میں تھے وہ سب آپؐ نے بند فرمانے کا حکم دیا
سوائے اس دروازہ کے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام سے نامزد تھا۔ اور ساتھ ہی
ارشاد فرمایا۔ کہ ابوبکرؓ میرے سچے دوستوں میں سے ہے۔

قریب دوپہر آپؐ کی حالت غیر ہونے لگی۔ عزرائیل (ملک الموت) و جبرائیل نے
حاضر ہوکر سلام پہنچایا تو آپؐ نے جبرائیل سے فرمایا کہ یہاں تو کوئی عذر ہی نہیں لیکن
کوئی خوشخبری سنا دو۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ آج آتش دوزخ سرد
ہوگئی ہے۔ اور قیامت کو حق تعالے نے آپکی شفاعت کی منظوری عطا فرمادی ہے
جن گنہگاروں کے آپؐ شفیع ہوجائینگے حق تعالے نے ان پر آتش دوزخ حرام کردی
ہے۔ اس سے آپؐ خوش ہوگئے۔ اور جبرائیلؑ سلام کے بعد واپس گئے۔ حضرت
فاطمہؓ نے جو باپؐ کی حالت متغیر دیکھی۔ تو بے اختیار ایسی دردناک چیخ ان کے
منہ سے نکل گئی۔ کہ جس سے ایک قیامت برپا ہوگئی۔ اور ساتھ ہی حضرت فاطمہؓ
کو شدت درد و الم سے غش بھی آگیا۔ غرضکہ جب بڑی مشکلوں سے جگر گوشہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش میں لایا گیا۔ اور ادھر جناب رسول مقبول صلعم نے بھی
آنکھ کھولی تو حضرت فاطمہؓ کو سینہ سے لگا کے بہت سا پیار کیا اور فرمایا کہ بیٹی!
تم تو بڑی صابرہ شاکرہ تھیں۔ تم نے یہ بین اور جزع و فزع کیونکر روا رکھی۔
انسان کو خدا کے حکموں پہ ہمیشہ صبر کرنا چاہیئے۔ اور خبردار میرے انتقال پر سوائے
انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کچھ نہ کہنا۔ اور میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ میرے
تمام اہلبیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھے آکر ملوگی۔ اس کے بعد آپؐ کو سکرات

موت شروع ہوئے۔ آپؐ نے ایک پانی کا پیالہ بھروا کے پاس رکھوا لیا تھا۔ رنگ
مبارک دم بدم متغیر ہو رہا تھا کبھی زرد کبھی سرخ مگر آپ بڑے استقلال سے
سب کچھ برداشت کرتے اور فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔
"الٰہی سکرات موت میں میری اعانت فرما" غرضکہ تمام مردان و زنان اہل بیت جمع تھے
(صرف عورتوں اور مردوں کے درمیان ایک چادر کا پردہ ڈال دیا گیا تھا) سر
حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر مبارک ٹکے ہوئے آپؐ نے چھت کی طرف دیکھ کر
فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی اور جان نذر مولےٰ کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

خورشید چو امید فروغے بنظر ماند — دریا بکنار دگر افتاد و گہر ماند
آں سایہ گذشت از سر دست خلائق — ایں نقش قدم داغ شد و خاک بسر ماند

اس حادثہ روح فرسا اور سانحہ ہوشربا نے اہل بیت اور اصحاب پہ جو اثر کیا اسکو
کوئی کن لفظوں میں لکھ سکتا ہے۔ ایک قیامت تھی کہ برپا ہو گئی۔ حضرت علیؓ
باوجودیکہ باب علم تھے۔ اور جناب رسول مقبولؐ کی تعلیم روحانی سے بدرجہ کمال
فیضیاب ہو چکے تھے۔ مگر بے اختیار ہو گئے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے جسد اطہر کو دیکھتے تھے اور زبان سے کہتے تھے۔ کہ
یا رسول اللہ اِنَّ الْجَزَعَ اَقْبَحُ اِلَّا اِلَیْکَ وَاِنَّ الصَّبْرَ الْجَمِیْلَ اِلَّا عَنْکَ۔ ترجمہ
"یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! واقعی گریہ و بکا برا ہے۔ مگر آپؐ کے لئے بجا
نہیں اور صبر گو بڑی نیکی ہے مگر آپ کے لئے کیونکر ہو سکتا ہے"
مسجد میں ہزارہا آدمی جمع تھے۔ جس نے سنا ساتھ ہی دم بخود ہو کر رہ گیا
یا بے اختیار ڈاڑھیں مار کر رونے لگ پڑا۔ حضرت عمر فاروقؓ تو کچھ ایسے از خود
رفتہ ہو گئے۔ کہ سامنے دیکھ رہے ہیں کانوں سے سن رہے ہیں مگر اعتبار نہیں آتا
اور برابر فرماتے جاتے ہیں کہ جو کوئی شخص کہے گا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے انتقال کیا تو اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر
ہوئی تو گھبرائے دوڑے آئے۔ بے اختیار رو رہے تھے اور منہ سے نکل

رہا تھا۔ "وامحمداہ وانقطاع ظہراہ" ترجمہ: "ہائے لے محمدؐ تجھے میری ال
نے جانا ہوتا" اسی حالت میں مسجد نبوی تک پہنچے۔ تو یہاں کچھ اور ہی رنگ
دیکھا۔ کہ ادھر کاشانۂ نبوت سے تو رونے کی صدائیں آ رہی ہیں۔ اور ادھر حضرت عمرؓ
تلوار لئے کھڑے ہیں۔ کہ جو کوئی آنحضرت صلعم کو مرا ہوا کہیگا۔ میں اُس کا سر قلم
کر دونگا۔ صدیق اکبرؓ یہ حالت دیکھ کر سیدھے لبِ بالیں پہنچے۔ اور کپڑا اٹھا کر حضورؐ
کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو بے اختیار رو دئیے۔ اور کہا جیتے جی یا رسول اللہ! آپ کو
دو دفعہ موت نہ آئیگی۔ یعنی آپ کا فنا ہو گیا۔ اور پھر باچشم گریاں وہاں سے یہاں مسجد میں
تشریف لا کر حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم اس تلوار کو نیام میں کرلو۔ رسول اللہ صلعم نے سچ
مچ انتقال کر گئے۔ مگر حضرت عمرؓ نے ازخود رفتگی میں کچھ بھی نہ سنا۔ آخر کار حضرت
ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر با آواز بلند فرمایا۔

ایہا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات۔ ومن کان یعبد اللہ
فان اللہ حیٌ لا یموت۔ ترجمہ: "اے لوگو! اگر تم لوگ حضرت محمد صلعم کو پوجتے
تھے تو سن لو کہ حضرتؐ نے انتقال کیا۔ اور اگر اللہ کو پوجتے ہو۔ تو اللہ
جیتا ہے اور کبھی نہ مریگا۔"

اس کے بعد پھر کلام مجید میں سے یہ آیات پڑھیں۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم
علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و
سیجزی اللہ الشاکرین۔ ترجمہ: "محمدؐ تو صرف ایک رسول ہے۔ اور ان سے
پہلے بھی کئی رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر وہ انتقال کر جائیں یا قتل ہو جائیں تو
تم ان کی عزت سے پھر جاؤ گے۔ اور جو کوئی تعلیم رسالت سے پھریگا۔ وہ خدا کا کچھ
نہیں بگاڑ سکتا (اپنا ہی بگاڑیگا) اور اللہ نیک اجر دینے والا ہے شکر گذاروں کا۔"
حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیات اس سے پہلے گویا مجھے یاد ہی نہ تھیں۔ بارے حضرت
صدیق اکبرؓ سے ان آیتوں کے سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی تلوار نیام میں

کر لی۔ مگر ساتھ ہی فرط الم سے غش بھی کھا گئے۔ اور حضرت عمرؓ پر کیا موقوف تھا۔ جو
شخص بھی تھا سر بزانو رکھا تھا۔ اور آنسو تھے کہ کسی کے تھامے تھمتے ہی نہ تھے اور سچ بھی
یہی ہے کہ جن کے سر سے ایسا شفیق، رحیم اور ایسا درد مند عظیم اٹھ جائے کہ جو ان کا
اپنے ماں باپ سے بھی کہیں درجہ زیادہ محبت کرنیوالا ہو۔ اور دینی کشتی کا تو ناخدا ہی
ٹھہرا۔ تو پھر کون سنگدل تھا جو نہ روتا۔ اور کس کی آنکھ تھی کہ کسی اور کے لئے آنسو اٹھا
سکتی

دریغے بدل رسید کہ آرام جہاں برفت ہیہات سرور دو جہاں از جہاں برفت
خوردیم زخمہا کہ نہ خوں آمد نہ آہ این خود چہ تیش بود کہ تا استخواں برفت
تلخست شربت غم ہجران [illegible] کز دل نشاں نرفت کہ از دلستاں برفت
تنہا نہ کہ چشم چشمہ گریہ بہا گشت بر حال بوستاں کہ از و باغباں برفت
وہ وہ دل از سینہ بیاید کہ دود خلق زنہار از آتشی کہ بجز خشک و جاں برفت
چشم چراغ بینش و نیم زبینش چشم برق جہند چوں بر دو آنجہاں برفت
این غم نیست [illegible] السماء دار شے نہ دل چہ فایدہ دارد کہ جاں برفت

شرح غمت کدام بگویم کہ ہمچناں
از ضمیر بگفتہ کہ کلام و زباں برفت

مگر ادہر تو یہ حالت تھی ادہر منافقین نے اپنی ہی بکواس شروع کر دی کہ اجی آنحضرت
سچے رسول ہوتے تو مرتے کیوں۔ ادہر سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر مشورہ
شروع کیا کہ اب آنحضرت صلعم تو اٹھ گئے ہیں کوئی انتظام خلافت کا اپنے ہاتھ میں لینا
کر لینا چاہئے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ مسجد نبوی میں مع ایک جماعت اصحاب کے سوگوار
بیٹھے تھے کہ کسی نے آکر آواز دی۔ حضرت عمرؓ نے آواز کا جواب دیا کہ چلو ہٹو ہم
اسوقت آنحضرت صلعم کے بند و بست میں مشغول ہیں۔ مگر اس نے کہا کہ ایک نیا حادثہ
رونما ہوا ہے۔ یعنی انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ بس بہت جلد
چلکر انکی خبر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر گذریں جس سے لڑائی جھگڑا

پس یہ سنکر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو چنانچہ دونوں صاحب چلدیئے
وہاں پہنچکر دیکھا تو واقعی قبائل اوس و خزرج کے لوگ جمع تھے اور سعد بن عبادہؓ کو خلیفہ چننے پر
آمادہ ہورہے تھے پس حضرت ابوبکرؓ نے ایک پُر زور تقریر کی اور حضرت عمرؓ نے اُنکی تائید
کی بعد اُنکی طرف بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ قرار دیئے گئے۔
مگر اسکی تفصیل کی یہاں کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ کیونکہ جلد ثانی اس کے لئے
زیادہ موزوں ہے۔

تکفین۔ آنحضرتؐ کی وصیت کے مطابق مردان اہلبیت میں سے حضرت علی اور
عباس معہ اپنے بیٹوں فضل و قثم رضی اللہ عنہم نے آپؐ کو اس طرح غسل دیا۔ کہ ایک
پردہ پر پانی کا لیا اور طرف کرکے جسد مطہر کو ایک چادر میں لے لیا۔ اور آپؐ کے
کپڑے اتارے نہیں گئے۔ بلکہ فضل اُن کو اٹھائے رکھتے تھے اور حضرت علیؓ ایک کپڑے
میں اپنا ہاتھ لپیٹے ہوئے جسد مبارک کو اندر ملتے تھے اور باقی صاحب پانی ڈالتے جاتے تھے۔
اسامہ بن زید اور صالح عرف شقران بھی خدمت غسل میں شامل تھے اور حسب ضرورت
آنحضرت صلعم کے جسم اطہر کو ادھر ادھر کرکے کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ جسد اطہر کو اسطرح
رکھا گیا تھا کہ سر تو مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کیطرف۔ غرضکہ بخوبی
نہلا دیا گیا اور جو خوشبو یات مشک حنوط وغیرہ موجود تھیں وہ بھی چھڑکا دی گئیں
مگر انکی ضرورت مطلق نہ تھی کیونکہ حضورؐ کے جسم سے خود بخود ایسی خوشبو آتی تھی کہ عطر
مشک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ الغرض مشک و حنوط سے جو کچھ بچ رہا اُسے
حضرت علیؓ نے حسنینؓ کو دیکر کہا کہ اسے تبرکاً رکھ چھوڑو۔ میری اور تمہاری تکفین کے
وقت یہ تبرک بڑا قیمتی ہوگا۔ پھر حضرت علیؓ نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کے گوشہ چشم اور ناف مبارک
میں کوئی قطرہ پانی کا چمک رہا ہے جسے ازراہ حصول برکت حضرت علیؓ نے اپنے
منہ سے چوس لیا۔ اور پھر اسکے بعد حسب عادہ تین سفید کپڑوں میں آپؐ کو کفنایا گیا اور
حسب وصیت حضورؐ کے جسد مبارک کو ایک تخت پر رکھ کے سب باہر نکل جانے کے
لئے کہدیا اور خود بھی ساعت بھر الگ ہوگئے تاکہ ملائکہ نماز جنازہ پڑھ لیں چنانچہ

ایک ساعت کے بعد جب کسی طرح یہ آواز سب کے کان میں پہنچی کہ اب مسلمانوں کو نماز جنازہ
پڑھنی چاہیئے تو سب سے اول مردان اہلبیت اور زنان اہلبیت نے نماز جنازہ پڑھی
پھر جوق در جوق تمام مسلمان داخل ہوتے اور نماز جنازہ پڑھتے چلے گئے حضرت علی
نے باواز بلند فرمایا کہ کسی کی امامت کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلعم خود امام ہیں پھر
آپؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ آپ پر خدا کی رحمت اور بخشش ہو۔ یا الٰہی ہم گواہی دیتے ہیں
کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے منصب رسالت کو نہایت امانت کے ساتھ نبھایا اور
جو کچھ تو نے ان پر نازل فرمایا اسے انہوں نے پوری دیانت سے ہم سب مسلمانوں تک پہنچا دیا
اور کوئی دقیقہ پند و نصیحت اور جانفشانی و ہمدردی اور اشاعت دین متین کا باقی
نہ چھوڑا۔ پس بارخدایا ہمیں بھی ان کے پیرووں میں داخل فرما اور قیامت کے دن انہی
کے ساتھ اٹھا۔ اس پر سب نے آمین کہی۔

تدفین کی روایات میں بھی اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ منگل کے روز آپ دفن
کئے گئے اور بعض چہارشنبہ کو بتاتے ہیں لیکن سب سے معتبر روایت کے الفاظ یہ ہیں دفن حین الغد
نصف النہار من یوم الثلاثاء یعنی بعد دوپہر منگل کے دن آپ دفن کئے گئے یوم الثلاثاء
منگل کو کہتے ہیں جیسا کہ اور ہیں چہارشنبہ اور جمعہ کے نام اور جمعرات کو یوم الخمیس کہا جاتا
ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ اگلے دن سہ شنبہ کو بعد دوپہر دفن کئے گئے اور نیز
دفن حین الغد سے بھی یہی مفہوم ہے کہ اگلے روز۔ لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ شب چہارشنبہ کو آپ
دفن کئے گئے۔ بعد نصف شب اس سے بارہ گھنٹے اور بڑھ جاتے ہیں اور اس کے مطابق گویا
چھتیس گھنٹے بعد وفات کے آپ کی تدفین عمل میں آئی اور واقعی اس سے پہلے یہ بات ممکن
بھی نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلعم کی نماز جنازہ اسی حجرہ میں پڑھی جاتی رہی ہے جہاں آپ نے
انتقال فرمایا تھا اور بالآخر وہیں دفن بھی کئے گئے پس اس حجرہ کی بساط ہی کتنی تھی گویا
سے زیادہ دو سو آدمی سمجھ لو کہ اس سے زیادہ لوگ تو ایک رہائشی مکان میں سما بھی نہ
سکتے۔ اب جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کو دیکھا جائے تو اور بھی تسلی ہو جائے گی ایک لاکھ
آدمی تو اسامہ کے ساتھ جانے کو تیار رہا تھا اور وہ سب مدینہ ہی میں تھے اور کم سے کم ایک ہی لاکھ اور سمجھ

باب دوم

تبلیغ رسالت کے عام ذرائع کی تفصیل

تمہید:- آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کا مختصر تذکرہ باب اوّل میں آگیا ہے جسمیں قریباً تمام تاریخی واقعات کا اشارہ بھی ہو چکا ہے لیکن چند مضامین ان اشارات کی تفصیل میں لکھنے ابھی باقی ہیں۔ مثلاً معراج۔ وفود۔ جہاد۔ معجزات وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اگر پرانی طرز کے مطابق انکو لکھا جاتا۔ تو سب حالات ایسے گڈمڈ ہو جاتے۔ کہ دیکھنے والوں کو انکے نکالنے میں دقت رہتی۔ اور کسی کسی واقعہ کی نسبت اگر کچھ خدشات کسی کو پیدا ہوتے تو انکی اصلاح بھی مشکل ہوتی۔ لہذا اس باب میں اُن بڑے بڑے صیغوں کو فصل وار بیان کر دیا جاتا ہے۔ جو ترقی اسلام کا بڑا بھاری ذریعہ ہوئے۔

تبلیغ رسالت میں معجزات۔ جہاد۔ وفود کی حاضری۔ شاہان وقت کو دعوتِ اسلام اور اس کا اثر۔ تعدد ازدواج اور اس کی وجوہات۔ اور آنحضرت کے ذاتی فضائل وشمائل وغیرہ سبھی مضامین شامل ہیں۔ لیکن بلحاظ ترتیب اس باب میں۔ جہاد۔ شاہانِ وقت کو دعوتِ اسلام اور وفود متعددہ کی حاضری الگ الگ فصول میں بیان کر کے باقی مضامین کو باب سوم پر چھوڑا جاتا ہے۔ جو خاص آنحضرت صلعم کے شمائل وخصائل سے متعلق ہے۔ اس کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ کتاب ہذا ایک تاریخی کتاب ہے۔ اور اس میں سوائے صحت واقعات کے مناظرہ سے کام نہیں لیا گیا۔

فصل اوّل

جہاد اور جزیہ کی اصلیت

قبل اس کے کہ اس فصل میں چند واقعات کو جمع کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی نسبت چند کلمے بیان کر دیئے جائیں۔ جو اسلام میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اپنے عامل کو فتح و شکست دونوں حالتوں میں بیشمار ثواب کا مستحق کر دیتا ہے۔

جہاد۔ جہد جہد کے لغوی معنے ہیں۔ بڑے درجے کی کوشش۔ انتہائی سعی۔ پس مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لئے کفار کی اذیتوں سے تنگ آ کر بہ انتہا صبر و تحمل کے بعد جواب ترکی بہ ترکی دینے کو بقول "آخر الحیل السیف" (تلوار آخری حیلہ ہے) جب مسلمانوں نے مقابلہ مجاہدہ کی آخری کوشش پر آمادگی ظاہر کی تو اس کا نام جہاد رکھا گیا۔ اور واقعی اصطلاح میں اس سے بہتر لفظ ملنا مشکل تھا۔ یعنی اس کے ذریعہ سر بازی سمجھکر جان جو سب سے عزیز چیز ہے فدائے مذہب کر دیجاتی ہے۔ چنانچہ اسی واسطے اصطلاحی طور پر جہاد کا لفظ صرف مذہبی لڑائیوں کے لئے ہی مخصوص کر کے دنیاوی جدال و قتال کو اس سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ جو شخص مال کی طمع اور حکومت کی حرص سے بالکل آزاد ہو کر خالصاً للہ حمایت و اشاعت دین کے لئے تلوار کھینچے اُسے مجاہد کہا جاتا ہے۔ اور اسے بہت سے انعامات بہشت کی خوش خبریاں دیجاتی ہیں۔ کیونکہ واقعی ایسے خالص اور مخلص انسان کو دین دنیا میں جس قدر درجات عطا ہوں وہ اس کے شایاں ہوتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بابت ایک مسئلہ اور تاریخی واقعہ یوں لکھا ہے کہ آپ نے ایک لڑائی میں ہشام نامی ایک مشہور نبرد آزما کو بڑی دقتوں کے ساتھ مغلوب کیا اور ہشام مغلوب ہو کے قاعدہ کے موافق

اُسے پچھاڑنے کے بعد آپ نے اُس کے سینے پر سوار ہو کر گردن اُڑانے کو قبضۂ
تلوار پر ہاتھ رکھا۔ تو اُس شخص نے آپ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ جس پر آپ
فی الفور تلوار میان میں کر کے اُس کے سینے پر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس عجیب
عمل پر جب ہشام نے نہایت تعجب کے ساتھ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ یہ تمہاری
سمجھ میں نہیں آتا کہ دن بھر کی دھکاپیل کے بعد تم نے مجھے گرا تو لیا مگر کامیابی کے
بعد اس طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں صرف
خدا کے لئے تم سے لڑتا تھا جس میں کوئی سابقہ بغض و کینہ یا خیال تفاخر مطلق شریک
نہ تھا لیکن جس وقت تم نے میرے مُنہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو بھی غیرت نے تحریک
کی جس کے باعث غصہ جاگزیں ہوا۔ اور گو تمہارا کام تمام کر دینا اب ایک منٹ کا کام تھا۔ مگر
معاً خیال آیا کہ کہیں ساری محنت ہی ملیا میٹ نہ ہو جائے۔ اور اب تم پر اس تلوار کا
چلانا جو محض خدا کے لئے اُٹھائی گئی تھی۔ ذاتی غصہ کا نتیجہ نہ قرار دیا جائے۔ اسلئے میں نے
تمہارے ہلاک میں دیر کی اور بالآخر اُٹھ کھڑا ہوا۔

پس غور کرنا چاہیئے کہ جس جہاد کے لئے ایسے سچے خلوص کی شرط ہو۔ اس کے عاملوں
کو کہاں تک ثواب ملنا چاہیئے۔ اسی لحاظ سے اسلام نے قرار دیا ہے کہ مجاہدین میں سے
جو کفار پر غالب آ جائے اور غنیمت ہو چلے وہ غازی یعنی جنگی جوان کہلائے۔ اور جو
مارا جائے وہ شہید کا درجہ پائے۔ یہ چاٹ ایسی تھی کہ جس نے ہر شخص کو جو ذاتی محبت
اسلام رکھتا تھا۔ اس طرف جھکا دیا تھا۔ اور اسلام میں چونکہ جہاد کی بنیاد کسی نفسانی
خواہش یا حصولِ مال کے لئے نہ ڈالی گئی تھی بلکہ صرف کفار سے اپنی مخلصی اور مذہبی
آزادی پانے کے واسطے ہوئی تھی۔ اسلئے کوئی فوج بھی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ ہر شخص
اپنا اپنے ہتھیاروں اور اپنے اپنے کپڑوں میں اپنی اپنی سواریوں پر شریک جہاد ہوتا
تھا۔ اور بس۔ اس کا معاوضہ یا حق الخدمت آنحضرت صلعم کی طرف سے تنخواہ کی صورت
میں کچھ مقرر نہ تھا سوائے اس کے کہ جس لڑائی میں یہ لوگ شریک ہوتے۔ چونکہ جنگ
کے قاعدہ کا رواج تھا۔ اسلئے ہر ایک قاتل اپنے مقتول کے اسلحہ و ہتھیار و اسباب اور گھوڑے کا

مالک ہو جاتا۔ اور عام طور پر جو کچھ مال اُنکے ڈیروں خیموں اور رسد و خزانہ کی صورت
میں میسر ہوتا۔ اُس کا ایک پانچواں حصّہ تو بیت المال میں بھیجدیا جاتا۔ جو کارکنوں کے
علاوہ مسلمانوں اور مساکین و یتامیٰ کا حق سمجھا جاتا تھا۔ اور باقی حصص مجاہدین میں حصّہ
مناسب تقسیم ہو جاتے۔

اَب یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کس وقت فرض ہوا ہے۔ جس کا کتب تواریخ و
تفاسیر سے یہ پتہ ملتا ہے کہ یہ حکم اُس وقت نازل ہوا ہے جب مسلمانوں کو با وصف اپنے
وطن قدیم مکہ معظمہ سے مدینہ کو ہجرت کر جانے کے بعد کفار قریش آرام سے نہ رہنے دیتے
تھے۔ اور اِس امر کی فکر میں تھے کہ اِن پر کوئی متفقہ حملہ کر کے انہیں نیست و نابود کر دیں
اور اِس طرح دین حق کو بالکل صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ مسلمانوں کے خویش و اقارب جو مکہ
میں تھے۔ اگر وہ کفار کے ہم خیال ہوتے تو بڑی آسانی سے زندگی بسر کرتے۔ مگر اَب
بوجہ مخالفت انپر بھی سخت ظلم و تشدّد کیا جاتا۔ جہاں کہ غریب مومنین کا اپنے کاروبار
کے لئے اِکّہ دُکّہ نکلنا تک سخت محال ہو گیا تھا۔ ہر طرف انکے خون کے پیاسے قریشی ہو
موجود تھے۔ جو اِس جلا وطنی میں بھی انہیں با امن زندگی گذارنے نہ دیتے تھے۔ پس
اس وقت عین مصلحت تھی کہ انکو بھی اجازت دیجاتی۔ چنانچہ بامرِ الٰہی یہ اجازت
عطا کی گئی۔ کہ اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ترجمہ۔ "اجازت ہے اُن لوگوں کے لئے جہاد کی جو اللہ
کے رستہ میں ظلم اُٹھا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ انکی حمایت پر قادر ہے" جس سے معلوم ہوتا کہ جہاد کی اجازت
بطور ڈیفنس وار کے تھی نہ کہ آفنسو وار کے۔ لیکن مسلمان چونکہ عرصہ سے تختہ مشق جور و جفا
ہو رہے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کی روک تھام کے باعث اُنکی تمام بہادریاں پردۂ تحمّل
میں چھپی ہوئی تھیں۔ اور اپنے مقابل اعدا کی شورہ پشتیوں نے ایک جوشِ انتقام
اُنکے دلوں میں بھر دیا تھا۔ اِسلئے جب انہیں اجازت ہوئی تو پھر انکی بہادری نے وہ وہ
جوہر دکھائے کہ تمام عرب کو ناکان چنے چبوا دئے۔ اور بہت سی اقوام نے انکی شجاعت کو غنیمت سمجھکر انکی
سرداری تسلیم کر لی۔ جسکے بعد وہ علی الاعلان دعوتِ اسلام کرنے کو نکلے [illegible]

چونکہ عرب میں اس وقت کوئی مستقل بادشاہت قائم نہ تھی۔ اور جو لوگ سردار قوم کہلاتے
تھے وہ اپنے زعم میں غریب لوگوں پر ایسے ایسے اختیارات خدائی رکھتے تھے جو اس زمانہ
میں شاید قیصر و کسریٰ کو بھی میسر نہ ہوں۔ لہٰذا اشاعت اسلام کے ساتھ ہی تمام بنی آدم
کو انصاف و عدالت کے ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے مسلمانوں نے مذہبی عزیزوں کی
حفاظت کا بھی اہتمام کیا۔ جسکو دوسرے معنوں میں گو بادشاہت کہہ سکتے ہیں مگر
چونکہ نہ آنحضرت صلعم اور نہ خلفائے راشدینؓ کا اس حکومت سے اظہار تفاخر یا اجتماع
زر مقصود تھا۔ اسلئے اسکو بادشاہت کی بجائے حفاظت ہی کہنا زیادہ موزون معلوم
ہوتا ہے۔ پس اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے جو جہاد مسلمانوں کو کرنے پڑتے انہی کو
بعض متعصبین تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا
جائے تو مذہب نام ہے دنیوی زندگی کے مستحسن بنانے کا۔ اور جب تمام جہان کی
دنیوی زندگی اُس وقت ذلیل و خوار پائی جاتی تھی۔ تو واقعی اِن مصلحانِ عالم
کا فرض تھا کہ وہ ہر جگہ بقدرِ امکان خود پہنچکر اصلاحِ عالم کا مشن پورا کرتے قطع نظر
اس کے اسلامی طریق جنگ و فتوحات کا بھی ملاحظہ کیا جائے تو یہ الزام محض بیہودہ
معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں جاتے تھے زبردستی کسیکو مسلمان نہ بناتے تھے
بلکہ جہاں کہیں جاتے سب سے پہلے تو اسلام پیش کرتے جسے وہ اپنے نزدیک دین
و دنیا کی بہتری و درستی کے لئے سب سے اچھا طریق سمجھتے تھے۔ اور واقعی بھی اگر
تعصب کی عینک اتار کے دیکھا جائے تو ایسا ہی ہے۔ پس اگر انکی اس دعوت کو قبول کر لیا
جاتا تو وہی لوگ جو پہلے انکے جانی دشمن ہوتے انکے بھائی بن جاتے۔ اور انکے حقوق میں
برابر ہو جاتے۔ چنانچہ ابو سفیان جو ابتدا میں آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی ایذا
میں ابو جہل سے کم مخالف نہ رہا تھا۔ اور جس نے اپنی زبان۔ ہاتھ اور مال کو مسلمانوں
کے برخلاف استعمال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مسلمان ہوتے ہی سب کے
برابر ہو گیا۔ بلکہ اس کی سابقہ سرداری کا خیال کر کے یہ اعزاز بھی بخشا گیا کہ فتح مکہ کے دن
جو شخص ابو سفیان کے گھر پناہ گزین ہوگا۔ اُس پر وار نہ کیا جائے گا یعنی [illegible]

اور خالد بن ولید نے بھی پہلے پہل مسلمانوں کے خلاف سخت سخت کارروائیاں کی تھیں لیکن مسلمان ہونے کے ساتھ ہی وہ سپہ سالار ہو گئے۔ اور اپنی وجاہت و لیاقت کے اعتبار سے ایک گورنر مصر اور دوسرے کمانڈر انچیف کر دئیے گئے۔ یہ تو تھا اُن لوگوں سے معاملہ جو اس آوازِ حق کو قبول کر لیتے تھے لیکن جو لوگ اسلامی برکات اور حقانی جذبات پر اپنے آبائی مذاہب کو ہی مرجح سمجھتے تھے اُن کے لئے حکم تھا کہ وہ جزیہ ادا کریں۔ جس کے عوض میں انکو بیرونی دشمنوں اور ہر طرح کی بے انصافیوں اور نقصانات سے بچانا مسلمانوں کے ذمہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی اعتبار سے وہ لوگ ذمی کہلاتے تھے۔ اور انکو اپنے مذہب کے طور و طریق برتنے کی ہر طرح اجازت تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے ایسے ذمی یہود کی مذہبی واقفیت و حفاظت کے لئے زید بن حارث رضؓ کو توریت کی تعلیم پر مقرر فرما دیا تھا کہ ذمی لوگ جو بوجہ جہالت اپنے مسائل بھی پوری طرح نہ سمجھ سکتے تھے۔ توریت کے احکام سے پورے پورے واقف و ماہر ہو جائیں۔

جزیہ پر بھی اکثر لوگ خواہ مخواہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی ناواجب یا غیر منصفانہ قاعدہ نہ تھا بلکہ یہ وہ ٹیکس تھا جو مسلمان دوسری اقوام سے اپنی جنگی خدمات کے عوض میں لیا کرتے تھے۔ کیونکہ بوجہ احتیاط دوسری اقوام کو مسلمان جنگی لڑائیوں میں اپنے ساتھ شریک نہ کر سکتے تھے جیسے کہ آج باوجود تہذیب و تمدن کی چکاچوند کے باقتضائے مصلحت قومی و ملکی گورنمنٹ انگلشیہ بھی دوسری اقوام کے لوگوں کو والنٹیر بننے کی اجازت نہیں دیتی۔ جزیہ کا رواج مسلمانوں سے پہلے نوشیرواں عادل کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ لفظ جزیہ عربی نہیں ہے بلکہ فارسی زبان کے لفظ گزیہ کا معرب ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جب دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے ٹیکس دہندوں کے ساتھ کیسا منصفانہ سلوک کرتے تھے۔ اور وہ اس برائے نام ٹیکس کے مقابلہ میں انکی خدمات کو کتنا کچھ قابلِ قدر جانتے تھے۔ تو اور بھی لطف آ جائیگا۔ شام کے مقام حمص کے عیسائیوں کا قصہ تاریخ میں موجود ہے کہ مسلمانوں نے باعوض جزیہ کے انکی حفاظت اپنے ذمہ لی تھی۔ جب ایک دوسری لڑائی کی

شرکت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس مقام کے خالی کرنے کی ضرورت ہوئی - تو انہوں نے
انکا وصول شدہ جزیہ واپس کر دیا - جس پر اُن لوگوں نے نہایت ہی حسرت کے ساتھ آنسو
لیتے ہوئے کہا کہ تمہارا رہنا ہمارے لئے بہت بہتر تھا - بجائے آنے والے رومیوں کے
کہ وہ ہم سے سب کچھ چھین لینگے لیکن تم ہمارے ساتھ انصاف اور ہر طرح کی سہولت
اور مساوات کا برتاؤ کرتے تھے - ٹرنسوال میں ایشیائی باشندوں کے ساتھ
طرح طرح کی سختیاں کیجاتی ہیں - انکو خرید زمین نقل مکان اور نئی بستیوں میں تجارت
کی اجازت نہیں دیجاتی - سول اور ملٹری ملازمتوں میں انکو مساوات کے درجے نہیں
دیئے جاتے - اور جو لوگ اس وقت پہلے کے چھپے ہوئے موجود ہیں انسے گرانبہا
ٹیکس لئے جاتے ہیں - جسپر اوّل گورنمنٹ کے وقت میں بھی کئی دفعہ شکایت کی گئی -
اور موجودہ برٹش گورنمنٹ کے روبرو بھی لیکن تا حال یہ بات آش دکا سمجھا جاتا ہے
پس تعجب کی بات ہے کہ مسلمان جو جزیہ دینے والوں سے ہر طرح انسانیت اور انصاف
و مروت کا برتاؤ کرتے تھے - اُن پر اعتراض کرنیکا حوصلہ کیونکر معترضوں کو پیدا ہوتا
ہے - جزیہ کی مقدار سالانہ زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ فی کس تھی - خواہ کوئی لاکھوں کا
ہی مالک کیوں نہو - کم سے کم تین روپے اور متوسط شرح چھ روپیہ تھی - بیس برس سے کم اور پچاس
سے زیادہ عمر والے - بیمار - اپاہج - اور وہ لوگ جنکا سرمایہ دو سو درہم یعنی ساٹھ روپے سے
کم ہو اس ٹیکس سے بالکل بری الذمہ یعنی مستثنیٰ تھے - اس وقت کے ٹیکس تو ایک طرف
رہے مختلف سلطنتوں اور خود برٹش انڈیا میں جو انکم ٹیکس جاری ہے - اسی کو دیکھکر
اعتراض کرتے تو شائد انہیں خود ہی تسلی ہوجاتی -

ان دونوں صورتوں کے بعد تیسری صورت تلوار کی تھی لیکن پھر بھی اس کے نتیجہ میں بھی
دونوں صورتیں کھلی تھیں یعنے جو اقوام یا ملک اسلام بھی قبول نہ کرتے تھے اور جزیہ دینا
بھی نہ چاہتے تھے - انہیں جنگ کے ذریعہ فیصلہ کرنیکا پیغام دیا جاتا تھا - اور جنگ
کے بعد بھی یہ نہیں کہ ضرور سب کو زبردستی مسلمان ہی بنا لیا جائے - بلکہ ہر شخص اپنی
مرضی کے موافق بعد مفتوح ہونے کے بھی اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے کا دستور

اپنے مذہب پر رہنے کا ویسا ہی مختار تھا جیسے جنگ سے پہلے۔

اس کے بعد جنگ کے آئین وقوانین اور دشمنوں سے طریق رزم کا بیان بھی کسیقدر ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر ایک جنگ میں بڈھوں عورتوں اور بچوں کو بالکل چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور علیٰ ہذا پادری اور مذہبی پیشوا قطعاً تلوار سے آزاد تھے۔ چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بڑے منہ چلے بہادر مسلمانوں کے سامنے پادریوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نسبت طرح طرح کی نہ صرف بیہودہ بکواسیں ہی کی ہیں بلکہ گالیاں تک بھی دی ہیں۔ جنکو سنکر رسول صلعم کے حکم کے موافق مسلمان خون جگر پی پیکر خاموش ہو ہو گئے ہیں۔ اور باوصف تلوار کے موجود اور ہاتھ میں قوت اور دشمن پر غلبہ پانے کے وہ انہیں مار کر دل ٹھنڈا نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو ہدایت تھی کہ شیر دار جانوروں کو نہ ماریں۔ کھیتوں باڑیوں اور ثمردار درختوں کو جلائیں۔ اور ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ دوست ہو یا دشمن اگر مسلمانوں کا ایک سپاہی بھی کوئی اقرار کرلے تو اسے پورا کریں۔ معلوم نہیں اس سے زیادہ نرم طریقے جنگ کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہو سکتے ہیں تو ابتک کسی عیسائی سلطنت نے جیسا کہ انکا مذہب ہدایت کرتا ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر دھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے روبرو کردو۔ کیوں اس پر عمل نہیں کیا؟ بلکہ ہم تو بجائے اس کے گھروں اور کھیتی باڑی کے جلانے کے متعلق روز خبریں سنتے ہیں۔ سوڈان اور افغانستان کے سرحد کے تو ہماری گورنمنٹ کے بھی یہی شہادت دیتے ہیں۔ اور عیسائیت کے خاص الخاص مدعی زار روس کے حالات جنگ پڑھکر تو شاید کسی انسان کو سوائے الامان الحفیظ پکارنے کے کوئی چارہ ہی نہیں رہ جاتا۔

اس کے بعد ایک مسئلہ بھی قابل تحریر ہے۔ یعنی اسیران جنگ سے کیا سلوک ہوتا تھا اس کی صورت یہ ہے کہ مسلمان صرف ان لوگوں کو اسیران جنگ سمجھتے تھے۔ جو جنگ میں پکڑے جاتے۔ اگر انکے قبائل ساتھ ہوتے تو وہ بھی پکڑے سمجھے جاتے کیونکہ وہ بھی فی الجملہ جنگ میں کوئی نہ کوئی حصہ ضرور لیتے تھے۔ گرفتاری کے بعد اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیتے۔

تو اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔ اور مسلمانوں کے برابر سمجھ لئے جاتے۔ اور یہ بھی ہوتا تو اُنکے وُرثاء و اولیاء کوئی فدیہ یا معاوضہ دیکر انہیں چھڑا لینے پر آمادگی ظاہر کرتے تو بلا تامل انہیں زرِ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن اگر کوئی شخص انکی واپسی کی بھی خواہش نہ کرتا۔ تو وہ مسلمانوں کے غلام سمجھے جاتے۔

غلام کے لفظ سے لوگ چونک اُٹھیں گے حالانکہ غلام کا لفظی ترجمہ ہے لڑکا۔ اور بچہ۔ اسکو نوکر پر بولا جاتا ہے۔ عرب میں زمانہ جاہلیت کے وقت تو غلاموں کے ساتھ جو سلوک کئے جاتے تھے وہ تو واقعی ناقابل برداشت تھے۔ لیکن مسلمان جو سلوک اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے تھے وہ بالکل برادرانہ اور برابرانہ ہوتا تھا۔ کھانے پینے پہننے میں آنحضرتؐ نے اپنی اولاد کے ساتھ غلاموں کی مساوات اِتنی قائم کر دی ہے کہ دُنیا بھر میں کوئی شخص بھی اُس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ دُور جانیکی ضرورت ہی نہیں۔ اِسی ہندوستان میں غلاموں نے سلطنت کی ہے اور سادات تک نے انکی اطاعت کی ہے۔

پس معلوم نہیں کہ اِس سے زیادہ نرمی کس مذہب اور کس سلطنت میں دکھائی جا سکتی ہے۔ اور ان حالات کے ہوتے ہوئے کس طرح مسلمانوں پر الزام دیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے بزورِ شمشیر اسلام پھیلایا ہے۔

غزوات و سریات کی ایک مختصر تفصیل جو یہاں دی گئی ہے۔ اِس سے ناظرین کو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ مسلمان اپنے مخالفین۔ محصورین اور مغلوبین سے کس طرح پیش آیا کرتے تھے۔ سوائے بنی قریظہ کی قتل کے (جو محض مصلحتِ ملکی کے خیال سے عمل میں آئی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کے چھوڑ دینے سے مسلمانوں کا دوبارہ مبتلائے مصیبت ہونا یقینی طور پر نظر آ رہا تھا۔ جیسا کہ بنی نضیر کے چھوڑ دینے سے انکو جنگ خندق کی آفت دیکھنا پڑی تھی) غالباً کوئی ایسا موقع نہیں دکھایا جا سکتا۔ جسمیں مسلمانوں نے مصلحتاً بھی کسی کو ہلاک کیا ہو۔ منافقین کی کیفیت بھی ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ کہ باوجودیکہ انسے برابر نقصانات پہنچتے تھے۔ مگر کلمہ گوئی کا اِتنا لحاظ کیا جاتا تھا۔ کہ اُنسے کوئی بدسلوکی تو کجا کلمۂ اتفاقی تک روا نہ رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی کی

نمازِ جنازہ تک آنحضرت صلعم نے خود جا کے پڑھائی۔ حالانکہ اُس کی شرارتیں کچھ
چھپی ڈھکی نہ تھیں۔

فتوحاتِ اسلام پر یوروپین مورخوں کی رائے کا کسیقدر

اقتباس بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ دوسروں کی زبانی تصدیق کا بھی لطف
ناظرین کو آجائے۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں مسلمانوں کی فتوحات کی نسبت
بہت منصفانہ رائے دی ہے۔ بلکہ اپنے بیان کی تائید میں یورپ ہی کے چند مصنفوں کی شہادتیں
بھی پیش کی ہیں جنکا ذکر اس جگہ کچھ غیر ضروری نہ ہوگا۔ ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں۔
"جس وقت ہم فتوحاتِ عرب پر نظر ڈالیں گے۔ اور اُنکی کامیابی کے اسباب کو ہویدا
کر دکھائینگے تو معلوم ہوگا کہ اشاعتِ مذہب میں تلوار سے مطلق کام
نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں
آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اگر اقوامِ عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کرلیا
اور بالآخر اُنکی زبان کو بھی اختیار کیا۔ تو یہ محض اس وجہ سے تھا۔ کہ انہوں نے
اپنے جدید حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جنکی حکومت میں وہ اُس وقت تک
تھے۔ بہت زیادہ منصف پایا۔ اور نیز اُنکے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ
سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ کوئی مذہب بزورِ شمشیر
نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسائیوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کرلیا۔ اُس وقت
اِس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا۔ لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا۔ اور
فی الواقع دینِ اسلام بعوض اس کے کہ بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہو۔
محض بہ ترغیب اور بزورِ تقریر شائع کیا گیا ہے۔ اور یہی ترغیب تھی
جس نے اقوامِ ترک و مغل کو بھی جنہوں نے آگے چلکر عربوں کو مغلوب کیا۔ دینِ
اسلام قبول کرنے پر آمادہ کردیا۔ ہندوستان میں جہاں عربوں کا محض گذر ہی ہوا
تھا۔ اسلام نے اس قدر ترقی کی ہے۔ کہ اس وقت پانچ کروڑ سے زیادہ

مسلمان اس ملک میں موجود ہیں۔ اور انکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔
اگرچہ انگریز اس وقت ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور انکے ساتھ پادریوں کی
ایک فوج موجود ہے۔ جس کا کام مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے۔ تاہم اس کی کوئی
سچی مثال نہیں پائی جاتی۔ کہ یہ پادری اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئے ہوں۔
چین میں بھی اشاعت اسلام کچھ کم نہیں ہوئی۔ اگرچہ عربوں نے چین میں کبھی
زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اس وقت چینی مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ نفوس
سے زیادہ ہے۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ماقبل کے مذاہب کی
اور علی الخصوص مذاہب یہود و نصاریٰ کی بے انتہا رواداری کی ہے۔ یہ اس قسم کی رواداری
ہے۔ جو مذاہب کے بانیوں میں نہایت شاذ پائی جاتی ہے۔ اور آنحضرتؐ کے ان
احکام کی پابندی آپ کے جانشینوں نے بھی کمال درجہ پر دکھائی ہے۔ کل اُن مسلم اور
غیر مسلم مؤرخین نے جنہوں نے عربوں کی تاریخ کو بغور پڑھا ہے۔ اس رواداری کا اعتراف
کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقوال سے جنکو ہم نقل کرتے ہیں اور جنکی مثل اور بہت اقوال
موجود ہیں معلوم ہوگا کہ ہماری یہ رائے صرف ایک ذاتی رائے نہیں ہے۔

رابرٹسن اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے کہ "صرف مسلمان ہی تھے جنہوں نے اشاعت
مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری بھی ملی ہوئی تھی۔ ایک طرف تو وہ اپنے پیغمبر کے دین کو
بزور شمشیر پھیلاتے تھے۔ اور دوسری طرف اُن اشخاص کو جو اُسے قبول نہیں کرتے تھے اپنے
اصلی ادیان پر قائم رہنے دیتے تھے"

میشو اپنی تاریخ جنگ صلیبی میں کہتا ہے کہ "احکام قرآنی جو مذہب کے
مقابل میں تلوار سے لڑنا سکھاتے ہیں۔ جملہ ادیان کی نہایت رواداری کرتے ہیں۔ ان احکام
کی بنا پر بچوں بوڑھوں اور راہبوں اور انکے خادموں کو جزیہ معاف ہے۔ آنحضرتؐ
نے اپنے پیروؤں کو خاص طور پر راہبوں کے قتل کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ
خلوت نشین رہنے والے تھے۔ جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ تو انہوں نے

عیسائیوں کو مطلق نہیں ستایا۔ برخلاف اس کے جب عیسائیوں نے اسی شہر مقدس کو دوبارہ لیا تو انہوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور یہودیوں کو جلا دیا۔"

مسٹر بعنبان اپنی کتاب "مذہبی سفر مشرق" میں لکھتا ہے۔ کہ "عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے۔ کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے انکو مسلمانوں نے تعلیم کی۔ جنکے نزدیک یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے۔ کہ انسان دوسروں کے مذہب کی عزت کرے۔ اور کسی کو مذہب کے بدلنے پر مجبور نہ کرے۔"

پھر ڈاکٹر گستاولی بان "عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات" کے عنوان سے ایک دلیل مضمون میں لکھتے ہیں۔ کہ "آنحضرت اور خلفائے راشدین نے ملکی اغراض کے مقابل ہرگز بزور شمشیر دین پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ عرض ان کے وہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے۔ وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب رسوم و اوضاع کی پوری طرح حرمت کیجائے گی۔ اور اس آزادی کے بدلے میں وہ اُن سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے۔ جو اُن مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پرانے حکمران انسے وصول کیا کرتے تھے۔ نہایت ہی کم ہوتا تھا۔

(اس کے بعد علامہ موصوف نے ہندستانی مسلمانوں کی نرمی کے متعلق درج کی ہیں جو انہوں نے غیر مذہب مفتوحین سے ہمیشہ جائز رکھیں جن کا یہاں لکھنا کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا) ۔

ابتدائی غزوات وسریات

ہجرت کے بعد جبکہ مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ قریش کو انکے اس طرح نکل جانے پر سخت غصہ آرہا تھا۔ کیونکہ وہ ان لوگوں کو بالکل نیست و نابود کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ پہلے پہل جب مسلمانوں نے حبشہ میں ہجرت کی۔ تو تب بھی انہوں نے انکا تعاقب کیا حتیٰ کہ شاہ حبشہ سے جا لگائی۔ اس کے بعد جب مدینہ کو ہجرت شروع ہوئی تو پھر بھی برابر دپئے ایذا رہے۔ لہذا جو کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ آتا تھا۔

پوشیدہ طور پر آتا تھا۔ آنحضرت صلعم پر تو حملہ کر ہی دیا گیا تھا۔ مگر حافظ حقیقی نے آپؐ کو اُنکی دستبرد سے بچا لیا۔ اور پھر بھی انہیں کے اندیشہ سے آپؐ کو کہیں غار میں دن کاٹنے پڑے اور کہیں رستہ چھوڑ کر سفر طے کرنا پڑا۔ لیکن مخالفین کیطرف سے اس پر بھی بس نہ تھی اُنہوں نے آپؐ کے قتل کے لئے اشتہار اور انعام مقرر کیا۔ اور اب جبکہ مسلمان بخیریت اُنکے ہاتھ سے نکل آئے۔ تو وہ اِن طیاریوں میں تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اِن غریبوں کو پیس ڈالیں۔ چنانچہ اِسی حالت میں ۲؁ ہجری میں آیۂ جہاد نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں نے ایسے قافلوں کی خبریں سُنکر جو اُنکی طرف آنے والے ہوتے تھے۔ خود بڑھکر اُنکا استقبال شروع کیا۔ تاکہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اِنکے ساتھ دو دو ہاتھ ہو جایا کریں اور خاص مدینہ میں کوئی شورش برپا نہو۔ ایسے حملوں کو بعض متعصب عیسائی مؤرخوں نے لوٹ مار سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ یہ بات واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا فرضِ اعظم اپنے اِس نئے مسکن کو ہر طرح کی بد امنی اور خونریزی سے بچانے کے لئے یہی تھا۔ کہ جب کبھی وہ دشمن کے قافلوں کی خبر سنتے اُسے باہر ہی جا لیتے۔ علاوہ ازیں لوٹ مار اُن لوگوں کا کام ہے جو صرف حصولِ مال کے لئے حملہ کریں۔ لیکن یہاں یہ بات نہ تھی۔ قریش جنکی قوت و اثر کے باعث مسلمانوں کو زندگی دشوار ہو گئی تھی۔ جب تک اُنہیں اُنکی شورہ پُشتی کی سزا نہ دیجاتی۔ اور اُنکے غرور کا سر نیچا کر کے نہ دکھا دیا جاتا۔ مسلمانوں کی عافیت خطرہ میں تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اُنکے مال و قوت کے کمزور کرنیکے متعلق جو مردانہ کوششیں ہو سکتیں بروئے کار لائی جاتیں۔

غزوہ الوا - سب سے پہلا غزوہ ہے۔ جسکے واقعات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قریش مکّہ میں بنی ضمرہ کا ایک قافلہ مسلمانوں کی مخالفت کے لئے آرہا تھا۔ کہ مقام ابوا میں آنحضرت صلعم نے ایک جماعت مومنین کے ساتھ اسکو جا لیا۔ گو یا وصفیکہ اُسکے پاس سامان ... اور جمعیت کثیر موجود تھی۔ مسلمانوں کو اِس طرح بپھرے ہوئے شیر کیطرح آتے دیکھ کر مشرکین پر انکا رعب غالب آ گیا۔ اور اُنکے سردار قافلہ مخشی بن عمرو نے اِس معاہدہ پر صلح کر لی کہ آئندہ ہم مسلمانوں کے خلاف نہوں گے نہ قریش مکّہ کے مددگار۔ چنانچہ یا وعدہ ...

آنحضرت صلعم اسی قدر صلح فرما کر مراجعت فرمائے مدینہ ہو گئے۔ اگر لوٹ مار ہی مقصود ہوتی
تو اتنی صلح کیونکر ہو سکتی تھی۔

واقعہ دوم یہی ابواء کے قریب مقام رابغ پر واقعہ ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم
جب غزوہ ابواء سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دشمن یعنی
ابوجہل کا بیٹا عکرمہ ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ پر چڑھا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ آپ نے
بسرکردگی عبیداللہ ابن حارث مطلبی قریشی کے ساٹھ مسلمانوں کی ایک
جماعت مقابلہ کو روانہ فرمائی جنکی یہ حالت تھی کہ کسی کے پاس تیر و کمان تھا تو تلوار ندارد۔
اور تلوار تھی تو تیر و کمان ندارد۔ مگر دلی جوش سے لبریز تھے۔ بھروسہ توکلت علی اللہ کا تھا تو
سمجھے تھے لیکن جب مقام رابغ پر کفار قریش سے دو بدو ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ کفار کی تعداد
دو سو ہے۔ اور اس پر یہ کہ سب کے سب خوب مسلح ہیں۔ قریش نے بھی ان تھوڑے سے
آدمیوں کی شکل دیکھ کر تیروں کے آگے رکھ لیا۔ مگر تاہم جب ذرا بھی کوئی آدمی ہٹے ہے مسلمانوں نے
جگہ پر ڈٹنے اور نہ ہٹنے کی ٹھان لی تھی۔ دشمنوں کا عاجز آکے خود تھی وہ پھر ... تو مارنے شروع
کئے کہ حریف کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ چونکہ بیروں کا مال بھی جو کچھ
وہ چھوڑ گئے تھے سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ بلکہ عتبہ بن مروان اور مقداد بن اسود گروہ
کفار میں سے آکر مشرف باسلام ہوئے۔ اور مظفر و منصور ہو کر مع لشکر مدینہ میں آکر شریک
تابعین ہوا۔ اس لڑائی سے قریش کو مسلمانوں کی بسالت و جرأت اور زندہ دلی کا
ایک ایسا نمونہ نظر آگیا تھا کہ جس سے آئندہ کی ایک ہیبت قائم ہوگئی۔

واقعہ سوم۔ اس کے بعد پھر مسلمانوں کی ایک جماعت بسرکردگی جناب امیر حمزہ جو عم بزرگوار
سید الانام تھے قریش تاجروں کے اس قافلہ کی روک تھام کے لئے ... گئی جو
ابوجہل شام سے لے کر آرہا تھا۔ ... مسلمانوں کو ... کہ اگر ... قریش
اور بھی زیادہ فساد ہو جاتے۔ مگر چونکہ جماعت کفار تین سو تھی۔ اسلئے جنگ نہ ہو سکا۔ اور
مجدی بن عمرو جہنی نے سمجھا بجھا کر مسلمانوں کو واپس کر دیا۔

واقعہ چہارم بھی معمولی ہے۔ کہ اسی سن دوم ہجری میں سعد بن وقاص صرف

بیس آدمی تھا جنہیں ساتھ لیکر مقام خرار تک پہنچے تھے کہ قریش انکی خبر پاتے ہی منتشر
فرار ہو گئے۔ اور یہ بلا نتیجہ طیبہ کو واپس ہوئے۔

واقعہ پنجم۔ اسی سنہ ہجری میں مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ قریش کا ایک قافلہ بسرکردگی
امیہ ابن خلف جمحی مسلمانوں پر آ رہا ہے۔ لہذا خود آنحضرت صلعم سعد ابن معاذ کو مدینہ
منورہ میں بطور نائب چھوڑ کر صرف دو سو آدمی کی جمعیت سے مقابلۂ جنگ کیلئے بواط
تک تشریف لے گئے۔ مگر قریش خبر پاکر فوراً ہی بھاگ گئے۔ اور نوبت جدال کی نہ پہنچی۔

واقعہ ششم۔ بھی اسی سنہ ہجری میں پیش آیا۔ کیونکہ مسلمانوں کو خبر ملی تھی کہ
ابوسفیان ابن حرب کا ایک قافلہ آ رہا ہے جسکے استقبال کو خود آنحضرت بمعیت
حضرت حمزہ بہمراہی ڈیڑھ سو مسلمانوں کے روانہ ہوئے۔ اور سلمہ ابن عبد الاسد مخزومی
کو مدینہ میں عارضی طور پر اپنا نائب کیا گیا۔ مگر مقام عشیرہ تک جانے سے معلوم ہوا۔ کہ قریش
مسلمانوں سے ڈر کے دوسری راہ نکل گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس نقل و حرکت سے
اتنا فائدہ ہوا کہ قبیلہ بنی مدلج نے مسلمانوں سے عہد کیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف
نہ رہینگے۔ بلکہ حسب موقع انکی امداد کرینگے۔ اسی سفر میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کسی دن
ایک درخت کے نیچے یونہی خالی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے جو دیکھا
تو محبت سے فرمایا "یا ابا تراب" (اے مٹی کے باپ) پس اسی دن سے آپکی کنیت ابوتراب ہو گئی

واقعہ ہفتم۔ بھی اسی سال وقوع میں آیا جسے غزوہ بدر اولیٰ کہتے ہیں۔ اسکے واقعات یہ
ہیں کہ کرز بن جابر فہری ایک زبردست شخص تھا۔ اور سخت مسلمانوں کا مخالف۔ اسنے
نواحی مدینہ میں مسلمانوں کے اونٹوں کو چرنے سے روک کر ڈرانا کہ ہم انہیں لوٹ لینگے
جس پر مدینہ میں زید ابن حارثہ کو چھوڑ کر آنحضرت خود تشریف لے گئے۔ مگر نواح مدینہ
میں صفوان تک ہی پہنچے تو معلوم ہوا کہ کرز وہاں سے بچکر فرار ہو گیا

واقعہ ہشتم۔ بھی اسی سال بطن نخلہ میں پیش آیا۔ مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت
بسرکردگی عبداللہ بن جحش بطن نخلہ میں جو پتہ لینے کے لئے گئی ہوئی تھی کہ ناگاہ ایک قافلہ قریش
نمودار ہوا۔ مسلمانوں کی قلیل جماعت بھی اس وقت مجتمع نہ تھی کہ چند لوگ اونٹ چرانے

گئے ہوئے تھے۔ پس کفار نے انہیں ستانا شروع کیا۔ یہ پہلے تو خاموش رہے کہ صرف سات ہی آدمی تھے مگر آخر ضبط نہ کر سکے تو وہ غضبناک حملہ کیا کہ کفار بھاگ نکلے۔ اور انکا مال اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جو آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر کیا گیا۔ مگر چونکہ مخالفین نے یہ خبر اڑا دی تھی کہ مسلمانوں نے یہ حملہ رجب میں کیا ہے۔ اور یہ مہینہ تھا حرمت کا۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے اس مال میں سے اپنا کوئی حصّہ نہیں لیا۔ جسپر مجاہدین بڑے شکستہ دل تھے آخر دانی ہدایہ۔ یسئلونك عن الشھر الحرام قتال فیه۔ قل قتال فیه کبیرٌ وصدٌّ عن سبیل الله وکفرٌ به والمسجد الحرام واخراج اھله منه اکبرُ عند الله والفتنة اشدُّ من القتل (ترجمہ۔ تجھسے ماہِ حرام کے قتال کی بابت پوچھتے ہیں تو تو کہہ کہ اسمیں قتال گناہ اور برائی ہے۔ مگر اللہ کے رستے سے روکنا اور مسجد الحرام اور بیت اللہ سے اُن لوگوں کا نکال دینا تو اس سے بھی بڑھکر ہے۔ اور فتنہ و فساد تو قتل سے بھی زیادہ گناہ ہے) نازل ہوئی۔ تب کہیں مسلمانوں کی تسلّی ہوئی۔ اور اصلیت یہ تھی کہ جس دن یہ جنگ واقعہ ہوئی ہے مسلمانوں نے سمجھا کہ اُس دن جمادی الثانی کی ۳۰ ہے۔ حالانکہ تھی رجب کی پہلی۔ اور جمادی الثانی ۲۹ کا ہی ہوا تھا۔

بہرحال اس آئت کے نزول کے بعد آنحضرت صلعم نے خمس قبول فرمایا۔ اور قریش کے دونوں اسیرانِ جنگ عثمان و حکم نامی بالعوض سعد ابن وقاص اور عتبہ بن مروان کے جو تنہائی میں اونٹ چراتے ہوئے قریش کے ہاتھ آگئے تھے چھوڑ دیئے گئے۔

معرکہ بدر کبریٰ

ابتدائی لڑائیوں کے بعد تاریخ اسلام میں واقعہ ایسا عظیم الشّان گذرا ہے کہ جسکو گویا اسلام کی فتح و شکست کا فیصلہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ادہر مسلمانوں کو بھی ابھی تک سیعد ر آب امن حاصل ہوا تھا۔ اور اُدہر مخالف بھی سخت زوروں پہ ہو گئے تھے بالخصوص ایسے لوگوں کو ہر دم آزمائی اور حملہ آوری کرتے دیکھکر اور بھی متنفّر و متردد تھے کہ ابھی ابھی وہ اپنے شدید اختیارات اور ظلم و ستم کی چکّی میں پستے رہے تھے۔ پس اس

گرتے ہی ریزہ ریزہ ہوکر تمام مکہ میں منتشر ہوگیا۔ اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا
ایک آدھ ریزہ نہ پڑا ہو۔ اس خواب کی دہشت نے عاتکہ کو بیدار کردیا۔ تو اس نے اپنے
بھائی عباس ابن عبدالمطلب سے اس کا ذکر کیا۔ اور انہوں نے یہ خواب ولید ابن مغیرہ کو
سنایا جو اس وقت ایک بہت بڑا لائق اور قابل سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ ولید ہے جس نے
باوصف قرآن شریف کے معجز بیان ہونے کے بھی آنحضرت صلعم کی نسبت ساحر اور کلام اللہ
کی بابت سحر بابل ہونیکی افواہ اڑائی تھی۔ غرضکہ ولید سے اس کے باپ نے سنا۔ اور پھر
رفتہ رفتہ ابوجہل اور دوسرے اعیان قوم تک بھی یہ خبر پہنچی۔ جس پر ابوجہل نے جو
خلقی جاہل تھا عباس سے کہا کہ کیوں بنو عبدالمطلب تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ
کرتے تھے اب تمہاری عورتوں کو بھی الہام ہونے لگا۔ پس اگر تین دن میں تمہارے قول کے
مطابق ایسا نہوا۔ تو میں تمام قوم میں بنی ہاشم کو دروغگو اور مفتری مشہور کردوں گا۔ القصہ
قاصد کے پہنچنے پر خواب کی یہ تعبیر بخوبی منکشف ہوئی۔ تو چونکہ اس خواب کے بعد
تین دن کے اندر ہی یہ قاصد آگیا تھا۔ اسلئے بعض بعض اعیان قوم جنگ کے موافق
نہ پائے گئے۔ کہ مبادا ہماری تباہی کا موجب ہوجائے لیکن ابوجہل انکو حوصلہ دیتا تھا
اور کہتا تھا کہ حضرت عمرو بن الحضرمی جو اتفاقاً مسلمانوں کے ہاتھ سے بطن نخلہ میں مارا گیا ہے
اسی نے انکے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ لیکن ہمارے جوانمرد انہیں نہایت آسانی کے ساتھ
نیست و نابود کردینگے۔ اور ابوسفیان کے قافلہ کو جو انہوں نے شربت کا گھونٹ سمجھا ہے۔
انکے حق میں زہر ہلاہل ہوجائیگا۔ بنو عدی اور بنی ہاشم تو اس سبب سے بھی مخالف تھے۔
کہ آنحضرت صلعم بنی ہاشم میں سے اور حضرت عمر بنی عدی میں سے تھے لیکن امیہ بن خلف
اور کئی ایک دوسرے اہل الرائے بھی جنگ کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ امیہ بن خلف کی نسبت
آنحضرت نے فرمایا تھا کہ یہ شخص میرے ہاتھ سے مارا جائیگا اسلئے اسے اپنی جان کا بھی
خوف تھا۔ لہذا وہ اپنی کبر سنی کا عذر پیش کرکے مخلصی چاہتا تھا مگر ابوجہل نے کہا کہ تمہارا
نہ جانا قوم کو بیدل کردیگا کیونکہ تم سردار قوم ہو۔ اس پر بھی وہ راضی نہوا۔ تو ابوجہل ایک سرمہ دانی
اور عقبہ بن معیط ایک انگیٹھی میں خوشبو ڈالکر لے آیا۔ کہ لیجئے بی امیہ صاحبہ! آپ خوشبو سونگھا

اور شہر میں لگایا کرو۔ مردوں میں سے تو آپ گنے گئے رہے۔ اِس پر چار و ناچار اُسے بھی
طیار ہونا پڑا۔ طیاری ہوئی تو پورے سروسامان سے ہوئی۔ نوسو پچاس تو لڑنے والے جوان
تھے۔ سو گھوڑے۔ سات سو اونٹ۔ اور سامانِ حرب تو اتنا تھا۔ کہ جسکے پاس جو جو ہتھیار تھے
اُس نے سب ساتھ لے لئے تھے۔ سردارانِ قوم میں سے عتبہ و شیبہ پسرانِ ربیعہ
ابو البختری بن ہشام۔ حکیم بن الحزام۔ نوفل بن خویلد۔ حرث بن عامر بن نوفل۔ طعیمہ بن عدی
بن نوفل۔ نضر بن الحرث۔ زمعہ بن الاسود۔ ابوجہل۔ امیہ بن خلف۔ سہیل بن عمرو۔ عمرو
بن عبدود وغیرہ وغیرہ سبھی ساتھ تھے۔ راگ رنگ کے بھی جملہ لوازم ہمراہ تھے۔ غرضکہ ان لوگوں نے
پوری پوری جنگی قوت کے ساتھ جحفہ میں پڑاؤ آ کیا۔ جو بدر کے قریب کا مقام ہے۔

اب ادھر کی کیفیت بھی سننے کے لائق ہے کہ ابوسفیان کے قافلہ میں جاتے ہوئے سو ڈیڑھ سو
آدمی تھے۔ اور چونکہ آنے میں بھی کسیطرح اُن سے زیادہ متوقع نہ تھے۔ اسلئے مسلمانوں کو انکے
آنے کی خبر ملی۔ تو انہوں نے بھی طیاری شروع کی۔ مگر اسی اندازے سے کہ تعداد دشمن کچھ زیادہ نہ ہوگی
آنحضرت صلعم نے قرآنی ذریعہ سے خبر پاکر پیشن گوئی بھی فرما رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر
مسلمانوں کو یا تو کھلا ہوا فتح بخشے گا یا مالِ غنیمت عطا فرمائیگا۔ اسلئے سب لوگ تُلے بیٹھے تھے
اور آنحضرت کے ہمرکاب سوائے عورات اور بچوں اور بڈھوں کے سب کے سب چل کھڑے ہوئے
جنکی مجموعی تعداد تین سو پانچ تھی جنمیں اٹھتر مہاجرین تھے اور باقی ۲۳۴ انصار۔ مدینہ میں آنحضرت
صلعم نے پہلے ابو عمرو بن ام مکتوم کو بحیثیت امام نماز پڑھانے کو مقرر فرما دیا تھا۔ مگر بعد ازاں مقام
روحاء میں پہنچکر ابو لبابہ کو بھی حاکم مدینہ مقرر کرکے واپس فرما دیا۔ اسکے سوا مہاجرین میں سے
دو آدمی طلحہ اور سعید پہلے اس غرض سے بھیجے گئے تھے۔ کہ قافلہ کی خبر لائیں۔ اور حضرت
عثمان بن عفان اور جو بیمار رہی حضرت رقیہ بنت رسول صلعم کی انکی تیمارداری کرتے رہے۔ اسلئے
مہاجرین میں سے یہ تین اصحاب شامل جنگ نہیں ہوسکے۔ علیٰ ہذا انصار کے پانچ اشخاص بھی
خاص خاص وجوہ سے معذور سمجھے گئے لیکن چونکہ آنحضرت صلعم نے انہیں بھی تقسیم غنیمت اوروں
کے مساوی شریک فرما لیا تھا۔ اسلئے ان آٹھ صاحبان کو بھی اہلِ بدر سے ہی گنا جاتا ہے۔
اور اس طرح انکی تعداد ۳۱۳ ہو جاتی ہے۔

ان لوگوں کا سامان جو کچھ ہو سکتا تھا کسی بیان کا محتاج نہیں۔ صرف ستر اونٹ تھے
جن پر یہ اکیلے دو دو تین تین آدمی سوار ہوتے تھے۔ مگر بڑی بات یہ تھی کہ سب کے سب
بکفِ جان عزیز خود بسر خویش کفن دارم + کے مصداق تھے۔ چنانچہ سرورِ عالم صلعم
مع اپنے جان نثاروں کے موضع وادی الصفرا میں پہنچے۔ اور آپکو قریش کی آمد کا یقین
ہوا تو آپ نے غازیانِ اسلام سے مشورہ فرمایا۔ کہ کہو کیا صلاح ہے۔ مہاجر تو قریش ایسے
دشمنانِ اسلام کے ساتھ بوجہ اُن سختیوں کے جو [illegible] وہ انہیں مکہ میں کرتے رہے تھے۔ قدرتی
طور پر جنگ کے آرزومند تھے۔ لیکن انصار کی ہمت اور بھی لائق تعریف ہے کہ انہوں نے
صرف دینِ حق کی نصرت کے لئے مہاجرین سے بھی بڑھکر مستعدی دکھائی۔ اور عرض کیا
کہ ہم لوگ آپکے سچے جان نثار ہیں خواہ مخالفین کتنے ہی ہوں۔ ہم اپنی جانیں دیدینگے
لیکن ہٹیں گے نہیں۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ہی نافرمان امت تھی جس نے اذھب
انت وربک فقاتلا[1] کہدیا تھا۔ یہاں تو یہ حال ہے۔ کہ ؎

تا سر نہم پا نکشم از سر کوئے   نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

آنحضرت صلعم اپنے سچے جان نثاروں کے اس استقلال سے بیحد محظوظ ہوئے اور ان شرکائے
جنگ بدر کے لئے حضرت کردگار سے فتح و نصرت کی دعا فرمائی۔ کہ خدایا تیرے دینداروں کا
گروہ بے طاقت ہے۔ اسے قوت دے۔ بھوکا ہے۔ کھانا عطا کر۔ ننگا ہے کپڑا مرحمت فرما۔ تہی دست
ہے سامان کر۔ چنانچہ آپکی دعا حرف بحرف قبول بھی ہوئی۔
غرضکہ جب لشکرِ اسلام بدر تک پہنچا۔ تو آنحضرت نے ایک کنوئیں کے گرد منزل فرمائی۔ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ زبیر بن العوام و سعد بن ابی وقاص کے ساتھ چند آدمیوں کو مخالفین کی خبریں
لانے پر مامور فرمایا۔ یہ حضرات تھوڑی دور گئے تھے کہ چند لوگ قریش کے اونٹوں کے ساتھ دکھائی دیئے
جو مسلمانوں کو دیکھتے ہی اونٹوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ مگر دو لڑکے سالم و عریض نام کے پکڑے گئے

---

[1] تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھے رہینگے۔ [2] مسلمانوں نے ان غازیوں کی
بہت بڑی عزت کی ہے کیونکہ واقعی یہ لوگ موت کو سامنے دیکھکر صرف خدا اور رسول خدا صلعم کی
رضا جوئی کے لئے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تھے ۱۲۔

جنہیں آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر کیا گیا۔ اس وقت آپ نماز میں تھے۔ یہ لوگ قریش کے سقے تھے۔ جو پانی کی تلاش میں آئے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ مسلمانوں نے اُن سے حال دریافت کیا۔ تو اُنہوں نے کہدیا کہ ہم قریش مکہ کے ساتھی ہیں۔ مگر بعضوں نے یہ سمجھا کہ یہ ہمیں قریش کا ڈراوا دیتے ہیں۔ اور یہ دراصل ابوسفیان کے گروہ سے۔ اُنہوں نے مارنا اور اُنہیں پوچھنا شروع کیا۔ کہ تم ابوسفیان کے ساتھ ہو۔ اُنہوں نے مار کھا کے کہدیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے ہی ساتھ ہیں۔ اتنے میں آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ انکا پہلا بیان ہی سچ تھا۔ کہ یہ قریش کے ساتھی ہیں۔ تم نے ناحق مار کر جھوٹ کہلوایا۔ پھر آپ نے قریش کی تعداد دریافت فرمائی۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ نو دس اونٹ روز ذبح ہوتے ہیں جس سے آپ نے اندازہ فرمایا۔ کہ نو دس سو آدمی ہوں گے۔ چنانچہ یہی صحیح بھی نکلا۔

یہ بھی لائق تحریر ہے کہ ابوسفیان نے گو قاصد تو مدینہ میں بھیجدیا تھا۔ مگر جس طرح جاتے ہوئے اُس نے ساحل سے ہو کر نکل جانے میں جان بچالی تھی۔ ویسے ہی اب بھی نکل گیا۔ لہذا اُس نے ابوجہل کو کہلا بھیجا کہ ہم بلا نقصان نکل آئے ہیں۔ پس اب جنگ کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ آخر نتیجہ ہوا کہ ابوسفیان بھی مع اپنی مختصر جماعت کے آکر شامل ہو گیا۔ اور جنگ کے لئے پھر مشاورت ہونے لگی۔ قریش کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ کہ جس پر اتنے مشورے کئے جاتے۔ مگر فلسفہ والے اتفاق کہیں اور ہم تائید غیبی اور نصرت الہی کہتے ہیں۔ کہ قریش جس دن سے مکہ سے چلے تھے۔ پے در پے بدشگونیوں اور پریشان خوابوں نے انکو ڈرا رکھا تھا۔ چنانچہ مقام جحفہ میں بھی جہیم بن الصلت نے یہ خواب دیکھا تھا کہ کوئی شخص اسپ سوار ہے جس کے ساتھ ایک اونٹ بھی ہے اُسنے کہا کہ ابوجہل بن ہشام۔ عتبہ و شیبہ و امیہ وغیرہ مارے گئے۔ اور پھر اُس نے اونٹ کے گلے میں ایسی زور سے برچھی بھونک دی کہ وہ کھلبلا کر بھاگ نکلا۔ اور تمام لشکر قریش میں چیختا ہوا دوڑنے لگا۔ چنانچہ اُس کے بہتے ہوئے خون سے تمام اہل لشکر کے ڈیرے خیمے داغدار ہو گئے۔ یہ خواب ابوجہل نے تو یہ کہکر ٹالدیا۔ کہ بہت خوب دیکھیے ابھی بنی ہاشم میں کتنے ایک پیغمبر پیدا ہوتے رہیں۔ مگر بعض لوگ سہم بھی گئے۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن الحزام نے کہا کہ مطلب تھا قافلہ کے بچنے سے وہ تو بچ گیا۔ پھر ایسے منحوس سفر در پیش [illegible]

مگر ابوجہل نے عامر بن الحضرمی کو ابھارا۔ جس کا بھائی عمرو نامی سریہ بطن نخلہ میں مارا گیا تھا
پس اس نے گریبان پھاڑ کے ننگے سر تمام لشکر میں "وا عمراہ" کہکر رونا شروع کر دیا چنانچہ اس
تدبیر نے سب کو جنگ پر متفق کر دیا۔ اور عمیر بن وہب جمحی کو لشکر اسلام کی تعداد معلوم کرنے کے
لئے بھیجا گیا۔ تو اس نے کسی طرح پہنچکر اور طرز و طریق دیکھکر جانچ لیا۔ کہ کل تین سو آدمی ہیں۔
جس سے قریش اور بھی بھپر گئے۔

قریش کا حال یہیں تک لکھنے کے بعد اب غازیان اسلام کی کسیقدر کیفیت بھی دکھا دینی
ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے بدر پہنچکر ایک ٹیلہ کے ذیل پر قیام کر لیا تھا۔ چنانچہ وہیں حباب
بن منذر اور عمر بن الجموع رض نے عرض کیا۔ کہ لڑائی کی حالت میں اس مقام سے بہتر کوئی خیمہ گاہ
ملنا مشکل ہے۔ یہیں حضور کے لئے ہم کھجور کے پتوں سے ایک مکان بنائے دیتے ہیں۔ جہاں
آپ بعافیت رہیں۔ اور ساتھ ہی ایک حوض کھود لیتے ہیں۔ جسمیں کنوئیں میں سے
پانی نکالکر بھر لینا چاہئے۔ کہ جنگ میں بوقت تشنگی کسیکو پانی کی تکلیف و انتظار نہ رہے
چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا جسکے مطابق مکان بھی تیار ہو گیا۔ اور
حوض بھی کھود کر پانی سے بھر دیا گیا۔ یہ سب تدبیریں ہو چکیں تو آنحضرت صلعم نے خوش ہو کر
گھومتے ہوئے سامنے کی زمین پر ہاتھ رکھکر نشان بتادئیے۔ کہ یہاں ابوجہل مارا جائیگا۔ اور یہاں
فلاں اور یہاں فلاں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ فلسفی اسکو اتفاق کہہ دیں۔ مگر ایسا صحیح قیاس کوئی
آج کرکے دکھائے۔ تو ہم بھی اتفاق مان لینگے۔ ورنہ ہم تو اسے معجزہ ہی کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی قلت تعداد کی خبر سنکر کفار زوروں میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑھکر
کنوئیں پر قبضہ کرنا چاہا اور آمنے سامنے آ ڈیرہ ڈالا۔ آخر پس لڑائی ٹھن گئی۔ عتبہ و شیبہ پسران
ربیعہ اور وہ لوگ جو قریش کو جنگ سے مانع آتے تھے۔ اور ابوجہل انہیں بزدل بناتا تھا۔ وہی
لوگ بیدلی کا الزام مٹانے کو سب سے پہلے جنگ میں کود پڑے۔

رسول خدا صلعم نے لشکر اسلام کو ترتیب دیکر مع حضرت ابوبکر صدیق رض کے عریشہ میں آ کر قیام

ک جس وقت آپ لشکر کو صف بستہ فرما رہے تھے۔ آپکے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اتفاقاً وہ ایک ایسے مسلمان کی چھاتی
سے چھو گئی جو صف سے بڑھا ہوا کھڑا تھا۔ پس اس نے عرض کیا۔ کہ آپنے مجھے بلاقصور مارا ہے۔ لہذا قصاص
دیجئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنا شکم مبارک کھول دیا۔ کہ بیشک بدلہ لے لو۔ اسپر اسنے بڑھکر آپکے
سینے کو بوسہ دیکر معافی چاہی۔ کہ میں مرنے پر تیار ہوں۔ پھر حضور کے سینہ مبارک سے
مس کرنے کو یہ حیلہ کیا تھا۔ اللہ اکبر یہ خلوص اور یہ انصاف کہاں آمادگی ۱۲۔

فرمایا۔ جسکے دروازہ پر سعد بن معاذ مع چند انصار کے حفاظت کے لئے کھڑے تھے۔ آپ نے
عریشہ میں پہنچکر دعا فرمائی۔ کہ [1] اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض
اللھم انجز لی ما وعدتنی۔ ایک عرصہ تک تو آپ خشوع و خضوع تمام سے دعا فرماتے رہے
اور ادھر جنگ ہوتی رہی۔ کہ یکایک آپ خاموش ہوگئے۔ اور تھوڑی دیر میں خوش ہوکر ابوبکر صدیق رضی
سے فرمایا۔ [2] ابشر یا ابابکر فقد اتی نصر اللہ۔ اس کے بعد آپ نے ایک مٹھی کنکریوں کی
لیکر یہ پڑھتے ہوئے لشکر اعدا کیطرف پھینکی [3] سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ چنانچہ اسکے
ساتھ ہی لشکر کفار میں بھاگڑ مچ گئی۔

جنگ کا انداز۔ اس زمانہ میں جبکہ توپ و بندوق ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ جنگ کا یہ قاعدہ
تھا کہ پہلے تو فریقین کے لشکروں میں سے چند نامور بہادر نکل کر ھل من مبارز (کوئی ہم سے لڑنے والا
ہے) پکارتے۔ اور رجزیہ اشعار سے اپنی حمیت و غیرت ظاہر کرتے۔ اور جب دونوں آپس میں لڑ چکتے
تو فنون حرب کے مطابق لڑائی لڑتے۔ تو دونوں طرف سے دونوں کی حمایتی سپاہ چڑھ آتی اور
جنگ مغلوبہ کی صورت بن جاتی۔ باجہ اور نقارہ تو تھے نہیں۔ رجزیہ اشعار باجے کا کام دیتے۔
اور ایک قوم اپنے حملے کا ایک شعار مقرر کرلیتا۔ کہ حملہ کرتے وقت وہ فقرہ ہر ایک بولدیا کرتا تھا
جس سے معلوم ہوجاتا کہ حملہ آور کس گروہ سے ہے۔ چنانچہ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار تھا
یاھی عباد الرحمٰن۔

معرکہ کار زار شروع ہوا۔ اور فوجیں آمادہ پیکار ہوکر لیس ہوگئیں۔ تو سب سے پہلے کفار قریش
میں سے عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ اور ولید ابن ولید ھل من مبارز کہتے ہوئے میدان
میں کود پڑے۔ جنکے مقابلہ کو مسلمانوں میں سے عوف و معاذ پسران عفرا۔ اور عبداللہ بن رواحہ
سینہ تانے ہوئے جا اڑے۔ لیکن قریش نے کہا من انتم (تم کون ہو) انصار نے فرمایا
رھط من الانصار (ہم گروہ انصار سے ہیں) اس پر کفار نے کہا مالنا بکم من حاجۃ

---

[1] الہی اگر یہ گروہ ہلاک ہوگیا۔ تو دنیا پر تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ رہیگا۔ الہی عطا فرما ہمیں
وہ چیز جسکا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ [2] خوشخبری ہو اے ابوبکر مسلمانوں کی خدا کی مدد آپہنچی۔
یہ فرشتگان الہی کیطرف اشارہ تھا۔ [3] اب بھاگے گی جمعیت اور پیٹھ دکھائے گی۔

رہیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں) اور ساتھ ہی چیخکر کہا "یا محمد اخرج علینا اکفائنا من قومنا"
چنانچہ یہ سنتے ہی عبیدہ بن الحرث۔ حمزہ ابن عبد المطلب اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم تعالیٰ
نکل کھڑے ہوئے۔ اور اس شان سے بڑھے کہ جاتے ہی حضرت حمزہؓ و علیؓ نے اپنے مقابلوں ولید
اور شیبہ پر تلوار کا وہ صاف ہاتھ رسید کیا کہ دونوں کے سر لٹک گئے۔ عبیدہ ابن الحرث وار ہی نہ
کرنے پائے تھے۔ کہ انکے حریف مقابل عتبہ نے ان پر اس زور سے تلوار ماری کہ انکے پاؤں کٹ گئے مگر
اتنے میں حمزہؓ اپنے مبارز سے فارغ ہو کے انکی مدد کو پہنچ گئے۔ اور ایک ہی حملہ میں عتبہ کا سر
تن سے جدا کر دیا۔ ادھر حضرت علیؓ کو تنہا پاکر حارث بن سراقہ نے حملہ کیا۔ مگر آپ نے تلوار کو نہایت
خوبصورتی کے ساتھ ڈھال پر روک کر ایک خنجر الماس رسید کیا۔ جو اس کی زرہ کو توڑتے ہوئے
جسم میں جا گھسا۔ ادھر سے حضرت حمزہؓ نے آکر ایک ایسی تلوار لگائی کہ حارث کا سر جدا کر دی تو
نکل گئی۔ اور پھر فریقین کے حامی لشکر باہم ملکر مصروف جدال ہو گئے۔ اور اس گھسان کا رن پڑا
کہ سوائے تلواروں کی چکاچوند اور برچھیوں کی چکاچک کے نہ کچھ سنائی دیتا تھا نہ دکھائی
اتنے میں مشہور دشمن اسلام ابو جہل بھی مارا گیا۔ اور ادھر سے آندھی کا وہ زور ہوا کہ کفار کے
پاؤں اکھڑ گئے۔ اور اتفاق سے اسی شب پہلے ایک بارش ہو گئی تھی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ کفار کا
خیمہ گاہ جو نشیبی زمین میں تھا۔ وہاں پھسلن ہو گئی تھی۔ پس اس آندھی نے جب انہیں بدحواس
کیا اور وہ اپنے قیامگاہ کو پھرنے لگے۔ تو پھسلن نے وہاں بھی قدم نہ جمنے دیئے۔ ادھر یہ سب
باتیں مسلمانوں کے موافق تھیں۔ یہ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اور برابر مارا مار کر رہے تھے۔
علاوہ ازیں مسلمانوں میں بڑی بات یہ تھی۔ کہ وہ ممتاز لوگوں پر تاک کے حملہ کیا کرتے تھے
اور اسوقت تک اکثر ایسے لوگ انکی زد میں آ ہی چکے تھے۔ پس کفار بے بھاگ پڑے۔ اور مسلمان
بڑھتے ہوئے چلے گئے۔ اور میدان انکے ہاتھ رہا۔ شمار میں مسلمانوں کے صرف ۱۴ بہادر شہید
ہوئے۔ لیکن کفار کے ستر مقتول اور ستر ہی زندہ گرفتار ہوئے۔ جن میں سے بعض اکابرین
اسیرانِ جنگ کے نام یہ ہیں۔

عباس بن عبد المطلب۔ عقیل بن ابی طالب۔ نوفل بن الحرث۔ سائب بن عبید۔ عمرو
بن ابی سفیان۔ ابو العاص بن الربیع۔ خالد بن اسید۔ عدی بن الخیار۔ عثمان بن عبد الشمس

ابو عزیز بن عمیر۔ خالد بن ہشام۔ رفاعہ بن ابی رفاعہ۔ اُمیہ بن ابی۔ سہیل بن عمرو۔ وغیرہ وغیرہ
مقتولین قریش میں تمام بڑے بڑے سردار مرچکے تھے۔ یعنی ابو جہل۔ ولید بن عتبہ۔ عتبہ و
شیبہ پسران ربیعہ۔ حنظلہ بن ابی سفیان۔ عبیدہ و عاصی پسران سعید۔ حرث بن عامر۔
طعیمہ بن عدی۔ زمعہ بن الاسود۔ حرث بن زمعہ۔ عقیل بن الاسود۔ ابو البختری بن ہشام
نوفل بن خویلد۔ اُمیہ بن خلف۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانوں میں سے عبیدہ بن الحارث۔ عمیر بن ابی وقاص۔ ذو الشمالین عبد عمرو۔ صفوان
بن بیضاء۔ مہجع خادم حضرت عمر ابن الخطاب۔ عاقل بن البکیر لیثی۔ انصار میں سے سعد
بن خیثمہ۔ مبشر بن عبد المنذر۔ یزید بن الحرث۔ عمیر بن الحمام۔ و رافع بن معلی۔ و حارثہ بن
سراقہ۔ عوف و معاذ پسران عفرا شہید ہوئے۔

مسلمانوں کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا وہ بھی معقول تھا۔ جس سے انکی قوت کو آئندہ بہت امداد
ملی۔ اس کے سوا اکثر گروہ اصحاب رسول اللہ صلعم کی رائے اسیران جنگ کی بابت بھی قرار پائی
کہ ان سے فدیہ (معاوضہ) لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ حضرت عمر ابن الخطاب اس کے مخالف بھی
رہے کیونکہ انکے نزدیک قریش کو زندہ چھوڑنا اپنے آپکو معرض خوف میں ڈالنا تھا۔ مگر اسوقت
سبکی رائے کے موافق آنحضرت صلعم نے یہی قرار دیا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ بہت سے
لوگوں نے فدیہ دیکر مخلصی حاصل کی اور جو بچ رہے انہیں اس وعدہ پر رہا کر دیا گیا کہ [illegible]
مدینہ کے لڑکوں کو نوشت و خواند سکھایا کرینگے۔

انہیں اسیران جنگ میں عباس عم رسول مقبول بھی شریک تھے۔ جنکا فدیہ [illegible] طلب
ہوا۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ اور رسول اللہ صلعم سے عرض [illegible] کیا ایسا
آپ بھی یہ پسند کرینگے کہ آپکا چچا ادائے فدیہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ مگر آنحضرت
صلعم نے از روئے کشف فرمایا کہ جو سونا آتے ہوئے اپنے گھر میں رکھ آئے ہو۔ وہی کیوں
نہیں دیتے۔ حالانکہ عباس نے بالکل خفیہ وہ سونا گھر میں رکھا ہوا تھا۔ اس پر عباس نے آنحضرت
صلعم کے نبی برحق ہونے پر گواہی دی۔ اور مسلمان ہوگئے۔ علیٰ ہذا اسیران جنگ میں ابو العاص
بن ابی الربیع داماد رسول اللہ صلعم بھی پیش ہوئے اور انہوں نے فدیہ میں حضرت زینب کی

ایک ہیکل پیش کی۔ جو حضرت خدیجہ رضہ کی بنوائی ہوئی تہی۔ اِس پر آنحضرت صلعم بہت متاثر ہوئے۔ اور مسلمانوں کی رائے کے مطابق وہ ہیکل واپس کرکے صرف اِس وعدہ پر انہیں رہا کردیا کہ وہ مکہ پہنچکر زینب بنت رسول صلعم کو مدینہ بہیجدیں۔ علی ہذا خالد بن ولید نے چار ہزار درہم دیکر اپنے بہائی کو چہڑایا۔ مگر انپر اسلام کی سچائی جلوہ گر ہوچکی تہی۔ وہ مکہ کے رستے سے واپس ہوکر مسلمان ہوگئے۔ صرف عقبہ و نضر بن حارث اِن تمام قیدیوں سے قتل کئے گئے جو اسلام کے سخت دشمن تھے۔

تیسرے دن میدانِ جنگ میں جاکر آنحضرت صلعم نے مقتولین قریش کا معائنہ فرمایا۔ اور مسلمانوں کو یہ دیکھکر نہایت مسرت ہوئی کہ آنحضرت صلعم نے جس جس جگہ کو جس جس مشرک کی قتل گاہ پہلے سے فرمادیا تہا واقعی وہی انکی قتل گاہیں نکلیں۔ روایت ہے کہ آپ نے مقتولین کو دیکھکر ان کے نام لے لیکر فرمایا کہ اے فلاں اور فلاں کیا تمنے دیکھ لیا اپنے رب کا وعدہ سچا لیکن میں نے تو اپنے پروردگار کا وعدہ سچا پالیا ہے۔ لیکن تم نے اُس کے رسول کو جہٹلاکر وطن سے نکال دیا اور طرح طرح کے ستائے گئے۔ کیا اب تم نے اپنی جگہ پالی ہے۔ اسپر بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم کیا یہ لوگ سنتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اب انپر اللہ تعالی کے وعدہ کی سچائی ظاہر ہوگئی ہے۔ بہرحال ابوجہل کی خبر ہلاکت سنکر آپ نے فرمایا قد مات فرعون ھذہ الامۃ یعنے اِس قوم کا فرعون مارا گیا ہے۔ الغرض تقسیم غنائم کے بعد آپ مظفر و منصور مدینہ واپس ہوئے اِس جنگ کی نسبت اللہ تعالی نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین۔

[illegible] جنگ بیان کرتے ہیں کہ ہم گو صورت تو نہ دیکھتے تھے مگر آہٹ ضرور سنتے تھے قطع نظر اِس کے ایکہزار کفار خونخوار و جرار کے مقابلہ میں صرف تین سو غریب مسلمانوں کا اِس طرح کامیاب ہوجانا کہ انکے ستر مرے اور ستر ہی پکڑے جائیں۔ اور ادہر سے صرف ۱۴ ہی شہید ہوں۔ بجز امداد الٰہی کے کیسے ہوسکتا ہے۔ اہلِ فلسفہ جو فرشتوں کے وجود تک کے ہی قائل نہیں اگر انہیں کچہ اعتراض ہے تو وہ ایسطرح تسلی کرلیں کہ جس طرح آجکل انجنوں میں کئی کئی گہوڑوں کی طاقت ہوتی ہے۔ اسیطرح اُس آمدن میں بہی جس پر فتح و نصرت

تھا۔ مسلمانوں کی امداد اور مشرکین کی ہلاکت میں ایکہزار سوار کی طاقت موجود تھی موقع جنگ پہ آندھی کا چلنا۔ اور قبل جنگ مشرکین کے کیمپ میں پھسلن کا ہونا تو یورپین مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس ہم انہیں امدادِ الٰہی کہتے ہیں وہ اتفاق کہہ لیا کریں۔

چھوٹے چھوٹے واقعات

غزوہ بدر سے واپس ہو کر آنحضرت صلعم رونق افروز مدینہ ہوئے۔ چونکہ اہالیانِ مدینہ میں سے یہود اور وہ عرب جو ایمان نہ لائے تھے۔ آنحضرت صلعم اور آپ کی جماعت کو نہایت بری نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اسلئے بعض صحابہ نے اپنے دل میں اُنکے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایک عورت عصما بنت مروان جو ایک زبان دراز عورت تھی۔ اور ہمیشہ مسلمانوں اور آنحضرت کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ عمیر نام ایک نابینا انصاری نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔ عمیر بوجہ اپنی نابینائی کے شریک بدر نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے سمجھا کہ میں اسی طرح داخلِ جنگ ہو جاؤں۔ علیٰ ہٰذا ابو عفک ایسا شخص مشہور دشمنِ اسلام تھا جو مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے بہتان باندھتا اور فریقِ مخالف کو جھوٹی سچی خبریں دیا کرتا تھا۔ سالم بن عمیر نے ایک شب اُسے بھی دار البوار پہنچا دیا۔ ایسا ہی کعب بن اشرف ایک بہت بڑا مخالفِ اسلام تھا۔ جو کھلم کھلا مسلمانوں کے برخلاف اظہار کرتا۔ چنانچہ مخالفین کو آمادہ جنگ کرنے کے لئے یہ شخص مکہ تک بھی گیا تھا۔ چنانچہ اس کا بھی کام تمام کر دیا گیا۔ اور ان باتوں کی خبر جب آنحضرت صلعم کو ہوئی۔ تو آپ نے بھی کچھ اظہارِ ناراضی نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ ایسے مخالفوں کا وجود اُسوقت واقعی سخت خطرناک تھا۔ اب تک یہ قاعدہ ہے کہ نو مفتوحہ ممالک میں چند عرصہ مارشل لا جاری کر دیا جاتا ہے۔ پس اُسوقت جبکہ آنحضرت صلعم کو ایک قسم کی قوت بادشاہت بھی مدینہ میں حاصل تھی۔ تو دفع سازش کے لئے ایسے لوگوں کا قلع قمع نہایت ضروری تھا۔

غزوہ بنی سلیم و بنی غطفان۔ بدر سے ایک ہفتہ واپسی کے بعد مسلمانوں کو خبریں ملیں کہ موضع قرقرۃ الکدر میں بنی سلیم و بنی غطفان مسلمانوں کے برخلاف فساد

کرنا چاہتے ہیں۔ پس بحکم قتل الموذی قبل الایذا آنحضرت صلعم نے مدینہ میں عبداللہ بن مکتوم کو بجائے اپنے نماز پڑھانے پر مقرر کرکے دو سو آدمیوں کی جمعیت سے خود انکی طرف چڑھائی فرمادی۔ اور نشان حضرت علیؓ کے ہاتھ دیا۔ لیکن موضع مذکور میں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ پہلے سے ہی خبر پاکر بھاگ نکلے ہیں۔ پس انکے پانسو اونٹ جو وہاں چر رہے تھے۔ مع ایک غلام یسار نامی کے غنیمت میں لے گئے۔ اور حضور صلعم نے مدینہ کیطرف مراجعت فرمائی۔ واپسی پر ایک خمس مال کا بیت المال میں بھیجکر باقی بحساب دو دو شتر فی کس شرکائے مہم میں تقسیم کیا گیا۔ اور یسار نام غلام جو آپکے حصے میں آیا تھا اُسے آپ نے آزاد فرمادیا۔ لیکن وہ اسلام لاکر وہیں رہ گیا۔

غزوہ بنی قینقاع۔ مدینہ میں سے یہود کے قبیلہ بنی قینقاع نے بھی مثل اور اقوام کے مسلمانوں سے عہد کرلیا تھا۔ کہ وہ ظاہر و باطن انکے مخالف نہونگے۔ مگر ان لوگوں کو مسلمانوں کی ترقیات سخت ناگوار گذرتی تھیں۔ بدر سے واپسی کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے اتنے بڑے کارنمایاں پر اور بھی تمسخر شروع کیا۔ کہ یہ اتراتے کس بات پر ہیں۔ قریش بیچارے تھے ہی کس کام کے۔ کہ لڑتے۔ انہیں دنوں اتفاقاً انہوں نے ایک مسلمان عورت سے ٹھٹھا شروع کیا۔ اسپر ایک راہ چلتے مسلمان نے منع کیا۔ تو یہ اُس سے بھی دست وگریبان ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ اور ایک ایک آدمی دونوں طرف سے مارا گیا۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی۔ اور مسلمانوں نے اپنے تحفظ آبرو کی درخواست کی۔ تو آپنے فریق مخالف کو بلاکر جواب طلب کیا۔ مگر وہ اُلٹا بھی اُلٹے سیدھے جواب دینے لگے۔ کہ ہمیں آپ قریش سا تر نوالہ نہ سمجھئے۔ وہ فنون جنگ سے ناواقف تھے۔ ہم سے جنگ چھڑی تو نتیجہ اچھا نہوگا۔ اس پر آپ نے جلا وطنی کا حکم نافذ فرمایا۔ جسپر پہلے تو وہ اپنی گڑھی میں قلعہ بند ہوکر لڑائی کی طیاریاں کرنے لگے۔ مگر جب دیکھا کہ اس طرح کام بنتا نظر نہیں آتا۔ تو بلا اذن شہر بدر ہونیکو منظور کرلیا۔ چنانچہ پھر آپ نے یہ حکم دیا کہ جسقدر اپنا مال و اسباب لیجا سکیں سوائے اسلحہ جات کے کوئی تعرض نہ کریگا۔ جس کے بعد انکا اخراج ہوگیا۔ عبادہ بن الصامت انکو حدود مدینہ سے باہر کرنے پہنچانے گئے۔ جو انہیں آرام سے حدود شام میں

چھوڑ آئے۔ اور اُنکے مکانات و اسلحہ جات سب مُسلمانوں پر تقسیم کئے گئے۔

غزوہ سویق۔ ابوسفیان جو جنگ بدر سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ اُس نے قسم کھائی تھی کہ جس کس طرح ہوسکے مُسلمانوں سے اِسکا بدلہ لینا ضروری ہے۔ اور جبتک بدلہ نہ لے لونگا عورت سے مباشرت نہ کرونگا۔ کپڑے تک نہ بدلونگا۔ سر میں تیل نہ ڈالونگا۔ اور نہ آنکھوں میں سُرمہ لگاؤنگا۔ قسم تو اُس نے کھانیکو کھالی۔ مگر مُسلمانوں سے بدلہ لینا کچھ آسان کام نہ تھا۔ لیکن پھر بھی وہ ۵ ذی الحجہ ۲ سنہ ہجری کو دو سو سوار لیکر نواح مدینہ میں آیا۔ اور رات میں یہود کے قبیلہ بنی نضیر کا (جو آنحضرت صلعم سے عہد باندھ چکے تھے) مہمان ہوا۔ اور صبح کو وہاں سے روانہ ہوکر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ناحیہ عریض میں جہاں ایک انصاری مع ایک مزدور کے اپنے کھیت کی نگہبانی کر رہا تھا۔ انہیں مار کر ابوسفیان نے بزعم خود اپنی قسم پوری کرلی۔ اور اُلٹا مکہ کو بھاگ گیا۔ مگر جلدی جلدی کی بھاگڑ میں سویق یعنے ستو جو اپنے ہمراہیوں کے لئے وہ ساتھ اُٹھا لایا تھا۔ وہ چھوڑتا گیا۔ آنحضرت صلعم کو جب خبر ہوئی تو مدینہ میں ابولبابہ کو چھوڑ کر آپ مع دو سو سواروں کے اسکے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ مگر وہاں جا کر دیکھا کہ نامردوں کیطرح بھاگ کر اُس نے جان بچالی ہے۔ پس قرقرۃ الکدر تک اُسکا تعاقب کیا گیا اور جب نشان تک نہ ملا تو واپسی کیوقت وہی ستو مُسلمانوں نے باندھ لئے۔ اور اِسی کا نام غزوہ سویق ہوا۔

غزوہ ذی امر۔ ہجرت کے تیسرے سال کے اوائل میں مُسلمانوں کو خبر ملی کہ نواح نجد کے قبیلہ غطفان میں یہود بنی ثعلبہ و بنی محارب مُسلمانوں پر حملہ اور لوٹ مار کرنیکی فکر میں ہیں۔ اِن لوگوں کی اکثر ایسی عادت تھی کہ اپنے مخالفوں پر چھاپے مار کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ پس آنحضرت صلعم نے انکی گوشمالی مناسب تصور فرما کر حضرت عثمان بن عفان کو تو مدینہ میں اپنا قائم مقام خلیفہ مقرر فرمایا اور خود ساڑھے چار سو غازیوں کو ہمراہ لیکر موضع ذی امر کیطرف کوچ فرمایا لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ مُسلمانوں کی آمد کی خبر سنکر پہاڑوں پر بھاگ گئے ہیں چنانچہ وہاں سے دکھائی بھی دیتا تھا۔ کہ بعضے لوگ پہاڑوں پر چڑھے جاتے تھے۔ اتنے میں بارش ہوئی اور مطلع صاف ہونے پر مُسلمان اپنے کپڑے درخت پر سکھلانے کو پھیلا کر اِدھر اُدھر

منتشر ہو گئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم بھی ایک علیحدہ جگہ تنہا ایک درخت کے نیچے سو گئے کہ ناگاہ غورث بن الحارث اُسی فرقہ کا ایک سردار موقع پاکر تلوار برہنہ لئے آپکے سر پر آموجود ہوا۔ اور کہا کہ "من یمنعک منی" (اب کون تمہیں مجھ سے بچا سکتا ہے) آپ نے نہایت استقلال سے فرمایا "اللہ تعالیٰ"۔ چنانچہ اسپر کچھ ایسی ہیبت چھائی۔ کہ تلوار بھی ہاتھ سے گر گئی۔ جو آپ نے اُٹھالی۔ اور اُسی طرح فرمایا۔ "من یمنعک منی"۔ مگر اُس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ غرضکہ وہ تو اپنی قوم میں واپس گیا اور آنحضرت صلعم مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے۔

سریہ قردہ - بدر کے جنگ سے قریش پر رعب بھی تو بیٹھ ہی گیا تھا۔ مگر انتقام کے لئے بھی وہ سخت بیچین ہو رہے تھے۔ چنانچہ مارے ڈر کے اپنے تجارتی قافلہ کا رستہ اُنہوں نے مدینہ کی بجائے سواحلِ سمندر سے مقرر کر لیا تھا۔ مگر جہاں آکے تو کہ مسلمان دیکھتے مار ڈالتے لہٰذا آنحضرت صلعم نے قافلہ کی خبر پاکر ایک سو غازیوں کو بسرکردگی زید بن الحارثہ اُس قافلہ کے مقابلہ کو روانہ فرمایا۔ جو قریش مکہ کا بسرکردگی صفوان بن امیہ اور خویطب بن عبد العزیٰ کے شام کو روانہ ہوا تھا۔ جب مسلمان قردہ پر پہنچے تو قریش انکے دیکھتے ہی مال و اسباب چھوڑ کر اُلٹے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور قافلہ مذکور کا سالم مال و اسباب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا حسب دستور آنحضرت صلعم کے حضور پیش ہوا۔ اور خمس بیت المال میں رکھکر باقی غازیوں میں تقسیم کر دیا گیا

زید بن الحارثہ آپکے آزاد کردہ غلام اوّل مرتبہ اسی سریہ میں امیر لشکر مقرر کئے گئے تھے اور یہ غالباً اس لحاظ سے تھا کہ انکی منکوحہ زینب بنت حجش جو انکو بوجہ غلام ہونے کے حقارت سے دیکھتی تھیں۔ وہ بات جاتی رہے۔ اور انکی عزت قائم ہو جائے۔ مگر اسپر بھی انکی ناچاقی بدستور رہی اور انہیں طلاق لینا پڑا۔ جسکے بعد ایام عدت گذار کے پھر اُنہوں نے آنحضرت صلعم سے ہی نکاح کی خواہش کی۔ جو منظور کی گئی۔ اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ بھی اسی سال آپ کے نکاح میں آئیں۔

کعب بن اشرف - ازواجِ مدینہ میں یہود میں سے ایک سردار تھا۔ جو علاوہ وجاہت ظاہری کے شاعر بھی تھا۔ یہ شخص مسلمانوں کے عروج کو دیکھکر سخت جلتا اور انکے لئے ہجویہ اشعار

ٹکسے کے دل کے بخار نکالا کرتا تھا۔ واقعہ بدر کے بعد اُس نے صنادید قریش کی موت پر ایک
مرثیہ لکھکر مسلمانوں کی بہت کچھ تضحیک کی۔ اور یہیں تک بس نہیں بلکہ مشرکین کی تعزیت
کے لئے مکہ جاکر انہیں مسلمانوں سے بدلہ لینے کیلئے بھی اُبھارا۔ اسکے یہ اشعار رفتہ رفتہ آنحضرت صلعم
تک پہنچے۔ چونکہ اُن دنوں شعراء کا قوموں پر بڑا دخل تھا۔ اور اُنکے اشعار بڑی بڑی خونریزیاں
کرادیا کرتے تھے۔ اِسلئے اِس اندیشہ سے کہ اِس شخص کی مخالفت زیادہ آگ نہ لگا دے آنحضرت
صلعم نے فرمایا۔ کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے۔ جو اِس کے تئیں اسلام کا کام تمام کردے۔ یہ سُنتے
ہی محمد بن مسلم اور ابونائلہ۔ عبادہ بن بشیر۔ اور اوس بن ابو قیس بن جبیر اور سلکان بن
سلامہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اُنہوں نے ابو کعب کو کسی بہانہ کے ساتھ اُسکے گھر سے باہر لاکر
قتل کردیا۔ اِسکے ورثاء آنحضرت صلعم کے پاس فریادی آئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم خیال تو کرو
اِس شخص نے خدا اور رسول کی مخالفت اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کیا کسر اُٹھا رکھی تھی۔
پس اُس کا قتل کچھ ناواجب نہیں تھا۔ بات معقول تھی۔ لہٰذا اُنہیں بھی بجز خاموشی کے چارہ
نہ تھا۔

قتل ابو رافع۔ یہ شخص خیبر زمین حجاز میں ایک یہودی تاجر تھا۔ جو اپنے تمول کے
ذریعہ مسلمانوں کو تکالیف دیا کرتا تھا۔ یعنے یہ شخص آنحضرت صلعم کی قتل کے لئے لوگوں کو آمادہ
کرنا گویا اپنا فرض سمجھے بیٹھا تھا جسکے لئے وہ مشرکین کو روپیہ کی امداد دینے میں کوتاہی
نہ کرتا تھا۔ کعب بن اشرف کی ہلاکت جب قبیلہ اوس کے ہاتھوں ہوگئی۔ تو چند مسلمانوں کو
اِس ملعون کے شر دفع کرنیکا بھی خیال ہوا۔ چنانچہ آنحضرت سے اجازت لیکر عبد اللہ بن عتیک
چند آدمی لیکر اُس کی گڑھی کو روانہ ہوگئے۔ جو ایک نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔
وہاں پہنچکر یہ سوچتے رہے کہ آخر ہم آٹھ آدمی اِس قلعہ کو کیونکر سر کرلیں گے۔ آخرش عبد اللہ
بن عتیک نے ایک تدبیر سوچی کہ شام کیوقت جب دروازہ بند ہونے لگا۔ اور مویشی کا گلہ باہر
سے اندر داخل ہونے لگا۔ تو ایک طرف کو منہ کرکے ہوا ایسی صورت سے دیوار قلعہ کے پاس بیٹھے
جیسے کوئی پیشاب کو بیٹھا ہو۔ دربان نے انہیں اپنے آدمیوں میں سے سمجھا آواز دی کہ جلدی
آؤ ورنہ پھاٹک بند ہوتا ہے۔ یہ فوراً اندر گھسے۔ اور کسی طرف چھپ گئے۔ جب گلہ آ چکا تو اُٹھے رہے

کہ کنجی کہاں رکہی جاتی ہے۔ پس رات کو جب دربان سو گیا تو اُنہوں نے کنجی لیکر
پہلے تو دروازہ کھولدیا۔ کہ بشرط ضرورت بہاگنا چاہیں۔ تو رستہ کھلا رہے۔ اِس سے فراغت
پاکے اُنہوں نے جس کمرہ میں ابورافع اپنے اہل و عیال کے ساتہہ سو رہا تہا۔ اُس کا رُخ کیا۔ مگر وہاں
تہا اندہیرا۔ اب سوچے کہ کیا کیا جاوے۔ لاچار اُنہوں نے آواز دی اور آواز کا جواب پاکر اُسی اٹکل
سے تلوار کا وار کردیا۔ اور خود بہاگنے کو واپس ہوئے۔ مگر پہر شبہ ہوا۔ کہ شاید اُسے تلوار لگی یا
نہیں۔ اِسلئے پہر اُلٹے پہرے۔ اور آواز بدلکر کہا۔ کہ ابورافع کہو کیا حال ہے؟ اُس نے جواب دیا
تو آپ نے آواز پر پہر وار کیا۔ اور ایکے ایسا سخت وار کیا کہ ابورافع جانبر نہو سکا۔ جسکے بعد یہہ
بہاگ کھڑے ہوئے۔ مگر جلدی میں زینہ سے اُترتے ہوئے ٹانگ ٹوٹ گئی لیکن اُنہوں نے
ٹوٹی ہوئی ٹانگ کو اپنی پگڑی سے باندہ کر رستہ لیا۔ اور اِسطرح مدینہ پہنچکر مُہم کی کامیابی
کی خبر آسنائی۔

اِسی سال حضرت فاطمہ بنت رسول کے ہاں ۱۵ رمضان کے قریب امام حسن کا تولد ہوا۔ اور اِسی
سال آنحضرت صلعم کے ہاں بہی ایک لڑکا پیدا ہوا۔

غزوہ اُحد

بدر میں مسلمانوں کو جو فتح و نصرت حاصل ہوئی تہی۔ اگرچہ اسلام کی ترقی اور غریب مسلمانوں
کی آزادی میں اُس سے بہت بڑی مدد مل گئی تہی۔ لیکن یہہ بہی ایک امر واقعہ ہے۔ کہ قریش
مکہ اس کے بعد اسلام کی تخریب اور تنزل استحکام کے لئے بہی بالکل متفق اور متحد ہو گئے
تہے۔ اور خفی اختلافات کو اُنہوں نے بالکل نظر انداز کرکے بدلہ لینے کی پوری پوری نیت
باندہ لی تہی چنانچہ ابوسفیان جو مال و دولت میں قریباً سب سے ممتاز تہا۔ پیش پیش قرار پایا
تہا۔ غالباً ناظرین ملاحظہ کرچکے ہیں۔ کہ اُس نے قسم کہا رکہی تہی۔ کہ جبتک بدر کا بدلہ نہ
لے لونگا۔ عورت سے ہمبستر ہونا تو ایک طرف رہا۔ لوازم صحت یعنی نہانے دہونے تک سے
الگ رہونگا۔ چنانچہ اُس نے مدینہ کے قریب ایک بے بس انصاری اور اُس کے مزدور کی جان
لیکر اِس قسم کو پورا بہی کیا۔ مگر وہ خوب جانتا تہا۔ کہ اِس نامردی اور بُزدلی کا نام بدلہ نہیں

جا کر پوری ہو سکتے ہیں۔ آخرش ایک دن عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداران
قریش نے اُن سے کہا کہ اگر تم روپیہ سے مدد دو تو ہم تمہیں شکست بدر کا قرار واقعی
بدلہ لے دینگے۔ پس جو خود غصّہ سے بھرا ہی بیٹھا تھا۔ فوراً اپنے طرز پر روپیہ دینے کو تیار
ہو گیا۔ اور بڑے بڑے ساز و سامان سے اہل جنگ سجا دیا گیا۔ دو سو سوار سات سو زرہ پوش
اور باقی پا پیادہ غرضکہ پورے تین ہزار لڑنے والے جوان جمع ہو گئے۔ صنادید قریش اور جنگ آزما
بہادروں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ جو پیچھے رہ گیا ہو۔ خالد بن ولید مشہور نبرد آزما عرب
بھی ساتھ تھے۔ اور غصّہ کا تو وہ عالم تھا۔ کہ پیادہ تک جنگ کیلئے بیتاب تھا۔ کیونکہ پچھلے جنگ کے ستر مقتولین کا
تازہ زخم تھا۔ جس میں سے کوئی کسی کا بھائی تھا۔ تو کوئی کسی کا بیٹا۔ عورتیں بھی غیرت دلانے
اور دف پر جنگ گانے کو ساتھ تھیں۔ کہ مردوں کو لڑکے مر جانے کے لئے مجبور کرینگی۔ مگر پیٹھ
نہ دینگی۔ القصہ ابوسفیان اس دھوم دھام کے ساتھ مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ
ہو گیا پانچویں شوال سنہ ۳ ہجری کو بدھ کے دن مدینہ سے تین میل پر اُحد نام جو ایک پہاڑی
واقع ہے اُسکے دامن میں آ ڈیرہ انداز ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبریں برابر پہنچتی تھیں۔ پہلے تو خیال ہوا۔ کہ
انہیں یہیں مدینہ میں آکر حملہ کرنیکا موقع دیا جائے۔ جسمیں انہیں دقت اور مسلمانوں کو
آرام ہوگا۔ مگر پھر یہی قرار پائی کہ وہی مکان لڑائی کے لئے زیادہ موزون ہوگا۔
پس آنحضرت صلعم نے ابن ام مکتوم کو بقیہ مسلمانوں کو سنبھالنے کے لئے چھوڑ کر جمعہ کے
دن مدینہ سے کوچ کرکے اُنکے مقابل جا کیمپ لگایا۔ اس دفعہ مسلمانوں کو پہلی سی
بے سر و سامانی تو نہ تھی۔ مگر تعداد بہرحال قلیل تھی۔ یعنے صرف سات سو مجاہدین تھے جنمیں
دو سو سوار اور ستر زرہ پوش شامل ہیں۔ عبد اللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمی لیکر عین موقع
جنگ سے لوٹ آیا کہ آپنے میری رائے کے خلاف مدینہ سے باہر نکلکر کیوں جنگ کیا۔ مگر آنحضرت
صلعم نے اُس کی واپسی کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ کیونکہ مسلمانوں کو بزدل اور ڈرپوک آدمیوں کی
ضرورت نہ تھی۔ بلکہ یہاں تو سربکف بہادروں کی حاجت تھی۔ بہرحال انہیں سات سو
آدمیوں کے ساتھ آپ نے جنگ کا ڈھنگ ڈالدیا۔ مسلمانوں کی فوج کوہ اُحد کے دامن میں

اس طرح رکھی گئی۔ کہ انکے سامنے تو مدینہ تھا۔ اور پشت پر احد۔ بائیں جانب کو عینین
رکھا گیا۔ جو ایک چھوٹا سا پہاڑ یا بڑا سا ٹیلہ تھا۔ احد اور عینین کے درمیان سے ایک چھوٹی
سی راہ تھی۔ اسپر آپ صلعم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کی جمعیت سے
بدیں غرض مقرر فرمایا کہ وہ اس راستہ کی حفاظت کرتے رہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہے
فتح ہو یا شکست مدد یا غنیمت کو ہرگز یہاں سے قدم نہ اٹھائیں۔ علم لشکر مصعب بن عمیر کے
ہاتھ دیا گیا۔ میمنہ پر عکاشہ بن محصن میسرہ پر ابوسلمہ بن عبدالاسد۔ اور مقدمہ پر ابو عبیدہ
بن الجراح۔ اور سعد بن وقاص سردار کیے گئے۔ ادھر کفار کی طرف ابوسفیان خود لشکر کا
کماندر انچیف تھا۔ اور عکرمہ بن ابی جہل۔ خالد بن ولید۔ صفوان بن امیہ۔ عمرو بن العاص
عبداللہ بن ربیعہ وغیرہ میمنہ و میسرہ و قلب پر متعین تھے۔ پیچھے عورتوں کا طائفہ تھا۔
جنمیں ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) ام حکیم بنت الحرث زوجہ عکرمہ بن ابی جہل
فاطمہ بنت الولید بن المغیرہ (ہمشیرہ خالد) برزہ بنت مسعود۔ ریطہ بنت شیبہ سلافہ
بنت سعد سب شامل تھیں۔ جو مردوں کی پیٹھ ٹھونک رہی تھیں۔ اور دف کے ساتھ آواز
بلند گا رہی تھیں۔ [1]

[1] إن تقبلوا نعانق　　ونفرش النمارق
إن تدبروا نفارق　　فراق غير وامق

غرضکہ اس جوش و خروش کے ساتھ ابھرے ہوئے قریش نے پہلے تیر برسانے شروع کیے۔
اور جب ادھر سے تیروں کا جواب تیروں میں دیا گیا۔ تو نہایت شوخی کے ساتھ گروہ کفار میں سے
طلحہ ابن ابی طلحہ علمدار لشکر کفار نے فوج سے بڑھکر بڑے جوش سے آواز دیا۔ کہ

[2] یا معشر اصحاب محمد انکم تزعمون ان اللہ یعجلنا بسیوفکم الی النار ویعجلکم
بسیوفنا الی الجنۃ قبل احد منکم یعجلہ سیفی الی الجنۃ۔

---

[1] اگر تم مقابلہ کرو گے تو ہم محبت سے تمہارے گلے میں ہاتھ ڈالدینگی۔ اور اپنے بازو بخوشی کھول دینگی
لیکن اگر تم پیچھے ہٹو گے۔ تو ہم تم سے علیحدگی اختیار کرینگی۔ جو نفرت کے ساتھ ہوگی۔

[2] اے محمد کے گروہ کے لوگو! تم جانتے ہو کہ جو تمہاری تلوار سے ہماری طرف کا قتل ہوتا ہے۔ وہ دوزخ میں جاتا
ہے۔ اور جو ہماری تلوار سے تمہارا مارا جاتا ہے وہ بہشت پاتا ہے۔ تو کوئی تم میں ہے جسے میری تلوار بہشت کی [illegible]

یہ دیکھکر اُدھر سے اسد اللہ غالب علی ابن ابی طالب رضہ نکل کھڑے ہوئے اور جاتے ہی تلوار کا وہ زوردار ہاتھ مارا کہ طلحہ کا بازو کٹ گیا۔ بلکہ پاؤں بھی ساتھ ہی کٹ گیا۔ جس کے ساتھ ہی وہ اوندھا ہو کر زمین پر گرا۔ اور چونکہ اکثر ازار (تہ بند) ہی باندھا جاتا تھا۔ اسلئے گرتے ہی اُس کا ستر کھل گیا۔ جس پر حضرت علی رضہ منہ پھیر کر واپس چلے آئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا۔ تو حضرت علی رضہ نے عرض کیا کہ میرا چچا اُس کی بے ستری کو دیکھ نہیں سکا۔ پھر آنحضرتؐ نے ایک تلوار جس پر یہ عربی شعر ثبت تھا۔ کہ ؎

[۱] فی الجبن عار و فی الاقبال مکرمة   والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

اپنے دستِ مبارک میں لیکر فرمایا۔ من یاخذ ھذا السیف بحقہ (اس تلوار کو مجھ سے کوئی لیگا۔ اسکے حق کے ساتھ) اس پر ابو دجانہ رضہ نے عرض کیا۔ وما حقہ یا رسول اللہ صلعم (اس کا کیا حق ہے یا رسول اللہ صلعم) آپ نے فرمایا۔ کہ ان تضرب بہ العدو حتی ینحنی۔ (اس کا حق یہ ہے کہ اس سے مارے جائیں دشمنانِ خدا تاوقتیکہ یہ ٹیڑھی یا کند ہو جائے) اس پر ابو دجانہ نے عرض کیا۔ انا اخذہ یا رسول اللہ بحقہ (اسے میں لیتا ہوں یا رسول اللہ اسکے ادائے حق کے لئے۔ چنانچہ آپ نے ابو دجانہ کو تلوار عطا فرمائی تو وہ اکڑتے ہوئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے رزمگاہ میں تشریف لے گئے۔ ؎

[۲] انا الذی عاھدنی خلیلی   ونحن بالسفح لدی النخیل

[۳] ان لا اقوم الدھر فی الکیول   اضرب بسیف اللہ والرسول

اور پھر نہایت دلیری اور بہادری سے وار کرنے شروع کر دئے۔ غرضکہ لڑائی زور پکڑ گئی۔ اور ادھر حضرت حمزہ رضہ بن عبد المطلب اور حضرت علی رضہ طلحہ و شیبہ و انس بن نضر رضی اللہ عنہم مع چند جان نثار انصار کے سینہ سپر کئے ہوئے فوج مخالف میں جا گھسے۔ اور اس زور کا حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انہوں نے بیدل ہو کر ہٹنا شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھکر عبد اللہ بن جبیر رضہ کی

---

۱ بزدلی ہے عار اور اقبال ہے مردانگی۔ کام مردوں کا نہیں ہے جنگ کے دن بزدلی۔

۲ میں وہ ہوں کہ مجھسے میرے دوست نے قول لیا ہے۔ جبکہ ہم میدان متصل باغ میں تھے۔

۳ کہ میں پچھلی صف میں کھڑا نہ ہونگا۔ اور (اس تلوار سے) دشمنانِ خدا اور رسول کو مارتا جاؤنگا۔

ہتھی میں جو تیرانداز تھے انہوں نے مارے خوشی کے آنحضرت صلعم کے فرمان کو فراموش کر کے اپنا مرکز چھوڑ دیا۔ صرف ۲۰ آدمی وہاں ڈٹے رہے لیکن پچاس آدمیوں نے تعاقب کریں پہنچکر مال غنیمت لوٹنا اور کفار کو مارنا اختیار کر لیا۔ دراصل یہ چال خالد بن ولید کی تھی کہ اس نے اپنے لشکر کے پاؤں اکھڑے ہوئے دیکھکر ادھر سے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ اور سمجھ لیا تھا کہ اب اس رستہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے سوار بھی ادھر آ مشغول ہوجائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ تو ادھر بڑھے اور ادھر سے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے ایک سیل کی طرح کاٹ کر اسی رستے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی تاب مقابلہ بھلا بیس شخص کیسے لاسکتے تھے۔ پس وہ تو وہیں مارے گئے۔ اور لشکر کفار اسی راہ سے مسلمانوں پر سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اور اس گھمسان کی لڑائی ہونے لگی کہ کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ مسلمان گویا بالکل محاصرہ میں آچکے تھے۔ مگر پھر بھی غضبناک وار کرتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب جبکہ آپ عبدالعزیٰ غبشانی پر حملہ کر رہے تھے۔ وحشی نامی ایک حبشی کے نیزے سے شہید ہوگئے۔ جس نے نہایت بزدلی سے ایک پتھر کی آڑ میں اپنے آپکو چھپا کر ناگاہ آپ پر وار کیا تھا۔ اور جب آپکی شہادت کی خبر وحشی نے ہندہ زوجہ ابوسفیان کو پہنچائی تو اس نے مارے بغض و عناد کے نعش مبارک کو مثلہ[۱] کر دیا۔ اور ابوسفیان نے نعش مبارک پر کئی جگہ نیزے سے بھی زخم لگائے۔ غرضکہ گروہ کفار میں جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حمزہ مارے گئے۔ تو چونکہ بہادران اسلام میں امیر حمزہ ایک بڑے بے جگر اور پرلے درجے امیر فنون جنگ سردار تھے۔ اسلئے انکی خبر وفات کا مشہور ہونا کفار کی دلاوری کا باعث ہو گیا۔ اور ادھر مسلمانوں پر بھی شکستہ دلی کا قدرتی اثر ظاہر ہونے سے نہ رہا۔ اسی حالت میں کفار میں سے عتبہ بن ابی وقاص۔ ابی بن خلف جمحی۔ عبداللہ بن قمیہ۔ و عبداللہ بن شہاب زہری و ابن قمئہ لیثی نے اور بھی خیرہ سر ہو کر خاص آنحضرت صلعم کے قتل کے ارادہ سے حملہ کر دیا

---

۱ ناک کان کٹے ہوئے اور کہاں اُتارے ہوئے گوشت کھینچے ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں اپنے دشمنوں کو لوگ بوجہ عداوت کے یہی مارا کرتے تھے۔ اور جیتے جی بس چلتا تو بعد موت انکے ساتھ یہ حال کرتے تھے۔ چنانچہ ہندہ نے حضرت امیر کو اسی قسم کے مثلہ سے مثلہ کر دیا تھا۔

اور حملہ کرتے ہوئے آنحضرت تک پہنچ ہی گئے۔ چنانچہ ابن شہاب نے آپ کے چہرہ مبارک
پر زخم پہنچایا۔ اور عتبہ نے اس زور سے پتھر مارا کہ آپ کے لبہائے مبارک سخت زخمی ہو گئے۔
یہاں تک کہ دندان مبارک میں سے داہنی جانب کا نچلا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اور ابن قمئہ نے
اس زور سے پتھروں کا برساؤ کیا کہ جو خود آپ پہنے ہوئے تھے اس کے دو حلقے چہرہ مبارک
میں گھس گئے۔ اتنے میں ابی ابن خلف آپکی طرف دوڑا مگر آپ نے زبیر یا حرث کا نیزہ
لیکر اس کو ایک چرکا لگا دیا۔ اور اتنے میں ابو دجانہؓ نے عبداللہ بن حمید کو قتل کر دیا۔
لیکن اس کشاکشی میں پاؤں رپٹنے کے باعث پاس ہی جو ایک گڑھا تھا۔ اس میں
آپ گر گئے۔ اور ادہر اس عرصہ میں مصعب بن عمیر علمبردار لشکر اسلام شہید ہو گئے۔ جسپر
ابن قمئہ نے چلانا شروع کر دیا "قد قتلت محمداً" (بیشک میں نے محمد کو مار ڈالا) بس
پھر کیا تھا۔ سنتے ہی تو اور بھی منتشر ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی بدحواسی بڑھ گئی۔ اور بعض
انہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور بعض نے بھاگ کر ہی جان بچائی جنہیں حضرت عثمان
بن عفان اور عثمان بن ابی عتبہ رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہ بھی تھے لیکن بعض ایسے بھی
تھے جنہوں نے یہ سمجھ کر اور بھی بے جگری سے حملے کیے کہ آپ رسول اللہ صلعم کے بعد
ہمارا جینا بیکار ہے۔ چنانچہ انہیں سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں
جنہوں نے سب سے پہلے یہ کہا تھا۔ اور روایت ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ اپنے وقت
شہادت تک برابر بے تکان لڑتے رہے۔ اور جب شہید ہوئے تو معلوم ہوا کہ اسّی زخم آپکو
آئے تھے۔

الغرض جب آنحضرت صلعم کی خبر شہادت مشہور ہوئی۔ تو مسلمانوں میں سخت ابتری
پڑ گئی۔ ہر ایک جماعت کا حال کھٹا گیا کہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا حال تھا۔ اتنے
میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ مسلمانو! یہ خبر غلط ہے۔ اگر رسول اللہ صلعم کو
تلاش کرو۔ خوب یاد رکھو کہ رسول خدا صلعم دین حق کی اشاعت کو مبعوث ہوئے ہیں۔
پس ابھی دین اتنا نہیں پھیلا ہے۔ کہ آپ اٹھ جانے سے رہے۔ حضرت کو ڈھونڈھنے چنانچہ
سب ڈھونڈھنے لگ گئے۔ اور سب سے پہلے کعب بن مالک نے آپکو پہچانا مگر سلام مبارک

اور مسلمانوں کو آواز دی کہ یارو خوش ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ گوگیا تو خوشی میں اور بھی بہت کچھ کہتے۔ مگر آنحضرت صلعم نے موقع دیکھکر منع فرما دیا۔ اور رفتہ رفتہ سب مسلمان آپکے گرد جمع ہو گئے جسکے بعد آپ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اسوقت حضرت ابوبکر۔ عمر۔ علی۔ زبیر۔ حرث وطلحہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور جوں جوں لوگوں کو پتہ ملتا گیا۔ سب آپکے حضور میں حاضر ہوتے گئے۔ غرضکہ ادہر تو یہ پریشانی تھی۔ مگر کفار کو بھی ہمت نہ رہی تھی۔ کہ وہ کچھ زیادہ تکاپو کر کے مسلمانوں کا تعاقب کرتے۔ بلکہ انہوں نے اس اتنی سی ہزیمت کو بھی غنیمت جانا۔ چنانچہ جس وقت آپ کوہ احد تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اور پہاڑ کے اوپر آدمیوں کو دیکھکر نیچے سے آواز دی۔ کہ افی القوم محمد (کیا تم لوگ گروہ محمد سے ہو) مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے کہا۔ افی القوم ابن ابی قحافہ (کیا تم قوم ابوبکرؓ سے ہو) مگر پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے کہا افی القوم عمرؓ (کیا تم قوم عمرؓ سے ہو) اور جب اس کا بھی جواب نہ ملا تو اس نے آواز بلند کہا۔ اما ھولاء فقد قتلو؟ پس یہ سب لوگ مارے گئے یہ سنکر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کذبت اے عدو اللہ قد ابقی اللہ ما یخزیک (جھوٹے ہو تم اے دشمن خدا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ رکھا ہے۔ اور برائی نہیں پہنچائی) مگر چونکہ بولنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ اور مسلمانوں کی ہزیمت ظاہر تھی۔ ابوسفیان اکڑ کر کہنے لگا۔ اعل ھبل (اے ہبل[1] بلند ہو جا) اس پر بھی حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے آنحضرت کے ارشاد پر فرمایا۔ اللہ اعلیٰ واجل (خدا ہی بلند و بزرگ ہے) اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ ادہر آکر مجھسے دو چار باتیں کر جاؤ۔ چنانچہ اجازت پاکر آپ بڑھے اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوسفیان۔ بیشک عزیٰ ہمارا ہے تمہارا نہیں۔

عمرؓ۔ بیشک خدا ہمارا ہی مددگار ہے تمہارا نہیں۔

ابوسفیان۔ کیوں اب تو بدر کی لڑائی کا بدلہ ہو گیا۔

---

[1] ہبل ایک بت کا نام تھا۔ جو مکہ میں معبود مشرکین تھا۔

عمرؓ۔ بھلا بدلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے شہدا تو جنت میں ہیں اور تمہارے مُردے دوزخ میں

ابوسفیان۔ آج ہم نے تمہارے محمدؐ کو قتل کر دیا۔

عمرؓ۔ خدا ایسا نہ کرے۔ وہ تیری باتیں سن رہے ہیں۔

ابوسفیان۔ کیا تم ابن قمئہ سے زیادہ راستباز ہو۔

عمرؓ۔ اللہ سچا اور راستباز ہے۔

ابوسفیان۔ اچھا تم اپنے مقتولین میں مثلہ کئے ہوئے پاؤ گے۔ مگر میں اس کام میں بخدا نہ خوش ہوا ہوں اور نہ ناراض۔ نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ منع ہی کیا ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر کہا۔ الحرب سجال یوم احد بیوم البدر۔ وموعدکم بدر للعام القابل (یہ جنگ احد تو بدلہ ہو گیا جنگ بدر کا۔ اب لڑائی کا وعدہ سال آئندہ بدر ہی کا ہے۔ جس پر آنحضرت صلعم کی اجازت سے صحابہؓ نے فرمایا۔ کہ نعم هو بیننا وبینک موعد (اچھا یہی ہم اور تم میں وعدہ رہا)۔

ابوسفیان یہ کہکر چلا گیا۔ تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کے ساتھ چند صحابہ کو بھیجا۔ کہ جا کر دیکھو اگر یہ اونٹوں پر سوار ہو جائیں تو سمجھنا کہ مکہ کو گئے ہیں۔ اور گھوڑوں پر چڑھیں۔ تو جاننا کہ مدینہ پر چڑھائی کا عزم ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر دیکھا۔ تو ابوسفیان اور اس کے ساتھی اسی فتح مندی کو ہی غنیمت سمجھتے تھے۔ انہوں نے فوراً اونٹوں پر بیٹھ کر مکہ کی طیاری کر دی۔

نتیجہ جنگ جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ستر شہید اور ستر زخمی ہوئے۔ بعض کتابوں میں شہدا کی تعداد ایک سو تین بھی درج ہے۔ مگر اس میں یوں تطابق ہو سکتا ہے کہ زخمیوں میں سے ہی غالباً تینتیس (۳۳) آدمی جانبر نہ ہو سکے ہوں گے۔ کفار کے مقتولین کی تعداد تیئس (۲۳) کہی گئی ہے۔ اور زخمیوں کا پتہ تو کیسے چل سکتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ اختتام لڑائی پر ٹھہرے تک نہ تھے۔

اس جنگ کے متعلق چند واقعات خاص کر کے قابل ذکر ہیں۔ مثلاً یہ کہ۔

جب آنحضرت صلعم کی خبر شہادت مشہور کی گئی اور مسلمانوں میں ایک بدحواسی پھیل گئی۔ تو اس وقت صرف حضرت علیؓ اور گیارہ اشخاص انصار میں سے تو آپ کے پاس تھے۔ باقی جہاں

کہیں کوئی تھا یا تو بیٹھ گیا تھا اور یا بھاگ گیا تھا۔ بعض روایتوں میں ۱۴ آدمیوں کا
نام لیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کی نسبت ایک ایسی بھی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے آپکو دیکھکر فرمایا کہ علیؓ تُو نے اپنی جان بچانے میں دوسرے مسلمانوں کی اقتدا کیوں
نہیں کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں رسول خدا کو چھوڑکر کیسے جاسکتا تھا۔ اور واقعی حضرت
علیؓ کو جو تعلق خاص رسول اللہ صلعم کی ذات سے تھا۔ وہ انہیں کسطرح جدا ہونے کی
اجازت نہ دے سکتا تھا۔ مگر اس بات سے جو لوگ خواہ مخواہ قیاسی اور غلط نتائج پیدا
پیدا کرلیتے ہیں۔ اُنکی تسلی کے لیے یہ لکھدینا ضروری ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی
شخص ایسا نہ تھا جو آپکے پاس موجود ہوتا اور پھر بھاگ جاتا۔ بلکہ اُس ہنگامہ رستخیز
میں ہر شخص مصروف کارزار تھا۔ حضور کی خبر شہادت سنتے ہی ہر ایک شخص دیکھ
اپنی اپنی طبیعت کے موافق کام کرنیکا مجاز و مختار ہوگیا تھا۔ پس بعض تو مدینہ کو چلدیئے کہ اب
رسول اللہ صلعم نہیں ہے۔ تو لڑنا مرنا بیکار ہے۔ بعض لڑتے رہے کہ اگر آنحضرت صلعم نہیں
رہے تو ہماری زندگی بھی بیکار ہے۔ بعض کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کہنے پر تلاش
کا خیال آگیا۔ اور انہوں نے آخرش حضرت صلعم کو ڈھونڈ بھی نکالا۔ غرضکہ کوئی ایسا
شخص نہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے پاس ہوتا اور پھر بھاگ جاتا۔ اتفاقاً جو لوگ آپ کے
پاس نہیں پہنچ سکے تھے۔ اُنہوں نے آپکی حفاظت کیلئے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا تھا۔
اُن صحابہ رسول اللہ صلعم کا نمونہ دکھلانے کے لئے جو پیغمبرؐ کے لئے پہلے ہی
وارفتہ شجاعت دکھاتے اور کٹ مرتے مذکورہ ذیل دو روایتیں بھی لائق تحریر ہیں کہ ایک تو
حضرت سعد بن الربیع انصاری تھے کہ جو لڑتے لڑتے سخت زخمی ہوکر ایک گڑھے میں
گر گئے تھے۔ خاتمہ جنگ پر جب انہیں دیکھا گیا تو قدرے جان باقی تھی۔ لیکن
اُنہوں نے پہلے جو سوال کیا وہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کی کیا خبر ہے۔ اور جب جواب
دیا گیا کہ آپ زندہ اور بخیریت ہیں۔ تو خوش ہوکر کہا کہ میرا سلام حضور میں پہنچانا۔
اور کہنا کہ آپکی خیر خیریت سے اب میری جان خوشی سے نکل جائیگی۔ خدا آپکو فتح و نصر
دے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس کام (نبوت) کو آپ نے شروع کیا ہے اُسے بوجہ احسن

انجام دے رہے ہیں اور میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ آپ کے زیر سایہ مجھ کو بھی ایسا
عظیم الشان سر بلند ہونا نصیب ہو گیا۔ اس کے علاوہ ایک واقعہ اور بھی ہے۔ کہ ایک عورت کا
باپ۔ بھائی۔ لڑکے سب اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ مگر وہ یہی پوچھتی پھرتی تھی۔ کہ
لوگو! رسول اللہ صلعم کیسے ہیں۔ پس جب اُسے آپ کے سامنے لایا گیا۔ تو خوش ہو گئی۔
اور کہا کہ میرے مولا! اب مجھے کسی کا کوئی رنج نہیں رہا۔ آپ زندہ ہیں تو میرے لئے
کوئی نہیں مرا۔ ایسا ہی ایک عورت کے بال بچے خویش و اقارب سب شہید ہو گئے تو
اُس نے مع اپنی بیٹی کے خود لڑنا شروع کیا۔ اور رسول اللہ صلعم سے التجا کی۔ کہ میں تو
یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کو آپ کے اہل بیت کے ساتھ رہوں۔ چنانچہ آپ نے یہی
دعا فرمائی۔ اس عورت کا نام ہندہ کعبیہ تھا۔ غرضکہ جب عورتوں تک کا یہ حال تھا۔ تو کوئی مرد
کیسے بھاگ سکتا تھا۔ الغرض یہ فتنہ سب ایسی خبر شہادت کا پھیلایا ہوا تھا۔ چنانچہ روایت
ہے کہ جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ایک روایت
کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی دریافت حال کو اُحد پر تشریف
لائیں۔ اور حضرت کے زخموں کو دیکھ کر روتی رہیں۔ مگر اللہ رے تحمل و وقار حضرت کا کہ
جس وقت آپ کو کفار نے زخم پہنچائے اور دندان مبارک شہید کئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ
عنہ نے سہارا دے کر آپ کو گڑھے سے باہر نکالا۔ تو آپ روئے انور سے خون پونچھتے جاتے
تھے۔ اور فرماتے تھے۔ "کیف یفلح القوم خضبوا وجہ نبیہم بالدم وھو یدعوھم
الی اللہ" (یہ قوم کیسے راہ راست پر آئیگی جو اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگتی ہے
درانحالیکہ وہ انہیں خدا کی طرف بلا رہا ہے)

الغرض زخمی جنگ کے ہی شہدا کو انہیں کپڑوں میں جو وہ پہنے ہوئے تھے بلا غسل و کفن
دفن کر دیا گیا۔ کیونکہ ان لاشوں کے دیکھنے سے مسلمانوں کو سخت رنج ہوتا تھا۔ کہ کفار کی ناپاک
عورتوں نے اُنکے اعضاء تناسل وغیرہ کاٹ کر سخت بے حرمتی کی ہوئی تھی۔ اور حضرت
حمزہ کا تو جگر بھی نکلوا کر چبا لیا تھا۔

خاتمہ جنگ قریب ظہر ہوا تھا۔ اسلئے حضور نے کوہ اُحد پر ہی جماعت اصحاب موجودہ نماز ظہر

پارہ جلیس بٹھا دیا گیا وہ ایسا قیمتی تھا۔ کہ اس ہزیمت کو بھی فتح کہنا چاہیئے۔ بہر حال
مخالفین کی اس قسم کی طعن و تشنیع کی حضور کو تو کچھ پرواہ نہ تھی۔ مگر بعض صحابہ بڑے بر افروختہ
ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ سے اجازت چاہی کہ حکم ہو تو ان مفتری یہود کو قتل
کر دیا جائے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ یا عمرؓ وہ ہمارے ذمی ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ
منافقوں کی گردن مارنے میں تو کوئی امر مانع نہیں؟ مگر آپؐ نے پھر بھی فرمایا کہ یا عمرؓ وہ
کلمہ گو ہیں۔ اور ہمیں کلمہ گوؤں کے مارنے کا حکم دیئے نہیں آیا۔ خدا خود ہی ہمیں غلبہ دیکر
ان سب کی زبانیں بند کر دیگا۔ سبحان اللہ اس تحمل و استقلال کے بھی کیا کہنے ہیں۔ اور
ذرا اس ہمت کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ جبتک جنگ ہوتا رہا آنحضرتؐ خود کھڑے ہو کر فوج
کی کمان کرتے رہے۔ اور پھر باوصف زخمی ہونے کے نماز ظہر و عصر ادا کر کے مدینہ میں تشریف
لائے۔ تو باوجود تکان و تکلیف کے شام کی نماز باجماعت کرائی۔ اور عشاء تو بالکل تازہ دم
ہو کر آپؐ نے پڑھا دی تھی۔ اور پھر اگلے دن آٹھویں شوال کو اتوار کے دن علی الصباح
آپؐ نے ویسے ہی مجروح جسم اطہر پر ہتھیار لگا کے حکم دیا۔ کہ ہم قریش کے تعاقب کو
جاتے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ جا سکتے ہیں جو کل کے غزوہ احد میں ساتھ[1]
تھے۔ چنانچہ خبر پاتے ہی سب ساتھ ہو لئے۔ اور آپؐ نے مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر
مقام حمراء الاسد تک تعاقب کیا لیکن وہ لوگ پہلے سے خبر پاکر بھاگ نکلے[2]۔ آنحضرتؐ نے
عبید اللہ حجمی کو جو قریش کا ایک جا اثر مسیر تھا وہاں اُسے خود قتل کرا کر اور تین دن تک
قیام فرما کر مع الخیر مدینہ طیبہ کو مراجعت فرمائی۔ اس تعاقب سے صاف ظاہر ہے کہ

---

[1] جابر بن عبداللہ نے یہ حکم سنکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم کل کے غزوہ میں میرا ارادہ بھی شریک ہونے کا
تھا۔ اور میں بوجہ حفاظت اپنی سات بیٹیوں کے گھر میں رہ گیا تھا۔ لہذا مجھے بھی اجازت ہونی
چاہیئے۔ چنانچہ آپؐ نے بھی اُنکو اجازت دیدی۔

[2] معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان کو تھوڑی دور جا کر پھر واپسی کا خیال ہوا تھا۔ اور اسکی فوج نے
کے لئے آنحضرت صلعم پر پھر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر معبد خزاعی کی زبانی جو آنحضرتؐ کو
خروج کرتے دیکھ گیا تھا۔ یہ حال سنکر ابو سفیان بگڑ کر بھاگ گیا۔

سے شدید کی کارروائی در اصل ناتمام تھی۔ اور ایک اتفاقیہ بدہنگامی کے باعث جو مسلمانوں
کے اکھڑ گئے تھے مسلمان اسکو قطعی شکست نہ سمجھتے تھے کیونکہ پھر بھی لڑنے مرنے کو بدستور طیار تھے
اور یہ بھی عیاں ہو رہا ہے۔ کہ اگر مشرکین قریش اسکو پوری فتح تصور کرتے۔ تو اتنی بھاگا
دوڑی سے کام نہ لیتے۔ البتہ اس نتیجہ پر کہ مسلمانوں کے ایک سو تین شہید ہوئے اور مخالف
کے نہیں۔ اس جنگ کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ورنہ
دلوں کے بڑھاؤ کو دیکھا جائے۔ تو مسلمانوں کو منہزم نہیں کہا جا سکتا۔

واقعات مابعد

واقعہ رجیع:۔ ابو سفیان اپنی جماعت کے ساتھ جب مکہ میں داخل ہوا۔ تو گو نتیجہ
جنگ پر تمام قوم خوش تھی۔ مگر سلافہ بنت سعد اور چند دوسری عورتیں سخت جزع فزع
کر رہی تھیں۔ کیونکہ سلافہ کا خاوند اور چار بیٹے اسی جنگ میں مارے گئے تھے۔ جس پر اس نے
سر منڈا کر قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک میں اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے لونگی اور ازم بشریت سے
بھی پرہیز کرونگی۔ اس پر لوگوں نے قاتل کا نام پوچھا۔ تو اس نے عاصم بن ثابت۔ طلحہ بن عبداللہ
اور زبیر بن العوام کے نام بتائے۔ اور کہا کہ جو کوئی انہیں سے کسی کا سر کاٹ لائے میں اسے
سو اونٹ بطور انعام دونگی۔ چنانچہ اس لالچ میں سفیان بن خالد ہذلی لحیانی نے اقرار
کر کے اپنی قوم کے چند آدمیوں کو ساتھ لگا لیا۔ اور مدینہ میں جا کر اسلام قبول کر کے
عاصم ہی کے گھر رہنا اختیار کر لیا۔ جسکے بعد اُس نے التماس کی کہ میرے قبیلہ کے لوگوں
کی تلقین و ہدایت کے لئے چند صحابہ کو میرے ساتھ کر دیا جائے۔ جس پر دس آدمی اُن
لوگوں کے ساتھ کئے گئے۔ جنہیں عاصم بن ثابت۔ مرثد بن ابی مرثد غنوی۔ خالد بن
البکیر لیثی۔ خبیب بن عدی۔ زید بن الدثنہ۔ عبد بن طارق وغیرہ اصحاب تھے۔ اور سردار
قافلہ مرثد بن ابی مرثد کو کیا گیا تھا۔ غرضکہ جب یہ چھوٹا سا قافلہ مقام رجیع پر پہنچا (رجیع
ایک چشمہ ہے جسکے نام پر اسکے پاس ہی ایک چھوٹی سی بستی بھی اسی نام سے آباد ہو چلی تھی)
تو سفیان نے ان لوگوں سے آگے بڑھکر اپنے اہل قبیلہ بنو ہذیل و عضل و قارہ وغیرہ کو خبر کر دی۔

چنانچہ قریباً دو دو ہائی سو مفسدین مسلح ہو کر آ گئے۔ یہ دس آدمی بیچارے کیا کر سکتے تھے
آخرش آٹھ تو شہید ہو گئے۔ اور خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ زندہ گرفتار کر کے مکہ
پہنچائے گئے۔ جہاں خبیب کو حجیر بن ابی اہاب تمیمی اور زید کو صفوان بن امیہ نے
بغرض قتل اپنا دل ٹھنڈا کرنیکے لئے خرید لیا۔ روایت ہے کہ زید کو جب قتل کرنے لگے
تو ابوسفیان نے کہا کہ کیا اچھا ہوتا۔ اگر اسوقت بجائے تمہارے محمد ہوتے کہ ہم انکی
گردن مارتے اور تم مزے سے اپنے اہل و عیال میں رہتے۔ اسپر زید نے جواب دیا کہ
او دشمن خدا! کیا یہ بات ہماری غیرت کبھی گوارا کر سکتی ہے؟ ہمارے لئے ننگ
ہے کہ ہم اپنے اہل و عیال میں ہوں۔ اور آنحضرت کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچ جائے۔
اسپر یہ تو بیچارے قتل کر دیئے گئے۔ مگر ابوسفیان نے کہا۔ کہ واللہ ان سے زیادہ دوستی کر
سکنے کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ خبیب پہلے تو چند عرصہ قید رکھے گئے تھے۔ اور آخر میں وہ
بھی قتل کر دیئے گئے لیکن انکے متعلق یہ روایت بھی قابل اندراج ہے۔ کہ ایک دفعہ
وہ استرے سے اپنے بال مونڈ رہے تھے۔ کہ اتنے میں حجیر کا کمسن لڑکا کھیلتا ہوا انکے
پاس چلا آیا جسکو دیکھکر اسکی والدہ نے سخت شور و شر مچایا۔ کہ یہ قیدی جو یقین کرتا
ہے کہ ہمنے اسے قتل ہی کرنیکو خریدا ہے۔ لڑکے پر قابو پا کر اور ہاتھ میں استرا پا کر کیونکر اسے
قتل نہ کریگا۔ لیکن خبیب نے کہا خدا درست مسلمانوں کو بچوں عورتوں اور بوڑھوں پر
حملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ورنہ لڑکا تو کیا تم خود بھی شکل ہی نہ بچتیں۔ بہرحال اس
حلم پر بھی ان مفسدوں کو کچھ خیال نہ آیا اور انہوں نے خبیب کو قتل کر دیا۔ قتل کیوقت آپنے
دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ جسسے یہ دستور ہے کہ جب کبھی مرنے کا وقت آئے لوگ نماز پڑھ لیا کرتے ہیں
قتل سفیان بن خالد: آنحضرت کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو سخت افسوس
ہوا۔ چنانچہ صحابہ میں سے عبداللہ بن انیس نے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو میں اس ظالم
کا سر لا کر حضور میں پیش کر دوں۔ چنانچہ اجازت دی گئی۔ اور عبداللہ بن انیس نے تنہا رات
میں کسی طرح سفیان بن خالد کے خیمہ میں داخل پا کر اس کا سر تن سے جدا کر کے آنحضرت
کے حضور میں پیش کر دیا۔

واقعہ بئرِ معونہ:- انہیں ایام کے قریب قریب ابو براء عامر بن مالک
بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ نجدی مدینہ میں آکر شرفیاب قدم بوس
ہوا۔ اور یہ عرض کیا کہ آپ نجد میں چند آدمی تبلیغ اسلام کے لئے میرے ساتھ روانہ
فرمادیں تو امید ہے کہ لوگ اسکو قبول کرینگے۔ آنحضرتؐ کو پہلے تو کچھ تامل ہوا۔ مگر جب
ابو براء نے حفاظتِ اصحاب کی ذمہ داری اٹھائی۔ تو آپؐ نے بروایتے چالیس اور بروایتے
ستر اصحاب مثل منذر بن عمرو ساعدی۔ حرث بن الصمہ۔ حرام بن ملحان۔ عامر بن فہیرہ
نافع بن بدیل وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسکے ساتھ روانہ کردیئے۔ چنانچہ یہ لوگ جب
بیرِ معونہ پر پہنچکر ڈیرہ انداز ہوئے۔ تو ابو براء کی صلاح کے مطابق حرام بن ملحان کے
ہاتھ آنحضرت صلعم کا نامہ ہدایت عامر بن الطفیل کے پاس روانہ کیا۔ جو وہاں کا سردار تھا
مگر اس شخص نے بغیر نامہ مبارک دیکھنے کے ایلچی کو شہید کردیا۔ اور بہت سی جمعیت کے
ساتھ ان چالیس یا ستر اصحاب پر بھی چڑھائی کردی۔ جو بلا کسی خیال جنگ کے پڑے ہوئے
تھے۔ چنانچہ یہ بھی سب کے سب شہید ہوگئے۔ صرف حارث[۱] بن صمہ اور عمرو بن امیہ
ضمیری جو اسوقت اتفاقاً مسلمانوں کے اونٹوں کو چرانے گئے ہوئے تھے۔ بچ رہے
لیکن جو مرغ طعمہ کی اوٹ میں یہ شہادت مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ جب حارثؓ اور عمروؓ نے
اس پر سے گذر اُڑتے دیکھے تو سخت متردد ہوکر اٹھ دوڑے۔ چنانچہ آکر جب یہ ناگوار حادثہ
دیکھا۔ تو حارثؓ نے عمروؓ سے کہا۔ کہ کہو اب کیا رائے ہے چلکر آنحضرتؐ کو اطلاع دیں
یا لڑکر یہیں مرجائیں۔ عمرو نے کہا مجھے تو اب یہاں سے جانا محال ہے۔ تم جاکر اطلاع
کردینا۔ اور یہ کہکر آپ نے دشمنان خدا کو للکارا تو انہوں نے انکو بھی شہید کردیا۔ البتہ
عمرو بن امیہ ضمیری کو عامر بن الطفیل نے اپنے قبیلہ کا سمجھکر چھوڑ دیا جنہوں نے مدینہ کا
رخ کیا۔ اور رستے میں بنو کلاب یا بنی سلیم کے دو آدمیوں کو مارتے ہوئے مدینہ پہنچکر
آنحضرتؐ کے حضور اس واقعہ کی اطلاع کی۔ انصاف اور استقلال کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے
یہ واقعہ سننے کے بعد عمرو سے فرمایا کہ تم نے دو ایسے شخصوں کو مار ڈالا ہے جو قبیلہ بنی النضیر کے

۱؎ علامہ ابن خلدون بجائے حارث کے منذر بن احیحہ جلاحی کا نام لکھتے ہیں۔

سیم عہد تھے اور مسلمانوں کے زیر حفاظت آچکے تھے۔ اسلئے انکا خونبہا دینا ضروری ہے
ان تمام چالیس یا ستر آدمیوں میں سے صرف عمرو بچکر آئے تھے۔ اور کعب بن زید بھی جو
نیم مردہ حالت میں گر پڑے تھے طاقت آنے پہنچ رہے تھے جو بعد ازاں جنگ خندق
میں شہید ہوئے۔

بہرحال اس واقعہ سے آنحضرت صلعم کو سخت رنج ہوا۔ ابو براء کی بابت مورخین کا خیال ہے
کہ اس قتل کا الزام اسپر نہیں آتا۔ یہ اسکی قوم کی بدعہدی تھی۔ جسنے اسکی ذمہ داری کا خیال
نہیں کیا۔ مگر ابو براء کو خود بھی اس کا رنج رہا تھا۔ اور اسکے بیٹے نے عامر پر ایک دفعہ اچانک
سے نیزہ بھی مارا تھا۔

غزوہ بنی نضیر - بھی اسی واقعہ کا نتیجہ ہوا جس کا ذکر باب اوّل میں آچکا ہے۔

سریہ قطن - جنگ احد کے بعد آنحضرت صلعم کو یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ قبیلہ بنی اسد کے
لوگ موضع قطن میں مسلمانوں کے برخلاف مصروف سازش و آمادہ پیکار ہو رہے ہیں۔ اسلئے
آپ نے ابو سلمہ مخزومی کے زیر کمان ڈیڑھ سو مجاہدین اس شریر قبیلہ کی سرکوبی کو روانہ فرمائے
مگر جوں ہی لشکر اسلام موضع قطن میں پہنچا مفسدین بھاگ گئے۔ اور مسلمان مال غنیمت
لیکر حاضر حضور ہوگئے۔

اس واقعہ کو اکثر مورخین نے ۳ ہجری کے اواخر میں ذکر کیا ہے اور آئندہ دونوں واقعات
کو جو پہلے قلمبند ہوچکے ہیں محرم اور صفر ۴ ہجری میں لکھا ہے۔ لیکن چونکہ وہ دونوں واقعات
جنگ احد کا ہی بقیہ تھے۔ اسلئے اس کتاب میں انہیں پہلے لکھدیا گیا ہے۔

غزوہ ذات الرقاع - بعض لوگوں کے نزدیک یہ غزوہ واقعہ بنی نضیر کے بعد ۴ھ
میں ہوا ہے۔ چنانچہ ابن خلدون وغیرہ کا یہی خیال ہے۔ اور بعض کے نزدیک ۵ ہجری
میں ہوا ہے۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ ۵ ہجری میں واقعہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ ان
ایام میں یہودیوں کی شرارت زور پر تھی۔ بہرحال اس کے واقعات کچھ اہم نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو
خبر پہنچی تھی کہ نجد کے لوگوں میں سے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں کے برخلاف جنگ
کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے چار سو مجاہدین کے ساتھ خروج فرماکر

سنجد کا رُخ کیا۔ مگر وہاں پہنچنے پر لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی۔ بستی کے لوگ پہاڑ کی غاروں میں روپوش ہو گئے۔ عورتیں اور بچے البتہ موجود تھے۔ جن پر دست درازی مسلمانوں کی طرف سے ناممکن تھی۔ لہٰذا آپ مع الخیر بلا کسی جدال و قتال کے واپس آئے۔ روایت ہے کہ اسی غزوہ میں آپ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی تھی۔ کیونکہ وقت ظہر کا ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ مبادا دشمن مصروف عبادت پا کر حملہ کر دیں۔

غزوہ بدر ثانی موعدہ:۔ ابوسفیان جو گذشتہ سال مدینہ سے جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ مقامِ بدر پر ہماری تمہاری لڑائی ہوگی۔ اور ادھر سے بھی اثبات میں جواب دیا گیا تھا۔ وہ وقت تو آپہنچا۔ مگر ابوسفیان سخت پریشان تھا۔ کیونکہ قحط سالی کے باعث مکہ والوں میں لڑائی کی سکت نہ رہی تھی۔ گو پاس زبان کے لئے اُس نے بہتیرا اُبھارا مگر سب کے جی چھوٹے ہوئے تھے۔ آخر اُس نے نعیم بن مسعود اشجعی کو انعام و عطایات کا لالچ دیکر اس غرض سے مدینہ بھیجنے کی ٹھہرائی کہ مسلمانوں کو ڈرا کر مدینہ سے باہر نکلنے نہ دے۔ چنانچہ اُس نے عمرہ کرنیوالوں کی صورت بنا کر اور مدینہ میں جا کر مسلمانوں کو ڈرانا شروع کیا۔ کہ قریش نے اُتنا لشکر جمع کیا ہے کہ اگر تم لوگوں نے مدینہ سے باہر قدم نکالا۔ تو ایک بھی بچکر نہ آئے گا۔ اور کچھ اس دلسوزی کے ساتھ یقین دلانے لگا۔ کہ بعض آدمی واقعی مذبذب ہو گئے۔ مگر پھر بھی عام طور پر مسلمان یہی کہتے تھے کہ ہمیں اُنکی جمعیت سے کچھ ڈر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کافی و وافی ہے۔ حضرت عمرؓ اور ابوبکر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی خیال ہوا۔ کہ ہم ڈر کر ہرگز نہ بیٹھیں گے۔ آنحضرتؐ نے بھی اسی ارادے کو پسند فرما کر ارشاد فرمایا۔ کہ اگر اور کوئی نہ جائیگا۔ تو میں تن تنہا چلا جاؤنگا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ سے خروج فرمایا۔ تو ستر آدمی تو اُسوقت رکاب سعادت انتساب میں شامل ہوئے۔ اور باقی بھی خبر پاکر مدینہ کے باہر آملے۔ جنکی تعداد کل ڈیڑھ ہزار کی کہی جاتی ہے۔ علم لشکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا گیا۔ اور اوّل ماہ ذیقعدہ کو لشکرِ اسلام بدر پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ بدر میں ان دنوں ایک تجارتی منڈی لگا کرتی تھی

اسلئے تمام مسلمانوں نے کچھ نہ کچھ مال تجارت بھی ساتھ رکھ لیا تھا۔ جو بہت اچھے منافع سے فروخت ہوا۔ اور آٹھ دن لشکر اسلام وہاں بخیر و خوبی قیام پذیر ہوکر مصروف تجارت رہا۔

اُدھر ابوسفیان کو جب نعیم کی ناکامی اور آنحضرت صلعم کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے بھی قریش کو آمادہ کیا۔ اور دو ہزار آدمیوں کی جمعیت لیکر مدینہ سے روانہ ہوا۔ مگر مقام مجنہ تک پہنچتے پہنچتے سبکی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اور اسیطرح بیک بینی و دوگوش واپس چلے گئے۔ جو انکی خوش قسمتی تھی ورنہ ممکن تو کیا یقینی امر تھا۔ کہ غالباً انمیں کا ایک بھی واپس جانے پاتا۔ بہرحال آٹھ دن کے قیام کے بعد قریش کی نامردانہ واپسی کی خبر سنکر آنحضرت صلعم بھی عازم مدینہ ہوئے۔ اور اس ہشت روزہ قیام میں مسلمانوں کی تجارت سے بھی معقول فایدہ ہوگیا۔ اور شوکت اسلام کی خبریں بھی دُور دُور پہنچ گئیں۔

سریہ بنی اسد کی نسبت بھی اختلاف ہے۔ کہ یہ سنہ ۳ ہجری کے آخر میں ہوا یا سنہ ۴ ہجری میں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمانوں کو متواتر اس قسم کی خبریں پہنچنے لگیں۔ کہ قبیلہ بنی اسد کے لوگ طلیحہ اور سلمہ بن خویلد کی سرداری میں مدینہ پر حملہ کرنیکی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ جسپر یہاں سے صرف ڈیڑھ سو مجاہدین انکی مدافعت کو ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کیساتھ بھیجے گئے جنمیں ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعد بن ابی وقاص اسید بن حضیر۔ ابو نائلہ۔ ابو سبرہ۔ عبد اللہ بن سہیل اور ارقم بن ابی الارقم جیسے اجلہ صحابہ بھی شامل تھے لشکر اسلام جوں جوں بڑھتا جاتا تھا۔ خبر سابق کی تصدیق ہوتی جاتی تھی۔ آخرش جب موضع قطن میں پہنچے تو کفار کے اونٹ اور مویشی بتعداد کثیر چرتے نظر آئے۔ جو ان لوگوں نے واقعی بہ نیت حملہ جمع کئے تھے پس مسلمانوں نے اُنپر قبضہ کرکے نگہبانوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ بنی اسد کی جمعیت تو اس وقت بھی ان ڈیڑھ سو مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ تھی۔ مگر مال مویشی کی گرفتاری کے باعث انکی ہمت نہ پڑی۔ اور سب کے سب سے بھاگنے کی ٹھانکر راہ فرار اختیار کرلی۔ اِدھر سے مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ اور انکے خالی ڈیرے خیموں پر قبضہ پا کر

تھوڑی سی انتظار کے بعد بہت سا مالِ غنیمت لیکر مدینہ آ گئے۔ اس سفر میں صرف دس
دن صرف ہوئے۔ اور مالِ غنیمت اتنا آیا کہ ہر ایک مسلمان کو خمس نکال کر سات سات
اونٹ اور کچھ بکریاں حصہ میں تقسیم ہوئیں۔

غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق ۵ھ ہجری میں مسلمانوں کو خبر پہنچی
کہ یہود بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کی طیاریاں کر رکھی ہیں۔ چنانچہ اسپر بریدہ
بن الحصیب اسلمی کو انکے دریافت حال کے لئے بھیجا گیا۔ جنہوں نے بخوبی تحقیق کر کے
رپورٹ پہنچائی کہ یہود بالکل آمادۂ جنگ ہو چکے ہیں۔ جسپر انکی مدافعت کے لئے
آنحضرتؐ نے مدینہ سے کوچ فرمایا۔ اور لڑائی کے بعد یہود مغلوب ہو گئے۔ ادہر
صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ اور یہود کے دس آدمی مارے گئے۔ اس غزوہ میں
انصار کا علم حضرت عمر فاروقؓ کو عطا ہوا تھا۔ اور مہاجرین کا حضرت علیؓ یا ابو بکرؓ صدیق
کو جمعیت بھی بہت مختصر تھی یعنی سوار صرف تیس تھے۔ باقی پیادہ۔ غرضکہ مالِ
غنیمت اس میں بھی معقول ہاتھ آ گیا۔ اور مفسدین گرفتار کر لئے گئے۔ جویریہ بنت
حارث نے اسلام قبول کیا۔ اور انکے گھر میں چالیس یا زیادہ قیدی رہ گئے کہتے ہیں
قبیلۂ بنو مصطلق کی آبادی چونکہ چشمہ مریسیع کے کنارہ تھی اسلئے اسکو غزوہ مریسیع
بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی منافق بھی شریک تھا۔ لیکن اس نامراد نے پھر بھی
مسلمانوں میں نفاق ڈالنے میں کوتاہی نہ کی۔ یعنی جہجاہ ابن سعد غفاری اور سنان
بن دبر جہنی میں اسبات پر تکرار ہو گئی تھی کہ دونوں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہے تھے
ایک ہی وقت میں دونوں نے ڈول ڈالے۔ تو ایک کا ڈول کنوئیں میں گر گیا۔
اب دونوں یہ کہتے تھے کہ تیرا ڈول گرا ہے۔ اسپر عبداللہ بن ابی منافق نے انصار
کو بھڑکایا کہ دیکھو ان مہاجروں نے تو ہمیں ذلیل ہی سمجھ رکھا ہے۔ اچھے مدینہ
چل کے انکے عزیز ترین کو انصار کا ایک ذلیل ترین شخص نہ نکال دے۔ تو نام
ہی نہ رکھنا۔ جس سے نعوذ باللہ اسکی مراد آنحضرتؐ کی ذات مقدس سے تھی۔

اسی غزوہ میں واپسی کیوقت قصہ افک مشہور ہوا جس کا ذکر اپنے موقع پر آوے گا۔

غزوہ دومۃ الجندل - ربیع الاول ۵ھ ہجری میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ دومۃ الجندل میں مفسدین مسلمانوں کے خلاف شر و فساد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ماسوا اسکے اسوقت بھی قطاع الطریقی کر رہے ہیں۔ لہذا آنحضرت صلعم نے خلافت کے لئے سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ میں نائب مقرر کر کے خود انکی گوشمالی کے لئے خروج فرمایا۔ دومۃ الجندل ایک قلعہ ہے جو دمشق و مدینہ کے رستہ میں واقع ہے لشکر اسلام کے پہنچنے پر ان لوگوں کے اوسان چھوٹ گئے۔ اور مسلمانوں کو بلا کسی جدال و قتال کے مویشی وغیرہ غنیمت میں ہاتھ آئے۔

غزوہ خندق یا احزاب

۵ھ ہجری کے واقعات میں غزوہ خندق یا احزاب ایک بہت بڑا عظیم الشان واقعہ ہے جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ قبیلہ بنو نضیر جسکو مدینہ سے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اس خطائے رحم و چشم پوشی کی سزا دینی چاہی۔ جو انہیں اُنکے زندہ و سلامت چھوڑ دینے کے متعلق اُنہوں نے کی تھی۔ چنانچہ حیی ابن اخطب۔ سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع۔ سلام بن مشکم وغیرہ سرداران بنو نضیر نے خاص اسی غرض سے مکہ کا سفر اختیار کیا تھا کہ قریش سے شامل ہو کر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ قریش جو پہلے سے ہی سخت مخالف تھے انکے لئے یہ انگیخت بالکل جلتی آگ پر تیل کا حکم رکھتی تھی۔ پس جب ان لوگوں نے جا کر اپنا منشاء ظاہر کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم اپنے ساتھ بنی غطفان وغیرہ قبائل یہود کو بھی شریک کر لینگے تو پھر قریش کی مسرت کا انتہا نہ رہا۔ غرضکہ پہنچتے ہی ابو سفیان سرگروہ اشقیاء قریش اور سرداران یہود نے غلاف کعبہ کے اندر گھس کر ایک دوسرے کی حمایت و امداد اور اس جنگ میں مسلمانوں کے

قلع وقمع کر دینے کی نیت کے متعلق غلیظ قسمیں کھا کر عہد و پیمان کو مکمل کر لیا
اور ایک متفقہ لشکر مسلمانوں کے لئے طیار ہو گیا۔ جسمیں چار ہزار تو قریش تھے
اور باقی بنو نضیر و بنی غطفان وغیرہ قبائل یہود۔ غرضکہ دس ہزار کا باسامان
لشکر تھا۔ جو قومی ہٹ کے لئے گویا جان کو ہتھیلی پر رکھے آرہا تھا۔ خالد بن الولید
عتبہ بن الحصن اور ابوسفیان کے سوا عمرو بن عبد ود اور نوفل بن عبد اللہ۔
عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن الخطاب وغیرہ بڑے بڑے مشہور شجاع بھی
ساتھ تھے۔ انہیں سے عمرو بن عبد ود ہی ایک ایسا شخص تھا جسکی نسبت عرب
میں مشہور تھا کہ وہ ایکہزار سوار کے ساتھ یکہ و تنہا لڑسکتا ہے۔ غرضکہ قریش
و یہود بڑے تزک و احتشام اور دم و خم کے ساتھ مدینہ کیطرف کوچ کر رہے تھے
کہ آنحضرت صلعم کو بھی اطلاع ہوئی۔ انکی تعداد اور اجتماع کے مقابل صحابہ
کی رائے سے آنحضرت صلعم نے قلعہ بند ہو کر لڑنیکی تجویز کو پسند فرمایا۔ اور مدینہ
سے باہر سلع کا میدان اس کام کے لئے منتخب فرما کر تین ہزار کی جمعیت سے وہاں
قیام فرمایا۔ اور اسکے گرداگرد سلمان فارسی کی رائے سے ایک خندق کھود دی
گئی۔ تاکہ کفار کو حملہ کرنے کی جرأت نہو۔ اور خندق فصیل کا کام دیجائے۔ یہہ
لکھدینا اور سن لینا تو بہت آسان ہے کہ خندق کھد گئی۔ مگر یہ بھی سمجھنا ضروری
ہے کہ خندق کس طرح کھودی گئی۔ جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ سخت سردیوں کا
موسم۔ دامن کوہ کا موقع۔ اور اسپر یہ کہ قحط سالی کے باعث مسلمان بھی بیحد
ناطاقت۔ دوسرے دشمن غنیم کے ہر وقت چڑھ آنیکا خطرہ۔ اور اسپر خندق کے کھودنے
کا کام۔ مگر یہہ سب مشکلیں اسواسطے آسان ہوگئیں کہ آنحضرت صلعم نے خود
اپنے دست مبارک سے بھی کھودنا شروع کر رکھا تھا۔ اور واقعی یہ آپ ہی کے
شرکت دست کی برکت تھی کہ پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی خندق کی کھدائی
کا کام صرف چند دنوں میں طے ہو گیا۔ مگر خندق ابھی مکمل بھی نہوا تھا کہ افواج
مشرکین نے پہنچکر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اور رسد رسانی کے ابواب بھی

مسدود ہو گئے جس سے اور بھی تکلیف کا ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس رسد نہایت ہی کم مقدار میں تھی۔ سچے مسلمانوں کی قوت برداشت کے آگے تو کچھ بات نہ تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ متفرقہ حملہ کے اندیشہ سے کئی ایک منافقین کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی جسکے نفاق کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے یہی اس جنگ میں موجود تھا۔ لیکن دو دلے آدمیوں کی شرکت جیسا کہ ہمیشہ خطرناک ہوا کرتی ہے اب بھی خطرناک صورت اختیار کرنے لگی اور اس نے بجائے امداد و جان نثاری کے بیدلی پھیلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک دن ایک بہت بڑا پتھر جو کئی آدمیوں سے نہ ٹوٹتا تھا آنحضرت صلعم نے جب خود ضربیں لگا کر اسکو توڑ دیا۔ تو جیسا کہ اکثر سخت پتھروں سے چھوٹے چھوٹے شعلے نکلا کرتے ہیں اس سے بھی نکلے۔ جنکی بابت آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھے ان شعلوں میں شام و یمن اور ایران کے ملک دکھائے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ تینوں ملک خدا تعالیٰ میری امت کے قبضہ میں عطا فرمائیگا اسپر جان نثاران صادق تو نہایت خوش ہوئے۔ مگر عبداللہ بن ابی منافق نے محاصرہ سے تنگ ہو کر یہ کہنا شروع کیا۔ کہ حضرت تو ہمیں فتح شام و یمن و ایران کی خوشخبریاں سناتے ہیں اور یہاں یہ بھی امید نہیں کہ ہم مدینہ میں ہی بخیریت پہنچ سکیں۔ چنانچہ اسپر کئی لوگ بیدل ہو کر مدینہ کو چلے بھی گئے۔ لیکن اصلی جان نثاروں نے قدم بھر بھی جنبش نہ کی۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ ہر روز مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ صعب و سخت گذر رہا تھا۔ کیونکہ مخالفین نے آکر مسلمانوں کے حلیف و ہم عہد قبیلہ بنو قریظہ کو بھی ورغلا کر اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ خبر پہنچی تو اور بھی تردد ہوا۔ اور سعد بن معاذ کو انکے پاس بھیجا گیا کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور کفار کو کسی قسم کی امداد نہ دیں۔ مگر انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم جبتک نے لبس بنے تمہارے ہم عہد تھے۔ اب ہمارے بھائی تم سے برسر پرخاش ہیں تو ہم بھی انکے ساتھ ہیں

جس سے کوئی چیز ہمیں روک نہیں سکتی۔ سعد بن معاذ رضؓ نے ہر چند سمجھایا مگر وہ مطلق نہ سمجھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی رضا بقضا صبر کرنا پڑا۔ مخالفین کا حوصلہ ان باتوں سے دن بدن بڑھتا تھا۔ اور ہر چند انہوں نے محاصرہ تو کر ہی رکھا تھا لیکن جب دیکھا کہ اس میں بھی چنداں کامیابی نہیں ہوتی تو جوش میں آکر خندق پھاند پھاند کر لڑنا شروع کیا۔ مسلمان بھی تیروں اور پتھروں سے جواب دیتے رہے۔ چنانچہ ہر روز ایک آدھ بار ایسا واقعہ ہو جاتا تھا۔ لیکن ایک دن محاصرہ سے اکتا کر بڑے بڑے شجاعانِ عرب نے ارادہ کیا کہ خندق پھاند کر مسلمانوں کو کچا چبا جائیں۔ ابوسفیان۔ خالد بن ولید۔ عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ وغیرہ سب لوگ بڑھ بڑھ کر ڈٹے جنہیں سے عمرو بن عبدود۔ نوفل بن عبداللہ اور ہبیرہ بن ابی وہب جو گویا لشکر مشرکین کے مایۂ ناز تھے گھوڑے کدا کر خندق کے اس پار آ کھڑے ہوئے۔ اور عمرو نے اپنا مبارز طلب کرنا شروع کیا۔ ابوسفیان اور انکے حمایتی سب خندق کے اس پار کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ عمرو کی شجاعت کا ملک میں سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور یہی فخر اسے کدا کر ادھر لے بھی آیا تھا۔ اس نے اپنا حریف مقابل طلب کیا۔ تو مسلمان سوچنے لگے۔ کہ کون جائے۔ آخرش آنحضرت صلعم نے علی ابن ابی طالبؓ کو اپنے دستِ مبارک سے تلوار باندھ کر اس دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ کہ الٰہی بدر میں ابو عبیدہؓ اور احد میں حمزہؓ مجھ سے جدا ہو چکے ہیں اب علیؓ کی جدائی نہ دکھلا تو۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم کی زرہ پہنکر اور عمامہ مبارک زیب سر فرما کے آگے بڑھے تو عمرو بن عبدود ہنس دیا۔ کہ خیر سے آپ مجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ مگر حضرت علیؓ نے ڈانٹ کے فرمایا کہ اگر میں ہی تیرا کام تمام کر دوں تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔ عمرو نے تلوار کا وار کیا تو وہ خود کو کاٹتی ہوئی حضرت علیؓ کے سر پر پہنچ گئی۔ مگر زخم کچھ زیادہ نہیں آیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے ایک ہی ایسا زوردار ہاتھ مارا کہ عمرو بن عبدود کا سر بھٹا سا اڑ کر ایک طرف جا پڑا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور باہمی کشاکشی سے گرد و غبار اس قدر بلند تھا کہ قاتل و مقتول تک کا پہچاننا سخت

مشکل تھا۔ لیکن چونکہ مسلمان حملہ کیوقت تکبیر کہا کرتے تھے اور حضرت علیؓ نے بھی اللہ اکبر کہکر ہاتھ اٹھایا تھا۔ لہذا اسکے ارٹتے ہوئے مسلمانوں نے کہا وہ مارا۔ اور حضرت علیؓ نے شیر دل ہوکر اسکے ساتھی نوفل پر بھی حملہ کے لئے ہاتھ اٹھانا چاہا جسپر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن اجل آچکی تھی بھاگتے ہیں اس کا گھوڑا خندق نہ پھاند سکا۔ اور وہ مع گھوڑے کے خندق میں جا رہا۔ جسپر حضرت علیؓ نے خود بھی خندق میں پھاندکر اسکا کام تمام کر دیا۔ مسلمانوں کو حضرت علیؓ کی فتح پر جس قدر خوشی ہوئی کم تھی۔ مگر سرداران قریش سکے بھی اس دن اسد اللہ الغالب کی یہ بے جگری دیکھکر کلیجے پھٹ رہے تھے۔ صرف ضرار کسیطرح جان سلامت لیکر بھاگ نکلا۔ مگر مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے۔ کیونکہ دونوں پرلے درجہ کے بہادر تھے۔ چنانچہ اسی لئے مشرکین نے آنحضرت صلعم کو کہلا بھیجا۔ کہ کچھ معاوضہ لیکر انکی لاشیں ہمیں دیدیجائیں۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ مشرکوں کی لاش کی قیمت لیکر ہم کیا کرینگے۔ پھر کہ مفت آکر لیجائیں۔ عرب میں قاعدہ ہے کہ قاتل اپنے مقتول کا تمام رخت وسلاح رجو اسوقت وہ پہنے ہوئے ہو) اتار لیتا ہے۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان باتوں کی پرواہ تک نہ تھی۔ اور انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ جو پرلے درجہ کی سیر چشمی کی دلیل تھی۔ چنانچہ جب عمرو بن عبدود کی ہمشیرہ اسکی لاش لینے آئی تو اس نے بھائی کی لاش دیکھتے ہی بے ساختہ کہدیا کہ "ما قتله الا کفو کریم" اسے تو کسی گیرے پڑے کسی نے نہیں مارا۔ اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اسکے قاتل ہیں تو اس نے یہ فی البدیہہ دو شعر پڑھے ۔

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله	لکنت ابکی علیه آخر الابد
لکن قاتله من لا یعاب به	من کان یدعی قدیما بیضة البلد
(ترجمہ) عمرو کا قاتل اگر ہوتا سوا اسکے کوئی	تا ابد اسکو میں سہتی بیٹھی اور روتی
لیکن اس قاتل کو کہہ سکتا نہیں کوئی بھی	نور وہ عزت جانتے تھے شہر کی اسکو ہی

رسول اللہ صلعم بھی حضرت علیؓ کی اس دن کی شجاعت سے اس قدر محظوظ ہوئے

کہ آپؐ نے فرمایا -

مبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ

(علیؓ ابن ابی طالب کی بہادری غزوہ خندق میں بہتر ہے میری اُمت کے تاقیامت کے اعمال غزوات سے)

اِس کے دوسرے دن پھر مشرکین نے ایک متفقہ حملہ کیا - مگر اِدھر سے بھی جواب تُرکی بہ تُرکی دیدیا گیا - اس دن حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے کارنمایاں دکھائے - اور مسلمانوں کو اِس قدر مصروفیت رہی کہ عصر کی نماز کا وقت تنگ ہوگیا - مگر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہر نماز کے لیئے الگ الگ اقامت کہہ کے پڑھ لو - اِسکے بعد بھی کئی حملے ہوتے رہے - اور انکے جواب بھی دئے جاتے رہے - مگر قریش کی ہمت ٹوٹ گئی تھی - کہ اتنے میں بقول ع "مردے از غیب بروں آمد کارے بکند" خدا نے ایک اَور مدد بھیجدی - یعنے نعیم ابن مسعود الشجعی جو قبیلہ بنی غطفان میں سے تھے اِنکے دِل پر نورِ ایمان روشن ہوا - اور اُنھوں نے آنحضرت صلعم کے دستِ حق پرست پر آکر قبولِ ایمان کے بعد عرض کیا کہ مجھے حکم ہو - تو میں بھی اِس معرکہ میں کچھ کارگذاری دکھاؤں - چنانچہ آپ سے اجازت پاکروہ پہلے تو بنی قریظہ کی گڑھی میں جاکے کعب بن اشرف سے جا ملے - اور اپنا اسلام ظاہر کیئے بغیر اُن سے کہا - کہ "دیکھو بھائی ہم تم ایک ہیں - مگر مجھے خیال گذرا ہے کہ ہم اور قریش تو جدھر سے آئے ہیں اُدھر پلٹ جائینگے - لیکن تُم تو یہاں کے متوطن ہو - تم نے مسلمانوں کی مخالفت ناحق روا رکھی - کیونکہ اگر یہ لوگ غلبہ پا گئے تو سب سے پہلے تمھیں کو ہلاک کرینگے - لہٰذا اب بھی یا تو مسلمانوں سے صُلح کرلو اور یا قریش سے کہو کہ چند سرداروں کے لڑکے تمہارے پاس بطور ضمانت اِس غرض سے چھوڑدیں - کہ بحالتِ واپسی وہ تمکو بھی ساتھ لیجائینگے" یہ جوڑ ایسا نہ تھا جسکے چلنے میں منٹ بھر کی بھی دیر ہوجاتی - بنو قریظہ فوراً مان گئے - مگر انکی شومیٔ طالع نے مسلمانوں سے صُلح وصفائی کرنے پر مائل نہ کیا - البتہ قریش سے بطور ضمانت چند آدمیوں کے مانگنے پر تل گئے - الغرض اِدھر سے تصفیہ کرکے نعیم بدستور

قریش کے ہاں پہنچے۔ اور انکو کہا۔ کہ میں آج بھی قریظہ سے ملا تھا۔ وہ لوگ یوں
بظاہر تو تمہارے دوست ہیں ورنہ دراصل دشمن سے بھی صعب و سخت تر ہیں۔
بھلا وہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ دبے رہیں۔ مگر مجھ سے بھید کہیں اسلئے انہوں نے
ارادہ کر لیا ہے کہ وہ تمہارے ہاں کے سرداروں کو بہانۂ ضمانت اپنے ہاں طلب کر کے
مسلمانوں کے ہاں گرفتار کرا دیں۔ اسپر ابو سفیان وغیرہم نے ایک کونسل کر کے صلاح
ٹھہرائی کہ کل کی لڑائی کے لئے انہیں بھی طلب کیا جائے۔ سچ جھوٹ سب ظاہر
ہو جائیگا۔ چنانچہ قریش نے امداد کے لئے کہلا بھیجا۔ تو بنو قریظہ نے جواب دیا
کہ کل تو سنیچر ہے۔ اسلئے کل کی لڑائی میں ہم شریک نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر اسکے
بعد چاہو تو مضائقہ نہیں۔ مگر وہ بھی اسی حالت میں کہ تم چند سردار اپنے ہاں کے
ہمارے پاس بطور ضمانت چھوڑ دو۔ کہ تم خود بھاگ کر ہمیں گرفتار بلا نہ کر جاؤ گے۔
قریش کے پاس جب یہ جواب پہنچا تو انہوں نے یقین کر لیا کہ واقعی بنو قریظہ غدار
ہیں۔ سردی کے مارے خود بھی انکا برا حال ہو رہا تھا۔ آندھی اور ہوا اور بیتابی بھی
پھیلا رہی تھی۔ ادھر وہ اپنے بڑے بڑے بہادروں کا صفایا دیکھ چکے تھے۔ لہذا
سب نے واپسی کی ٹھہرا دی۔ بیدلی ایسی ہی چیز ہے کہ شرم کے مارے راتوں رات
بھاگنے کی ٹھہرائی۔ اور اونٹوں پر پالان وغیرہ کسے جانے لگے تو ابو سفیان کے اونٹ
کو بندھے بندھے ہی کس دیا گیا۔ اور وہ بھی بھاگا دوڑی میں اسیطرح سوار ہو لیا
لیکن جب نا توبندھا اونٹ اگلی ٹانگیں اٹھا نہ سکا تو آپ وہیں سے زمین پر
آ رہے۔ اور اسکے گھٹنے کھولکر سوار ہوئے۔ غرضکہ کم و بیش ایک مہینے میں مسلمانوں
نے اس محاصرہ سے مخلصی پائی۔ اور آنحضرت صلعم مع الخیر بعد نماز صبح مراجعت
فرمائے مدینہ ہوئے۔ قریش راتوں رات بھاگے تھے۔ یہ واقعہ ذی قعدہ سنہ ۵ھ
ہجری کا ہے۔ اس میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور چار مشرکین مارے گئے تھے
ایام محاصرہ میں عیینہ بن الحصین اور حارث بن عوف ایک دفعہ مشرکین کیطرف سے
یہ پیغام بھی لائے تھے۔ کہ اگر مدینہ کا ایک سال کا تمام پھل مسلمان ہمیں دینا

منظور کر لیں تو ہم پلٹ جائینگے۔ اور آنحضرت صلعم بھی ثلث یا نصف پر راضی
ہو گئے تھے۔ مگر سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہؓ نے عرض کی کہ ہم دبکر صلح نہیں چاہتے
اگر امر الٰہی ایسا ہو تو بیشک کیجئے۔ ورنہ بہتر ہے کہ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ اسپر صلح نہ ہوئی
اور آخرش کفار کو یوں ہی بھاگنا پڑا۔ فللہ الحمد۔

غزوہ بنو قریظہ۔ غزوہ خندق سے آنحضرت صلعم بعد صبح تشریف لائے
تھے۔ باقی جان نثار بھی سب ساتھ تھے۔ کچھ کچھ آہستہ آہستہ آرہے تھے کہ اسیدن بوقت ظہر
آنحضرت صلعم نے بلال موذن کو حکم دیا کہ مجاہدین کو ارشاد فرمایا جائے۔ کہ کوئی شخص ابھی
کمر نہ کھولے اور اسیوقت بنی قریظہ پر دھاوا کر دیا جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کی غداری
پر گوشمالی بظاہر بھی ایک نہایت ہی ضروری امر تھا۔ اور اگر اسمیں کچھ بھی دیر روا
رکھی جاتی۔ تو بنو نظیر کیطرح پھر انکی طرف سے کسی نہایت شدید حملہ کی امید
یقینی تھی۔ اور آپ خاص اس جنگ خندق سے پلٹنے پر بھی انہوں نے بڑا شور
و شر کیا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ آنحضرت صلعم کو امر الٰہی بھی انکے تصفیہ کے لئے صادر
ہو چکا تھا۔ اسلئے آپنے فی الفور طیاری فرمادی۔ بلکہ چونکہ حکم یہ ہوا تھا کہ سب لوگ
محلہ بنو قریظہ پہنچکر نماز پڑھیں۔ اسلئے کئی آدمیوں نے اس حکم کی پابندی میں نماز
قضا کر دی۔ مگر پہنچنے کے قبل نہیں پڑھی۔ بعض نے اصلی معنوں پر غور کر کے چلتے
ہوئے یا رستے میں جہاں موقع ملا نماز پڑھ لی۔ المختصر عصر کیوقت سب صاحب
بنو قریظہ کے قلعہ کے گرد جمع ہو گئے۔ مدینہ میں مسلمانوں کے نماز پڑھانے کو ابن
مکتومؓ کو چھوڑ دیا گیا۔ اور لشکر اسلام کا علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا
گیا۔ بنو قریظہ ابھی ابھی دیکھ چکے تھے کہ محاصرہ میں جسطرح محصورین تنگ ہو جاتے
ہیں ویسے ہی محاصرین بھی سخت اکتا جایا کرتے ہیں۔ لہذا قلعہ بند ہو گئے۔ اگر یہ
متواتر رہتا۔ تو شاید کوئی اچھی صورت پیدا ہو جاتی مگر انہوں نے دشنام دہی
اور بدزبانی بھی شروع کی جسپر مسلمانوں کا اور بھی مشتعل ہونا ایک امر لازمی
تھا۔ القصہ بنو قلعہ بند ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے بھی چھاونی چھادی ہوس

پندرہ دن کے بعد انہوں نے ابو لبابہؓ کو آنحضرت صلعم سے طلب کیا۔ کہ ہم انسے صلاح و مشورہ کرینگے۔ چنانچہ ادہر سے فی الفور ابو لبابہؓ کو انکے ہاں بہیجدیا گیا۔ روایت ہے کہ انہوں نے ابو لبابہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم دروازہ کھولکر نکلجائیں توکیا ہمکو مسلمان قتل تو نہ کر دینگے۔ اسپر ابو لبابہؓ نے مُنہ سے توصرف ہان کا کلمہ کہا۔ مگر گلے پر ہاتھ بہی پہیر دیا جسکے معنے انہوں نے یہ لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو بیشک قتل کردیئے جاؤگے۔ اِس گفتگو کے بعد ابو لبابہؓ واپس ہوئے تو اپنے دل میں سخت منفعل ہوئے۔ کہ مَیں نے خدا اور رسول کے ساتھ دیانت نہیں کی۔ چنانچہ بغیر آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر ہونے کے ابو لبابہؓ سیدہا مسجد نبوی میں چلے گئے۔ اور اپنے آپکو مُجرم قرار دیکر ستون کے ساتھ بندہوا دیا۔ چنانچہ چند دن تک سوائے اوقاتِ نماز کے برابر بندہے رہے۔ آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ابو لبابہؓ میرے پاس آتا تو میں خدا سے اسکے لئے معافی چاہتا۔ اور اب تو خدا خود ہی اُسکو معاف فرمائیگا۔ تو معاف ہوگا۔ چنانچہ چھٹے یا پندرہویں دن جب حق تعالی نے اُنکی توبہ قبول فرمائی تو آنحضرت صلعم نے خود جاکر ستون سے کھولدیا۔

یہود بنو قریظہ پہلے تو مدت تک قلعبند رہے۔ مگر پچیسویں دن لاچار انہوں نے دروازہ کھولکر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مگر فوج اسلام چاروں طرف پہیلی ہوئی تہی۔ نکلتے ہی گرفتار ہونے لگے۔ اِدہر قبیلہ بنی اوس کے چند آدمی آنحضرت کے حضور میں یہ سفارش لیکے آئے۔ کہ جس طرح بنو نضیر کی جان بخشی آپ نے فرمادی تہی ویسے ہی بنو قریظہ کو بہی ہمارے کہنے سے چہوڑ دیجے۔ اِسپر آنحضرت کا ارشاد ہوا کہ تم کسی ایک دیانتدار شخص کو اپنا حکم بنا کے لے آؤ۔ اور فیصلہ دونوں اُسپر چہوڑ دو۔ اِسپر اُن لوگوں نے سعد بن معاذ کو حکم تجویز کیا۔ کیونکہ وہ بہی قبیلہ اوس سے تھے اور بسبب اسلام لے آنے کے آنحضرت صلعم کے بہی معتمدین میں شمار ہوتے تھے مگر جنگِ خندق میں کسی زخم لگجانے کے باعث بیمار اور مدینہ میں صاحب فراش تھے

جب وہ حکم تجویز کئے گئے تو ایک خچر پر سوار ہو کے حاضر آستان ہوئے۔ جس وقت معاذؓ آئے ہیں اُس وقت نبی اوس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اُنہیں آتا دیکھکر بنی اوس سے فرمایا۔ "قوموا لسیدکم" (اپنے سردار کو اُٹھکر تعظیم دو) چنانچہ سب نے اُنہیں بتعظیم و تکریم بٹھا کر تمام قصہ سنانے کے بعد کہا کہ آنحضرت صلعم اور ہم نے تمہیں اِس معاملہ میں حکم مان لیا ہے۔ اب تم اپنے بھائیوں کے لئے جیسا مناسب سمجھو حکم جاری کرو۔ سعدؓ نے کہا تمہیں میرے حکم پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ تب پھر اُنہیں کہا گیا کہ ہرگز نہیں۔ جسکے بعد سعدؓ نے کہا سنو صاحبو! بدعہدی کسی مذہب میں جائز نہیں اور پھر سازش اور غداری تو اس سے بھی بڑھی ٹھہری۔ پس میرے نزدیک تمام بنو قریظہ واجب القتل ہیں۔ کیونکہ جب میں انہیں فہمائش کرنے گیا تھا۔ اُنہوں نے مطلق توجہ نہیں کی۔ اور اب سوائے اسلام لانے کے اُنکی مخلصی قرین مصلحت نہیں ہوسکتی چنانچہ اسی فتوی پر بنو قریظہ کے جوان قتل کر دیئے گئے۔ جنکی تعداد باختلاف روایت چار سو یا سات سو کہی جاتی ہے۔ چند ایک مسلمان بھی ہوگئے۔ جنکے مال و منال فی الفور محفوظ ہوگئے۔ اور انکے علاوہ بھی کئی ایک بُڈھے چھوڑ دیئے گئے۔

مقتولین یہود میں ایک عورت بنانہ نامی بھی ماری گئی۔ کیونکہ اُس نے خلاد بن سوید کو ایک پتھر کے لُڑھکانے سے شہید کیا تھا۔ اِس عورت کا قصہ اسواسطے قابل تحریر ہے۔ کہ مسلمانوں میں عورتوں کے قتل کی سوائے قصاص کے سخت ممانعت ہے۔ یہ عورت اپنے خاوند کی عاشق زار تھی لیکن صورت واقعہ اپنے برخلاف پاکے جب اُس نے کہا۔ کہ بیوی! ہم تو اب مرنیوالے ہیں۔ مگر تمہیں کیا فکر۔ تم تو دشمنوں کی بغل گرماؤگی۔ تو اُس نے کہا ہرگز نہیں۔ خاوند نے جوابدیا۔ ہرگز نہیں کے کیا معنے مسلمان عورتوں کو تو مارتے ہی نہیں۔ اِسپر اُس نے کہا دیکھو۔ میں خود اپنے قتل کا بندوبست کئے لیتی ہوں۔ چنانچہ اُس نے ایک چکی کا پاٹ خلاد بن سوید کو مار دیا جسکے قصاص میں اُس کی بھی گردن ماری گئی۔ بچے اور عورتیں غلام و سبایا بنائی گئیں۔ اور مال غنیمت کا ایک خمس بیت المال کے لئے نکالکر باقی مجاہدین پر

اِس طرح تقسیم کردیا گیا۔ کہ پیادہ کا ایک حصّہ اور سوار کے دو۔

اِس محاصرہ میں بقول بعض کے پندرہ اور بقول بعض پچیس دن صرف ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ جنکے متعلق اتنا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ غزوۂ خندق میں زخمی ہونے کے باعث بیمار تھے۔ بعد تصفیہ بنو قریظہ کے فوت ہو گئے۔ انکی نسبت روایت ہے۔ کہ غزوۂ خندق میں انکو زخم کاری لگ چکا تہا۔ لیکن اُنھوں نے دُعا کی تہی کہ خدایا خاتمۂ جنگ تک مجھے زندہ رکھ۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں دشمنوں کو مغلوب دیکھ جاؤں۔ اِسپر حق تعالیٰ نے انکی دُعا مستجاب فرمائی۔ اور وہ بنو قریظہ کے تصفیہ تک زندہ رہے۔

غزوہ غابہ یا ذی قردہ۔ تصفیہ بنو قریظہ کے چند دن بعد ایکشب عیینہ بن حصن فزاری نے بنو عبد اللہ غطفانی کی شراکت سے پینتیس چالیس آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ موضع غابہ میں جہاں آنحضرت صلعم کے اونٹ چرا کرتے تھے شبخون مارا جسمیں ابو ذر غفاریؓ کا لڑکا مارا گیا۔ اور لٹیروں نے بیس اونٹ مع چرواہے کی بیوی کے گرفتار کر لئے۔ قریب صبح کا وقت تہا۔ اتفاقاً سلمہ بن عمرؓ نے ثنیّة الوداع سے اِس واقعہ کو دیکھکر مسلمانوں کو امداد کے لئے پکارا۔ اور خود تنِ تنہا قزاقوں کے تعاقب میں ہو لئے۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی۔ تو آپ بھی مع پانسو خدّام کے روانہ ہو گئے۔ مگر اکیلے سلمہ بن عمرؓ ہی لٹیروں کا دم ناک میں کردیا۔ اور وہ اونٹوں کے ساتھ اپنے نیزے اور چادریں بھی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلے۔ مگر جب اِس پر بھی سلمہ نے انکو چھوڑنا نہ چاہا تو دہر اتفاق سے انکو کچھ اور لوگ بھی حمایتی مل گئے۔ قریب تہا کہ سلمہ کا کام تمام ہو جائے۔ مگر بہادرانِ اسلام میں سے بھی چند سوار تلاش کرتے ہوئے جا پہنچے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سے محرز بن نضلہ شہید ہوئے۔ اور کفار میں سے بھی ایک دو قتل ہو کر بہاگ نکلے۔ جسپر آنحضرت صلعم زیادہ تعاقب فضول سمجھکر مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔

غزوہ بنی لحیان۔ بیر معونہ کے بعد جو واقعہ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور جسمیں اشرار کفار نے عاصم بن ثابت اور خبیب رضی اللہ عنہم کو مع دوسرے اصحاب کے قتل کر دیا تھا اُس کا مسلمانوں کو سخت رنج تھا۔ اور اب اُسی بات سے شیر ہو کر پھرستانا شروع کر دیا۔ چنانچہ بنی لحیان کی گوشمال ضروری سمجھکر آنحضرت صلعم نے مدینہ سے مع دوسو جانبازوں کے خروج فرمایا۔ لیکن مفسدین نے خبر پاتے ہی راہِ فرار اختیار کر لی۔ لہٰذا آنحضرت نے تو مدینہ کیطرف مراجعت فرمائی۔ اور صرف تیس سواروں کے ساتھ محمد بن مسلمہ کو بنی بکر ابن کلاب کی سرکوبی کو روانہ فرما دیا۔ چنانچہ۔

سریہ قرطاء۔ اسی کو کہتے ہیں۔ پس محمد بن مسلمہ جب موضع ضریہ پر پہنچے جہاں مفسدوں نے شورہ پشتی اختیار کرکے آیندہ روندگان کا رستہ بند کر رکھا تھا تو اُنہوں نے مسلمانوں سے بھی مقابلہ کی ٹھہرا دی۔ جسمیں آخرش چند کفار مارے گئے۔ اور باقی بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کو جس قدر اُنکا مال واسباب ملا وہ حسب قاعدہ بیت المال کے لئے خمس نکالکر مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا۔

سریہ عکاشہ۔ اسی سال یہ خبر سُنی گئی کہ موضع غمرہ میں بہت سے مفسدین نے لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ لہٰذا عکاشہ بن محصن اسدی صرف چالیس آدمی لیکر اُنکی مدافعت کو بھیجے گئے۔ لیکن وہ بھی خبر ہوتے ہی بھاگ نکلے۔ اور مسلمانوں کو تلاش و تجسس کے بعد اُنکے دوسو اونٹ غنیمت میں ملے۔ جو بدستور خمس نکالکر مجاہدین پر تقسیم کر دیئے گئے۔

سریہ ذی القصہ۔ اُس سن میں یہ ناگوار واقعہ ظہور میں آیا کہ بنی ثعلبہ (جنہوں نے اپنے ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا) اُنکی سرزنش کو آنحضرت صلعم کی اجازت سے محمد بن مسلمہ مع دس غازیوں کے روانہ ہوئے۔ مگر چونکہ قزاقوں کی تعداد سو سے بھی زیادہ تھی۔ لہٰذا دشمنوں کے دسوں شہید ہو گئے۔ صرف محمد بن مسلمہ اس طرح بچ رہے کہ وہ سخت مجروح ہو کے گر گئے تھے

مفسدین نے سمجھا کہ مر چکے ہیں - اور یہ ایسے ہی بیجان پڑے رہے - لیکن اس کے بعد چونکہ اُن لوگوں کو یقین تھا - کہ اب ضرور ایک آدھ مہم ہماری تباہی کو آئیگی لہذا وہ فی الفور ہی بھاگ بھی نکلے - ایک مسلمان اتفاقاً اُدھر سے آ رہا تھا - جس نے اُس مقام پر مسلمانوں کی لاشیں دیکھیں اور اُن میں سے محمد بن مسلمہ کو بیجان پایا تو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے مدینہ پہنچا دیا - آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی - تو ابو عبیدہ بن الجراح کو چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا - مگر لٹیرے بھاگ گئے تھے -

سریہ جموم - اسی سال بنو سلیم نے بھی مسلمانوں کی مخالفت میں آتے جاتے اکے دکے کو مارنا اور لوٹنا شروع کیا - تو انکی سرکوبی کو زید بن حارث بھیجے گئے جنھوں نے بطن نخلہ پر پہنچکر چند آدمیوں اور مواشی کو گرفتار کر کے برائے آئندہ امن کرادیا -

سریہ عیص - آنحضرت صلعم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے مکہ کو جا رہا ہے - جس سے مکہ والوں کو ہتھیار اور مال سے آور بھی مدد ملجائیگی - اُس کی مزاحمت کے لئے زید بن حارث کو روانہ فرمایا گیا - جنہوں نے مقام عیص میں پہنچکر قافلہ کا مقابلہ کرنیکے بعد قریش کو مع انکے مال اسباب کے گرفتار کر لیا - قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع بھی تھے - جو آنحضرت صلعم کی لڑکی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہوتے تھے - لہذا حضرت زینب کی سفارش پر آنحضرت صلعم نے انہیں آزاد فرما کے انکا مال بھی واپس کر دیا -

سریہ دومۃ الجندل بھی اسی ۶ ہجری میں واقع ہوا ہے جسکا حال باب اول میں درج ہے

سریہ فدک - اسی سال حضور علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی کہ قبائل بنی سعد یہود خیبر کی امداد لیکر مسلمانوں کے مقابلہ کی کوشش کر رہے ہیں - لہذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سو غازیوں کے ساتھ انکی مدافعت کو روانہ فرمایا گیا - جنہوں نے موضع ہمج پر جا کر قیام فرمایا - تو مخالفین دہشت اسلام سے سب کے سب فرار ہو گئے - اور آپنے اُنکے پانسو اونٹ گرفتار کر کے حسب دستور آنحضرت صلعم کا حصہ نکالنے کے بعد اپنے ہمراہیوں میں تقسیم فرما دیا -

سریہ وادی القریٰ - حضرت زیدؓ اپنے اور چند دوسرے مسلمانوں کیلئے شام سے مالِ تجارت لا رہے تھے۔ کہ وادی القریٰ میں قبائل بنی بدر و بنی فزارہ نے مال لوٹ لیا۔ زیدؓ نے واپس ہو کر اطلاع کی تو رسولِ خداؐ نے ایک جماعت غازیان آپ کے ساتھ کر دی۔ جنہوں نے مفسدین کو سبق دکھا کر مال بھی واپس لیا اور چند اشخاص اسیر بھی کئے۔

اسی سنہ ہجری میں صلح نامہ حدیبیہ ہوا۔ جس کا ذکر بابِ اول میں آچکا ہے۔

غزوہ خیبر

ناظرین اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہود جو مدینہ سے خارج البلد ہوکے خیبر میں جا رہے تھے انہوں نے انتقام کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ انہیں لوگوں کی اشتعال سے کفارِ قریش اور قبائل غطفان وغیرہ کے یہود نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اور غزوہ خندق واقع ہوا تھا۔ پھر جب آنحضرت صلعم بغرض عمرہ مکہ تشریف لے گئے۔ تو انہیں لوگوں نے قریش کو برسرِ پرخاش کر دیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو طواف بیت اللہ نصیب نہ ہو سکا۔ اب ان لوگوں نے پھر خیبر میں بنی غطفان وغیرہ کو آمادہ فساد کر رکھا تھا۔ غرضکہ انکی روز بروز کی مخالفتوں اور سازشوں سے مسلمان مطمئن نہ ہو سکتے تھے اسلئے آنحضرت صلعم نے حدیبیہ سے واپس تشریف لاکر اور بیس دن مدینہ میں گذار کے سنہ ۷ھ میں ارادہ فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے استیصال کے لئے خیبر کو فتح کر لیا جائے۔ مگر خیبر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خیبر مکہ سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر شام کے رستے میں واقع ہے۔ جہاں آٹھ مضبوط قلعے بنے ہوئے تھے۔ اور یہ قلعے اپنی مضبوطی کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ کیونکہ خیبر کے رہنے والے بہت بڑے متمول یہود تھے جنہیں اپنے استحکام کے لئے کسی بڑی سے بڑی رقم کا خرچ کر دینا بھی آسان تھا۔ ان قلاع کے نام یہ ہیں۔ حصن ناعم۔ حصن صعب۔ حصن شق۔ حصن قموص۔ حصن نطاۃ۔ حصن سطیح۔ حصن سالم۔ حصن کتیبہ۔ ہر ایک قلعہ میں کوئی نہ کوئی بڑا سردار مع اپنی فوج کے

رہتا تھا۔ اور مرحب جو سب سے بڑا بہادر اور مشہور زبردست آزمانا تھا۔ وہ حصن قموص کا مالک تھا۔ خیبر کا لفظ جو عام طور پر کسی نہایت مضبوط قلعہ یا کسی سخت ترمہم پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ یہ خیبر جس کا ذکر لکھا جا رہا ہے ایک بہت بڑا سخت مقام تھا۔ اور اسکے سوا عبداللہ بن ابی منافق اور مدینہ کے رہنے والے یہود نے اس کے متعلق مسلمانوں کو ڈرانے اور مخالفین کو انکی قلت وغیرہ سے آگاہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ جس سے اس کی صورت اور بھی سخت ہوگئی تھی۔ اسکے علاوہ ان یہود نے مدینہ میں جو اکثر مہاجنی کاروبار کرتے تھے اپنے مسلمان مقروضوں پر ادائے قرضہ کے لئے سخت تنگ طلبی شروع کردی۔ چنانچہ غازیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن ابی حدرد کو جب اسکے قارض ابوشحم (یہودی) نے صرف پانچ درم کے لئے سخت تنگ کرنا شروع کیا۔ اور عبداللہ رضہ اسے آنحضرت کے حضور میں اس غرض سے لے گئے۔ کہ آپ اسے کچھ تنبیہ فرما دینگے۔ تو آنحضرت صلعم بجائے یہود کو تنبیہ فرمانے کے عبداللہ رضہ سے فرمایا۔ کہ تمہیں بہرکیف اپنا قرضہ ادا کرنا چاہیے جسپر انہوں نے تین درم کو اپنا ایک کمل بیچکر اور دو درم کسی سے قرض لیکر یہود کا قرضہ چکا دیا۔ اور یہ تو خیر کسی نہ کسی طرح نمٹ گئے مگر یہود نے اس مثال سے فائدہ اٹھا کر سبکو تنگ کرنا شروع کیا۔ اور چونکہ سب لوگ اس بات سے واقف ہوچکے تھے کہ رسول اللہ صلعم رعایت نہیں فرماتے۔ لہٰذا ہر ایک نے تنگی ترشی سے اپنے اپنے قرض ادا کردیئے۔ جو ایسے وقت میں سبکو گراں گذر رہے تھے۔ کہ ایک طرف روانگی دوسری طرف عیال کا خرچ۔ اور تیسرا ادائے قرضہ۔ اسلئے بھی یہ جنگ سختی کے لئے مشہور ہوگیا۔ مسلمانوں کا جوش اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے صعب و سخت قلاع کے لئے آنحضرت صلعم نے صرف چودہ سو پیادہ اور دو سو سوار کے ساتھ عزم فرمایا۔ کیونکہ پہلے سے یہ اعلان کردیا گیا تھا۔ کہ کوئی شخص دولت دنیوی کے لئے شریک جنگ نہو۔ بلکہ صرف وہی لوگ چلیں جو دولت عقبیٰ کے خواہشمند ہوں (کیونکہ خیبر میں تو قریباً دس ہزار آدمیوں سے مقابلہ تھا) بہرحال آنحضرت صلعم نے مدینہ میں سباع ابن عرفطہ

غفاری انصاری کو نائب بنا کے بنفس نفیس مع اِن سولہ سو جانبازوں کے طیاری فرمائی
حضرت علی رضہ کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ اسلئے وہ ساتھ تو نہ جاسکے۔ مگر چونکہ رسولِ خدا
صلعم نے فرما دیا تھا۔ کہ جسے محض خدا کے لئے لڑنا ہو۔ وہی اس غزوہ میں قصد کرے
اسلئے حضرت علی رضہ بھی آنحضرت صلعم کے بعد بیماری کو ایسے خدائی کام کے آگے بالکل
ہیچ سمجھکر روانہ ہوگئے۔

مسلمانوں کا لشکر جب قطع مسافت کرتا ہوا خیبر پہنچا۔ تو خیبر والوں نے پہلے سے
مطلع ہوکر دروازے بند کرلئے اور قلعہ بند ہوکر لڑنے کی ٹھیرا دی جسپر آنحضرت صلعم
نے بھی باہر چھاونی ڈالدی۔ کہ اچھا یوں ہی سہی۔ لیکن حوالِ خیبر میں فدک کے
نام سے جو موضع آباد تھا۔ وہاں آپ نے محیصہ ابن مسعود کو مع چند آدمیوں کے
تبلیغ اسلام اور قرار داد عہد و پیمان کے لئے روانہ فرمایا۔ کہ اگر کچھ زیادہ عرصہ
بھی رہنا پڑے۔ تو رسد وغیرہ کیطرف سے آسانی ہوجائے۔ مگر وہاں کے یہود خیبر والوں کی
شہ پر سخت مغرور ہورہے تھے جنہوں نے ایک بات نہ مانی۔

ادہر خیبر پر بھی روز کچھ نہ کچھ مڈبھیڑ ہوجاتی تھی۔ کبھی کسی قلعہ پر حملہ ہوتا تھا۔ اور
کسی پر۔ کبھی حضرت ابو بکر رضہ سر لشکر ہوکے جاتے تھے۔ کبھی حضرت عمر رضہ۔ کبھی حضرت
عثمان رضہ۔ لڑائی کا ڈھب چونکہ دوبدو ہوکر لڑنے کا نہو سکتا تھا لہذا کبھی کبھی مسلمانوں کو
پسپا بھی ہونا پڑتا تھا۔ آخرش یکے بعد دیگرے چند قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔
اور چند باقی بھی رہ گئے۔ جنمیں سے مرحب کا قلعہ حصن قموص بہت بڑا تھا۔ جو کیا
بسبب اپنی مضبوطی کے اور کیا بلحاظ مرحب کی بہادری کے عام طور پر ناقابلِ تسخیر
سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمان بڑھتے بھی تھے تو کامیاب نہوتے تھے۔

ادہر فدک والوں کو جب یہ خبر پہنچی کہ اکثر قلعے مسلمانوں نے فتح کرلئے ہیں تو انہوں نے
محیصہ کے ساتھ اس شرط پر آشتی اختیار کرلی۔ کہ زمین فدک میں سے آدھی زمین تو
آنحضرت صلعم کی قرار دیجائے اور آدھی ہماری۔

اثناء قیام خیبر میں آنحضرت صلعم کو چونکہ دردِ شقیقہ کی شکایت ہوگئی تھی۔ [illegible]

بنفس نفیس جنگ میں شریک نہ ہوسکتے تھے۔ اگرچہ حصن ناعم، حصن صعب، حصن نطاۃ تو فتح ہوچکے تھے۔ مگر حصن قموص ابھی تک فتح نہ ہوا تھا۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ گئے۔ دوسرے دن حضرت عمرؓ فاروق میر لشکر ہوئے۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ "کل ایسے شخص کو علم لشکر عطا کیا جائے گا۔ جو خدا اور رسول کو پیار کرتا ہے۔ اور خدا اور رسول اسے پیار کرتے ہیں۔ اسی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دیگا"

سلمہؓ بن اکوع جن کا بھائی عرصہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا وہ بھی آنحضرت صلعم کے پاس اندوہگین بیٹھے تھے۔ کہ قلعہ فتح ہونے میں آتا نہیں بھائی کا بدلہ کیسے لوں۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ سلمہؓ تمہیں خوشخبری ہو کہ کل تمہارے بھائی کا قاتل بھی مارا جائیگا۔ غرضیکہ کل کے معرکہ میں فتحیاب ہونیکا یقین سبکو آگیا۔ اور رات بھر ایک اسی خیال میں بیتنے لگا۔ کہ دیکھیں کل علم اسلام مجھے عطا ہوتا ہے یا کسی اور کو۔ کیونکہ سب کے سب خدا اور رسولؐ کے سچے عاشق زار تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے اخلاق عظیم ایسے تھے۔ کہ ہر ایک شخص انہیں اپنے حال پر سب سے زیادہ مہربان پاتا تھا۔ بقول شیخ سعدیؒ۔ ہر گدا را بدرت نازِ دگر۔ القصہ صبح ہوئی تو سب لوگ عطائے علم کی امید پر حاضر آستان عالی ہوئے۔ جنہیں ابوبکر صدیقؓ عمرؓ فاروق اور سعدؓ ابن ابی وقاص کو زیادہ تر امید تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم نے برآمد ہوتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یاد فرمایا۔ حضرت علیؓ شامل لشکر تو تھے۔ مگر بدستور انکی آنکھیں دکھتی تھیں۔ اسلئے جدال و قتال میں شریک ہونے سے معذور تھے آنحضرتؐ نے یاد فرمایا۔ تو سب نے عرض کیا کہ وہ تو بیمار ہیں۔ جسکے بعد پھر از سر نو سبکو امید بندھ گئی کہ آج تو غالباً ہم ہی میں سے کسیکو منتخب کیا جائیگا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اچھا کوئی جاکے انکو حضور میں بلا لائے۔ چنانچہ سلمہؓ بن الاکوع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ہاتھ کا سہارا دیتے ہوئے حضور میں لے آئے۔ ناظرین کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرت علیؓ نہایت ہی ضعیف و ناتوان ہوگئے تھے۔ بلکہ یہ عام بات ہے کہ آشوب چشم میں

آنکھیں کھلا نہیں کرتیں اور کھلتی ہیں تو روشنی سے سخت اذیت پہنچنے کے باعث فی الفور بند ہو جایا کرتی ہیں۔ اسلئے اکثر لوگ اس بیماری میں دوسرے کے سہارے چلا کرتے ہیں کہ آنکھیں بند کر لینے کی صورت میں بھی کہیں پاؤں رپٹ نہ جائے۔ القصہ جب جناب امیرؓ حضور نبوی میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرتؐ نے اپنے لب مبارک سے انکی آنکھوں کو مشرف فرمایا۔ جسکے ساتھ ہی بیماری کی سُرخی جاتی رہی۔ اور آپؓ تندرست ہو گئے۔ جس کے بعد حضورؐ نے اپنا عمامہ آپکے سر پر رکھا۔ تلوار کمر میں باندھی اور فرمایا اللّٰھم اذھب عنہ الحر والبرد الٰہی اسے گرمی و سردی سے بچائیو۔ جسکے بعد ارشاد فرمایا کہ یا علیؓ جاؤ آج خدا تجھے فتح دیگا۔ حضرت علیؓ کی خوشی کا عالم ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کیا ہوگا جبکہ اسطرح آپکو بھیجا جا رہا ہو۔ پس آپؓ نے پورے جوش سے فرمایا کہ دیکھئے میں تو انہیں آج (کفار یہود کو) قتل ہی کرتا چلا جاؤنگا۔ تاوقتیکہ اسلام نہ قبول کر لیں۔ اسپر آپؐ نے فرمایا کہ علیؓ جلدی نہ کرنا بلکہ پہلے اسلام کی دعوت کرو اور نہ مانیں تو جنگ۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا۔ کہ فواللّٰہ لان یھدی اللّٰہ بک رجلاً واحداً خیر لک من ان یکون لک حمر النعم۔ (ترجمہ) بخدا اگر حق تعالیٰ تمہارے باعث ایک شخص کو بھی راہ راست دکھا دے تو اس سے بہتر ہوگا کہ تمہارے پاس بہت سے سُرخ اونٹ ہوں۔

بہرحال حضرت علیؓ علم سنبھالے ہوئے غازیان جانباز کے ساتھ حصن قموص کیطرف بڑھے۔ تو اُدھر سے بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ حارث (مرحب کا بھائی) اور مرحب بڑے شان و شکوہ سے مقابلہ کو آئے۔ حضرت علیؓ نے حکم نبوی کے مطابق پہلے تو دعوت و عظا کہنا چاہا۔ مگر وہاں کون سنتا۔ کہ قضا سر پر کھیل رہی تھی۔ مرحب کہنے لگا "اہل خیبر خوب جانتے ہیں کہ میں وہ مرحب ہوں جو جنگ آزما پہلوان اور پورا ہتھیار باندھنے والا ہے۔ اور جو کبھی تیر و تفنگ سے نشانہ کرتا ہے اور کبھی تلوار سے۔" مگر حضرت علیؓ کے پہلے ہی وار سے حارث کا جسم اسکے بار سر سے سبکدوش ہو گیا اسپر مرحب کا غصہ اور بھی بڑھا۔ اور اُس نے حضرت علیؓ پر ایک بھرپور ہاتھ مارا لیکن حضرت علیؓ نے اسکا وار خالی دیکے ذوالفقار کا ایک ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ

سر سے لیکر پشت زین تک جیتے متاع دو ٹکڑے ہو گئے۔ پھر کیا تھا تھوڑی سی جنگ مقاومہ کے بعد یہود پیچھے مڑنے لگے۔ اور قلعہ میں داخل ہو گئے۔ لیکن یہاں تو جوش آیا ہوا تھا۔ آپؑ نے قلعۂ قموص کا آہنی دروازہ اکھاڑ دیا۔ اور اندر داخل ہو گئے۔ یہود میں کھلبلی مچ گئی۔ حیی ابن اخطب۔ مرحب۔ حارث۔ سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ قتل ہو چکے تھے۔ پس اب کس کو مجال دم زدن تھی۔ حصن قموص کے فتح ہوتے ہی باقی قلعہ والوں نے بھی دروازے کھول دیئے۔ اور مسلمانوں کا پورا پورا داخل ہو گیا۔ اور یہود خیبر کا نقد و جنس اس قدر وافر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ چنانچہ علاوہ زر و جواہر اور نقد و جنس کے صرف اسلحہ جات میں چار سو تلواریں۔ ایکہزار برچھے۔ پانسو کمانیں قلعۂ قموص سے ہی ملی تھیں۔ مسلمانوں کیطرف سے پندرہ شہید ہوئے اور یہود کیطرف سے ترانوے۔

چونکہ مال زیادہ اور اسباب بھی بہت تھیں۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص تقسیم سے پہلے ہرگز کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ اور علیٰ ہذا عدت گذرنے تک کسی عورت سے بھی مس نہ کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور امن کے بعد آپؐ نے خمس نکالکر تمام مال و اسباب اس ترتیب سے مجاہدین پر تقسیم فرما دیا۔ کہ پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے۔ فتح کے دن جعفرؓ بن ابی طالب (برادر حضرت علی رض) اور اسما بنت عمیس اور ابو موسیٰ اشعری بھی مع اپنے قبیلہ کے پانچ آدمیوں کے شرکتِ غزوہ کی غرض سے آپہنچے تھے۔ اور گو فتح ہو چکی تھی لیکن حضورؐ نے انکو بھی تقسیم غنیمت میں برابر حصہ عطا فرما دیا۔ سچ ہے الاعمال بالنیات (عمل نیتوں پر موقوف ہیں)

تقسیم غنیمت کے بعد یہودیانِ خیبر کی نسبت تجویزیں ہونے لگیں۔ کہ انہیں بنو نضیر کیطرح جلاوطن کیا جائے۔ یا بنو قریظہ کیطرح قتل۔ اور اکثر کی رائے سے جلاوطنی تجویز ہوئی۔ مگر یہود نے منت سماجت کی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اچھا یہی لوگ بطور کاشتکار یہاں رہیں۔ اور پیداوار کا نصف دیا کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن رواحہ کو محصل مقرر فرما دیا گیا۔ یہود نے اس فیصلہ کو ایسا غنیمت سمجھا کہ جسکی انتہا نہیں کیونکہ

وہ جلاوطنی سے کم کسی سزا کی اُمید ہی نہ رکھتے تھے۔ اور غور کرنے کی بات ہے کہ اِس سے نرم فیصلہ اپنے حق میں شاید وہ خود بھی حکم ہوتے تو کبھی نہ کرسکتے۔ تہذیب سلطنتوں میں بھی شرح مالیہ اور حقوقِ مالکانہ اور رقم سوا کی میزان کیجائے تو کسی حالت میں اِس سے کم نہ ہوگی۔ اور پھر اس طرح کے مقابلہ کے بعد تو شائد کوئی بھی ایسی نرمی نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر ایک اور واقعہ کا ذکر بھی غیر ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ اور وہ یہ کہ ابھی خیبر فتح نہ ہوا تھا کہ اہلِ خیبر میں سے عامر یہودی کا ایک حبشی غلام جو اُس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلعم کا حال سُنکر گلّے سمیت آپؐ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور معمولی سوال و جواب کے بعد مُسلمان ہوگیا۔ لشکر میں رسد کی سخت قلّت تھی۔ اکثر مجاہدین کو فاقہ گذرتا تھا۔ اور حبشی کے ساتھ دوسَو بکریاں تھیں۔ جو کم سے کم ایک ہفتہ تک کے لیے اچھا کام دے جاتیں۔ لیکن جب اُس نے حضورؐ سے انکی نسبت دریافت کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ یہ تمہارے مالک کا مال ہے۔ دروازہ کیطرف جاکے ہانکدو۔

ایسا ہی قبل از فتح حصن قموص فدک کے یہود نے محیصہ ابن مسعود سے یہ قرارداد کی تھی۔ کہ فدک کی آدھی زمین آنحضرت صلعم کا ملک رہیگی اور آدھی ہماری پس اِس قرارداد کی بھی ویسی ہی تعمیل قائم رہی۔ حالانکہ تمام اہلِ خیبر سے اراضی کی ملکیت سلب کرکے انکو حقوق کاشتکاری ہی دیئے گئے تھے۔

صفائی دِل اِس سے ظاہر ہے کہ ام المومنین صفیہ بنت حیّی ابن اخطب نے جس کا باپ اور بھائی مارے گئے تھے۔ جب اُنہوں نے اُسی دِن آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر یہ گذارش کی۔ کہ حضورؐ مجھے اپنی خدمت کے لئے منظور فرمالیں۔ تو آپؐ نے قبول فرمالیا کیونکہ آپؐ کو علم ہوچکا تھا کہ صفیہؓ حضرت ہارون کی نسل سے ہیں۔ مگر اصحاب کو انکی طرف سے خدشہ تھا کہ موقع پاکر یہ اپنے رشتہ داروں کا بدلہ نہ لے لیں۔ چنانچہ صفیہؓ داخل خیمہ ہوئیں۔ تو حضرت ابوایوب انصاری رات بھر بلا اطلاع حضورؐ کے پہرہ دیتے رہے کہ مبادا کوئی حادثہ نہ ہوجائے۔

ایسا ہی یہ واقعہ بھی قابل تحریر ہے کہ فتح خیبر کے بعد زینب بنت الحارث یہودیہ

جو مرحب کی بھتیجی تھی - بطور صلح و صفائی کے کچھ گوشت پکوا کے آپؐ کے لئے بھیجا جسے آپؐ نے بے تکلف قبول فرما لیا - لیکن زبان پر رکھتے ہی آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہ زہر ہے - اسلئے تھوک دیا - اور کھایا نہیں - شاملین طعام میں سے صرف بشیر ابن البراء نے ایک نوالہ کھا لیا تھا - جو بیمار ہوکر سال بھر میں رحلت کر گئے - آپؐ نے زینب کو بُلا کر نرمی کے ساتھ حال بیان کرنے کو فرمایا - تو اُس نے اعترافِ قصور کے بعد عرض کیا کہ میں نے امتحاناً یہ فعل کیا تھا - اور اب مسلمان ہوتی ہوں - اور رحمت کے یہ معنی ہیں کہ آپؐ نے اُسے بھی معاف فرما کر اُس کا اسلام لانا قبول فرما لیا -

انہیں ایّام میں حجاج بن علاط سلمی جو مکہ کا ایک اچھا سوداگر تھا - مالِ تجارت لیکے سفر شام کو نکلا - اور رستہ میں آنحضرتؐ صلعم کی خبر سُنا - حاضرِ حضور ہونیکے بعد مسلمان ہو گیا - لیکن اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم! میرا قرض بہت سے اہلِ مکہ کے ذمہ ہے - اگر اجازت ہو تو میں جلدی سے واپس جا کر کسی بہانے سے اپنا زرِ واجب وصول کر لوں - کیونکہ میرے مسلمان ہونے پر واقف ہوکر مجھے کوئی بھی کچھ نہ دیگا - آنحضرتؐ نے اجازت بخشی - تو یہ بھاگا بھاگ مکہ پہنچے اور غلط طور پر مشہور کر دیا - کہ خیبر والوں نے مسلمانوں کو قید کر کے انکا مال و اسباب ضبط کر لیا ہے - جو اب نیلام پر چڑھے گا - میرے مقروض میرا روپیہ دیدیں - تو میں جا کر خرید لاؤں - جس سے بہت سا نفع اُٹھاؤں گا - چنانچہ لوگوں نے خوشی خوشی اپنا اپنا حساب بیباق کر دیا - بلکہ اپنی عورتوں تک کا بہت سا زیور اُترو الائے جو اُنہوں نے پہن رکھا تھا - اِنکا مطلب تو حل ہو گیا - اور قریش بھی بڑے خوش ہو ہو کر اکڑنے لگے - مگر مسلمان اور بالخصوص حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب اس سے رنجیدہ ہوئے مگر جب انہوں نے حجاج کو بُلوا کر اصل حقیقت سُنی تو خوش ہو گئے - اور اسکے چلے جانے کے بعد فتح خیبر کی تشہیر بھی کر دی جسکے بعد خود بخود قریش کو تصدیق بھی ہو گئی -

غزوہ وادی القریٰ - بھی اسی غزوہ خیبر کا نتیجہ ہے - کیونکہ جب آنحضرتؐ فتح خیبر کے بعد معاودت فرماتے مدینہ ہوئے تو رستہ میں وادی القریٰ کے یہود نے بھی جنگ کا ڈھنگ ڈالدیا - ہر چند آنحضرتؐ صلعم نے خاص اپنی زبان درفشاں سے اِن

فرمایا کہ تم لوگ بیفائدہ اپنی جانیں نہ گنواؤ۔ مگر وہاں تو انتقام کا سودائے خام پک رہا تھا۔ کسی نے کلمۂ حق پر توجہ نہ کی۔ اور مقابلہ کرنے لگے۔ آخرالامر جب لڑائی میں انکے ترانوے آدمی مارے گئے۔ تو پھر جا کے آنکھیں کھلیں۔ اسپر بھی آنحضرتؐ نے ازراہ ترحم انکی جان بخشی فرما کر مالیان خیبر کیلئے پیداوار اراضی میں سے نصف لینا منظور کر کے ان کو وہیں رہنے دیا۔ حالانکہ خیبر جیسی جگہ تسخیر کر کے بعد شاید کوئی شخص بھی ایسی رعایت نہیں کرتا۔ یہاں سے دائرۂ سعادت روانۂ مدینہ ہوا۔ تو وادی تیما جو رستے میں پڑتی تھی۔ وہاں کے یہودیوں نے حاضر ہو کر درخواست کی۔ کہ نہ تو ہم لڑتے ہیں اور نہ مسلمان ہوتے ہیں۔ آپ ہم سے جزیہ لینا قبول فرما کر ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیں۔ چنانچہ آپ نے انکی بھی درخواست منظور فرما کر انہیں انکے مال و منال پر بدستور متصرف رہنے دیا۔ اور بخیریت تمام رونق افروز مدینہ ہوگئے۔

اسی سفر میں واپسی کیوقت آنحضرتؐ ایک شب نہایت دیر کر کے سوئے تھے۔ اور حضرت بلالؓ کو ارشاد فرما دیا تھا کہ نماز کیوقت جگا دینا۔ مگر اتفاق سے انکی بھی آنکھ لگ گئی۔ آنحضرتؐ بیدار ہوئے تو دن چڑھ چکا تھا۔ آپ نے بلالؓ کو جگایا۔ تو وہ سخت نادم ہوئے۔ مگر آنحضرت صلعم اقامت کہہ کے پھر بھی باجماعت نماز پڑھ لی۔ اور یہ کہکر اسی وقت روانۂ آئندہ ہوگئے کہ اس جگہ شیطان کا قبضہ ہے۔ لیکن اصحاب میں مسئلہ حل فرما دیا کہ اگر اسیطرح کبھی اتفاقاً نماز رہجائے تو اٹھتے ہی پڑھ لینی چاہئے۔

سریہ ناحیہ ضریہ۔ اسی سنہ ہجری میں آنحضرت صلعم نے بنی کلاب کی گوشمالی کے لئے بسرکردگی حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک مختصر سی فوج بھیجی۔ کیونکہ ان لوگوں نے بہت کچھ شر و فساد بپا کر رکھا تھا۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ نے اس محاربہ میں بہت کچھ داد شجاعت دیکر مفسدین کو سیدھا کر دیا۔ اور امن قائم کرا کے واپس ہوئے۔

سریہ میفعہ۔ اسی سال غالب بن عبداللہ ایک سو تیس مجاہدین کے ساتھ بنی عوال و بنی عبد ابن ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے انکے موضع میفعہ پر بھیجا گیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی انہوں نے

لڑائی میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

سریہ کدید۔ اسی سال آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ موضع کدید پر مسلمانوں کے برخلاف مفسدین بنی الملوح ایک لشکر جمع کر رہے ہیں۔ جسکی مدافعت کے لئے آپؐ نے غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو مع ایک دستہ کے روانہ فرمایا۔ مگر انہوں نے جا کر دیکھا تو مخالف لشکر بہت پایا۔ لہٰذا بمصداق الحرب خدعۃ یہ کمینگاہ میں چھپ گئے۔ اور رات کیوقت جبکہ دشمن غافل تھے شبخون مار کر انکے مال مویشی ہانک لائے۔ مفسدین نے دور تک تعاقب بھی کیا۔ مگر رستے میں ایک ندی تھی جسے اصحابِ رسولؐ عبور کر چکے تھے۔ لہٰذا دشمنوں کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔

سریہ بنی مرہ۔ موضع فدک کے قریب قبیلہ بنی مرہ نے قطاع الطریقی اختیار کر کے آنے جانے مسلمانوں کے قتل و غارت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ جنکی مدافعت کیلئے بشیرؓ ابن سعد انصاری کو مع تیس ۳۰ مجاہدین کے بھیجا گیا۔ جس وقت یہ پہنچے۔ انہیں خبر لگ گئی۔ وہ ایکطرف کو چھپ گئے۔ بشیرؓ نے انکے مویشی ہانکنے شروع کر دیئے اور جنگ سے بیفکر ہو گئے۔ کہ راستے میں انکا ایک کثیر گروہ ان پر اچانک آن پڑا۔ اور سبکو شہید کر دیا۔ صرف بشیرؓ نیم جان رہ گئے۔ جنہوں نے ہوش سنبھالنے پر مدینہ کا رستہ لیا۔ اور آنحضرت صلعم کے حضور میں یہ قصہ عرض کیا۔ جسپر چند روز کے بعد آنحضرت صلعم نے دوسو مجاہدین کے ساتھ زبیرؓ بن العوام کو انکی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ زبیرؓ بن العوام جا رہے تھے کہ اتفاقاً غالبؓ اور ابو مسعودؓ وغیرہ مع دوسو مجاہدین کے سریہ کدید سے واپس آتے ہوئے انہیں مل گئے۔ اور وہ بھی انکے شریک حال ہو گئے۔ اور یہ متفقہ لشکر ظفر پیکر قبیلہ مرہ کے سر پر جا پہنچا۔ وہ بھی خاصے سیکڑوں جوان تھے۔ لڑنے مرنے کو آمادہ ہو گئے۔ مگر بہادران اسلام نے دم کے دم میں پرے کے پرے صاف کر دیئے اور انکے مال مویشی اور قیدی گرفتار کر کے حضور نبوی میں حاضر کر دیئے۔ جو حسب دستور خمس نکال کر مجاہدین پر تقسیم کر دیئے گئے۔

اسی جنگ میں اسامہ بن زید رضہ ایک شخص نہیک بن مرداس سے لڑ رہے تھے۔ جب وہ مغلوب ہوگیا تو اُس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ مگر اسامہ نے جلدی سے تلوار کا وار کر دیا۔ اور وار کے ساتھ ہی اس کا قصہ بھی طے ہوگیا۔ یہ خبر امیر لشکر کو پہنچی تو وہ بھی رنجیدہ ہوئے۔ اور جب آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے بھی اسامہ سے کہا۔ کہ بیشک تُمنے ایک مسلمان مار دیا ہے۔ اسامہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم اُس کا کلمہ پڑھ لینا صدق دل سے نہ تھا۔ صرف جان بچانے کا بہانہ تھا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ کہ "تو نے اُس کا دل چیر کر تو نہیں دیکھ لیا تھا۔ کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا"؟ آخر اُسکے وُرثا کو دیت دلوا دی گئی۔

سریہ موتہ ۸ ہجری

حاکم بصرہ کے پاس آنحضرت صلعم نے مثل دیگر اُمرا و سلاطین کے ایک منشور تبلیغ اسلام کے لئے حارث بن عمیر کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ بصرہ کے رستہ میں موتہ ایک مقام ہے۔ وہاں شرحبیل بن عمر وغسانی ایک شخص عرب متنصرہ میں سے روم کیطرف سے حاکم تھا۔ اس نے حارث سے دریافت کیا کہ کہاں سے آئے اور کہاں جاتے ہو تو اُنہوں نے سب کیفیت راست راست بیان کر دی۔ کہ میں محمد رسول اللہ صلعم کا ایلچی ہوں۔ اور یہ خط لئے ہوئے حاکم بصرہ کے پاس جاتا ہوں۔ مثل مشہور ہے "ایلچی را چہ زوال"۔ مگر اُس شخص نے اس غصہ میں کہ عرب کا ایک معمولی آدمی سطح حاکم بصرہ کو بلا تکلف خط بھیجنے کا مُدعی ہے۔ نامہ مبارک بھی لیکر چاک کر دیا۔ اور حارث کو بھی قتل کرا دیا۔ آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے اُس کی گوشمالی کے لئے طیاری فرمائی۔ کیونکہ ایسے حالات میں آئندہ کے لئے تبلیغ رسالت کے کام میں بہت سے خلل پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اور نیز عام عرب کی متمرد قومیں جو ابتک جوسر بپرخاش تھیں۔ انکے باغی ہو جانے اور ایک زبردست حاکم کے ساتھ جا ملنے کا خیال تھا۔ لہذا آپ نے طیاری کا حکم دیا۔ تو تین ہزار ناری اکٹھے کھڑے ہوئے

چنانچہ آپ آگے ساتھ ساتھ ثنیات الوداع تک خود بنفسِ نفیس تشریف لیگئے۔ اور زیدؓ کو سپہ سالار لشکر
مقرر فرماکر ارشاد فرمایا کہ اگر زید مارے جائیں تو پھر علم اسلام حضرت جعفرؓ کی سپرد ہو۔ اور وہ بھی شہید ہوجائیں
تو عبد اللہ بن رواحہ امیر لشکر مقرر ہوں اور اگر وہ بھی شہادت پاجائیں تو پھر مسلمان اپنے میں سے کسیکو
لائق سمجھ کے امیر منتخب کرلیں۔ القصہ لشکر ظفر پیکر روانہ ہوا۔ تو کسیطرح شرجیل کو
بھی خبر لگی۔ اور اُس نے اپنے بھائی سدوس کو ایک کافی فوج پیادگان اور پچاس
سواروں کے ساتھ بطور طلیعہ روانہ کیا۔ اور اپنے قلعہ و لشکر کے استحکام میں اس
اعلےٰ درجہ کا اہتمام شروع کیا کہ جس طرح کسی بڑے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہے۔ سدوس
جب لشکر اسلام سے دوچار ہوا۔ تو حسب قاعدہ مسلمانوں نے اُسے سمجھایا کہ ہم صرف تبلیغ
اسلام کو آئے ہیں۔ اگر تم یا تمہارا حاکم اسلام یا اطاعت قبول کرلے تو ہمیں تم سے
کوئی تعرض نہیں۔ ورنہ بدرجہ آخر ع ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو۔
سدوس کے ساتھ چونکہ ایک عظیم الشان فوج موجود تھی۔ اسلئے اُس نے بھی
معرکہ کارزار گرم کردیا۔ لیکن بہادرانِ اسلام سے جانبر نہو سکا۔ شرجیل کو جب خبر پہنچی
کہ اُسکا بھائی مارا گیا ہے۔ تو حاکم بصرہ اور ہرقل سے بھی امدادی فوج طلب
کی۔ جو نہایت تیزی کے ساتھ موتہ میں آکر داخل لشکر ہوگئی۔ اور تین ہزار مسلمانوں
کے برخلاف کم و بیش ایک لاکھ فوج کفار کا ٹڈی دل جمع ہوگیا۔ مسلمانوں کو اس سے
پہلے چونکہ اس قدر کثیر فوج کے ساتھ نبرد آزمائی کا موقع نہوا تھا۔ لہذا انکے بھی
چھکے چھوٹ گئے۔ اور باہم صلاح و مشورہ ہونے لگا۔ کہ ہم بھی امداد منگائیں یا
واپسی کی ٹھہرادیں۔ کہ عبد اللہ بن رواحہ نے ایک پُرجوش تقریر میں مسلمانوں کو
شرم دلائی۔ کہ تم لوگ اگر عورتوں کیطرح ایسے ہی بزدل تھے تو گھر سے چلے ہی کیوں
تھے۔ کثرت و قلت کا سوال ہی سوائے مذہب کے کوئی اصل نہیں رکھتا۔ بھلا پہلے
کونسا معرکہ ایسا ہوا ہے۔ کہ دونوں طرف کی فوج برابر رہی ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ تعداد
میں بہت ہی کم ہوتے رہے ہیں۔ اور دشمنوں کی جمعیت ہمیشہ سے زیادہ رہی ہے
لیکن خدا نے دینِ حق کی نصرت کے لئے ہمیں کو ہمیشہ فتح مند کیا اور دشمنوں کی

کثرت کچھ کام آئی۔ اور اسکے سوا ہم لوگوں کا معراج ہے شہادت۔ بالفرض اگر وہی ہم کو میسر ہو تو بتاؤ اسمیں بھی ہم ہی نفع میں رہینگے۔ وایسی کیحالت میں رسول خدا کو کیا خدا کو کیا مُنہ دکھاؤ گے۔ کہ جنگ سے وایسی جو آج تک کسی مسلمان نے اختیار نہیں کی۔ اسکے موجد تُم ہی قرار پاؤ۔ باقی رہی مدد۔ بس ہم تو اسکے قایل ہیں کہ ہمیں خدائی امداد ہے۔ پھر کسی مدد مانگنے کی ضرورت۔ اور تُم جاؤ تو جاؤ میں تو اکیلا یہیں لڑکے مرجاؤں گا۔ مگر مُڑوں گا نہیں۔ ؎

آن نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من　　آن منم کاندر میان خاک و خون بینی سرے

تُم نے اپنی تجویز تو کرلیں۔ مگر یہ نہ سوچا کہ مُڑو گے تو دشمن تمہیں مُڑنے بھی دیں گے اور مدد کی انتظار میں پڑے رہو گے تو کیا وہ بھی تمہاری امداد کا انتظار کرینگے؟"

اِس قسم کے تیز تیز فقرات نے مسلمانوں کے شکستہ دلوں کو کچھ ایسا مضبوط کردیا کہ انہوں نے بپھرے ہوئے شیر کیطرح جانبازانہ حملہ کی طیاری کردی۔ اور لڑائی شروع ہوگئی۔ علم حسب الحکم نبوی زیدؓ کے ہاتھ تھا۔ جو نہایت ہی جان توڑ کر لڑے مگر آخر الامر آنحضرت صلعم کی پیش گوئی کے موافق شہید ہوگئے۔ جنکے بعد حضرت جعفرؓ نے علم اسلام سنبھالا۔ اور وہ داد شجاعت دی۔ کہ صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ مگر اثنائے جنگ میں کسی نے تلوار کا ہاتھ اِس طرح کا زور دار مار دیا۔ کہ آپکا ہاتھ کٹ کر لٹکنے لگ گیا۔ مگر اللہ رے شجاعت کہ آپنے پاؤں کے نیچے کٹے ہوئے ہاتھ کو دبا کر وہ تسمہ بھی کاٹ دیا جو اُسے لٹکائے ہوئے تھا۔ لیکن تھوڑی دیر میں دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اور آپ صرف شانوں کے سہارے علم کو سنبھالے رہے۔ مگر اِس طرح تا کجے جنگ ہو سکتا تھا۔ آخرش آپکو شربت شہادت پینا پڑا۔ اور علم لشکر عبد اللہؓ بن رواحہ نے سنبھالا۔ اُنہوں نے علم لیتے ہی کہا۔ کہ اے میرے نفس! اب کسی دُنیاوی چیز کی ہوس نہ کر۔ اسلیئے کہ عورت کا لالچ تجھے پیچھے نہ ہٹائے میں عورت کو طلاق دیتا ہوں۔ اور اس واسطے کہ غلاموں اور کنیزوں کا لالچ تجھے وایسی کی تحریک نہ کرے۔ میں انکو بھی برائے خدا آزاد کرتا ہوں۔ اور اِس خیال سے کہ دولت کا

طمع مجھے پہرنے کی صلاح ندے - اپنے تمام مال و منال کو راہِ خدا میں وقف کرتا ہوں اللہ اکبر! اِس جوش کی بھی کوئی انتہا ہے - آخر الامر ارشادِ نبوی کے موافق آپ نے بھی اعلیٰ درجہ کی دادِ شجاعت دیکر جامِ شہادت نوش فرمایا - اور مسلمانوں نے خالد بن الولید کو امیر لشکر قرار دیکر نشان انکے ہاتھ دیا - خالد ایسی قسم کے جنگی جوان تھے جنکی عرب میں دھاک بندہی ہوئی تہی - اُنہوں نے نہایت عمدگی سے لڑائی کی - مگر شام ہونیکے قریب تھی کہ لڑائی بلا فیصلہ صبح تک ملتوی ہو گئی - جسمیں مسلمانوں کو تازہ دم ہونیکا بہت اچھا موقع ملگیا - پس خالد جو قیصر و کسریٰ کے انتظامات دیکھ چکے تھے - اُنہوں نے صبح فوج کو بدل بدل کر کچھ اس طرح کھڑا کیا - کہ دشمن کو ایک نئی صورت معلوم ہوئی - اور گمان گذرا کہ شاید مسلمانوں کو امداد آگئی - ساتھ ہی دہڑے لے در لے حملے جو شروع ہوئے تو نصاریٰ کے پاؤں اُکھڑ گئے - اور اُنہوں نے راہِ فرار اختیار کر لی - جس سے مسلمانوں کے دِل بانسوں بڑھ گئے - اور اُنہوں نے دُور تک دشمن کا تعاقب بھی کیا - مگر قاعدہ ہے کہ جب جی چھوٹتا ہے - تو پھر قابو میں ذرا مشکل آتا ہے - مخالفین کچھ ایسی سراسیمگی سے بہاگے کہ اپنے مال و اسباب کی بھی پرواہ نہ کی - قصہ مختصر یہ کہ ایک لاکھ جرار فوج کو مار اور بہگانیکے بعد مسلمانوں نے انکا مال و اسباب ضبط کر لیا - اور چونکہ دشمن کا ہر وقت خطرہ تہا - اور اِس تہوڑی سی جمعیت کے ساتھ قبضۂ ملک کا سوال حل نہو سکتا تہا اِسلئے فتح کے بعد مدینہ منورہ کو معاودت فرمائی گئی - مدینہ میں آنحضرت صلعم کو پہلے سے اِن تمام حالات کی بذریعہ الہام اطلاع ہو چکی تہی - چنانچہ آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی فرماتے رہتے تھے کہ اب یہ ہوا اور اب وہ ہوا - اِسلئے مسلمانانِ مدینہ کے دلوں میں غائبانہ اِن سورتوں کیطرف سے بایں وجہ ایک نفرت قائم ہو گئی تہی - کہ اِن لوگوں نے واپسی کا ارادہ ہی کیوں کیا تہا - پس جب یہ لشکر مدینہ پہنچا - تو آنحضرت صلعم تو سب کے ساتھ نہایت خوشی سے پیش آئے - مگر عام طور پر آنیوالوں کے رشتہ داروں تک نے بھی اُنسے گفت و کلام میں تامل کیا - اور طعنے دئے کہ دیکھو آپ بھی تو خیر جیتے جاگتے آہی گئے ہو - جنگ سے واپسی کا خیال کیا تہا - تو کیا یہ ...

غازی ہر چند کہتے کہ ہم نے بہت اچھی طرح دشمن کو شکست و نابود کر دیا ہے۔ مگر لوگ کہتے کہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن تم نے پہلے بھاگنے کا خیال کیوں کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ افسانے رسول خدا صلعم تک بھی پہنچے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اتفاقاً طبیعت جھجک کر پھر سنبھل گئی تو مردانگی میں کوئی بٹہ نہیں لگا۔ انجام تو فتح پر ہوا ہے۔ اسی کو دیکھنا چاہیئے۔ تب جاکے کہیں طعنے بند ہوئے۔

انہیں ایام میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں اڑ رہے ہیں۔ پس اسی دن سے آپ کا لقب جعفر طیار ہو گیا۔ اور اسی جنگ میں آنحضرت صلعم نے جب یہ سنا کہ عبداللہ بن رواحہ کے بعد خالد بن الولید نے علم سنبھالا تھا تو فرمایا تھا کہ اب سیف اللہ نے علم سنبھالا ہے۔ خدا اسے فتح دیگا۔ پس تب ہی سے حضرت خالدؓ کے نام کے ساتھ سیف اللہ کا استعمال شروع ہوا۔

مدینہ سے موتہ جاتے ہوئے رستہ کے ایک قلعہ والوں نے (جو عیسائیوں کے قبضہ میں تھا) ایک مسلمان کو مار دیا تھا۔ اور پھر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ لہذا مسلمانوں نے انکے محاصرہ کے لئے وقت دینا ضروری نہ سمجھ کر اپنی منزل کھوٹی نہ کرنا چاہی تھی لیکن واپسی کے وقت خالد بن الولید کو انکی تنبیہ کا بھی خیال ہوا۔ چنانچہ آتے ہوئے اس قلعہ کو بھی آپ فتح کرتے آئے۔

سریہ ذات السلاسل۔ انہیں ایام میں آنحضرت صلعم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بلی و قضاعہ و بنو العمین نے مدینہ پر متفقہ حملہ کی طیاری کی ہے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے سعد بن ابی وقاص کو ایک لشکر مجاہدین کے ساتھ انکی سرکوبی کو روانہ فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ بلی سے انکی قرابت داری تھی جس کے مطابق ممکن تھا کہ صلح و صفائی سے معاملہ طے ہو جائے۔ سعد بن وقاص انکے دیار میں پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑی جمعیت سے طیار ہو رہے ہیں۔ لہذا انہوں نے بھی رافع بن مکیث جہنی کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں طلب امداد کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے انکی مدد کے لئے ابو عبیدہ بن الجراح کی ماتحتی میں ایک اور لشکر روانہ فرمایا جسمیں

صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔ چلتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سب متفق ہو کر
کام کرنا اور اختلاف سے بچنا۔ امدادی لشکر سعد بن وقاصؓ سے جا ملا۔ تو مسلمانوں کو
تقویت ہو گئی۔ نماز صبح میں ابو عبیدہؓ نے امامت کرنی چاہی تو سعد بن وقاصؓ نے کہا
میری موجودگی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابو عبیدہؓ جو ایک صلح کل اور نہایت صاف
دل شخص اور امین الامت کے لقب سے ملقب تھے۔ انکی اس بات سے رنجیدہ نہ ہوئے
اور سب کے ساتھ انہیں کے پیچھے خود بھی نماز پڑھ لی۔ رات ہوئی تو سردی کا عالم
تھا مسلمانوں کو آگ تاپنے کی خواہش ہوئی۔ لیکن سعدؓ بن وقاص نے منع کر دیا۔
اسپر لوگ صدیق اکبرؓ اور عمرؓ فاروق کے پاس شکایت لائے جس سے دونوں صاحب پیچ تو ہوئے مگر
خاموش ہو رہے۔ کچھ فرمایا نہیں۔ لیکن بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین پر مسلمانوں کی
ہیبت چھا گئی۔ اور انہوں نے کچھ یونہی سے خفیف مقابلہ کے بعد راہ فرار اختیار کر لی۔
واپسی جنگ پر اکثر مسلمانوں نے سعدؓ کی شکایت بھی کی۔ مگر آنحضرت صلعم نے
کچھ نہیں فرمایا۔ سعدؓ سمجھے کہ رسول اللہ صلعم مجھے سب سے عزیز رکھتے ہیں۔
چنانچہ آپ نے ایک دن موقع پا کر آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حضور کا دلی دوست
کون ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ۔ پھر عرض کیا کہ میرا مطلب مردوں میں پوچھنے کا تھا
آپؐ نے فرمایا۔ ابو بکرؓ پھر عمرؓ۔ اور علی ہذا کئی نام لئے۔ سعدؓ کا ذکر کہیں نہیں آیا۔
پس انہوں نے آپؐ سے پوچھنا بند کر دیا۔ کہ خدا جانے سب مسلمانوں کے بعد بھی آتا ہوں

سریہ خبط۔ یا سیف البحر۔ رجب ۸ ہجری میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ
قبیلہ جہینہ نے قتل و غارت پر کمر باندھ کر مسافروں کا رستہ روک رکھا ہے۔ اسلئے
آنحضرت صلعم نے انکی سرکوبی کے لئے ابو عبیدہؓ بن الجراح کو تین سو جانبازوں کے ساتھ
روانہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ سمندر کے کنارے یہ لوگ آباد تھے۔ اور
مدینہ سے انکا مقام پانچ منزل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ مسلمان کسی سامان سے مالا مال
تو نکلے نہیں تھے۔ بس اُٹھے اور چل دیئے۔ رستے میں رسد ختم ہو گئی۔ تو انہوں نے
درختوں کی پتیاں جھاڑ جھاڑ کر کھانی شروع کیں۔ اسی لئے اسکو سریہ خبط کہتے ہیں۔

قصہ مختصر مسلمان سیف البحر پہنچے۔ تو مفسدین انکی دہشت سے بھاگ نکلے۔ اثنائے قیام میں ایک بہت بڑی مچھلی جو ایک بڑے ٹیلے کے برابر قامت کی تھی خشکی پہ پڑی ہوئی مسلمانوں کے ہاتھ آگئی۔ اور انھوں نے اُس کا گوشت کھانا شروع کیا۔ چنانچہ بعض کے نزدیک مہینا بھر تک تین سو آدمی کھاتے تھے اور پھر کچھ کچھ مدینہ کے لئے بھی سکھا کر ساتھ لے آئے۔

فتح مکہ ۸ ہجری

صلح حدیبیہ جو دس سال کے لئے ہوئی تھی۔ اسمیں یہ قرار پایا تھا کہ سوائے آیندہ جو قومیں قریش کی ہم عہد اور حلیف ہوں۔ انپر مسلمان ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اور جو قومیں مسلمانوں کی ہم عہد اور حلیف ہوں۔ انپر قریش ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ مگر قریش نے دلی بغض و عناد نے انہیں بدعہد کر دیا۔ یعنی بنی خزاعہ جو مسلمانوں کے ہم عہد تھے انکے ایک غلام کے ساتھ بنی بکر کے کسی آدمی سے (جو قریش کے ہم عہد تھے) تکرار ہوگئی۔ غلام نے کچھ کرارا جواب دیا۔ تو فریق ثانی نے آنحضرت صلعم کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ کہ جسکی نسبت پر اس قدر تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ ہم اس کی حقیقت ہی کیا سمجھتے ہیں۔ ابھی اسکو یوں اور یوں کر دینگے۔ غلام بیچارے کو جوش آگیا۔ اور اس نے اسکے سر پر کچھ دے مارا۔ اسپر اس نے اپنی قوم سے شکایت کی۔ جنہوں نے بنی خزاعہ پر حملہ کرنیکے لئے قریش سے مدد چاہی۔ چنانچہ اعیان قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل۔ صفوان بن امیہ۔ سہیل بن عمرو۔ حویطب بن عبدالعزیٰ۔ اور مکرز ابن حفص وغیرہ وغیرہ نے انکے شریک ہوکر بنی خزاعہ پر اس شدت سے حملہ کیا کہ انکے بیس یا کچھ زیادہ آدمی جان سے مار دئے۔ اور مجروحوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں جس کی خبر آنحضرت صلعم کو بروئے کشف عین بروقت ہی ہوگئی تھی۔ لیکن کچھ دنوں بعد عمرو ابن سالم خزاعی مع اپنی قوم کے چالیس آدمیوں کے مدینہ میں روتا پیٹتا فریادی آیا۔ کہ ہمپر ایسا ظلم ہوا ہے۔ جس کا انتقام عہد کے موافق

آپکو لینا چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اچھا تم جاؤ۔ ہم خود ہی انتظا
کر لیں گے۔

ادہر تو یہ کیفیت گذری۔ اُدہر قریش کا یہ حال تہا۔ کہ وہ بہی اپنے نقض عہد پر
سخت متردد تھے۔ کیونکہ انکو یقین ہو چکا تہا کہ اب مسلمانوں کو انکی مدافعت کی پور
پوری قدرت حاصل ہے۔ اور اس بدعہدی کے باعث اب وہ ہمکو ضرور روند ڈالینگے
لہٰذا اُنہوں نے صلاح و مشورہ کے بعد ابوسفیان کو مدینہ میں تجدید عہد کے لئے
روانہ کیا۔ کہ اس کی لڑکی ام حبیبہ رضہ مسلمان ہو کر آنحضرت کے ازواج مطہرات میں شامل
ہو چکی تہیں۔ اور اسکے سوا ابوسفیان بباعث رئیس قریش ہونیکے ہر ایک سے شناسا
بہی رکہتا تہا۔ یہ شخص مدینہ میں آکے سب سے پہلے اپنی لڑکی ام حبیبہ رضہ کے گہر پہنچا۔ مگر اُنہوں
بیٹھنے یا سونے کا وہ بستر جو انکے ہاں بچھا ہوا تہا اُٹھا لیا۔ ابوسفیان جو بڑا غیور شخص
تہا۔ اس لئے یہ دیکھکر پوچھا۔ کہ لڑکی! تم نے یہ بستر کس نیت سے اُٹھایا ہے۔ کیا اسلئے
کہ میں اسپر بیٹھنے کے لائق نہیں؟ یا اسلئے کہ یہ بستر ہی میرے بیٹھنے کے قابل
اسپر ام حبیبہ رضہ نے فرمایا۔ کہ یہ بستر آنحضرت صلعم کے بیٹھنے کا ہے۔ جو خدا کے سچے رسول
اور نبی برحق ہیں۔ اور تم چونکہ مشرک اور بت پرست ہو ہرگز اسپر بیٹھنے کے لائق
نہیں ہو سکتے۔ ابوسفیان یہ سُنکر بہت برہم ہو گیا۔ اور پہر وہاں سے اُٹھکر صدیق اکبر
کے ہاں جا کر تجدید صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ مگر اُنہوں نے بہی صاف انکار کیا۔ پہر
عمر فاروق رضہ کے ہاں بہی جا کر یہی تقریر کی۔ مگر وہ تو چلتی تلوار تھے۔ اُنہوں نے فرمایا
کہ ایسی باتوں کا ہم لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔ اور نہ میں اس تجدید کا سوا
ہوں۔ وہاں سے ناامیدی ہوئی۔ تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں جا
کہ آپ ہی آنحضرت سے کہکر تجدید صلح کرا دیں۔ مگر اُنہوں نے فرمایا کہ یہ معاملا
مردوں کے کرنے کے ہیں۔ میں عورت ذات ہوں میرا کیا واسطہ۔ ابوسفیان نے
کہا کہ آپ حسنین کو کہہ دیجئے وہی آنحضرت سے میری شفاعت کریں۔ مگر حضرت
نے منظور نہ کیا۔ اِدہر سے بہی ناامیدی ہوئی۔ تو کبھی کسی اور کبھی کسی کے پاس جا

منتیں کرنے لگا۔ مگر حامی کسی نے نہ بھری۔ آخر ش پھر پھرا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ آپ ہی کچھ مہربانی کیجئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ آنحضرت اُسکی
کہے کو اس معاملہ میں سُنیں یا نہ سُنیں۔ اور جب تمہیں دو تین بار کی عرض پر کوئی جواب
نہیں دیا۔ تو ہمیں کب زیبا ہے۔ کہ اُنسے جاکر پھر وہی تذکرہ چھیڑیں۔ البتہ ایک تدبیر ہے
کہ تم خود جاکر کہہ دو۔ کہ مَیں نے قریش کو آپکی طرف سے امان دیدی ہے۔ اور آپ
بھی اُنکو امان دیجئے۔ شاید آنحضرت صلعم مان فرمادیں۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔
لیکن آنحضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ابوسفیان واپس چلا گیا۔

ابوسفیان کی روانگی کے بعد آنحضرت نے حکم دیا۔ کہ بیت اللہ کو نجاست کفر و ضلالت
سے پاک کرنیکے لئے ہم مکہ جاتے ہیں۔ تمام کلمہ گوؤں کو مسلح ہوکر ساتھ چلنا چاہیئے لیکن
اس ارادہ کا اشتہار نہو۔ سب چپکے چپکے طیاریاں کرلیں۔ جس سے مقصود یہ تہا۔ کہ اگر
اشتہار ہوا۔ اور قریش کو خبر ہوئی۔ تو خواہ مخواہ اپنی جہالت سے وہ پھر دست و گریباں
ہونے کو آمادہ ہوں گے۔ اور قتال کے بغیر چارہ نہ رہیگا۔ لہذا بہتر یہی ہے۔ کہ انکے
سروں پر جا پہنچیں۔ تاکہ سوائے اطاعت کے اُنہیں کوئی چارہ ہی نہ رہے۔ چنانچہ
یکم رمضان المبارک سنہ ۸ ہجری کو آپ نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آٹھ سو
سواروں کے ساتھ قبیلہ اضم کیطرف روانہ فرمادیا۔ کہ اُنہیں راہ ہدایت دکھائی جائے۔
اصلی غرض یہ تھی کہ کفار کو اس طیاری سے یہ خیال پیدا ہو جائے۔ کہ اُسی جنگ کے لئے
یہ سب اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ یہ لشکر روانہ ہوا تو راہ میں عامر ابن الاضبط اشجعی کو جو مسلمان
ہوچکا تھا۔ اہل لشکر میں سے ایک شخص محلم بن جثامہ لیثی نے مار ڈالا۔ بعد میں آنحضرت کو خبر
ہوئی۔ تو آپ نے سخت سرزنش فرمائی۔ مگر محلم بیمار ہو گیا تہا۔ اسلئے حکم قصاص جاری نہوا
چنانچہ اسی ہفتہ میں وہ مر بھی گیا۔ لیکن پھر بھی آپ نے مقتول کے ورثاء کو دیت دلوادی کہ
مدینہ میں تمام ایسے قبائل کے لوگ جو مسلمان ہوچکے تھے۔ رکاب سعادت انتساب میں
شامل ہونے کے لئے حاضر ہونے شروع ہوئے۔ تو حاطب بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر
قریش کو ایک خط بدیں مضمون لکھبھیجا۔ کہ رسول اللہ صلعم ایک فوج ظفر موج لیکر تم پر

آتے ہیں۔ اگرچہ حضور تنہا بھی آئیں تو تُم پر فتحیاب ہو جائیں۔ مگر اہتو خاص لشکر ہے۔ پس تم اپنا کوئی انتظام کر لو"۔ یہ خط اُنہوں نے کسی عورت کے ہاتھ دس دینار اور ایک چادر حق الخدمت ٹھہرا کر روانہ کیا تھا۔ مگر آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ دو تین اور صحابہ کو اُسکے پیچھے روانہ کیا۔ جنہوں نے اُسکو روضۂ خاخ ابن سید پہ جا لیا۔ اور خط لیکر اُسکو چھوڑ دیا۔ آنحضرتؐ نے حاطبؓ کو پوچھا۔ تو اُنہوں نے تحریر خط سے اقرار کیا۔ اور سخت شرمندہ ہوئے۔ حضرت عمر رضؓ بڑے آشفتہ تھے بلکہ جلدی میں اُنکی زبان سے حاطبؓ کے حق میں کچھ لام کاف بھی نکل گیا۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ۔ یا عمر رضؓ حاطبؓ کو معاف کردو کہ یہ اہلِ بدر میں سے ہیں۔

الغرض دسویں رمضان ۸ھ ہجری کو آنحضرتؐ نے مدینہ میں ابن مکتومؓ یا ابوذر غفاریؓ کو نائب چھوڑ کے مع ساڑھے چھ ہزار جانبازوں کے مکہ کیطرف کوچ فرمایا۔ رستہ میں اور اور جماعتیں بھی مسلمانوں کی ملتی گئیں۔ حتیٰ کہ مکہ پہنچتے پہنچتے بارہ ہزار مسلمان آپکے علم مبارک کے نیچے جمع تھے۔ مدینہ سے چلتے ہوئے آپؐ نے منادی کرادی تھی کہ۔ اِس سفر میں روزہ رکھنے کا ہر شخص اپنی حالت کے موافق مختار ہے۔ چاہے رکھے چاہے قضا کرے۔ چنانچہ صحابہ روزے رکھتے بھی تھے اور نہ بھی رکھتے تھے۔ مگر خود بدولت روزہ ہی سے رہتے تھے۔

قریش کو جا کر ابوسفیان نے اپنے سفرِ مدینہ کی کُل کیفیت سُنا دی تھی جس پر وہ لوگ ابوسفیان پہ سخت خفا ہوئے۔ کہ تیرا جانا بالکل بے سود ہوا۔ مگر با ایں ہمہ اُنکو اتنی جلدی آنحضرتؐ کے پہنچنے کی اُمید نہ تھی۔ چنانچہ لشکر اسلام مرالظہران تک ہی پہنچ گیا۔ جہاں سے مکہ صرف چار فرسخ پہ رہ گیا۔ لیکن یہ پھر بھی باخبر نہ ہوئے۔ آخر ش قوم کی مرضی سے ابوسفیان۔ حکیم بن خزام اور بدیل ابن ورقا کو ساتھ لیکر دوبارہ مدینہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ تو شہر سے تھوڑے ہی فاصلہ پہ جا کر اُسکو لشکر اسلام نظر آیا۔ جسکے دیکھتے ہی اُسکے حواس باختہ ہو گئے۔ کہ اب تو کوئی چارہ نہیں رہا۔ اِسی عرصہ میں حضرت عباسؓ اُسکو مل گئے۔ اور اُس نے آپ سے تمام کیفیت بیان کر کے سخت بے چینی ظاہر کی۔

حضرت عباسؓ چونکہ خود بھی قریش سے تھے۔ اور ابوسفیان کی عزت و وجاہت سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں اسپر رحم آگیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ اگر بچنا چاہتا ہے۔ تو چل میں تجھے رسول اللہ صلعم سے امان دلا دوں۔ ابوسفیان اور کیا چاہتا تھا جھٹ ساتھ ہو لیا۔ رستہ میں حضرت عمرؓ نے جو دیکھا۔ تو آپنے آواز دی۔ کہ اودشمنِ خدا! کہاں جاتا ہے؟ مگر حضرت عباسؓ نے کہا۔ میں نے اسے امان دیدی ہے۔ حضرت عباسؓ۔ ابوسفیان کو لئے ہوئے دربارِ نبوی میں پہنچے ہی تھے۔ کہ حضرت عمرؓ بھی جھپٹے ہوئے جا ملے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم! حکم ہو تو اس دشمنِ خدا کا سر اڑا دوں۔ مگر وہاں بھی حضرت عباسؓ نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم! میں اسے امان دیکے لایا ہوں۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اچھا رات بھر تو تم اسے اپنے پاس رکھو صبح دیکھا جائیگا۔ صبح حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو سمجھا دیا۔ کہ سوائے اسلام لانے کے اب تمہاری جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ لہٰذا ابوسفیان نے طوعاً و کرہاً آنحضرتؐ کے حضور میں حاضر ہو کر کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ پھر تو کسی کی کیا مجال تھی۔ کہ اسکو ہاتھ بھی لگاتا۔ لیکن ساتھ ہی اسکے حکیم بن الحزام اور بدیل بن ورقا بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن حضرت عباسؓ نے اور بھی سفارش کی حضور یہ شخص قریش میں سے رئیس ہے۔ اسکی خاطرداری کے لئے کچھ امتیاز بھی عطا ہونا چاہئے اسپر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن ومن القی السلاح فھو امن ومن اغلق بابہ فھو امن ومن دخل مسجد الحرام فھو امن۔ یعنے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا وہ بھی امن میں ہوگا اور جو ہتھیار ڈالدیگا۔ وہ بھی امن میں رہیگا۔ اور جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لیگا وہ بھی امن میں ہوگا۔ اور جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائیگا۔ وہ بھی امن میں رہیگا۔

وہی وقت لشکرِ ظفر پیکر کے کوچ کا تھا۔ لہٰذا حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو لشکر کی سیر بھی کرا دی۔ کہ اگر ایمان کچا ہو۔ تو اب شوکتِ اسلام دیکھکر ٹھیک ہو جائے چنانچہ ابوسفیان کے سامنے سے سب فوجِ ظفر موج گذرنے لگی۔ تو وہ دیکھ دیکھ حیرت زدہ ہو رہا تھا۔ ہر ایک سردار اپنی اپنی جماعت کو لیکر گذرتا تھا۔ تو ابوسفیان

حضرت عباس سے اسی کا حال پوچھتا جاتا تھا۔ جب سعد بن عبادہ انصار کا علم لئے ہوئے ہزار آدمیوں کے ساتھ گذرے۔ تو انہوں نے ابوسفیان کو سُنا کے بطور رجز کہنا شروع کیا۔ کہ الیوم یوم الملحمۃ۔ الیوم استحل الکعبۃ۔ الیوم اذل اللہ قریشا۔ یعنے آج وہ دن ہے۔ کہ ہم کٹ کٹ کے لڑینگے۔ اور آج وہ دن ہے کہ حرمت حرم بھی حلال ہو جائے گی۔ اور آج وہ دن ہے۔ کہ خدا قریش کو ذلیل کریگا۔ ابوسفیان کو یہ کلمات سخت ناگوار ہوئے۔ اتنے میں رسول خدا صلعم کی سواری آئی تو ابوسفیان نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم سعد نے اس طرح مجھے دھمکایا ہے۔ آپ نے فرمایا اُس نے غلطی کی ہے۔ اور اس خیال سے کہ وہ جوش میں کہیں حملہ نہ کر بیٹھیں حکم دیا کہ انکا علم انکے بیٹے کو دیدیا جائے۔ اور پھر تاکید ارشاد فرما دیا۔ کہ جبتک کوئی شخص خود تم پر حملہ نہ کرے۔ تم لوگوں میں سے کوئی تلوار نہ اُٹھائے۔ اِس کارروائی کے بعد ابوسفیان تو مکہ جا پہنچا۔ اور لشکر ظفر پیکر متعدد رستوں سے داخل شہر ہونے لگا قریش کو تو عقل چھو نہ گئی تھی۔ فال سے بر بر یہ خائش ہو گئیں۔ کہ ہم تو شہر میں گھسنے نہ دینگے خالد نے ہر چند سمجھایا۔ مگر باز نہ آئے۔ اور رستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے زبردستی گھسنا چاہا۔ تو قریش نے حملہ کر دیا۔ پھر تو ادھر سے بھی وہ دندان شکن جواب دیا گیا۔ کہ ستر آدمیوں کے قتل سے پہلے ہاتھ ہی نہ رُکا۔ گو مسلمانوں کے دو آدمی بھی شہید ہو گئے۔ آنحضرت کو خبر پہنچی تو آپ نے فی الفور ممانعت فرما دی۔ اور لشکر غازیان با امن و امان داخل شہر ہو گیا۔

داخلہ کیوقت آنحضرت ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ اور اسی طرح آپ نے حرم میں تشریف لیجا کر طواف کعبہ بھی فرمایا۔ اونٹ کی نکیل محمد بن مسلمہ تھامے رہے۔ طواف کے بعد آپ اونٹ سے اُتر کر حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اُسی سے بتوں کو توڑتے جاتے تھے۔ اور زبان مبارک اِس آیہ وافی ہدایہ کی تلاوت میں مشغول تھی۔

جاء الحق و زھق الباطل۔ انّ الباطل کان زھوقا۔ یعنے ظاہر ہوا سچ۔ اور

مٹ گیا جھوٹ - واقعی جھوٹ مٹنے ہی کے لائق ہے - ہبل - عزّیٰ - لات - مناتہ - ودٌ - نائلہ - حیف وغیرہ جو بڑے بڑے بُت یا صنم الٰہ نامی تھے وہ اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے - لہٰذا آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے دوش مبارک پر سوار کر کے انکے توڑنے کا حکم دیا - حضرت علیؓ پہلے تو جھجکے تاہم حکم الامر فوق الادب دوش مبارک پر سوار ہو کر تمام بتوں سے کعبۃ اللہ کو پاک کر دیا - اور پھر آپؐ نے دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی - کہ حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے تمام تکلیفات کو دور فرما کر مظفر و منصور مکہ میں مسلمانوں کو داخل کرا دیا - اس کے بعد آپ باہر تشریف لا کر ایک طرف کو بیٹھ گئے - اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا - کہ جسقدر تصویریں دیوارِ کعبہ پر بنی ہوئی ہیں ان سب کو مٹا دیا جائے - چنانچہ حسب الحکم تعمیل ہو گئی - کلید برداری کی خدمت قدیم الایام سے عثمانؓ ابن طلحہ حجبی کے خاندان میں چلی آتی تھی - اسلئے آپؐ نے بھی انہیں کو اپنی طرف سے دوبارہ کلید بردار مقرر کر دیا - کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ اور حضرت عباسؓ نے بھی کلید برداری کی خواہش کی تھی - مگر آپؐ نے فرمایا - کہ تمہیں ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں - اور تمہارا درجہ اس سے افضل و ارفع ہے - کہ لوگ تمہیں اسکے باعث لالچی سمجھیں -

گیارہ آدمی اور چھ عورتوں کی نسبت آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اجازت دیدی تھی کہ انہیں جہاں پاؤ - مار ڈالو - کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی ایذا دہی میں سخت سے سخت کوششیں کی تھیں - انکے نام یہ ہیں -

۱ - عبد العزیٰ بن خطل - یہ شخص مرتد ہو چکا تھا - اور ایک مسلمان کو قتل کر کے مال زکوٰۃ لیکر فرار ہو آیا تھا - چنانچہ کسی صحابی نے اُسے دیوارِ کعبہ کے پاس ہی قتل کر دیا -

۳ - عبد اللہ ابن سعد بن ابی السرح - یہ حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا - پہلے تو یہ آنحضرتؐ پر ایمان لا کر مسلمان ہو گیا تھا - بلکہ ساتھ ہی کاتب وحی بھی مقرر ہو گیا تھا - مگر اس میں اُس نے خیانتیں شروع کیں - اور ایمان بھی متزلزل ہو گیا - لہٰذا بھاگ کر مرتد ہو گیا - اسکا خون بھی مسلمانوں کو ہدر کر دیا گیا تھا - مگر یہ عثمانؓ کی شفاعت لایا - پہلے تو دو دفعہ آنحضرت صلعم نے شفاعت نامنظور کی - مگر تیسری دفعہ حضرت عثمانؓ کی

نہایت لجاجت سے بہا ستکدہ ہاں کہدی - اور یہ مسلمان ہو گیا۔

۳۔ عکرمہ بن ابو جہل جسکی عداوت مسلمانوں کے ساتھ کوئی چھپی ڈھکی نہ تھی۔ اسکے خون کا تو ہر ایک مسلمان پیاسا تہا۔ مگر پہلے اسکی بیوی ایمان لائی۔ اور پہر یہ بہی مسلمان ہو گیا۔ اور مسلمان ہوا۔ تو ایسا کہ واقعی خدمت اسلام میں تلافی مافات کردی

۴۔ حویرث بن نقیل۔ یہ مسلمانوں کی مذمت و ہجگوئی میں خاص طور پر مشہور تھا اسکو حضرت علیؓ نے واصل جہنم فرمایا۔

۵۔ مقیس ابن حبابہ۔ اس کا بہائی مسلمان ہو گیا تھا۔ جسے دہوکہ سے کسی انصاری نے مار دیا۔ یہ آنحضرتؐ سے شاکی ہوا۔ تو آپ نے دیت دلادی۔ مگر اس نے پہر بہی موقع پاکر اس انصاری کو قتل کردیا۔ اور خود بہی مرتد ہو کر بہاگ آیا۔ فتح مکہ کے دن یہ شراب پیکر بدمست ہو رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔

۶۔ ہبار ابن الاسود۔ یہ وہ شخص تہا جس نے مسلمانوں کی ایذا رسانی نہ صرف اپنی زبان سے ہی کی۔ بلکہ قتل و غارت سے بہی پرہیز نہیں کیا۔ اسی شخص نے حضرت زینبؓ بنت رسولؐ کے قافلہ پہ حملہ کرکے انہیں گرا دیا تہا جسکے صدمہ سے اُسی وقت انہیں اسقاط حمل ہو گیا۔ اور آخرش اسی حادثہ میں انہوں نے وفات پائی۔ مگر یہ شخص بہی جب کلمۂ شہادت پڑہتا ہوا حضور میں حاضر ہو گیا۔ تو اُس رحمۃ للعالمین نے کچھ مزاحمت نہ فرمائی۔ بلکہ لوگوں نے اسے طعنے دینے شروع کئے۔ کہ اب صرف جان کی خاطر اسلام قبول کیا ہے۔ تو آنحضرتؐ نے نہایت سختی سے منع فرما دیا۔

۷۔ صفوان بن امیہ۔ اس کے اکثر واقعات مخالفت ناظرین پڑھ چکے ہوں گے۔ اسکے بہی قتل کا حکم تھا۔ مگر عمیر بن وہب کی شفاعت سے پہلے دو اور پہر چار مہینے کیلئے امان دی گئی تہی۔ لیکن پہر یہ مسلمان ہو گیا۔

۸۔ حارث ابن طلاطلہ۔ یہ شخص آپ ہی کے قتل کے درپے رہا کرتا تہا۔ آخر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

۹۔ کعب بن زہیر۔ یہ مشہور شاعر تہا۔ جو اپنی قابلیت آنحضرتؐ کی ہجو و مذمت میں

دکھایا کرتا تھا۔ اسوقت شاعروں کی زبان ہندوستان کا کام دیتی تھی کہ اس سے صدہا لوگ کٹ کے مرجاتے تھے۔ پس اسکی ہجوگوئی بہت بڑا اثر رکھا کرتی تھی۔ اور اسی سے اس کا خون بھی مسلمانوں کو حلال تھا۔ مگر یہ ایک قصیدہ کہہ کے لے آیا۔ اور آنحضرتؐ نے رحم و کرم عمیم سے معاف فرمادیا۔

۱۰۔ وحشی قاتل حضرت امیر حمزہؓ۔ اس کا کارنامہ ناظرین دیکھ ہی چکے ہیں۔ مگر یہ شخص بھی کلمہ شہادت پڑھتا ہوا حاضر حضور ہو گیا۔ اور معاف فرمایا گیا۔ بعد میں اسی کے ہاتھ سے مسیلمہ کذاب بھی مارا گیا۔ چنانچہ یہ فخر کیا کرتا تھا۔ اگر ایام جاہلیت میں مجھ سے امیر حمزہؓ ایسا خیر الناس مارا گیا ہے۔ تو ایام اسلام میں مسیلمہ کذاب جیسا شر الناس بھی واصل بجہنم ہو ہی گیا ہے۔

۱۱۔ عبداللہ بن الزبعری۔ یہ بھی ایک مشہور مفسد تھا جو مذمت اسلام کو اپنی ڈیوٹی سمجھے ہوئے تھا۔ مگر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گیا۔ لیکن باوجود مسلمان ہونے کے سخت محجوب و منفعل رہتا تھا۔ جس پر اس رحمت دو جہاںؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تیرے پچھلے گناہ قبول اسلام کے باعث معاف فرما دیگا۔

عورتوں میں چند عورات کا خون مسلمانوں کو معاف کیا گیا تھا۔

۱۔ ہندہ بنت عتبہ۔ ابوسفیان کی بیوی جس نے متعدد جنگوں میں مردوں سے بڑھکر مسلمانوں کی تباہی کیلئے شجاعت دکھائی تھی۔ حتیٰ کہ امیر حمزہؓ کا کلیجہ اسی نے چبالیا تھا۔ پس مسلمان اسکو جسقدر بھی عذاب دیکر مارتے بیجا نہ ہوتا لیکن اس نے بُرقعہ پہنے ہوئے حضور میں آکر قبول اسلام کے بعد بیعت کر لی۔ اور پھر حضورؐ نے بھی معاف فرمادیا۔ سبحان اللہ کیا حلم نبوی تھا۔

۲ و ۳ و ۴۔ ارنب یا ارزین۔ قریبہ اور قرتنا۔ جو آنحضرتؐ کے حق میں اشعار ہجو گا گا کر لوگوں کو سناتیں اور جنگ کے لئے ابھارا کرتی تھیں۔ انہیں سے ارزین و قریبہ تو کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو گئیں۔ مگر قرتنا نے اسلام قبول کر لیا۔ اور آنحضرتؐ نے بھی معاف فرما دیا۔

۵- سارہ ایک عورت تھی جو بنی المطلب کی لونڈی تھی۔ مگر پھر اسکو بھی معافی دی گئی۔

۶- امّ سعد جو مخالفت اسلام میں ہندہ کا فوٹو تھی۔ فتح مکّہ کے دن یہ بھی کسی مسلمان کے ہاتھ سے ماری گئی۔

فتح مکّہ کے بعد خالد بن الولید بتخانہ عزیٰ کی بربادی کے لئے بھیجے گئے۔ اور عمرو بن العاص بتخانہ سواع کے انہدام پر مقرر فرمائے گئے۔ اور بتخانہ منات کی تباہی سعد ابن زید کے سپرد ہوئی۔ جنہوں نے بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر بتوں کے کھود کھاد کر تودۂ خاک بنا دیا۔ اور عرب میں ایک خدا کے سوا کسی بت کی بادشاہت نہ رہی۔

ان واقعات سے مکّہ اور اسکے گرد نواح میں مسلمانوں کا دبدبہ ایسا بیٹھ گیا کہ کسی کو مخالفت کی تاب نہ رہی۔ اور پھر اسپر آنحضرتؐ کے اخلاق عظیم دیکھ کے تو لوگ اور بھی گرویدہ ہونے لگے۔ اور زن و مرد فوجوں کی فوجیں بنکر قبول اسلام اور شرف بیعت کے لئے حاضر ہونے لگے۔ چنانچہ اسی موقع پر آیۂ ذیل ہدایۂ نازل ہوئی۔

اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح۔ و رایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا۔ فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔

یعنے جب نصرت و امداد الٰہی آئیگی۔ تو دیکھیگا کہ لوگوں کو فوجیں کی فوجیں دین خدا میں شامل ہوتے۔ پس خدا کے نام کی تسبیح کرو۔ اور اس سے بخشش مانگو کہ وہ بڑا بخشنے والا ہے مہربان۔

اس موقع پر آنحضرتؐ مردوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتے تھے۔ مگر عورتوں سے بیعت لینے میں یہ تھا جب ایک آیت کے تو اپنے دست مبارک پر کپڑا ڈال لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے آپنے ایک برتن میں پانی ڈالکر اس میں ہاتھ رکھدیا تھا۔ اور جو عورتیں آتی تھیں وہ بھی اسی میں ہاتھ ڈال دیتی تھیں۔ یہ اسلئے کہ آنحضرت صلعم کسی غیر عورت کے ہاتھ کو مس کرنا نہ چاہتے تھے۔

قیام مکّہ کے ایام میں ہی آپنے خالد بن الولید کو تین سو مہاجر و انصار کے ساتھ

قبیلہ بنی جذیمہ کی سرکوبی کے لئے بلسلم کیطرف روانہ کیا۔ مگر جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے اسلام سے اقرار کیا لیکن خالد بن الولید نے انکی بات کو قبول نہ کرکے کئی ایک آدمی قتل کردیئے۔ آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ سخت برآشفتہ ہوئے اور حضرت علی رض کو بھیجکر مقتولین کے ورثاء کو اسقدر دیت دلوائی۔ کہ انکے تمام شکوے دور ہوگئے۔ خالد رض بن الولید کچھ عرصہ تو زیر عتاب رہے۔ مگر سب کے اتفاق سے انکی اجتہادی غلطی قرار پائی۔ اور قصور معاف کیا گیا۔

۱۲۔ رمضان کو آنحضرت صلعم داخل مکہ شریف ہوئے تھے۔ اور ۶ شوال تک وہیں رونق افروز رہے۔ گو جبتک آپ وہاں رہے نماز کسر ہی پڑہتے رہے۔ مگر چونکہ بتخانوں کے انہدام کے لئے وہیں سے احکام جاری فرماتے تھے۔ اسلئے بعض انصار کو خیال گذرا۔ کہ اسوقت آنحضرت صلعم اپنے وطن اور اپنے عزیزوں اور اہل برادری میں آگئے ہیں۔ شاید مدینہ جائیں یا نہ جائیں۔ مگر آنحضرت صلعم نے انکو بلا کر ارشاد فرمایا۔ کہ "میں تمہاری غمخواری کا اور محبت کا اس قدر قدر دان ہوں کہ اسپر کسی دوسرے کی محبت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ تمنے اسوقت میری اعانت کی تہی جبکہ اہالیانِ مکہ نے میری ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا تہا۔ اور میں بے کسانہ تمہارے ہاں پہنچا۔ تو تمنے اپنے مال و جان کو مجھپر تصدق کردیا۔ خاطر جمع رکھو میں اب بھی یہاں نہ رہونگا۔ بلکہ تمہارے ساتھ ہی جاؤنگا"۔ اس طمانیت بخشی سے سب لوگ نہایت احسان مندی سے چشم پُرآب ہوگئے۔

غزوہ حنین و اوطاس و طائف

مسلمان مکہ میں تو بخیریت داخل ہوگئے۔ اور اہالیانِ مکہ نے اطاعت بھی قبول کرلی۔ مگر عرب کی بعض قومیں ابھی تک برابر مخالف تھیں۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن و ثقیف نے اس مرتبہ بڑے جوش و خروش اور سر و سامان کے ساتھ سر نکالا۔ اور قبائل نصر و جشم و سعد بن بنی بکر و بنی ہلال کو بھی اپنے ساتھ شریک کرکے ایک بہت بڑی جمعیت فراہم کرلی۔ اور یہانتک حوصلہ بڑھا کہ خاص مکہ معظمہ میں پہنچکر مسلمانوں پر حملہ کرنیکا

نیت سے کوچ کر دیا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو آپؐ نے بھی طیاری کر دی
جو لوگ قبول اسلام ہی کی آئندہ مصلحت دیکھکر مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ بھی ساتھ
ہو لئے۔ اور اس طرح فوج اسلام میں بارہ یا سولہ ہزار لوگ شریک تھے۔ دشمنوں کی تعداد
ان سے کم تھی۔ اسلئے مسلمانوں کو اپنی کثرت اور اُنکی قلت پر اس قدر غرہ ہو گیا کہ وہ
اس جنگ کو ایک ضعیف شکار سمجھنے لگے۔ آنحضرت صلعم کو اس غرور کی اطلاع ہوئی۔ تو آپؐ نے
فرمایا۔ یہی باتیں سخت خطرناک ہیں۔ اور انہیں باتوں سے بنے بنائے کام بگڑ جایا کرتے ہیں۔
مگر مسلمانوں کے دماغ میں ہوائے فتح فرائے بھر رہی تھی۔ بہر حال ۶ شوال کو ادہر آنحضرت
صلعم مع لشکر ظفر پیکر کے مکہ سے روانہ ہوئے۔ اور اُدہر مخالفین نے بھی مکہ پر چڑہائی
کی نیت سے روانگی کی ٹہرادی۔

وادی حنین جو مکہ سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں دونوں فوجوں کا مقابلہ
ہو گیا۔ مگر مخالفین کو پہلے سے خبر مل چکی تھی۔ اسلئے وہ ایک ایسی کمینگاہ میں بیٹھ گئے
جہاں سے رستہ نہایت تنگ تھا۔ اور مسلمانوں کو سوائے اسکے کہ ہو کر گذرنے کے چارہ
نہ تھا۔ پس جوں ہی مسلمانوں کا لشکر اُس تنگ درہ کوہ کو عبور کرنے لگا۔ کہ مخالفین نے یکبار
حملہ کر دیا۔ ابھی صبح نہونے پائی تھی کہ یہ حادثہ پیش آگیا۔ مسلمان کچھ لڑے تو سہی۔ مگر
میدان موافق نہ پاکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنمیں بالخصوص نو مسلموں نے پیشقدمی کی۔ یہ
گو مسلمان تو ہو چکے تھے۔ مگر ابھی دل کے مضبوط نہ تھے۔ لشکر میں قاعدہ ہے کہ بھاگ کھڑا ہو
تو پھر قدم ذرا مشکل سے جما کرتے ہیں۔ پس اُن کچے دل کے نو مسلموں کو بھاگتے دیکھکر
باقی بھی بھاگ نکلے۔ اور آنحضرت کے پاس حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عباس رضی اللہ
ابو سفیان بن الحرث اور عبداللہ بن مسعود چار آدمی رہگئے جنمیں تین بنی ہاشم میں
سے تھے۔ اور ایک غیر بنی ہاشم میں سے۔ کچھ لوگ اور بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ جنکی تعداد
میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلعم ایک سفید اونٹ پر سوار تھے جسکی نکیل ابو سفیان تھامے
ہوئے تھا۔ اور مخالفین چاروں طرف سے نرغہ کئے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی
کہ کسی طرح اس نامدار شہسوار کو مار ڈالے۔ مگر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم

اجمعین کی سراسیمگی شجاعت کسی کو آگے قدم تک رکھنے نہ دیتی تھی۔ اِتنے میں آنحضرت صلعم کے اشارے سے حضرت عباس رضؓ نے مسلمانوں کو یا معشر الانصار یا اصحاب السمرہ یا اصحاب سورۃ البقرۃ کہکر آواز جو دی۔ تو جہاں کسی نے آواز سُنی فوراً پلٹ پڑا۔ کیونکہ لوگوں کو آنحضرت صلعم کے ناقہ کا ٹھکانہ معلوم نہ تھا۔ ورنہ پہلے ہی اِس قدر بھاگا دوڑی نہوتی۔ اور حضرت عباس رضؓ ماشاء اللہ بڑے بلند آواز تھے۔ اسلئے اُنکی آواز نے اسوقت صورِ اسرافیل کا سا کام دیا۔ کہ جہاں تہاں کسی نے سُنی۔ دوڑتا ہوا چلا آیا۔

اِسی اثناء میں گروہ کفار میں سے ایک مشہور نبرد آزما ابو جرول نام نے آکے کہا کہ تم جس شخص کو رحب کش و خیبر کشا کہتے ہو وہ اب کہاں چوڑیاں پہنے بیٹھا ہے۔ اگر کچھ ہمت ہے۔ تو ذرا میرے سامنے آجائے۔ یہ سُنتے ہی حضرت علی رضؓ دُلدل پر سوار تو تھے ہی۔ جھٹ سامنے ہو گئے۔ کہ خبردار خیبر کشا آپہنچا۔ چنانچہ اُس نے بھی دیکھتے ہی تلوار کا وہ ہاتھ مارا کہ خود پر پڑی۔ مگر پڑتے ہی دو ٹکڑے ہی ہو گئی۔ اور اب اِدھر سے جو ایک وار ہوا۔ تو ابو جرول خردل کیطرح پس گئے۔ اور سر تن سے جدا ہو گیا۔ آنحضرتؐ بھی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور کچھ اور مسلمان بھی آپہنچے تھے۔ ایک کی زبان سے کلمہ احسنت نکل گیا۔ اور حضورؐ نے اپنے لشکر کی گرمجوشی کے لئے یہ لطیف رجز یہ شعر پڑھنا شروع کیا۔ ؎

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

جرول کے مارے جانے سے لشکر کفار میں ایک ابتری پڑگئی۔ مالک بن عوف جو گویا سپہ سالار لشکر تھا۔ اُس نے پھر دل بڑھانے شروع کئے۔ اور مخالفین لڑے بھی مگر اُنکے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور بھاگے تو ایسے بھاگے کہ مال و اسباب۔ اونٹ بکری گائے لڑکوں بالوں تک کی بھی خبر نہ لی۔ اور مسلمانوں نے وہ سب کچھ غنیمت میں پایا مسلمانوں میں سے صرف چار اور مخالفین کے ستّر آدمی مارے گئے۔ اِسی جنگ میں خالد بن الولید کے ہاتھ سے ایک لڑکا عورت ماری گئی تھی۔ مگر جب آنحضرتؐ کو خبر ہوئی۔ تو فرمایا کہ خبردار عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں پر کوئی ہاتھ نہ اُٹھایا کرے

سریہ اوطاس - مشرکین جب میدان چھوڑکے بھاگے تھے - تو تین گروہ میں ہو گئے تھے جنمیں سے ایک تو اوطاس کو بھاگا - دوسرا طائف کو - اور تیسرا بطن نخلہ کو - لہذا حضورؐ نے ایک جماعت فدائیان اسلام اوطاس کیطرف روانہ فرمائی - ابو عامر اشعری اور سلمہ بن الاکوع اس لشکر کے افسر مقرر کئے گئے تھے - چنانچہ یہ لشکر ظفر پیکر جب اوطاس پہنچا - تو فراریوں نے پھر مقابلہ کیا - ابو عامر تو مارے گئے - مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا - کفار یا تو بھاگ گئے - اور باقی قید ہو کر حاضر دربار ہوئے - اور مال بھی جو کچھ انکے ساتھ تھا غنیمت میں ہاتھ آیا -

غزوہ طائف - جنگ حنین کا مال غنیمت اور قیدی تو حضورؐ نے قصبہ جوانہ میں بھیجدیئے تھے کہ خاتمہ جنگ پر دیکھا جائیگا - اور اوطاس کیطرف بھی ایک لشکر اسلام انکے تعاقب کو بھیجدیا گیا تھا - کہ وہ وہاں جاکر کچھ زیادہ پر پرزے نہ نکال سکیں - باقی رہا طائف ادہر آنحضرت صلعم خود لشکر اسلام لیکر جا پہنچے - مگر مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے کفار حصار طائف میں داخل ہو کے قلعہ بند ہو گئے تھے - آخر ۱۸ دن محاصرہ کے بعد مسلمان واپس ہوئے - ان دنوں میں کسی کسی دن کوئی اکا دکا آدمی ادہر ادہر سے بھڑ جاتا تھا چنانچہ عبد اللہ بن ابی بکر اس غزوہ میں کسی زہریلے تیر سے زخمی ہو گئے تھے - اور اسی صدمے سے انکا ایک عرصے کے بعد انتقال بھی ہوا - مگر پھر بھی کوئی معرکہ کی لڑائی نہیں ہوئی - کیونکہ دشمن ایسے حصار میں قلعہ بند تھے - کہ جو بلندی پر واقعہ تھا - اور مسلمانوں کو اوپر حملہ کرنے میں بڑی دشواریاں تھیں -

بتخانہ ذی الکفین - کی بربادی بھی انہیں دنوں کی گئی - طفیل ابن عمرو دوسی اس کام پر متعین کئے گئے تھے - جنہوں نے بتخانہ کو آگ لگا دینے کے بعد اپنی قوم کو دعوت اسلام دی - اور اس میں سے چار سو آدمی مسلمان بھی ہو گئے -

تقسیم مال غنیمت - موضع جوانہ میں جو مال غنیمت جمع ہوا تھا - اس کی تعداد بہت زیادہ تھی - یعنی چھ ہزار تو صرف اسیران جنگ تھے (جنمیں زن و بچہ بھی شامل تھے) اور چالیس ہزار اوقیہ[1] چاندی - بکریاں اور اونٹ تو ہزاروں ہی تھے - چنانچہ سو اونٹ

[1] اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے - جسکی مالیت آج زمانہ ایک اوقیہ چاندی ۱۵ روپیہ کے قریب ہوتی ہے - گویا کل چاندی ساڑھے چار لاکھ کی ہوئی ۱۲

تین تین حصے اور پیدلوں کو ایک ایک حصہ تقسیم ہوا۔ تو چار اونٹ اور چالیس بکریاں
فی کس حصہ میں آئیں۔ لیکن بعض نومسلموں کو بہت زیادہ حصہ دیا گیا۔

مؤلفۃ القلوب۔ ابوسفیان کو مع اُسکے دو فرزندوں معاویہ اور یزید[1] کے۔
اور سہیل بن عمرو۔ صفوان بن امیہ۔ حویطب بن عبد العزےٰ۔ اسید بن حارثہ ثقفی۔
حارث بن ہشام (برادر ابوجہل) قیس بن عدی۔ اقرع بن حابس۔ عیینہ بن فزاری
نضیر ابن الحارث۔ اور حکیم بن الحزام کو اس فتح پر ایک ایک سو اونٹ اور چالیس
چالیس اوقیہ چاندی (قریباً پانسو روپیہ) فی کس آنحضرت صلعم نے مرحمت فرمایا
اور علاء بن حارثہ ثقفی۔ مخرمہ بن نوفل۔ سعید بن یربوع۔ عثمان بن نوفل۔ ہشام
بن عمرو عامری کو پچاس پچاس اونٹ عطا کئے۔ عباس بن مرداس کو جو شاعر بھی تھا
پہلے تو پچاس اونٹ ملے۔ مگر جب اُس نے شکایتی اشعار لکھے تو آنحضرت صلعم نے
حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تم اسکی زبان کو سو پورا کرکے روک دو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے
اسکو بھی سو اونٹ دلوا دیئے۔ اِن سب لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے کیونکہ
آنحضرت صلعم نے تالیف قلوب کے لیئے یہ زر و مال انکو عطا فرمایا تھا۔

یہ حصے جو ان لوگوں کو دیئے گئے تھے بعض راویوں کے نزدیک کل مال میں سے
دیکر خمس نکالا گیا۔ اور باقیماندہ اہل لشکر پر تقسیم ہوا۔ اور بعض کے نزدیک یہ ہے
کہ یہ مال خمس میں سے ہی دیا گیا تھا۔ کیونکہ بذریعہ خمس بیت المال میں جو مال
آتا تھا۔ وہ آنحضرتؐ کی مرضی کے مطابق ضعفاء امت اور بعض ضروری امور میں
صرف ہوتا تھا۔ پس یہ بخشش بھی چونکہ مصلحتاً ان نومسلم لوگوں کی تالیف قلوب
کے لیئے کی گئی تھی۔ اسلئے یہ بھی بیت المال سے ہی متعلق تھی۔ بہرحال اس بذل
و احسان سے یہ لوگ تو بڑے درجے کے شکر گذار ہوگئے۔ خصوصاً ابوسفیان تو
برملا کہتا پھرتا تھا۔ کہ واقعی رسول اللہ صلعم نہایت رحیم و کریم ہیں۔ جو ایام جنگ
میں بھی کرم بخشی سے نہ رکے۔ اور بوقت صلح بھی بذل و ایثار سے باز نہیں
رہ سکتے۔ مگر انصار کے بعض نوجوانوں کو خیال گذرا۔ کہ آنحضرت صلعم نے اس

[1] معاویہ کے بیٹے کا نام بھی اسکے چچا کے نام پر یزید بن معاویہ تھا۔

موقع پر روساے عرب سے اِس قدر مہربانی فرمائی ہے - کہ اسکے مقابلہ میں
ہماری کوئی وقعت ہی نہیں رہی - اِسکی اطلاع آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے
تمام انصار کو اپنے حضور میں طلب فرماکر دریافت کیا - کہ کیا تمہیں ایسا خیال ہوا
ہے ؟ تو مشاہیر انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ہمکو تو مطلق اس بات
کا خیال نہیں - البتہ بعض بعض نوجوانوں کو یہ شکایت ہوئی ہے - اِسپر آپ نے
فرمایا کہ کیا تم نے مجھسے اہل مکہ سے کم فایدہ اُٹھایا ہے - مال ہی کو تو فایدہ نہیں
کہتے - کیا جسوقت میں تم میں گیا ہوں - تو تم میں نفاق اور بدامنی ویے ایمانی
نہ تھی - جسکو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اتفاق - امن اور ایمانداری کے ساتھ
بدل دیا - اِسپر سب نے سر تسلیم خم کرکے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم بیشک ہم میں
یہ سب خرابیاں موجود تھیں - جو حضور کے قدوم میمنت لزوم کی طفیل بھلائیوں
سے تبدیل ہوگئیں ہیں - اور واقعی یہ احسان عظیم حضور کا کبھی ہمارے سر سے
اُتر نہیں سکتا - پھر آپ نے فرمایا - کہ ہاں ہاں ملانے کی ضرورت نہیں - واقعی
طور پر تم بھی جو کچھ کہنا چاہتے ہو - بیان کرو - مگر سب نے عرض کیا - کہ ہمیں کچھ عرض
کرنا نہیں - اِسپر حضور نے خود فرمایا - کہ تم کیوں نہیں کہتے کہ حضرت سلامت !
جس دن ان مکہ والوں نے مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرکے نکال دیا تھا - اور کوئی
اُن سے بات تک کرنیکا روادار نہوتا تھا - اُس دن ہمیں نے تو آپکو اپنی آنکھوں کی
جگہ دی - اور وقت مصیبت میں نہ صرف مال سے بلکہ دل و جان سے امداد دی
یہانتک آپ نے فرمایا تھا - کہ آپکی حق گوئی سے سب لوگ رونے لگے - پھر آپ نے
ارشاد کیا کہ بیشک اگر تم ایسا کہو - تو بالکل سچا ہے - اور میں اُسے ماننے کو طیار ہوں
مگر تم نے اِس بات کو بھی سوچا ہے - کہ میں تمہیں صدق دل سے محبت کرتا ہوں
اور اپنا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ چاہتا ہوں - ان لوگوں کو تو صرف اسلئے میں نے
زیادہ دیدیا ہے - کہ یہ تمہارے دین سے خوش ہوجائیں - اور اُن سختیوں اور
تکلیفوں کو یاد کرکے شرماتے رہیں - جو اپنے ایام کامگاری میں ہمکو پہنچا

رہتے ہیں۔ لیکن بالعوض اس کے تم بہت بڑی چیز اپنے ساتھ لیے چلے ہو۔
یعنی میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ لوگ مثل کپڑوں کے ہیں۔ اور تم بمنزلہ اُس
کرتے کے ہو۔ جو جسم سے ہر وقت لگا رہتا ہے۔ اس پر انصار خوشی کا رونا روتے
ہوئے اُچھل پڑے۔ اور التماس کیا۔ کہ بس حضورؐ ہمیں سوائے آپؐ کے کسی چیز سے
کوئی سروکار نہیں۔ آپؐ ہمارے ساتھ ہیں۔ تو دولت دو جہان ہماری ہے۔
واللہ چاہے آپ ہمارے حصے بھی انہیں کو دیدیں۔ تو کسی کو کوئی شکایت نہ ہو۔
ہمیں تو صرف یہ خدشہ تھا۔ کہ کہیں حضورؐ مکہ ہی میں نہ رہ جائیں۔

قبیلہ ہوازن کی حاضری تقسیم مال غنیمت کے بعد چند اکابر قبیلۂ
ہوازن کے حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہوئے۔ اور اپنے مال۔ عورتوں اور بچوں کی
واپسی کے لئے عرض کیا۔ جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ ہم نے بہت عرصہ تمہارا انتظار
کیا۔ لیکن تم نے خود ہی کوتاہی کی۔ اب تو مال تقسیم ہو چکا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ مال
کی تو خیر ہمیں اتنی فکر نہیں۔ مگر ہماری عورتیں اور بچے دلوا دیئے جائیں۔ آپؐ نے
فرمایا۔ اچھا آج جس وقت ہم مسجد میں جائیں تم لوگ سب کے سامنے یہ درخواست مجھ سے
کرنا۔ چنانچہ حسب الحکم سرداروں نے جس وقت حضورؐ دربار لگائے بیٹھے تھے۔
پکار کر یوں عرض کیا۔ کہ

انا نستشفع برسول اللہ (صلعم) الی المسلمین و بالمسلمین الی رسول اللہ
فی ابنائنا و نسائنا (ترجمہ) ہم رسول اللہ صلعم کے واسطے سے مسلمانوں سے اور
مسلمانوں کے واسطے سے جناب رسول اللہؐ سے اپنے لڑکوں اور عورتوں کے لئے
سوال کرتے ہیں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا۔ ما کان لی و لبنی عبد المطلب فھو لکم (جو کچھ میرے
اور بنی عبد المطلب کے پاس ہے وہ تمہارا ہے) یہ سنتے ہی مہاجرین و انصار نے
بھی کہا ما کان لنا فھو لرسول اللہ (جو کچھ ہمارا ہے وہ رسول اللہؐ کا ہے)
چنانچہ اس پر ان لوگوں کے اہل و عیال واپس دلا دیئے گئے بعض اشخاص نے

واپسی میں تامل کیا۔ تو حضورؐ نے انکو بیت المال سے معاوضہ دلوا دیا۔ مگر قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص بصورتِ غلامی یا اسیر یا نہیں رکھا گیا۔ اور از راہ کرم یہ بھی فرمایا کہ اگر مالک مسلمان ہو جاوے تو ہم اسے معاف کر دینگے۔ بلکہ اُس کا مال بھی عطا فرما دینگے۔ چنانچہ مالک بھی آکر مسلمان اور الطاف نبوی کا مورد ہو گیا۔

روایت ہے کہ انہیں رسولؐ صلعم کی رضاعی بہن شیما بھی آئی تھیں۔ جنہیں آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ یہاں رہنا چاہو۔ تو تمہارا گھر ہے۔ اور جانا ہو تو بھی اختیار ہے۔ جسپر اُنہوں نے دوسری بات ہی منظور کی۔ اور آپؐ نے نہایت اعزاز کے ساتھ اُنہیں رخصت کر دیا۔

سنہ ۸ ھ۔ ان سب امور سے فراغت پا کے آپؐ نے عمرہ کے لئے موضع جعرانہ سے ۱۸۔ ذی قعدہ سنہ ہجری کو احرام باندھ لیا۔ جسکی مہاجرین و انصار نے بھی تقلید فرمائی چنانچہ بجمیعت تمام آپؐ نے مکہ پہنچکر عمرہ کیا۔ اور اخیر ماہ ذی قعدہ میں عتابؓ بن اسید کو حاکم مکہ کر کے اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو تعلیم و تلقین قرآن کے لئے مکہ میں چھوڑ کے مدینہ کیطرف مراجعت فرمائی۔ حضرت عتابؓ بن اسید ابھی نو عمر تھے۔ مگر باعتبار عقل و دانش اور زہد و ورع کے بڑے بلند پایہ شخص تھے اسی لئے حضورؐ نے انہیں کو منتخب فرمایا۔ اور انکے اخراجات کے لئے صرف ایک درہم روزانہ بیت المال سے دینا فرما دیا۔ یعنے ۳۰ روز یا نو دس روپیہ مہینا۔

سریہ بنی تمیم۔ بنی تمیم کے اکثر لوگ تو مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر بعض ابھی غیر مسلم بھی تھے۔ سنہ ۹ ہجری میں عیینہ بن حصین فزاری تحصیل زکواۃ کو گئے۔ تو غیر مسلم لوگوں کی بہکاوٹ سے اُنہوں نے مال زکواۃ دینے میں تامل کیا۔ عیینہ نے آنحضرت صلعم سے آکر حال بیان کیا۔ تو آپؐ نے پچاس سوار انکے ساتھ کر دیئے۔ بنو تمیم نے یہ حالت دیکھکر مقابلہ نہ کیا۔ لہٰذا عیینہ نے انکے چند آدمی گرفتار کر کے حضورؐ میں پہنچا دیئے آپؐ نے انکی مدارات کے لئے تو فرما دیا۔ مگر رہائی کا حکم نہ دیا۔ آخر انکے کچھ اور لوگ آئے۔ اور عفو تقصیر چاہ کے نظر بندوں کی واپسی کی درخواست کی جسپر

آنحضرت صلعم نے بھی منظور فرما دیا۔ اور یہ سب لوگ آپ کے اخلاق و آداب کا گیت گاتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

سریہ بنی خثعم۔ اِسی سال آنحضرت کو خبر ملی کہ بنی خثعم مسلمانوں سے لڑائی کی فکر میں ہیں۔ پس آپ نے بیس آدمی قطبہ بن عامر کے ساتھ کر دئیے۔ کہ وہاں کے حالات کی خبر لائیں۔ یہ وہاں پہنچے۔ تو وہ لوگ آمادہ فساد ہو گئے۔ مگر لڑے تو مغلوب ہوئے۔ اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے مالِ غنیمت حضور میں پہنچایا۔ تو خمس نکالکر ہر ایک غازی کو چار اونٹ اور دس بکریاں حصّہ میں آئیں۔

سریہ بنی کلاب۔ بنی کلاب مسلمان تو ہو چکے تھے۔ مگر زکواۃ نہ دیتے تھے۔ اِسلئے ربیع ۹ھ ہجری میں ابن ضحاک بن سفیان بن عوف کلابی کو بھیجا گیا۔ کہ تجدیدِ اِسلام اور ادائے زکواۃ کی ترغیب دیں۔ لیکن وہ لوگ ضحاک سے بھڑ گئے۔ اور ایسے قبولِ اسلام سے جسمیں زکواۃ بھی دینا پڑے اِنکار کیا۔ پس انہوں نے بھی جواب دندان شکن دیا۔ آخر لڑائی میں وہ لوگ مغلوب ہوئے۔ اور مغلوب ہوئے تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ پس انکا مال ضبط کر کے حاضر کیا گیا۔ تو حسبِ قاعدہ خمس نکالنے کے بعد غازیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔

حبشہ کے لٹیروں نے اِسی سال نواحِ جدہ میں آکر لوٹ مار شروع کر دی تھی جنکی مدافعت کے لئے علقمہ بن مجزز مدلجی انصاری کو تین سو آدمیوں کے ساتھ آنحضرت نے اُدھر روانہ فرمایا۔ مگر لٹیرے انکی آمد کی خبر سنکر بھاگ گئے۔ اور یہ بھی واپس ہو گئے۔ رستہ میں علقمہ کو کچھ ظرافت جو سوجھی تو آپنے ایک آگ روشن کرا کے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا۔ کہ اِس میں کود پڑو۔ بعض لوگ آمادہ بھی ہو گئے۔ مگر انہوں نے کہا۔ کہ میں تو یوں ہی ہنستا تھا۔ آنحضرت کو جب اِسکی خبر ہوئی۔ تو آپ نے فرما دیا۔ کہ من امرکم بمعصیۃ فلا تطیعوہ انما الطاعۃ فی المعروف۔ کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں گناہ کا حکم دے۔ تو ہرگز اُس کی اطاعت نہ کرو۔ اطاعت تو امرِ معروف (حکم الٰہی) کی چاہیئے۔

بتخانہ فلس کے انہدام کے لئے اِسی سال نہم میں حضور علیہ السّلام نے ایک سو شتر سوار اور پچاس اسپ سوار دیکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا۔ یہ بتخانہ بنی طے کا معبد تھا۔ حیدر کرار رضؓ نے جاتے ہی بتخانہ کو کھود کھاد کر ڈھیر کر دیا۔ لوجاری اور انکے اعیان و انصار میں عدی بن حاتم اور نجس وغیرہ شام کو بھاگ گئے۔ کچھ آدمی رہ گئے تھے۔ جنہیں حضرت علی رضؓ نے گرفتار کر لیا۔ انہیں حاتم کی بیٹی سفانہ بنت الحاتم بھی تھی۔ بتخانہ میں سے تین زرہیں اور تین تلواریں۔ رسوب۔ مخذم اور یمانی نام بھی برآمد ہوئیں۔ جنہیں سے مخذم تو حضرت علی رضؓ نے رکھی۔ اور رسوب و یمانی حضور کے لئے پیش کی گئیں۔ آنحضرتؐ نے حاتم کی بیٹی کو نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ خلعت و زادِ راہ دیکر اُسکے بھاگے ہوئے بھائی کے پاس شام پہنچا دیا۔

غزوہ تبوک

رجب ۹ھ ہجری میں آنحضرت صلعم کو اطلاع ملی کہ ہرقل قیصر روم مسلمانوں پر فوج کشی کی طیاریاں کر رہا ہے۔ لہذا حضورؐ نے حکم دیا۔ کہ سب مسلمانوں کو اسکی مدافعت کے لئے خود اسکی سرزمین میں پہنچ جانا چاہیئے۔ ایسے منافق بھی مدینہ میں موجود تھے جنہوں نے غلبہ اسلام دیکھکر اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن دل سے مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے اصلی مسلمانوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ کہ اس غزوہ میں جو کوئی جائیگا۔ زندہ واپس نہیں آئیگا۔ کیونکہ یہ اعراب کی لڑائی نہیں شہنشاہی مقابلہ ہے آنحضرت صلعم کو اسکی خبر ہوئی۔ تو آپ بھی افسردہ ہوئے۔ اور حکم دیا۔ کہ سویلم یہودی کے گھر جہاں اِن لوگوں کا مجمع خلاف قانون ہوتا ہے۔ اُسے جاکر منتشر کر دو۔ خیال کرنے کی بات ہے۔ کہ اِن لوگوں کے قتل کر دینے کا بھی حضورؐ کو کلی اختیار تھا کیونکہ علاوہ نبوت کے کسی حکومت میں بھی تو ایسے مفتریوں کو سزائے موت سے ورے نہیں چھوڑا جاتا۔ مگر آنحضرتؐ تو کلمہ گو پر تلوار اٹھانے کے سخت مخالف تھے

سب کچھ دیکھتے تھے اور چپ ہو رہتے تھے۔ بہر حال مسلمان قبائل عرب کو اس موقع
پر حضورؐ نے یاد فرمایا۔ تو سب کے سب حاضر ہو گئے۔ جنکی تعداد تیس ہزار تھی۔
سامان سفر کے لئے یہاں تو کچھ پاس نہ تھا۔ کیونکہ جو کچھ بھی آتا تھا۔ راہِ خدا میں مستحقین
پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ اب ضرورت ہوئی تو اصحاب سے کہا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے اور
سب سے زیادہ امداد حضرت عثمانؓ کی طرف سے پیش ہوئی۔ یعنے آپ نے سو گھوڑے
نو سو اونٹ اور ایکہزار دینار سُرخ حاضر حضورؐ کر دیئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا نصف
مال پیش کیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا اثاثہ اٹھا لائے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف
نے بھی چار ہزار درہم حاضر کیئے۔ علیٰ ہذا حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب۔ طلحہؓ بن عبداللہ
سعدؓ ابن عبادہ۔ محمدؓ بن مسلمہ نے بھی جو جو کچھ ہو سکتا تھا۔ پیش کیا۔ عاصمؓ بن عدی
نقدی نہ دے سکے۔ تو سو وسق چھوارے ہی لے آئے۔ ابو عقیلؓ انصاری کے پاس
یہ بھی دینے کو نہ تھا۔ انہوں نے نصف صاع چھوارے لیئے کر کے رات بھر پانی بھرا تھا۔ پس
وہی نصف صاع چھوارے آنحضرتؐ کے حضور میں لا کر پیش کر دیئے۔ تو آپ نے فرمایا
کہ ابو عقیل کا مال سب سے اونچا رکھو۔ یہ بڑی قدر کی چیز ہے۔ مگر با ایں ہمہ ایک اتنے
بڑے لشکر کے لئے یہ سب کچھ بھی کچھ نہ تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے حکم دیا۔ کہ ہر شخص اپنے
کھانے کے لائق جو کچھ ہو سکے ساتھ لیتا جائے۔ البتہ آپ نے تاکید فرما دی کہ جو
اپنے جوتے سب ٹھیک ٹھاک کر لیں۔ بلکہ جنکے پاس نہ تھے۔ انہیں آنحضرتؐ نے
خود جوتے بنوا دیئے۔

سالمؓ بن عمیر۔ عقبہ ابن زید۔ ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن ابن کعب۔ عمرو بن حمام
بن جموح۔ عرباض بن ساریہ اور عبداللہ ابن مغفل نے عرض کیا۔ کہ ہم لوگ بغیر سواری
چلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور سواری کی مقدرت نہیں۔ کچھ انتظام فرما دیا جائے
چنانچہ یامین بن عمیر۔ عثمانؓ بن عفان اور عباسؓ ابن عبدالمطلب نے انہیں سواری
اور زاد راہ وغیرہ سب کچھ دیدیا۔

پہلے وقت منافقین نے جواب دیا کہ ہم تو نہیں جاتے۔ اور آپ کو بھی [illegible]

کے موافق انکی کچھ پرواہ نہیں کی - بعض منافق ساتھ بھی ہو لئے - مگر انہیں سے بھی عبد اللہ بن ابی کچھ دُور جا کے واپس چلا آیا - اور کچھ برابر تک چلے گئے - آنحضرتؐ انکی شرکت کو خود بھی ناپسند فرماتے تھے - مگر کلمہ گوؤں کی دل شکنی کے خیال سے دست دیکھ بھی نہ کرتے تھے -

مدینہ میں اس دفعہ آنحضرتؐ نے علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا - مگر حیدر کرّار کو گھر میں بیٹھ رہنا سخت گذرا - آنحضرت صلعم ایک ہی منزل گئے تھے کہ وہ بھی جا ملے - مگر حضورؐ نے فرمایا - کہ علیؓ! اس مرتبہ تمہارا رہی یہاں رہنا ٹھیک ہے - لہذا پلٹ جاؤ - چنانچہ بتعمیل حکم اشرف حضرت علیؓ مدینہ چلے آئے -

سب سے بڑا علَم لشکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سپرد تھا - اور پھر ہر ہر قبیلہ کا علم اس کے سردار کے ہاتھ دیا گیا تھا - تمام لشکر میں دس ہزار اسپ سوار تھے - اور باقی پیادہ - بارہ ہزار اونٹ بھی ساتھ تھے - جنہیں سے بعض تو سواری کے کام آتے تھے - اور بعض خورد آب وبار برداری کے - منافقوں نے رستے میں بھی مسلمانوں کو بہت کچھ بہکانا چاہا - مگر آنحضرتؐ کے خوارق عادات و معجزات اکثر ایسے مشاہدہ میں آئے - کہ جو مسلمان کمزور تھے وہ اَور بھی راسخ الاعتقاد بنا دیتے تھے - بہرحال دائرہ دولت تبوک پہنچ گیا - تو حضورؐ نے قیام فرما دیا - یہ مقام مع اپنے گرد و نواح کے قیصر روم کی حکومت میں تھا - مگر رستہ میں اور نہ وہاں کسی نے آپؐ سے تعرض کیا - بلکہ ہرقل روم کو خبر ہوئی تو اُس نے مسلمانوں کے جوش و خروش اور لشکر ظفر پیکر کے رنگ ڈھنگ کی کیفیت سُنی تو لڑائی کا ارادہ ملتوی کر دیا - بلکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسکو وہیں سے ایک فرمان تبلیغ اسلام کے لئے لکھا تھا - اُس نے اُس کا جواب بھی جان بچانے کے لئے بھی لکھدیا کہ میں مسلمان ہوں

اسی مقام پر ایلہ - جربا اور اذرح کے حکام جو اُس وقت سے پہلے قیصر روم کے ماتحت تھے اُنہوں نے آنحضرت صلعم سے امان چاہ کر جزیہ دینا قبول کر لیا - چنانچہ صلحنامہ بھی لکھا گیا - ایلہ کے حاکم کا نام یحنہ ابن رؤبہ تھا - اور یہ بھی ہرقل روم کی طرح نصرانی تھا - اسکو جو امان نامہ آپؐ نے لکھدیا تھا اُسکی نقل یہ ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا امنۃ من اللہ ومحمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیحنۃ بن رؤبۃ سفنہم وسیارتھم فی البر والبحر لھم ذمۃ اللہ ومحمد النبی ومن کان معہم من اھل الشام واھل الیمن واھل البحر فمن احدث منہم حدثا فانہ لایحول مالہ دون نفسہ وانہ لمن اخذہ من الناس فانہ لایحل ان یمنعوا ماءیردونہ ولا طریقا یریدونہ من بحر وبر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل روم نے بھی ضرور خط لکھدیا ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ اسی کے ماتحت تھے۔ اگر اسکے کس بل پر انکو کچھ ناز ہوتا۔ یا کم از کم اگر وہ اس صلح کے مخالف بھی ہوتا۔ تو انہیں ادائے جزیہ اور ذمی ہونے کی جرأت نہ پڑتی۔

تبوک ایک چشمہ ہے۔ جو مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے بعض کے نزدیک آپ نے وہاں بارہ دن اور بعض کے نزدیک بیس دن اقامت فرمائی۔

سریہ خالدؓ واپسی کیوقت آنحضرتؐ نے خالدؓ بن ولید کو تین سو سواروں کے ساتھ اکیدر بن عبدالملک نصرانی پر بھیجا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ اسے گرفتار کرکے حضور میں لے آئے۔ اور اس نے دو ہزار اونٹ۔ آٹھ سو گھوڑے۔ چار سو زرہیں۔ چار سو نیزے دیکر کے صلح کرلی۔

یہی غزوہ آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا۔ تمام غزوات جو آنحضرتؐ کی شمولیت ہوئے انکی تعداد ۲۴ ہے۔ جنمیں سے صرف آٹھ مقامات میں تلوار بھی ہوئی یعنے ۱۔ بدر۔ ۲۔ احد۔ ۳۔ خندق۔ ۴۔ خیبر۔ ۵۔ بنو قریظہ۔ ۶۔ خیبر۔ ۷۔ فتح مکہ۔ ۸۔ حنین۔ اور باقی آپ نے صرف تنبیہ و تادیب پر ہی اکتفا فرمائی۔

سریات کی تعداد چالیس سے کچھ اوپر ہے۔ لیکن انمیں بھی حضور نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہو۔ ثمردار درخت نہ کاٹے جاہیں۔ زراعتیں برباد نہ کیجائیں۔ عورتوں۔ بچوں اور بوڑہوں پر ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔ چنانچہ ان سب کے واقعات آپ دیکھ چکے ہیں۔ اب انکے مقابلہ میں اسوقت کی مہذب سلطنتوں کے طریق جنگ کو دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ وہ جنگ رحمت تھے اور یہ زحمت ہیں۔ زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عیسائیوں کی صلیبی لڑائیاں تو بہت پرانی ہیں ان کو بھی جانے دو اسی زمانہ کی جنگ روس و روم۔ روم و یونان۔ فتح سوڈان و طرابلس جنگ چین و جاپان۔ جاپان و روس کے انہیں واقعات کو دیکھ جائیے جو اخباروں کے ذریعہ خاص اس احتیاط سے چھپوائے جاتے ہیں کہ تصویر کا کوئی پہلو نظر ہی نہ آسکے۔ اور پھر انکے دیکھ لینے کے بعد ہر ایک عیسائی اور ہر ایک یہود خود ہی فیصلہ کریگا کہ مسلمانوں کے حملے کیسے رحیمانہ تھے اور سوائے انکے انہیں کوئی چارہ کار بھی رہگیا تھا۔ یا نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

شیر اور آدمی کی تصویر کی ایک حکایت مدت سے مشہور ہے جسمیں شیر کو اس طرح دکھایا گیا تھا۔ کہ وہ تو بیکس و عاجز اور واماندہ ہو کر زمین پر گر گیا ہے اور ایک معمولی سا آدمی صرف اپنے زور و تدبیر سے اسکی چھاتی پر بیٹھا اکڑ رہا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ایک ہی وار میں جان سے مار دے۔ یہ تصویر شیر نے دیکھی تو ہنسکر کہا۔ کہ یہ نقشہ انسان نے اپنے خیالات کا کھینچا ہے۔ شیر ہوتا تو ایسا نہ کھینچتا۔ پس یہی حال ان بیچے مخالفوں کا ہے جو اسلام کو خواہ مخواہ کے الزاموں سے بدنام کر رہے ہیں۔ ورنہ اسلام کا دامن ان آلایشوں سے قطعی پاک و صاف ہے۔

فصل دوم

بادشاہانِ وقت کو دعوتِ اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد سے پے درپے ترقی اسلام کی باعث چونکہ سر زمین حجاز میں مسلمان بکثرت ہو گئے تھے اور کوئی مزاحمت انکے مذہبی امور میں باقی نہ رہ گئی تھی بلکہ جو لوگ اسلام سے بیگانہ تھے وہ بھی اپنے حال سے ترساں تھے اسلئے آپ حضور سرورِ کائنات نے تجویز فرمایا کہ دوسرے ممالک میں بھی تبلیغ اسلام کا کام انجام دینا چاہئے۔ کیونکہ آپ صرف عرب کے لئے ہی پیغمبر تھے بلکہ دنیا بھر کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ نے بادشاہانِ وقت کو منشور ہدایت لکھنے کا ارشاد فرمایا۔

مُہرِ نبوی بعض اصحابؓ نے عرض کیا کہ بادشاہوں کے پاس جو مراسلات بھیجے جاتے ہیں وہ سربمہر نہ ہوں تو ناقابلِ اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ اسلئے ایک مُہر کا بننا ضروری ہے۔ آپ نے بھی اسکو پسند فرمایا۔ اور ایک سونے کی انگوٹھی طیار ہوئی۔ دوسرے دن تمام صاحبِ مقدرت مسلمان سونے کی انگوٹھیاں پہن آئے اسپر بذریعہ وحی آپکو مطلع کیا گیا۔ کہ سونا وغیرہ عورتوں کی زیبائش ہے۔ اور مردوں کو نازیبا ہے۔ کہ وہ عورتوں کے سے زیورات پہنا کریں۔ چنانچہ آپ نے فوراً اپنی انگوٹھی پھینک دی۔ جسپر اور تمام اصحابؓ نے بھی آپکی تقلید میں اپنی اپنی انگوٹھیاں توڑوا دیں۔ جسکے بعد آپ نے ایک چاندی کی انگشتری بنوائی۔ اور ایک مُہر جسمیں محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ اس ترکیب سے کُھدوائی

اور سربمہر مراسلات دیگر نجاشی بادشاہِ حبشہ یا ابی سینیا۔ ہرقل قیصرِ روم پرویز شاہِ فارس۔ مقوقس شاہِ اسکندریہ۔ حارث بن ابی شمر غسانی بادشاہ شام

ہوذہ بن علی حنفی حاکم یمامہ اور جیفر و عبد حاکمانِ عمان کے پاس ایلچی روانہ کیے گئے۔ چنانچہ نجاشی کے پاس عمرو بن اُمیہ ضمری۔ ہرقل روم کے پاس دحیہ کلبی پرویز کسریٰ فارس کے پاس عبداللہ بن حذافہ۔ مقوقس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ۔ حارث کے پاس شجاع بن وہب اسدی۔ ہوذہ والی یمامہ کے پاس سلیط بن عمرو عامری اور جیفر و عبد کے پاس عمرو بن العاص بھیجے گئے۔

اِن تمام بادشاہوں میں پرویز شاہِ فارس تو آتش پرست تھا۔ اور باقی سب عیسائی تھے۔ حارث والی شام اور ہوذہ والی یمامہ اگرچہ عرب کے متعلقہ ممالک کے حکمران تھے۔ مگر تقلیدی طور پر عیسوی مذہب رکھتے تھے۔ کیونکہ روم کو اپنا بادشاہ سمجھتے تھے۔ مراسلات جو بھیجے گئے اُنکے الفاظ یہ ہیں۔

آنحضرت کا نامہ نجاشی کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشہ اما بعد فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن و اشھد ان عیسیٰ ابن مریم روح اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسیٰ فحملتہ من روحہ و نفخہ کما خلق آدم بیدہ و انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ و الموالاۃ علی طاعتہ و ان تتبعنی و توقن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ و انی ادعوک و جنودک الی اللہ تعالیٰ و قد بلغت و نصحت فاقبل نصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد رسول اللہ کا نجاشی شاہ حبش کے نام۔ حمد و ثنا ہے اُس خدائے برحق اور قادرِ مطلق کی جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ وہ سب عیوب و نقصانات سے پاک اور جمیع خواہشات سے مبرّا ہے۔ وہی بے نیاز ہے اور ہم تم سب اُسکے بندے ہیں۔ وہ اپنے نشانات ظاہر اور معجزات باہر دکھا کر اپنے پیغمبروں کو سچا کرتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو قیامت کے عذاب سے بچانیوالا اور اُنکو عالی مراتب پر پہنچانیوالا ہے۔ وہی سب سے زبردست اور سب پر غالب۔

وہی دانا جبّار اور متکبّر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ خُدا کا بندہ اُسکی روح اور اُس کا کلمہ ہے۔ اور مریم روح و کلمہ کے باعث حاملہ ہوئی۔ خُدا نے عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا کیا تھا۔ جو مریم کے پیٹ میں رکھدی گئی تھی۔ جیسے کہ اُس نے آدم کو اپنے لُطف و کرم سے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ اور اُسمیں اپنی روح پھونکدی۔ نجاشی میں تمہیں خُدا کیطرف بُلاتا ہوں۔ اِس سے پہلے میں نے اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ اُسکے ساتھہ اَور بہت سے مسلمان بھی تھے۔ تجھے مناسب ہے کہ غرور کو بالائے طاق رکھ کے میری نصیحت مان لے۔ والسّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

آنحضرت کا نامہ ہرقل کے نام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللّٰہ الیٰ ہرقل عظیم الروم۔ سلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ اما بعد فانی ادعوک بدعوۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین یا اہل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔

ترجمہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ نامہ محمد رسول اللّٰہ نے ہرقل اعظم روم کو لکھا ہے۔ سلام اُس شخص کو جو سیدھی اور سچّی راہ کی پیروی کرے۔ اے ہرقل میں تجھے اسلام کیطرف بُلاتا ہوں کہ تو مسلمان ہوجا۔ اِس سے تیرے دین و دُنیا دونوں سُدھر جائینگے۔ بلکہ خدا اُسکے بدلے میں تجھے دونا دیگا۔ اگر تو نے انکار کیا تو سمجھے رہنا کہ تیرے سارے مُلک کی رعایا کا وبال تجھ پر رہیگا۔ اے اہلِ کتاب تم اُس بات پر آجاؤ جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے۔ یعنے ہم تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسیکو اُس کا شریک نہ بنائیں ہم میں سے کوئی کسیکو اپنا رب نہ ٹھیرائے اور جو کوئی اُس سے گردن کشی کرے تو اُس سے کہدو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرت کا نامہ مقوقس کے نام

بسم الله الرحمن الرحيم۔ من محمد عبد الله ورسوله الى المقوقس۔ سلام على من اتبع الهدى۔ اما بعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام۔ اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم القبط يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

آنحضرت کا نامہ کسریٰ فارس کے نام

بسم الله الرحمن الرحيم۔ من محمد رسول الله الى كسرىٰ عظيم فارس۔ سلام على من اتبع الهدى۔ وآمن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمداً عبده ورسوله ادعوك بدعاية الله فاني انا رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حياً ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان توليت فعليك اثم المجوس۔

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد رسول اللہ کا کسریٰ پرویز شاہ فارس کے نام۔ سلام اُس شخص کو جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ اور خدا کا قائل ہوکر گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ کسریٰ میں تجھے اسلام کیطرف بلاتا ہوں۔ چونکہ میں سارے جہان کے لئے خدا کا رسول ہوں اسلئے سب آدمیوں کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اور کافروں پر حجت تمام کرتا ہوں اے کسریٰ تو بھی خدا سے ڈر کے مسلمان ہوجا۔ تاکہ ہلاکت سے بچکے فلاح کو پہنچے۔ اگر انکار و سرکشی کریگا تو یاد رکھیو کہ مجوسیوں کا سا وبال تجھپر بھی پڑیگا۔

آنحضرت کا نامہ حارث کے نام

بسم الله الرحمن الرحيم۔ من محمد رسول الله الى الحارث بن ابي شمر۔ سلام على من اتبع الهدى۔ وآمن بالله وصدق واني ادعوك الى تؤمن بالله

وحدہ لا شریک لہ یبقی لک ملکک۔

(ترجمہ) یہ نامہ ہے محمد رسول اللہ کا حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلام اُس پر جو تابعداری کرے ہدایت کی اور ایمان لائے اللہ پر اور سچا جانے اُسے بیشک میں بلاتا ہوں تجھے کہ تو ایمان لا اللہ وحدہ لا شریک پر تو تیرا ملک تیرے پاس باقی رہیگا۔

آنحضرت کا نامہ ہوذہ بن علی حاکم یمامہ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی ھوذۃ بن علی۔ سلام علی من اتبع الھدی واعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لک ما تحت یدیک۔

(ترجمہ) یہ نامہ محمد رسول اللہ کا ہے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلام اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ جان تو کہ دین میرا عنقریب انتہائے آبادی تک غالب ہونے والا ہے پس مسلمان ہو تاکہ تو سلامت رہے۔ اور برقرار رکھوں میں جو کچھ تیرے تحت و تصرف میں ہے۔

آنحضرت کا نامہ جیفر و عبد حاکمانِ عمان کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الی جیفر و عبد ابنی جلندی السلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد فانی ادعوکما بدعایۃ الاسلام۔ اسلما تسلما فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی تحل بساحتکما وتظھر نبوتی علی ملککما۔

(ترجمہ) یہ نامہ ہے محمد کا جو بندہ ہے اللہ کا اور رسول ہے اُس کا جیفر اور عبد جلندی کے بیٹوں کے نام۔ سلام اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تم دونوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم دونوں اسلام لاؤ تاکہ سلامت رہو۔ بیشک مجھے خدا نے سب آدمیوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ ڈراؤں اُسکو جو زندہ رہے اور اللہ نے اپنی حجت کافروں پر ثابت کی ہے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کرلو

تو میں تمکو والی کرتا ہوں۔ اور ثابت رکھتا ہوں تمہارے ملک پر۔ اور اگر تم نے
مسلمان ہونے سے انکار کیا تو ملک تمہارا زائل ہونیوالا ہے۔ ہمارے گھوڑے
جولانی کرینگے تمہارے میدان پر اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب ہوگی

ان سفیروں یا قاصدوں کی کیفیت بھی سُننے کے لائق ہے۔ کہ سادہ لباس اور
بالکل بے شوکت سامان اونٹوں پر بیٹھے اور اپنی اپنی راہ ہو لئے۔ نہ جانے بڑے
بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کرنے جاتے ہیں۔ مگر انہیں پھٹے کپڑوں اور
بے سروسامانی میں وہ ہیبت و شان برس رہی تھی کہ جس بادشاہ کے
سامنے جاتے تھے مرعوب ہو جاتا۔ جس فصیح و بلیغ سے کلام کرتے تھے دنگ
رہجاتا۔ اور جس شجاع و دلیر سے بات کرتے تھے لوہا مان جاتا تھا۔ ؎

چلن سیدھا سادہ تکلف سے خالی ۔ نہ کچھ لاؤ لشکر نہ حالی موالی

سچ ہے۔ ؎

ہیبتِ حق است این از خلق نیست ۔ ہیبت این مردِ صاحب دلق نیست

نجاشی کا دربار: عمرو بن اُمیّہ ضمری جب سوڈان میں نجاشی کے پاس
پہنچے تو اُس نے نہایت اعزاز و احترام سے دربار سجا کر نامۂ مبارک کو وصول کیا
نجاشی درصل پہلے سے حضرتؐ کی رسالتِ برحق کا قائل ہو چکا تھا۔ منشور ہدایت
پہنچنے پر علانیہ کلمہ گو بھی ہو گیا اور صدقِ نیت سے عمرو بن اُمیّہ ضمری کے ساتھ
مع تحائف و ہدایا اپنے بیٹے کو حضور میں بھیجکر جوابی نیاز نامہ لکھا کہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمہ سلام علیک
یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اما بعد فقد
بلغنی کتابک یا رسول اللہ فما ذکرت من امر عیسیٰ فورب السماء والارض ان
عیسیٰ لا یزید علی ما ذکرت ثفروقا انہ کما ذکرت وقد عرفنا ما بعثت
بہ الینا فاشہد انک رسول اللہ صادقاً وقد بایعتک وبایعت ابن عمک واسلمت علی
یدیہ۔ الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عرضی ہے محمد رسول اللہ کیخدمت میں نجاشی کیطرف سے۔ نبی اللہ کا سلام اور رحمت اور برکتیں تم پر ہوں۔ سوائے اُس خدا کے جس نے تمہیں بھیجا ہے کوئی الوہیت کے لائق نہیں۔ اُسی خدا نے مجھے اسلام کیطرف ہدایت کی ہے آپکا نامہ شریف پہنچا۔ مسیح کی جو صفت آپ نے لکھی ہے۔ واللہ اُس سے زیادہ جو کوئی کہتا ہے جھوٹا ہے۔ جو شریعت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میرے پاس لائے تھے اُسے مَیں خوب سمجھ چکا ہوں اور جانتا ہوں۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچّے نبی ہیں۔ اور اگلی کتابوں اور گذشتہ پیغمبروں نے آپکی خبر دی ہے۔ مَیں نے آپ کے ساتھ بیعت کی اور آپکی ہدایت سے ایمان اور اسلام لایا۔ مَیں اپنے بچاکے بیٹے کو حضور کے دربار پُرانوار میں روانہ کرتا ہوں اگر آپ کا ارشاد ہو تو مَیں خود بھی حاضر ہوں۔ مَیں گواہ ہوں کہ آپ جو فرماتے ہیں سب سچ ہے۔ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

مگر افسوس ہے کہ نجاشی کا چچازاد بھائی رستہ میں ہی کشتی ڈوب جانے کے باعث دریا نے اپنا مایۂ فخر بنا لیا۔ اور خدمت نبوی میں پہنچ نہ سکا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

نجاشی کے پاس حضور نے اس کے علاوہ بھی ایک نامہ ارسال فرمایا تھا۔ کہ مہاجرینِ اسلام جو تمہاری ولائیت میں ہیں اُنکے یہاں پہنچنے کا سامان کردو مہاجرین کے ساتھ ام حبیبہ (ابوسفیان کی بیٹی) بھی تھیں۔ جو دل و جان سے مسلمان ہو کر صرف اپنے رشتہ داروں کی مخالفت کے باعث ہجرت کر گئی تھیں۔ لہٰذا اس خیال سے کہ اُنکو اپنی سرداری چھوٹنے اور فقر و فاقہ کے مصائب اُٹھانے پر رنج نہ رہے۔ اور دوسرا یہ کہ ابوسفیان کے گھرانہ میں رشتہ قائم ہونے سے مخالفتیں مٹ جائیں حضور علیہ السلام نے چٹھی تحریر فرما دیا تھا۔ کہ اگر ام حبیبہ چاہیں تو میرے نکاح کے لئے بھی اُن سے کہہ دینا۔ چنانچہ بتعمیلِ ارشادِ والا نجاشی نے مہاجرین کے لئے سامانِ سفر درست کر دیا۔ اور ام حبیبہ سے دریافت کیا تو وہ اِس رشتہ کو اپنی خوش نصیبی

سمجھیں۔ لہٰذا نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضرت صلعم کیطرف سے وکیل ہوکے آپکا نکاح اُن سے پڑھوا کے مہاجرین کے ساتھ عزت و تعظیم کے ساتھ اُنکو آنحضرت صلعم کے حضور بھیج دیا۔ غرضکہ نجاشی پکا مسلمان ہوگیا تھا۔ چنانچہ جس دن اُس نے وفات پائی ہے رسولِ خدا صلعم نے غائبانہ مدینہ میں اُس کی نمازِ جنازہ بھی ادا فرمائی تھی جس میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

ہرقل کا دربار: ہرقل روم کے پاس وحیہ کلبی روانہ ہوئے تھے۔ یہ پہلے تو مدینہ سے بصرہ پہنچے کہ حاکم بصرہ کی وساطت سے بادشاہ تک پہنچیں مگر وہاں جاکر معلوم ہوا کہ حاکم بصرہ آجکل حمص میں ہے۔ اور بادشاہ بیت المقدس کو جاتے ہیں۔ لہٰذا وحیہ کلبی حمص ہوتے ہوئے بیت المقدس پہنچے۔ اور بادشاہ سے اطلاع کرائی۔ وزرا اور درباریوں نے اُنکو دابِ و آدابِ دربار سمجھانے شروع کئے۔ کہ بادشاہ کے حضور میں جاتے ہوئے ساتھ دفعہ فرشی سلام کرکے سجدہ کرنا ہوگا۔ مگر اُنہوں نے ماننے سے انکار کیا۔ کہ ہمارے مذہب میں سجدہ سوائے خدا کے کسی دوسرے کو مطلق جائز نہیں۔ بہرحال پیش ہوئے اور اسلامی طریق سے سلام علیکم کہہ کے خط پیش کیا۔ ہرقل نے ترجمان کے ذریعہ خط کا ترجمہ سُنا تو مطالب تحریر جوں جوں اُسکے کانوں تک پہنچتے جاتے تھے۔ اور سامنے وحیہ کلبی کی صورت میں اسلامی نمونہ نظر آتا جاتا تھا اُسپر ایک انجانی سی اثر خود بخود غالب آرہا تھا۔ ہرقل نے اپنے اس دربار میں عرب کے لوگوں کو بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر حاضر کرنیکا حکم دے رکھا تھا تاکہ آنحضرت صلعم کے حالات اُن سے بھی دریافت کرے۔ چنانچہ اتفاق سے ابوسفیان جو بسبیل تجارت اسوقت اُس شہر میں تھا بُلایا گیا۔ یہ اُس زمانہ تک نہ صرف اسلام سے ناآشنا تھا۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے سخت ترین مخالفوں کا سرگروہ تھا۔ گویا ذیل جو جواب و سوال ہرقل اور ابوسفیان میں ہوئے قابلِ دید ہیں۔ ہرقل نے پوچھا کہ رسول اللہ کا نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ عرب بھر میں

بہتر و برتر۔ بادشاہ نے پوچھا اُنکے آبا و اجداد میں کوئی شخص بادشاہ یا پیغمبر بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں۔ ہرقل نے پوچھا کہ اُنکے مذہب میں دولتمند شریک ہوتے ہیں یا غریب؟ ابوسفیان نے جواب میں کہا کہ۔ ابتو کم و بیش سبھی قسم کے لوگ ہونگے۔ لیکن ابتداء غریبوں سے ہوئی۔ اور اب بھی زیادہ تعداد مسکینوں اور بیکسوں کی ہی اُس کی پیرو ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی شخص مُرتد بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اُس کا دین روبہ ترقی ہے یا تنزل؟ یہ بولے کہ حضور آج تک کوئی شخص اُنکے دین میں داخل ہو کے مُرتد نہیں ہوا۔ اور دن بدن ترقی جاری ہے۔ اِس کے بعد ہرقل نے پوچھا کہ رسُولِ خداؐ اِس سے پہلے یا اب کبھی کسی عیب و گناہ میں آلودہ پائے گئے یا نہیں؟ اور کبھی اپنے عہد سے بدعہدی بھی کی یا نہیں؟۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ نہ آج تک وہ کسی گناہ میں ملوث ہوا۔ اور نہ کبھی بدعہد ثابت ہوا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ کہ بتاؤ اُس میں اور تم میں کبھی لڑائی بھی ہوئی اور ہوئی تو نتیجہ کیا ہوا؟ یہ بولے کہ لڑائی کئی دفعہ ہوئی اور نتیجہ میں کبھی وہ غالب رہا کبھی ہم۔ اِن ابتدائی سوالات کے بعد ہرقل نے پوچھا اچھا یہ لوگ کہتے کیا ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ کہتے یہ ہیں کہ خدا ایک ہے اُسی کی پرستش کرو۔ بُتوں کو یا کسی پیغمبر اور شجر و حجر کو اُس کا شریک نہ سمجھو وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے مجھے اُس کا رسُول برحق جانو۔ اور باپ دادا کی مراسم کی تقلید میں دینِ خدا و ندی سے شرم نہ رکھو۔ بلکہ یہ تمام باتیں چھوڑ دو۔ نہ بُتوں کی پُوجا کرو نہ کسی دوسرے کی اعانت پر اعتبار کرو۔ نماز پڑھو صدقہ دو۔ لذائذ دُنیوی چھوڑ کر پرہیز گار بنجاؤ۔ سچ بولو اور صلہ رحمی اختیار کرو۔ غرضکہ حمیتِ جاہلیت ترک کر دو۔ ہرقل نے یہاں تک سُنکر کہا کہ واقعی وہ سچا پیغمبر ہے۔ ایک آخری پیغمبر ضرور آنیوالا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہم میں سے ہوگا۔ مگر وہ عرب سے ہوا۔ یہ باتیں اُسکی نبوّت کی ظاہر دلیل ہیں۔ ابوسفیان یہ کلمہ سُنکے سخت آشفتہ خاطر ہوا۔ کہ اب آنحضرتؐ کا مقابلہ قریباً محالات سے ہو گیا ہے

جب ایسے جلیل القدر بادشاہ تک اُسکو بلاچون وچرا نبی تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہماری مخالفت کیا کرے گی۔

ہرقل نے اس قدر گفتگو کے بعد دل سے تو تصدیق کی مگر عیسائیت کا اس قدر زور تھا کہ وہ ظاہری طور پر اس ایمان کا اعلان سخت خطرناک سمجھتا تھا۔ کیونکہ گو وہ ایک خود مختار اور صاحبِ اقتدار بادشاہ تھا۔ مگر مذہبی امور میں تمام رعایا ہرقل کے پوپ کے قبضہ میں تھی۔ اور اُسکی ایک ادنیٰ حرکت پر سلطنت زیر و زبر ہوسکتی تھی۔ لہٰذا ہرقل نے ایک دربار خاص میں اپنے کل وزراء اور امرا کو طلب کرکے مشورہ کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ عیسائیوں کے حوصلے اسوقت سخت بڑھے ہوئے تھے اُنہوں نے تازہ تازہ ایرانیوں پر فتح پائی تھی۔ اور انہیں مشغولیا میں مست و مشغول تھے۔ وہ بھلا کیا مشورہ دیتے۔ غرضکہ سب نے یک زبان ہوکر سخت مخالفت کی۔ اس سے مایوس ہوکر ہرقل نے وحیہ کلبی کو روم میں ایک زبردست عالم مذہب عیسوی صنعاطر نام کے پاس بھیجا۔ کہ اُس سے جاکر ملو اگر وہ تمہاری تصدیق کردیگا۔ تو لوگوں کو اس قدر مخالفت نہ رہیگی۔ کیونکہ اُس کی نسبت عیسائیوں کا بہت اچھا اعتقاد ہے۔ وحیہ کلبی روم (اٹلی) پہنچکر صنعاطر سے ملے تو صنعاطر آنحضرتؐ کے حالات اور تعلیم و تلقین کی کیفیات سنکے صدقِ دل سے مسلمان ہوگیا۔ اور برملا اپنے اسلام کو ظاہر کرکے اشاعتِ حق میں امداد دینے لگا۔ متعصبین قوم نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اُنہوں نے مارے غصّہ کے صنعاطر کو جان سے مار ڈالا۔ لاچار وحیہ کلبی پھر ہرقل قیصر روم کے پاس پہنچے۔ ہرقل نے صنعاطر کے حالات سنکر وحیہ کلبی کو یہ کہکے رخصت کردیا۔ کہ تم دیکھتے ہو جب صنعاطر ایسے مقدس شخص کی یہ نوبت اسلام لانے سے ہوئی تو پھر میں کیسے سبادرت کرسکتا ہوں۔ وحیہ کلبی نے کہا یہ جاہ و سلطنت چند روزہ بالکل بے اعتبار ہے۔ اور ہم تمہیں سلطنتِ ابدی کیطرف بلاتے ہیں۔ مگر ہرقل نے سلطنت کو دین پر سبقت دیکر انکار کیا۔ اور وحیہ کلبی واپس ہوئے۔

مقوقش والئی مصر کا دربار۔ مصر میں مقوقش فرمانروا تھا اور وہ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اُس کیطرف حاطب بن ابی الملتبعہ گئے تھے۔ اُنہوں نے جاکر مقوقش کو نامۂ رسالت دیا۔ تو اُس نے نہایت لتعظیم و احترام سے لیا۔ اور حاطب کے ساتھ بڑے حُسن سلوک سے پیش آیا۔ آنحضرتؐ کی ذات پاک اور اسلام کی ہدایت گستری پر بھی بڑا حسن عقیدت ظاہر کیا۔ مگر سلطنت کا لُطف اور مسجود ہونیکا فخر اس امر سے مانع آیا۔ کہ راستی سے اسلام قبول کرلیتا۔ القصّہ صرف ظاہری حُسن اعتقاد جتا کر اور تحائف و ہدایا دیکر بڑے خُلق و محبّت سے اُس نے حاطب کو رخصت کیا۔ تحائف میں علاوہ بیس ریشمین تھانوں اور ہزار مُہروں کے ایک نایاب استر سفید رنگ دُلدُل نام اور چار پاکیزہ کنیزیں بھی تھیں۔ جنمیں سے ایک ماریہ قبطیہ نامی آنحضرتؐ کے تصرّف میں آئیں جنسے حضرت ابراہیم پیدا ہو کر فوت ہوئے۔ اور ایک کنیز حضورؐ نے حسّان بن ثابت کو عطا فرمائی جس کا نام بشیرین تھا۔ اور یہ ماریہ کی بہن تھیں دُلدُل عرصہ تک تو آپکی سواری میں رہا۔ اور پھر آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا۔ اور اُنکے بعد حسنین علیہ السّلام کے زیر سواری رہا۔ اِسی لحاظ سے حضرت علیؑ کو شاہ دُلدُل سوار کہتے ہیں۔ مقوقش نے جو جوابی خط آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ یہ ہے۔

الیٰ محمد بن عبد اللہ من المقوقش عظیم القبط۔ امّا بعد فقد قرأت کتابک وفہمت ما ذکرت وما تدعوا الیہ وقد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن ان یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لہما مکان من القبط عظیم وبکسوۃ واھدیت لک بغلۃ لترکبہا۔ والسّلام۔

(ترجمہ) یہ نامہ ہے مقوقش عظیم قبط کیطرف سے محمّد بن عبداللہ کو۔ اما بعد بیشک میں نے تمہارا نامہ پڑھا۔ اور جو کچھ تم نے ذکر کیا تھا اور جسکی طرف تم نے دعوت کی تھی اُسے سمجھا بیشک میں جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی ہے۔ میرا گمان تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا۔ اور تحقیق میں نے تمہارے قاصد کی عزّت کی۔ میں نے تمہارے لئے دو لونڈیاں ماریہ قبطیہ اور

اور شیریں پوشاک پہنا کر بھیجی ہیں۔ قبطیوں میں انکی بڑی عزت ہے۔ اور تمہاری سواری کے لئے ایک خچر ہدیہ بھیجا ہے۔ اور سلام؟

غرضکہ آنحضرتؐ نے جب اُسکی کیفیت سُنی۔ تو فرمایا مقوقس نے اپنے ملک سے بہتری نہیں کی۔ اسلام قبول کر کے اشاعتِ دین کرتا۔ تو مُلک کا واقعی خیر اندیش ہوتا۔ خیر اب اللہ تعالیٰ اپنے دینؐ خود وہاں پُہنچاویگا۔

یہ تو اُن بادشاہوں کا ذکر ہوا۔ جو اہلِ کتاب تھے۔ اور فی الجملہ علومِ دین پر بلند نظر بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا۔ کہ اِن تینوں نے آنحضرتؐ کی رسالت سے اِنکار نہیں کیا۔ نجاشی تو علانیہ مسلمان ہو گیا۔ اور باقی دو نے تصدیق تو کی مگر دُنیا نہ چھوڑی۔ اور اِسپر یہ بھی کہ مخالفت مُطلق نہیں کی۔ اب باقی تینوں کا حال سُنئے۔

کسریٰ پرویز کا دربار:۔ عبد اللہ بن حذافہؓ جب سیدھے منشورِ ہدایت لیکر مدائن (ایران یا فارس) پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کے پاس پُہنچے تو اِس مغرور کو نامۂ مبارک دیکھتے ہی اپنی جاہ و حشمت کے مقابلہ میں ایلچی کا اِس طرح بے سجدہ کئے چلا آنا۔ اور نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد من محمد رسول اللہ کا لکھا ہونا بڑا ناگوار گذرا۔ کہ میرے لئے نہ کوئی القاب نہ آداب۔ پس اُس نے جوشِ غضب میں آپکے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔ اور ایران کیطرف سے یمن میں باذان نام جو گورنر تھا اُسکو حُکم بھیجا۔ کہ اِس مُدعیِ نبوت کو گرفتار کر کے ہمارے ہاں بھیجدو۔ لاچار عبد اللہ بن حذافہؓ بے نیل مرام واپس ہوئے اور باذان نے دو معتبر آدمی بابویہ اور خرخرہ نامی آپکی گرفتاری کے لئے مدینہ بھیجے ابوسفیان یہ حال دیکھکے بہت خوش ہوا۔ مگر جوں ہی وہ دونوں آپکے روبرو پُہنچے اُنکی شیخی کرکری ہو گئی۔ پیغام تو اُنہوں نے پُہنچا دیا۔ کہ ہم اِس کام کے لئے آئے ہیں لیکن گرفتاری کے منصوبے سرِ بخاک میں مل گئے۔ رعبِ نبوت اور شانِ جلالت سے اُنکے جسم پر ایک لرزہ چڑھ گیا اور سوائے سرافگندگی کے چارہ نہ رہا

قاعدۂ فارس کے مطابق انکی مونچھیں بڑھی ہوئیں اور ڈاڑھی منڈھی ہوئی تھی جس کا دیکھنا آپؐ کو ناپسند ہوا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے اُس طرف سے روئے مبارک پھیر لیا اور فرمایا۔ کہ اِس طرح ڈاڑھی منڈانے اور مونچھوں کے بڑھانیکا حکم تمہیں کس نے دیا ہے اُنہوں نے کہا ہمارے آقائے نعمت کا یہی طریق ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ بالکل نادرست ہے۔ میرے خدا نے مجھے ڈاڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کتروانیکا حکم دیا ہے۔ اِسکے بعد حرفِ مطلب کی نسبت فرمایا۔ کہ کل جواب دیا جائیگا۔ چنانچہ صُبح کو وہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ "جاؤ اپنے حاکم باذان سے کہو کہ جس ظالم کی تعمیل حکم کے لئے اُس نے تمہیں بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسپر آج شب اُسکے بیٹے شیرویہ کو غالب کر دیا ہے۔ اور جس طرح پرویز نے میرا نامہ چاک کیا تھا۔ ویسے شیرویہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُسکا پیٹ چاک کروا دیا ہے۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ کا دین خود ہی ایران میں پُہنچ جائیگا۔ پھر فرمایا کہ باذان سے ہمارا پیام دینا۔ کہ اگر اِس وقت تُم ایمان لے آؤ گے تو جسقدر مُلک تمہارے قبضہ میں ہے آئندہ بھی نہ نکالا جائیگا۔"

دونوں یاہی یہ پیغام لیکے باذان کے پاس پُہنچے۔ اور آنحضرتؐ کے جمال و جلال کی پوری کیفیت بیان کر دی۔ کہ باوجود بوریا نشینی کے جو رعب و سطوت پیغمبرِ عربی میں ہم نے دیکھی ہے۔ وہ ملوکِ عرب و عجم میں بھی کہیں نظر نہیں آئی۔ باذان ابھی کوئی پختہ رائے قائم نہ کر سکا تھا۔ کہ اِتنے میں شیرویہ کا پروانہ بھی آ پُہنچا۔ کہ "ظالم پرویز کو ہلاک کر کے تختِ سلطنت کو ہم نے زینت بخشی ہے۔ تُم بدستور حاکمِ یمن رہو۔ اور لوگوں میں ہماری بادشاہت کا اعلان کر دو۔ اور پیغمبرِ عربی سے کوئی تعرض نہ کرو۔" اِس پروانہ کو دیکھتے ہی باذان نے صداقتِ احمدی پر ایمان لاکر کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور صدقِ دل سے مُسلمان ہو گیا۔ جسکے مُسلمان ہوتے ہی ہزاروں آدمی اَور بھی ایمان لے آئے۔ سچ ہے۔ ذالك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء واللّٰه ذو الفضل العظيم۔

حاکمِ شام کا دربار:۔ حارثؔ والئِ شام کے پاس شجاعؔ بن وہب منشورِ ہدایت لیکر گئے تھے۔ حارث اِس وقت غوطہ دمشق میں تھا۔ شجاعؔ بھی وہیں پُہنچے۔ اور حارثؔ

کے ایک حاجب (عرض بیگی یا اے ڈی کانگ) کے ذریعہ حارث سے ملکر ہدایت نامہ پہنچایا۔ حارث ایک متلون مزاج۔ اُجڈ اور متعصب خود نما شخص تھا۔ اُسے بھی پرویز کیطرح اس طرح کا خط دیکھنے سے بڑا اشتعال ہوا۔ اور اس نے ہرقل کے پاس کیفیت لکھ بھیجی۔ کہ امداد فرمائی جائے۔ تو میں پیغمبرِ عربی پر چڑھائی کر دوں لیکن ہرقل پر صداقتِ محمدی جلوہ گر ہو چکی تھی۔ اور وہ بخوبی سمجھ چکا تھا۔ کہ "جو اس پتھر پہ پڑیگا۔ چور ہو جائیگا۔ اور جس پر یہ پتھر پڑیگا اُسے چورا کر دیگا" (انجیل) اُس نے حارث کو لکھا۔ کہ "اس خیالِ خام سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا" لہذا حارث اِس فضول سودا سے تو باز آگیا لیکن جہالت اور رعونتِ جبلّی کے باعث مسلمان بھی نہ ہوا۔ اور شجاع بن وہب قاصدِ رسولؐ کو سو اشرفی نذرانہ دیکر رخصت کیا۔

حاکم یمامہ کا برتاؤ:- ہوذہ بن علی حنفی حاکم یمامہ ایک شاعر اور فصیح و بلیغ شخص تھا۔ اُس کے پاس جب سلیط بن عمرو نامہ مبارک لیکر پہنچے تو اُس نے بظاہر تو خاطر تواضع بہت کی۔ مگر جواب میں یہ لکھا۔ کہ "واقعی آپ جو روشنی پھیلانا چاہتے ہیں وہ بہت اچھی روشنی ہے۔ اور میں آپکی امداد کی بھی بخوبی قابلیت رکھتا ہوں کہ ایک شاعر برگزیدہ اور فصیح و بلیغ خطیب ہوں۔ اور ملک و قوم پر میرا اثر بھی بہت ہے۔ لہذا میرے ساتھ آپ حصہ مقرر کر لیں اور ملک کے امور میں شریک فرما لیں" یہ مضمون جب آپؐ پر ظاہر ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "وہ ملک و دولت کی آرزو رکھتا ہے۔ مگر انشاء اللہ ایک گرا ہوا دانہ خرما بھی ہم سے نہ پا سکیگا" اِسکے بعد حضورؐ نے یہ بھی پیشین گوئی فرمائی۔ کہ "اِس ملک سے ایک حریص شخص نبوت کا دعویٰ ضرور کریگا مگر آخرالامر مارا جائیگا" چنانچہ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا۔ جس کا مفصل ذکر آئندہ آئے گا۔

جیفر و عبد کا دربار:- عمرو بن العاص نے جیفر و عبد کو نامہ مبارک پہنچایا تو دونوں بھائیوں نے دو تین دن تک اُنکو مہمان رکھنے اور آنحضرتؐ کے حالات اور اسلام کے اصول دریافت کرنے کے بعد بصدق دل اسلام قبول کر کے سعادت دارین

حاصل کی۔

مختلف واقعات:۔ اسی سال میں آپؐ نے اونٹوں اور گھوڑوں کے دوڑ کا قاعدہ جاری فرمایا۔ تاکہ موقع کے لئے جانوروں کا امتحان ہو جایا کرے۔ اسی سال حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ امّ رومانؓ جو حضرت عائشہؓ کی والدہ تھیں انکا انتقال ہوا۔ اور اسی سال حضرت ابو ہریرہ دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اسی سال آپؐ نے پہلی بار بوجہ خشک سالی میدان میں جا کر نماز استسقاء ادا فرمائی۔ چنانچہ دُعا کے ختم ہونے پھر ہی بادل آیا۔ اور آٹھ دن شب وروز بارش ہوتی رہی جس پر لوگوں نے آپؐ سے پھر دُعا چاہی۔ آپؐ مخلوق کی کمزوری پر مُتبسّم ہوئے اور دُعا فرمائی۔ کہ الٰہی بارش شہر پر نہ ہو۔ بلکہ جنگلوں اور پہاڑوں پر ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سُورہ الفتح کی پیشین گوئی کے مطابق اِس سال اسلام کو بہت بڑی ترقی اللہ تعالےٰ نے دی۔ صلح حدیبیہ کے بعد مکّہ میں بھی مسلمان بلا روک ٹوک رہنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے لگ گئے اور اطراف وجوانب میں بھی بخوبی اشاعت ہو گئی۔ بلکہ دُور دست مقامات میں بھی دعوت اسلام ہونے لگی۔ اور نتیجہ بھی اچھا ہوا۔

٭

فصل سوم

وفود کی حاضری

تمہید۔ ناظرین دیکھہ چکے ہیں کہ ایک وقت تو آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر ایسا تھا کہ دعوتِ اسلام کرنے میں بے آبروئی اور اتلافِ جان کا خوف ہوتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ جب وہ مزاحمتیں دور ہوئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی ذاتِ مبارک کی نسبت سحر اور دیوانگی کے الزام لگانے والے بھی عاجز و درماندہ ہو کر اس دینِ مبین کی خوبیوں کو محسوس کرنے لگے۔ اور انکی زبانیں تیغ و سنان کے کام کرنے سے رکنے لگیں۔ اور مسلمانوں کی تعداد و جمعیت میں دن بدن بفضلِ خدا زیادتی ہونے لگی تو مختلف قبائلِ عرب میں مسلمانوں کے حتی القائیم نمونے اور آنحضرتؐ کی پاکیزگی و طہارت اور مسائلِ اسلام کی پختگی دیکھہ دیکھہ کر ازخود تحریک ہونے لگی۔ چنانچہ ہر ایک قبیلہ کے چند مشہور اشخاص آنحضرتؐ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی تسلی و تشفی کرنے کے بعد دینِ اسلام قبول کرنے اور اپنی قوم میں اسکی للّٰہی اشاعت کرنے لگے۔

سنہ ۹ ہجری کے اخیر میں ان وفود کی حاضری شروع ہوئی تھی اور آنحضرتؐ کی وفات تک برابر یہ سلسلہ قائم رہا۔ بلکہ بعد ازاں بھی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنی وصیتوں میں ایک یہ وصیت بھی فرمائی ہے۔ کہ "وفود کی ہمیشہ دلجوئی اور خاطرداری کرنا"۔ حالانکہ سرورِ عالم صلعم کے وقتِ اخیر میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر قوت حاصل تھی۔ کہ اسکے دیکھتے ہوئے خاطرداری اور رعایت و دلجوئی کی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ مگر چونکہ اسلام طالبانِ حق کا ہمیشہ قدردان رہا ہے اسلئے ان وفود کی خاطرداری اور انکی گذارشوں کی قبولیت میں ہمیشہ بڑی فراخ دلی سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس ذریعے سے ترقی اسلام بھی اس قدر ہوئی ہے کہ جو معرکہ

جہاد سے بھی بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جہاد میں جب مخالفین جزیہ دینا قبول کر لیتے تھے تو اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ مگر جو لوگ خود بخود آکر یا سُنکر مسلمان ہوتے۔ اُن سے مسلمانوں کو بہت بڑی امداد ملتی تھی۔ یعنے روحانی زندگی پاکر وہ لوگ اسلام کی ترقی کی فکر میں لگ جاتے تھے۔ دشمنوں کی زد سے ملک و قوم کو بچاتے تھے۔ اور دینِ حق کی اشاعت میں تن من دھن سے مطلق دریغ نہ کرتے تھے۔

افسوس ہے کہ گذشتہ تاریخوں میں کوئی واضح تعداد ایسی لکھی ہوئی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو سکے کہ معرکہ ہائے جہاد میں کس قدر لوگ مسلمان ہوئے۔ اور وفود کے ذریعہ کتنے؟ کیونکہ پہلے مورخوں کو (جو نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تاریخِ عالم کی بُنیاد قائم کرنے والے اشخاص تھے) یہ خیال نہ تھا کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں پر بذریعہ تلوار دین پھیلانیکا الزام بھی لگایا جائیگا۔ مگر خیر اب بھی اگر نظرِ انصاف سے جہاد اور وفود کے ذریعہ اسلامی ترقی کا موازنہ کیا جائیگا۔ تو صاف صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ خود بخود مسلمان ہونے والوں کی تعداد بدرجہا زیادہ تھی۔ چنانچہ یہ بات کہ جو لوگ یکدفعہ مسلمان ہو گئے انہوں نے پھر نہ صرف یہ کہ ضعفِ اسلام کیوقت بلکہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی اسلام سے اپنی بیزاری ظاہر نہیں کی۔ اِس امر کی صاف دلیل ہے کہ خود بخود مسلمان ہونے والے ہی زیادہ تھے۔ کیونکہ جو لوگ بزورِ شمشیر مسلمان ہوئے ہوں۔ قابو پانے پر وہ تو ایک منٹ کے لئے بھی مسلمان نہ رہ سکتے تھے۔

بہرحال جو وفود آنحضرتؐ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ اُنکی مدارات۔۔ دلجمعی اور حتیٰ کہ عطائے رخصتانہ تک کا بھی التزام رکھتے تھے۔ اِن وفود کی تعداد بہت زیادہ ہوئی ہے۔ چنانچہ ۹ھ ہجری کا نام ہی مسلمان مورخوں نے سنۃ الوفود رکھا ہے۔ اِن تمام وفود کی صحیح تعداد کی نسبت پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں مل سکی۔ مگر تاہم چند مشہور وفود کا تذکرہ اِس فصل میں کر دیا جاتا ہے۔

۱- قوم بنی اسد بن خضوعہ کے دس بشیروں نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں نے فخریہ یہ بھی کہنا شروع کیا کہ ہم سے زیادہ سچا مسلمان کون ہے کہ جنکے مقابلے کو نہ تو کوئی آدمی گیا مقابلہ کو کوئی فوج گئی۔ اور ہم خود ہی تکالیف راہ برداشت کر کے حاضر ہو گئے۔ اسپر کلام الہی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ یہ لوگ منت رکھتے ہیں تم پر اپنے مسلمان ہونے کے لئے تو تم کہدو کہ مجھپر اپنے مسلمان ہونیکا احسان نہ رکھو۔ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے۔ کہ اس نے تمہیں ایمان کیطرف ہدائیت کی۔ اگر تم (اپنے بیان میں) سچے ہو۔

۲- قوم فزارہ کے بیس آدمی خارجہ بن حصن اور حر بن قیس بن حصن کی معیت میں حاضر ہو کے مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ عیینہ بن حصن کی قوم میں سے تھے جنکا نام مولفۃ القلوب میں آچکا ہے۔ ان لوگوں کے ملک میں اسوقت سخت قحط تہا۔ حضورؐ نے انکی مالی اعانت بھی فرمائی۔ اور بارش کے لئے دعا بھی کی۔ جو مقرون باجابت ہوئی اور انکے سر سے قحط کی بلا ٹل گئی۔

۳- قوم بنی مرہ کے تیرہ آدمی بسر کردگی حارث بن عوف حاضر ہو کے قبول اسلام کے ملتمس ہوئے۔ کہ ہمارے ملک میں سخت قحط ہے۔ حضورؐ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی۔ اور ہر ایک کو چار چار سو درہم اور دس دس اوقیہ چاندی دلوا کر رخصت کیا۔ بلکہ حارث کے رخصتانہ کو اور بھی زیادہ فرما دیا۔ اور فضل ایزدی سے بارش نے بھی انکے ملک کو نہال کر دیا۔

۴- بنی البکاء کا وفد بسر کردگی معاویہ بن ثور مع اپنے بیٹے بشیر کے اور فجیع بن عبد اللہ و عبد عمرو وغیرہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ معاویہ کی عمر سو برس کی تہی اس نے بشیر اپنے بیٹے کی خدمتگذاری کی تعریف کی۔ تو آپؐ نے بھی بشیر کو بہت پسند فرمایا۔ اور انکے حق میں دعا کی۔ اور عبد عمرو کا نام بدلکر آپؐ نے عبد الرحمن رکھدیا۔

۵- بنی الکنانہ کا وفد بسرداری واثلہ بن الاسقع لیثی حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اور آپؐ

ملک میں جا کر ترقی اسلام کی کوشش کرتا رہا۔ مگر آئندہ دوبارہ حاضرِ حضور ہوئے۔ اور تین سال تک اصحابِ صفہ میں شامل رہنے کا فخر پایا۔

۶۔ بنی ہلال بن عامر کا وفد زیاد بن عبد اللہ۔ عبد عوف بن اخرم اور قبیصہ بن مخارق کی سرکردگی میں حاضر ہو کر داخلِ اسلام ہوا۔ زیاد بن عبد اللہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ یہ بے تکلف انکے حجرہ میں چلے گئے۔ تو حضورؐ نے اس حرکت کو ناپسند فرمایا۔ کیونکہ اس سے امتِ مرحومہ پر اثر پڑنا ضروری تھا۔ مگر انکے اعتراف قصور کے بعد اس درجہ محبت فرمائی کہ وہ بابرکت ہو گئے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے بعد نماز ظہر انکے حق میں دعا فرما کر انکے سر پر دستِ مبارک بھی پھیر دیا تھا۔

اسی وفد میں سے قبیصہ بن مخارق نے گذارش کیا کہ میری قوم میں سے کسی نے خون کر دیا تھا۔ رفع فساد کے لئے میں نے خون بہا دینا کر کے فیصلہ تو کر لیا۔ مگر روپیہ پاس نہ تھا۔ لہٰذا قرض لیکے میں نے رقم بھر دی ہے لیکن ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کچھ امداد فرمائیں تو میں بارِ قرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا مالِ عشر آنے تک ٹھہرو۔ انشاء اللہ سب قرضہ نمٹ جائیگا۔ مگر ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا۔ کہ سوائے تین آدمیوں کے کسی کو سوال کرنا جائز نہیں۔ اول تو ایسے شخص کو جیسی قبیصہ کی حالت ہے۔ یعنے صلاحِ عام اور رفع فساد کو۔ دوسرا ایسے شخص کو جس کا مال تلف ہو گیا ہے اور وہ اپنی سابقہ حالت پر عود کرنے کے لئے امداد چاہے۔ تیسرے ایسے شخص کو جو محتاج ہو۔ اور اُس کے ہمسایوں میں سے تین آدمی اُس کی مفلسی پر گواہی بھی دیں۔

۷۔ بنی عامر کا وفد عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ یا اربد بن قیس۔ خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم کی سرکردگی میں حاضر ہوا۔ اس میں عامر بن الطفیل وہ شخص تھا جس نے حضرت عاصم کو مع دیگر رفقاء کے شہید کرایا تھا۔ یہ شخص بڑا چالاک اور اپنی سرداری پر سخت نازاں تھا۔ اس لئے اور اربد نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ کہ میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں۔ کہ مجھے آپ اپنا خلیفہ مقرر کر دیں۔ اسپر آپ نے فرمایا۔ کہ تم سے بہتر لوگ اس نشست کے مستحق ہیں۔ پھر اس نے کہا۔ کہ اچھا آپ شہریوں کے سردار رہیں اور

مجھے دیہاتیوں کا سردار کردیں۔ مگر آپؐ نے اِسکو بھی نامنظور فرمایا۔ کہ یہ تو ایک خدمت خلق ہے۔ اِس میں حکومت کا خیال نہیں ہوسکتا۔ پس دونوں بدبخت تو واپس چلے گئے اور باقی لوگ مسلمان ہوگئے۔ مگر یہ دونوں شخص رستہ میں ہی مرگئے۔ اربد پر تو بجلی گری اور عامر کو ایک مُہلک غدود گلے میں نکل آیا۔ جس نے گھر بھی نہ پہنچنے دیا۔

۸۔ بنی سعد بن بکر کی طرف سے ایک ایلچی ضمام یا ضمضام بن ثعلبہ آنحضرتؐ کے حضور حاضر ہوا۔ جو اپنی قوم میں نہایت سمجھدار شمار ہوتا تھا۔ اس نے آکر آنحضرت صلعم سے سوال وجواب کرکے اپنی تسلّی کرلی اور مسلمان ہوکر اپنی قوم کو بھی دعوت دی۔ چنانچہ وہ بھی سب لوگ مسلمان ہوگئے۔

۹۔ ابو الضیف نام ایک معمّر شخص کی سرکردگی میں رویفعؓ بن ثابت بلوی کی قوم کا ایک وفد آنحضرت صلعم کے حضور میں رویفعؓ کے ذریعہ حاضر ہوکر مسلمان ہوا۔ ابو الضیف بڑا مہمان نواز شخص تھا۔ اِس لئے حضورؐ سے مہمانداری کے آداب بھی دریافت کئے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ تین دن تک مہمانی لازمی ہے۔ جس کا اجر خداوند کریم کے ہاں سے میزبان کو ملتا ہے۔ لیکن اگر تین دن کے بعد میزبان اپنی محبّت سے مہمان کو نہ رکھ لے۔ تو مہمان صدقہ کھاتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان کو نیک کام میں مدد دینا۔ اور مسلمانوں سے کشادہ پیشانی پیش آنا۔ اور کسی کا برتن پانی سے بھر دینا۔ بھوکے کو کھانا کھلا دینا۔ بھولے ہوئے کو راہ بتانا۔ اور اندھے اپاہج کو رستے لگا دینا۔ حتیٰ کہ بُرے کام سے روک دینا بھی صدقہ ہے۔ ابو الضیف نے عرض کیا۔ کہ کھوئی ہوئی بھیڑ بکری کے لئے کیا حکم ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ پانے والے کو تو مالک کے آنے تک اُسکو چارہ دینا اور دودھ پینا حلال ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ جو مال ایام جاہلیت کا میرے پاس ہے اُسکے لئے کیا حکم ہے۔ کیونکہ اسلام کے مطابق تو ایسے مال کو طیب نہیں کہہ سکتے آپؐ نے فرمایا۔ اُس مال کے تم مالک ہو۔ بشرطیکہ آئندہ وہ ایسا مال نہ جمع کرو۔ کیونکہ تائب ہوکر مسلمان ہوجانے کے بعد کوئی گذشتہ گناہ باقی نہیں رہتا۔

۱۰۔ تجیب کے لوگ آنحضرت صلعم کے اخلاق وآداب اور اسلام کی نورانیت دیکھ کے

خود بخود مسلمان ہوگئے تھے۔ اور انکے تیرہ اشخاص مال ذکواۃ لیکے حضرت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور چند روز مقیم رہنے کے بعد آپؐ نے انکو ہدایات روحانی بخشکر خوشی خوشی لبعطائے انعام رخصت فرمادیا۔ کیونکہ حضورؐ انکے خلوص قلب کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ انھیں کا ایک غریب شخص عطائے انعام کیوقت حاضر نہ تہا۔ آپؐ نے سبکو دیکے فرمایا۔ کہ اُسے بھی بھیج دینا۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ کہ حضور وہ تو انعام کے لائق نہیں۔ ہمارا خدمتگار ہے۔ مگر آپؐ نے فرمایا۔ کہ اسلام میں سب برابر ہیں۔ اُسے بھی اتنا ہی دیا جائیگا۔ چُنانچہ وہ حاضر ہوا۔ تو آپؐ نے اُسکو بھی سرداروں کے مطابق حصہ مرحمت فرمایا۔ جس کے بعد اُس نے درخواست کی کہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ چُنانچہ حضورؐ نے دُعا فرمائی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واجعل غنائہ فی قلبہ اور اُس کو اس قوم کا امیر مقرر کردیا۔

۱۱۔ کندہ کے وفد میں اسّی سوار آنحضرتؐ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جو یمنی دیبائی کے جُبّے پہنے ہوئے تھے اور انپر ریشمیں حاشیہ لگا ہوا تہا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ مسلمان مرد ریشم نہیں پہنتے۔ جسپر اُنہوں نے اُسی وقت وہ حاشئے اُتار دئیے۔ اور تلقین اصول اسلام کے بعد رخصت ہوگئے۔

۱۲۔ قبیلہ لخم کے وفد میں ہانی بن حبیب کے ساتھ دس آدمی آستانہ بوس ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ لوگ ایک گھوڑا۔ چند زربفت کی قبائیں اور ایک مشک شراب کی نذر کے لئے بھی لائے تھے۔ گھوڑا اور قبائیں تو حضورؐ نے قبول فرمالیں مگر شراب کی نسبت فرمایا۔ کہ یہ حرام ہے۔ اِسے پھینکدو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم پھینکنے سے کیا حاصل۔ ہم کسی کے ہاتھ بیچ دینگے۔ اِسپر آپؐ نے فرمایا۔ کہ حرام چیز کی قیمت بھی تو حرام ہے۔ قباؤں میں سے ایک قبا حضرت عباسؓ کو مرحمت ہوئی۔ اور فرمایا۔ کہ یہ عورتوں کے کام میں لا سکتے ہو۔ مگر حضرت عباسؓ نے یہ قبا کسی یہودی کے پاس آٹھ ہزار درہم کو بیچدی۔ اِس وفد کے لوگ بڑے پکے مسلمان اور عاشق رسولؐ تھے۔ جو آنحضرت صلعم کی وفات تک برابر مدینہ میں ہی حاضر رہے۔

۱۲۔ بنو تمیم کا وفد عطارد بن حاجب۔ حتات بن زید۔ زبرقان بن بدر۔ قیس بن عاصم۔ نعیم بن زید اور عیینہ بن حصن کی صدارت سے مدینہ آیا۔ ان لوگوں کے ساتھ انکے دو خطیب اور دو شاعر بھی تھے کہ عرب میں جو بڑے بڑے ذی عزت قبائل ہوتے تھے انکے خطیب اور شاعر گویا انکے رہنما مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ اس خیال سے حاضر ہوئے تھے کہ اپنے خطیبوں اور شاعروں سے مسلمانوں کے خطیبوں اور شاعروں کو مقابلہ کرائیں اور اگر مغلوب ہو جائینگے تو مسلمان ہوں گے۔ ورنہ انہیں مغلوب کر آئینگے۔ جب یہ لوگ حاضر حضور ہوئے تو انہوں نے کہا جئنا لنفاخرک بخطیبنا وشاعرنا یعنی ہم اپنے خطیب و شاعر کے ساتھ فخر کرنے کو آئے ہیں۔ اسلام کو ان فضولیات سے کیا مطلب۔ مگر آپ نے بھی بمصداق کلموا الناس علی قدر عقولهم انہیں اجازت دی کہ اچھا اپنے خطیب کو بلاؤ۔ چنانچہ انکی طرف سے عطارد نے مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا

الحمد لله الذي له علينا الفضل والمن وهو اهله الذي جعلنا ملوكا ووهب لنا اموالا عظاما نفعل فيها المعروف وجعلنا اعز اهل المشرق واكثره عددا وايسره عدة فمن مثلنا في الناس لسنا برؤس الناس واولي فضلهم فمن فاخرنا فليعدد مثل ما عددنا وانا لو نشاء لاكثرنا الكلام ولكنا نحيا من الاكثار وانا نعرف بذلك اقول هذا لان تاتوا بمثل قولنا وامر افضل من امرنا

(ترجمہ) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کا ہم پر احسان و فضل ہے۔ اور وہی اس قدرت والا ہے جس نے ہمکو بادشاہ بنایا۔ اور ہمکو بہت سا مال دیا جس سے ہم خیر خیرات کرتے ہیں اور ہمکو اس نے معززین اہل مشرق سے بنایا۔ اور باعتبار عدد کے زیادہ اور باعتبار قوت کے توانا کیا۔ پس کون شخص ہم سا ہے۔ کیا ہم آدمیوں کے سردار نہیں ہیں اور ان سے افضل و اولی نہیں ہیں۔ پس جو شخص ہم سے فخر کرے اسکو چاہیئے کہ ہماری طرح گنائے۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس سے زیادہ اس بابت کلام کر سکتے ہیں لیکن ہم افراط و مبالغہ سے شرم کرتے ہیں حالانکہ ہم یہ سب جانتے ہیں یہ میں کہتا ہوں کہ لاؤ پیش کرو ہماری بات کی طرح اور کوئی کام ہمارے کام سے افضل دکھاؤ

عطارد خطبہ پڑھ چکا۔ تو آنحضرت صلعم کے حکم سے ثابت بن قیس الشماس جواب کو کھڑے ہوئے اور آپنے یہ خطبہ پڑھا۔

الحمد للہ الذی السموات والارض خلقہ قضی فیھن امرہ و وسع کرسیہ علمہ و لم یک شی قط الا من فضلہ ثم کان من قدرتہ ان جعلنا ملوکا واصطفی من خیر خلقہ رسولاً اکرمہ نسباً واصدقہ حدیثاً وافضلہ حسباً فانزل علیہ کتابہ وائتمنہ علی خلقہ فکان خیرۃ اللہ من العالمین ثم دعا الناس الی الایمان بہ فامن برسول اللہ المھاجرون من قومہ وذوی رحمہ اکرم الناس حسابا واحسن الناس وجوھا وخیر الناس فعالا ثم کان اول الخلق اجابۃ واستجاب للہ حین دعاہ رسول اللہ نحن فنحن انصار اللہ ووزراء رسولہ نقاتل الناس حتی یومنوا باللہ فمن امن باللہ ورسولہ منع منا مالہ ودمہ ومن کفر جاھدناہ فی اللہ ابدا وکان قتلہ علینا یسیرا اقول ھذا واستغفر اللہ لی وللمومنین والمومنات والسلام علیکم۔

(ترجمہ) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور اسمیں اپنا حکم جاری کیا۔ اور اُسکا علم اُسکی کرسی کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور جبکہ کوئی چیز نہ تھی سوائے اُس کے فضل کے۔ تو اُسکی قدرت سے یہ ہوا کہ اُس نے ہمکو ملوک بنایا اور اپنے بہترین خلق سے ایک ایسا برگزیدہ رسول پیدا کیا جو باعتبار نسب کے بزرگ اور باعتبار باتوں کے اُنمیں نہایت سچا اور باعتبار حسب کے اُنسے افضل ہے۔ پس اُسپر اُس نے اپنی کتاب نازل کی۔ اور امین کیا اُس کو اپنی خلق پر۔ پس یہ اللہ کے نیک بندوں سے ہیں عالم میں۔ پھر اُنہوں نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ پس ایمان لائے رسول اللہ پر مہاجرین اُنکی قوم و قرابت داروں میں سے جو باعتبار حساب کے لوگوں سے بزرگ اور باعتبار وجوہ کے آدمیوں سے بہتر اور باعتبار کاموں کے آدمیوں سے اچھے ہیں۔ اور ہم ہیں وہ لوگ ہیں جنہیں رسول اللہ صلعم نے جب اللہ کیطرف بلایا۔ تو اُنہوں نے سمعاً و طاعۃً جواب دیا ہے۔ پس ہم ہیں اللہ کے مددگار اور اُسکے

رسول کے وزراء ہم ہی ہیں جو لوگوں سے لڑتے ہیں تاآنکہ وہ ایمان لائیں۔ پس جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائیگا اسکے مال اور خون سے ہم باز رہینگے۔ اور جو انکار کریگا ہم اللہ کیواسطے اُس سے لڑینگے اور اُس کا قتل کرنا ہمپر آسان ہے۔ مَیں یہہ کہتا ہوں اور اپنے لئے اور کل مومنین اور مومنات کے لئے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور سلام ہو تُمپر"

ثابتؓ بن قیس الشماس کے بیٹھنے پر بنو تمیم کے شاعر زبرقان بن بدر نے ایک قصیدہ اپنی قوم کے تفاخر میں پڑھا۔ اور مسلمانوں کیطرف سے حسب الارشاد نبوی حسانؓ بن ثابت نے اُس کا جواب دیا۔ اور آخرش اِن لوگوں کو خود اقرار کرنا پڑا۔

"ھذا الرجل ھو موید من اللہ خطیبہ اخطب من خطیبنا و شاعرہ اشعر من شاعرنا و اصواتھم اعلیٰ من اصواتنا"

یہ شخص (آنحضرت صلعم) واقعی موید من اللہ ہے۔ اسکے خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ مقرر اور اسکے شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ اشعر اور انکی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اعلیٰ (خوش آیند) ہیں۔

پس سب نے بطوع و رغبت قبول اسلام کیا۔ اور حضورؐ نے بھی سبکو معقول رخصتانے مرحمت فرماکر رخصت فرمایا۔

۱۴۔ ملوک حمیر کیطرف سے حرثؓ بن عبد کلال۔ نعیم بن عبد کلال۔ اور نعمان اور زرعہ ابن ذی یزن کیطرف سے مالک بن مرۃ الرہادی آپؐ کے حضور میں اطاعت نامے لیکر حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ ہم اور ہماری سب قوم مسلمان ہوگئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے معاذ ابن جبل کو انکے ہمراہ وصول صدقات وغیرہ کے لئے بھیجدیا۔

۱۵۔ قبیلۂ طے کیطرف سے عدیؓ بن حاتم حاضر حضور ہوکر مشرف باسلام ہوئے اور واپس ہوکر اپنی تمام قوم کو دعوتِ اسلام کرنے لگے۔ چنانچہ قبیلہ طے کے سب کے سب مسلمان ہوگیا۔

لہ۔ اکثر روایت میں اِلیھیان ملوک حمیر کا نام ذی رعین و ہمدان و معافر لکھا ہے۔۱۲

عدی بن حاتم کی نسبت لکھا ہے کہ یہ بہ زمانہ حضرت علیؓ پاس شام کیطرف بھاگ گیے تھے اور انکی ہمشیرہ گرفتار ہو گئی تھیں، جنہیں آنحضرت صلعم نے فدیہ لینے کے بغیر نہ صرف چھوڑ ہی دیا بلکہ بعطائے خلعت و انعام انکے ایک ہمقوم قافلہ کے ہاتھ شام بھیجدیا تھا جب وہ جاکر اپنے بھائی سے ملیں اور انہوں نے آنحضرت صلعم کی نسبت دریافت کیا۔ تو بہن نے جو دیکھا تھا کہہ سنایا۔ کہ آنحضرتؐ اس وقت بادشاہ عرب بھی ہیں اور نبی بھی۔ پس وہ قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے۔ تو آپ نے بڑی تواضع فرمائی۔ جسوقت وہ مشرف باسلام ہوئے ہیں اسوقت حضور مسجد سے مکان کو تشریف لیجا رہے تھے۔ انہیں بھی ساتھ لے لیا۔ رستہ میں ایک بیکس عورت نے کچھ عرض کرنا چاہا۔ تو آپ وہیں کھڑے ہو گئے۔ اور اُس کی حاجت روائی کے بغیر ایک قدم تک آگے نہ بڑھایا۔ جس سے عدی بن حاتم بڑے متأثر ہوئے۔ کہ بادشاہ تو کسی کی بات تک بھی نہیں سُنتے۔ یہ واقعی رسول برحق ہیں۔ اسکے بعد جب آپ مکان پر پہنچے۔ تو ایک ہی مسند تھی۔ وہ آپ نے عدی کے بیٹھنے کو دیدی اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ اس خُلقِ عظیم کو دیکھکر تو عدی اور بھی وجد میں آ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ تم اپنی قوم کو جنگ میں بھیجکر جو مرباع (مالِ غنیمت کی چوتھائی) اُسلئے لیتے ہو یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اس راز کے آشکار ہونے سے وہ اور بھی متعجب ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ "عدی! کیا تم اس سے پہلے اسلئے مسلمان نہیں ہوئے۔ کہ مسلمان تھوڑے اور مفلس ہیں۔ اور انکے دشمن بکثرت اور مالدار۔ مگر یاد رکھو۔ کہ عنقریب خدا انہیں اتنا بڑھائیگا۔ اور دشمنوں کو ایسا مرعوب کر دیگا کہ قادسیہ سے ایک عورت بھی بلاخوف خطر مکہ آ جائے گی۔ تو کوئی اُس کا مزاحم نہ ہوگا۔ اور مشرق و مغرب میں مسلمانوں ہی کی حکومت پھیل جائے گی۔" پس جوں ہی آنحضرتؐ نے سلسلۂ کلام ختم فرمایا۔ عدی نے کلمۂ شہادت پڑھکر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور چند روز کی حاضری کے بعد اپنی قوم میں واپس جاکر سبکو مسلمان بنا دیا۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ واقعی میں نے ایک عورت کو تنہا ایک اونٹ پر سوار پایا جو قادسیہ سے حج کے لئے آ رہی تھی۔ تو بیساختہ میرے مُنہ سے نکل گیا صدق اللّٰہ و رسولہ

اسی اثناء میں ایام حج قریب آئے۔ تو حضورؐ نے حضرت علی وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کو امیر الحاج مقرر کرکے بیت اللہ بھیجدیا۔ کیونکہ وفود کی کثرت اور انکی تکلیف حضورؐ کو گوارا نہ تھی۔ چنانچہ ۱۶۔ تبیلۂ ہمدان۔ ۱۷۔ قبیلۂ مزینہ۔ ۱۸۔ تبیلۂ دوس (جو ملک شام کے ایک قصبہ عذرہ نامی کے رہنے والے تھے) ۱۹۔ قبیلۂ محارب ۲۰۔ قبیلۂ صداء قبیلۂ غسان۔ ۲۱۔ قبیلہ بنی عیس۔ ۲۲۔ قبیلۂ ازدر۔ ۲۳۔ قبیلۂ شفق۔ ۲۴۔ تبیلۂ نخع۔ ۲۵۔ قبیلۂ خولان۔ ۲۶۔ تبیلۂ نہاد۔ ۲۷۔ قبیلۂ بجیلہ ۲۸۔ قبیلۂ حنیفہ۔ ۲۹۔ قبیلۂ محامدحج۔ ۳۰۔ تبیلۂ غامد کے وفود آآکے دھڑا دھڑ مسلمان ہورہے تھے۔ اور آنحضرتؐ بھی سب کے ساتھ باخلاق ومروت پیش آآکر انکے دلوں کو مسخر فرمارہے تھے۔ اور وقتِ رخصت ہر ایک کو انعام وعطایات سے بھی معزز ومفتخر فرما دیتے تھے چنانچہ گیارہویں سال ہجری تک یہ سلسلہ علی التواتر جاری رہا۔

۳۱۔ دسویں سال میں خالدؓ بن الولید کو قبیلۂ بنی الحارث ابن کعب کیطرف ایک جماعتِ مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ کہ اوّل انہیں دعوتِ اسلام کرنا۔ اور بعد دعوت کریں تو لڑائی سے بھی نہ ڈرنا۔ مگر حضرت خالدؓ کے جاتے ہی وہ سب کے سب بصدقِ دل مسلمان ہوگئے۔ اور انکا بھی ایک وفد بسر کردگی قیس ابن حصین حاضر ہوا جنہیں آدابِ اسلام وتلقین قرآن کے بعد رخصت فرمایا گیا۔ اور عمروؓ بن حزام کو وصولِ صدقات وزکواۃ کے لئے متعین فرماکے انکے ساتھ کردیا گیا۔

۳۲۔ جریرؓ ابن عبداللہ بھی اسی سال اپنی قوم کے ڈیڑھ سو آدمیوں سمیت حاضر حضور ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ اور آپؐ نے انہیں بتخانہ ذوالخلصہ کے انہدام کا حکم دیا۔ جو انہیں کے نواح میں قائم تھا۔ چنانچہ بتعمیل ارشاد انہوں نے اسے منہدم کرکے شاباش پائی۔ اور اہالیانِ ذوالخلصہ نے بھی انکے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

قطع نظر باقی معلوم ونامعلوم وفود کے اگر انہیں وفود کے ذریعہ ترقی اسلام ہپنچنے [illegible] تو غالباً ایک لاکھ ہی نہیں بلکہ کئی لاکھ تک نوبت پہنچے گی۔ کیونکہ

وفد کا ایک ایک شخص جا کے کم سے کم ایک ایک ہزار آدمی کو مسلمان کرتا تھا مثلاً وفد قبیلہ طے میں صرف تین چار شخص تھے۔ لیکن اُنہوں نے جا کے اپنی قوم کی قوم کو مسلمان بنا دیا۔ اور نہ کبھی یہ تلوار اُٹھائی نہ دھمکی دی۔ صرف زبانی تلقین اور عملی نمونہ تھا۔ جو تلوار سے بدرجہا بڑھ کے ہوا تھا۔

ایسا ہی اور وفود کا حال تھا۔ مختصر یہ کہ جو شخص ایک دفعہ آنحضرت صلعم کا جمال باکمال دیکھ جاتا تھا۔ اور مخلصانِ صادق کے حالات و معمولات کا مشاہدہ کر جاتا تھا۔ بیمن و برکت حضورؐ کے اُسکی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اور وہ از سرتا پا بالکل خدا کا سچا اور مخلص بندہ بن کے ہر طرح یہ کوشش کیا کرتا تھا کہ کسی طرح باقی افراد عالم کو بھی مجھ سا ہی اطمینان حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ دنیا اسکی ہم خیال ہو جائے۔

کایا پلٹ سے کوئی شخص تناسخ (اداگون) کے معنے نہ نکال لے۔ اسلئے یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ یہاں اِس کا مطلب تبدیل اخلاق و عادات ہے۔ گو آنحضرت صلعم کے معجزات میں کسی حبشی کا نورانی ہو جانا بھی مذکور ہے۔ مگر وہ ایک خاص بات تھی۔ تناسخ کے متعلق بعض بعض باتیں جو صوفیائے کرام سے بھی مروی ہیں۔ اُن کا مدعا بھی یہی پایا جاتا ہے کہ تغیر اخلاق و عادات کے ہی موقع پر ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً کسی پیر نے اپنے مرید کو بصیرت کی عینک مرحمت فرمائی تو اُس نے دیکھا کہ خیر سے بیری صاحبہ مادہ سعد بنی بیٹھی ہیں یا بچے بندریل کی طرح ناپ رہے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ یہ باتیں جسم ظاہری کے لئے نہیں بلکہ ان کے افعال و حرکات کا نتیجہ تھیں۔ جو پہلے صرف چشم ظاہر بین رکھنے کے باعث نظر نہ آتی تھیں سچ ہے

اگر خواہی تماشائے جمالِ ہر معنی
نخستیں چشم ظاہر بیں پل عشق اعمیٰ کن

پس تناسخ کا خیال بھی باعتبار تبدیل عادات ہی اُٹھا ہوگا۔ جسکو ظاہر پرست لوگ لفظوں میں لے کے اب کئی کئی لاکھ جونوں کے قائل ہو گئے ہیں خیر

کجا بود مرکب کجا تاختیم

تو بات یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کا نمونہ دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے وُہ نہ صرف خود ہی جامِ عشق سے سیراب ہو جاتے تھے بلکہ تمام دُنیا کو مسرور کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اور تو اور اس چین کو ہی لیجئے جہاں اسوقت مسلمانوں کی تعداد چھ کروڑ سے کم نہیں۔ اور یہ وُہ تعداد ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے برابر برابر ہے۔ پھر کیا چین پہ کوئی چڑھائی کی گئی تھی؟ کبھی نہیں اور مطلق نہیں۔ وُہ صرف پند و وعظ اور عملی نمونہ ہی تھا جس نے ایک سے ایک ہزار اور ایک ہزار سے ایک کروڑ تک نوبت جا پہنچائی۔ اور اس ہندوستان کو ہی دیکھئے تو کہیں بزورِ شمشیر اسلام کا پھیلنا ثابت نہ ہو گا۔ اور یوں پولیٹکل لڑائیوں کو کوئی مذہبی لڑائی بنا لے تو اُس کی مرضی۔ خود مغول تاتار کی حقیقت کو دیکھئے کہ اِن کو کس نے مسلمان کیا۔ تلوار کا نام بھی وہاں نظر نہ پڑے گا۔ اور پھر جس تیزی اور چستی سے تھا انہوں نے اشاعتِ اسلام کی۔ اُسکو بھی دیکھتے جائیے۔

غرضکہ کوئی سلیم العقل اور واقف شخص ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا۔ کہ اشاعتِ اسلام کا ذریعہ نہ صرف یہ کہ شمشیر ہی تھی بلکہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حکومت بھی کوئی ذریعہ اشاعت تھی۔ بلکہ سچائی اور پند و وعظ ہی وُہ چیز تھی۔ جس نے تمام اکنافِ عالم میں مسلمانوں کو پہنچا دیا۔ اور ہر ملک میں کلمۂ حق کہنے والے تھوڑے سے بہت موجود ہو گئے۔

باب سوم

آنحضرت صلعم کے خصائل و شمائل

تمہید: گذشتہ ابواب میں شیوع اسلام کے متعلق آنحضرت صلعم کے حالات و خیالات کا ضروری ضروری تذکرہ آچکا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ آپ کے ذاتی محاسن اور خصائل و شمائل کا ذکر نہیں آیا۔ حالانکہ بنیاد اسلام انہیں پر مبنی چاہیے اور یہی وہ باتیں ہیں۔ جن کی تقلید کی اسوقت مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے آنحضرت صلعم کی سی شکل و صورت تو کوئی پا نہیں سکتا۔ نہ کسی پر نبوت اُتر سکتی ہے لیکن کوئی شک نہیں کہ آپ کے اخلاق و آداب کی تقلید کرنے سے ہر شخص دنیا میں کامیاب اور دین میں برابر فیضیاب ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے خود جا جا کر (باستثنائے چند کے) ملک فتح نہیں کئے۔ اور نہ دوسرے ملکوں میں جا جا کر لیکچر دینے کا ہی موقع ہو سکا۔ مگر آپ کے حکم سے آپ کے صحبت یافتوں نے دنیا بھر میں جا کے اُجالا کر دیا۔ جہاں ضرورت ہوئی زبان سے کام نکالا۔ جہاں حاجت آپڑی تلوار سے کام لیا۔ غرضکہ جیسی ضرورت دیکھی عمل کیا گیا۔ مگر وہ بات کہ جو زیادہ تر اشاعت اسلام کا باعث ہوئی۔ صرف وہ زندہ نمونہ تھا۔ جو ان مسلمانوں کی دیکھنے سے ہر شخص پر ایک فوری اثر ڈال لیتا تھا۔ اور وہ کہاں سے میسر ہوا تھا۔ صرف آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات سے۔ جو آداب و اخلاق نبوی سے سب کو متاثر کر دیتی تھی۔

حکما کے نزدیک ہر شخص کے کارنامے اسکی صورت کی بناوٹ پر منحصر ہوتے

ہیں۔ چنانچہ علم قیافہ میں مبسوط کتابیں اس مضمون پر بھری پڑی ہیں۔ کہ اگر صورت
ایسی ہو تو طبیعت ایسی ہوگی۔ اور اگر ایسی شکل ہو تو ایسے خیالات ہوں گے
وغیرہ وغیرہ۔ اِن لوگوں نے تمام جسم انسان کو چھوٹے چھوٹے حصوں پر تقسیم کر کے
ہر ایک حصہ کو کسی نہ کسی فعل و قوت کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ اور اسی پر قیاس
کر کے یہ لوگ ہر شخص کی نسبت حکم لگاتے ہیں کہ یہ نیک ہے یا بد۔ جس شخص میں
نیک خصائل کے خانے (یا حصص جسم) زیادہ خوبصورتی کے ساتھ مجتمع ہوں
اور بدی یا شہوانی قوتوں کے خانے کمی کے ساتھ پائے جائیں۔ تو وہ نیک اور
اسکے برعکس بد کہلاتا ہے۔ لیکن حکما اس امر پر متفق ہیں کہ کوئی ایسا شخص
جسمیں صفات حسنہ اور خصائل محمودہ کے خانے پوری خوبصورتی کے ساتھ مکمل
پائے ہوں۔ اور افعال ذمیمہ اور قوائے شہوانی کے خانے صرف اسقدر
پائے جائیں کہ جن کے بغیر زندگی کا گذارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کو انسان
کامل کہنا چاہئے۔ مگر تحقیقات حکما نے ایسا آدمی کوئی دریافت نہیں کیا۔
خیر و سعادت ۔ علیٰ ہٰذا خیر و سعادت کی فلاسفی (اصلیت) میں بھی حکما
نے بڑی بحثیں کی ہیں۔ اِن کے نزدیک صرف کسی شخص کا دولتمند ہو جانا۔ یا
بادشاہ بن جانا۔ یا ولایت کا درجہ حاصل کرلینا ہی اسکو سعید نہیں کر سکتا
بلکہ خیر و سعادت کے یہ معنی ہیں کہ صورت پاکیزہ و سیرت پسندیدہ رکھتا ہو
کسی بیماری میں کوئی عضو نہ بیکار کر بیٹھے۔ صاحب اولاد ہو۔ صداقت کا شیدائی
انصاف کا فدائی۔ اور مئے عرفان کا سرمست ہو۔ ایسا شخص جو کچھ بھی منہ
سے کہیگا ویسا ہی ہو بھی جائیگا۔ کیونکہ خیر و سعادت اسکی زبان پر کسی ناشائستہ
لفظ یا دعوے کو آنے ہی نہ دیگی۔ اور ایسے ہی شخص کو سعید تام کہا جا سکتا
ہے۔ مگر ایسے شخص کا وجود بھی اُن کے نزدیک دیکھا نہیں گیا۔ اور جو خوش قسمت
لوگ بادشاہتیں پا جاتے ہیں۔ یا حصول علم و کمال یا زہد۔ یا صحت وغیرہ یا اولاد
کے باعث خوش نصیب گنے جاتے ہیں۔ اُن کا بھی وہی انسان کا سا حال ہے کہ وہ

سچے نبی ہیں۔ مگر سعید کامل نہیں کہے جا سکتے۔

آنحضرت صلعم کی کوئی صحیح تصویر موجود نہیں ہے کیونکہ ایک تو اسلام نے تصاویر اور بتوں کی محبت کے نتائج دیکھ دیکھ کے انکی قطعاً بندش کر رکھی ہے۔ دوسرا آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نہ تو فوٹوگرافی ایجاد ہوئی تھی۔ اور نہ عرب میں کوئی ایسا لائق مصور تھا کہ جس سے ہو بہو تصویر بنانے کی توقع ہو سکتی پس اسوقت جو کچھ بھی ہے۔ صورت و شکل کے معاملہ میں آنحضرت صلعم کا حلیہ مبارک ہے۔ اور پھر آپ کے عادات و اطوار جنکو دیکھتے ہوئے ایک منصفانہ دل رکھنے والے شخص کو ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلعم کی ذات مبارک ہی ایک ایسی ہستی تھی کہ جسکو انسان کامل اور سعید تام کہنا بالکل ایک واجبی بات ہے۔ کیونکہ انسان کامل کی جو کچھ صفات ہو سکتی ہیں۔ وہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں بدرجہ کمال موجود تھیں اور اسیطرح سعید تام میں جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ بھی تمام آپ کی ذات میں مجتمع تھے۔

نہ صرف مسلمان مورخ بلکہ دیگر مذاہب کے محققین بھی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ آنحضرت صلعم نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ حالانکہ بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی وارد ہے کہ بعض بعض سے لغزشیں صادر ہو گئیں۔ آپ کی یہ حالت رہی کہ آپ جن بزرگوں کے زیر حمایت تھے۔ جب کبھی انہوں نے بھی آپ سے پوچھا تو آپ صلعم نے لگی لپٹی کبھی روا نہ رکھی۔ اور حق بات صاف کہدی۔ بد عہدی عمر بھر نہ صرف یہ کہ خود ہی کسی کے ساتھ نہ کی۔ بلکہ آپکے اور آپکے خدام تک نے بھی اگر کسی سے کوئی عہد کر لیا۔ تو اس کا نباہنا بھی آپ نے اپنے اوپر لازم کر لیا۔ باوجود پرلے درجہ کے خوبصورت ہونے اور باوصف عرب کی اس مشہور آزادی کے جو وہ ہر طرح کی عورتوں سے مباشرت کرنے کے متعلق جائز سمجھتے تھے۔ آپ نے عمر بھر کبھی زنا نہیں کیا اور علاوہ ازیں کبھی چوری کے مرتکب ہوئے نہ خیانت کی۔ نہ کبھی کسی کو گالی

تہمت لگائی۔ نہ کبھی اپنی فوقیت چاہنے کے لئے کسی کا برا چاہا۔ چھوٹے بڑے
سب سے ادب و محبت کو ملحوظ رکھا۔ ہمسایوں قرابت داروں کی تو کیا اہل وطن اور
ان سے بھی گذر کر دنیا بھر کی بھلائی چاہتے رہے۔ سختیاں انہیں جلی کٹی سنیں۔
مگر کسی کی بدخواہی نہ کی۔ دوسری طرف دیکھئے تو گو آپ پر ساحری اور مجنونیت
کی تہمتیں اہل غرض لگاتے رہے۔ اور آخر میں خود بھی مسلمان ہو کر وہ اپنی ہرزہ
درائی سے نادم بھی ہوتے رہے۔ مگر آپ پر کوئی ذلیل عیب عائد نہیں ہوا۔
باوصفیکہ ابتدائے نبوت کے وقت قریش آپ کے خون کے پیاسے ہو رہے
تھے۔ مگر کسی کو آپ کے زدوکوب کرنے یا قید کر لینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ نہ کبھی
کسی بادشاہ کے روبرو آپ کو دست بستہ حاضر ہونا پڑا۔ بلکہ بڑے بڑے
جلیل القدر سردار اور حکام آپ پر ایمان لا کے دست بستہ حاضر حضور ہوتے
رہے۔ رعب و جلال کا یہ حال تھا کہ باوصف بڑے مسکین و سادے ہونے
کے کسی کو آپ کے روبرو سخت و سست کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ زبان
کا یہ حال کہ جو کچھ کہہ دیا پتھر کی لکیر۔ جو وعدہ فرمایا۔ تبدیل نہ ہوا۔ جو پیشینگوئی فرمائی
پوری ہوئی۔ جس سے دو باتیں کر لیں عمر بھر کے لئے بندہ بے دام ہو گیا۔
اولاد ہوئی تو صالح۔ دوست ہوئے تو نیکو کار و نیکی پسند۔ نبوت گو
اکتالیسویں سال نازل ہوئی۔ مگر آپ نے کبھی بت پرستی نہ فرمائی۔ شراب
گو پچیسویں سال حرام ہوئی۔ مگر آپ نے ابتدا سے کبھی شراب نہیں پی۔ عمر بھر
کبھی بفضل الٰہی کوئی ایسی بیماری نہ اٹھائی کہ جس سے کوئی عضو ناقص یا ناکارہ
ہو گیا ہو۔ صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ اور باوصفیکہ نہ آپ نے کسی حکیم سے مشورہ پوچھا
نہ کسی ادیب کی صحبت اٹھائی۔ نہ کسی معلم ظاہری سے پڑھے۔ مگر وہ دستور اور
قوانین منضبط فرمائے۔ کہ جن پر کوئی انگلی نہ رکھ سکا۔ سعدی رحمۃ اللہ کا یہ قول اس
امر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت ہی عمدہ تعریف ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ۔ کتب خانۂ چند ملت بشست

مخالفوں نے آپ پر جو جو اعتراض کر کر کے کالے ہیں۔ وہ متعدد ازدواج کے متعلق ہیں۔ جن میں قصہ ازواج اور قصہ زینبؓ بھی شامل ہے۔ جس کی اصلیت اپنے موقع پر درج ہے۔ اور غالب گمان ہے کہ اس کے بعد ناظرین کے نزدیک ان اعتراضات کی وقعت ایک پر کاہ کے برابر بھی نہیں رہ جائیگی۔ اور لامحالہ ہر شخص کو تسلیم کرلینا پڑے گا۔ کہ ایسی ذات ستودہ صفات سوائے آنحضرت صلعم کے دوسری کہیں بھی دیکھی نہ جائے گی۔ خدانخواستہ نہ تو اعتراض کی نیت ہے نہ کوئی الزامی جواب دینے کی خواہش ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کے افضل البشر یعنے سید تمام اور انسان کامل ہونے کے ثبوت میں یہ کہنا ہی پڑتا ہے۔ کہ گذشتہ پیغمبروں میں اگر کچھ کمیاں رہ گئی تھیں تو آنحضرت صلعم کی ذات مبارک میں کوئی بھی کمی نہ تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ تتلے تھے۔ اور ایک ہاتھ بھی ان کا جل گیا ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سو بیویاں رکھنے پر بھی ایک دوسرے کی بیوی کے خواہشمند ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھا دئے گئے۔ مگر آنحضرت صلعم ہمیشہ اور ہر حقیقہ میں مؤمن اللہ رہے۔ غرضکہ مسلمانوں کا جو یہ خیال ہے کہ جملہ انبیاء علیہ السلام میں جو صفات حسنہ تھیں۔ آنحضرت صلعم کی ذات مبارک ان سب کا مجموعہ ہے یہ خیال غلط نہیں۔ بلکہ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی ذات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی بادشاہت اور آتشی شریعت اپنے قانون بلا تفسیخ اور حضرت مسیحؑ کی سی مسکنت اور بردباری۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سی قوت مناجات۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا سا صدق وفا اور حضرت یوسفؑ کا سا حسن صورت وغیرہ وغیرہ جمع تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ؁

حسن یوسف ۔ دم عیسیٰ ۔ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ظاہر ہے کہ ایسی صفات کا جامع سوا اسکے کہ وہ خاص بجانب اللہ ایک نمونہ بنا کے بھیجا گیا ہو۔ اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔

اس تمہید کے بعد آنحضرت کا سراپا۔ اخلاق و آداب۔ ازواج مطہرات اور معجزات کا ذکر الگ الگ فصول میں کیا جاتا ہے۔ اور اخیر میں چند اخلاقی حدیثیں بھی لکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ مذہبی احکام و خیالات کے لئے تو ایک دفتر بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ اور گو مذہب بھی ایک اخلاقی ہی تکمیل کا نام ہے۔ مگر پھر بھی اس فصل میں صرف وہی حدیثیں درج ہیں جن سے ہر مذہب و قوم کے لوگ اپنے اپنے کیش و طریق کے اندر رہ کر بھی کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فصل اوّل

حلیہ شریف

سر مبارک آپ کا بلند و بزرگ تھا۔ مگر اعتدال کے ساتھ۔ اور نہایت سڈول وخوبصورت نہ چپٹا نہ لمبوترا بلکہ معتدل مدوّر۔

چہرہ مبارک حضور کا نہایت سڈول روشن اور مردانہ خوبصورتی کا منتائے کمال تھا۔ جو ہر وقت بشاش و شگفتہ دیکھا جاتا تھا۔ لمبائی اور گولائی میں بالکل معتدل۔ نہ لمبا نہ مدوّر۔ بلکہ کسیقدر طول کے ساتھ مدوّر۔ جو اعلےٰ درجہ کا حسن صورت ہے۔

پیشانی مبارک وسیع و کشادہ۔ اور سطح جبیں نہایت اعتدال کے ساتھ مستوی تھی۔ جو خوبصورتی کی دلیل ہے۔ یعنے نہ چپٹی اور نہ ابھری ہوئی تھی۔ بلکہ یکساں نظر آتی تھی۔ دونوں ابروؤں کے درمیان سے وسط پیشانی تک ایک رگ

چہرہ ایسی تھی کہ بعض وقت جب کبھی مزاج مبارک گرم ہوتا تھا تو وہ رنگ بدل جاتی تھی۔ بعض لوگوں نے اسی کو رنگ ہاشمی لکھا ہے۔

ابروئے مبارک یعنے بھویں آپ کی نہایت سیاہ اور پتلی تھیں۔ دونوں کے درمیانی جگہ نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

چشمانِ مبارک بڑی بڑی اور نہایت خوشنما تھیں۔ زبان عربی میں عین الاشکال اُس آنکھ کو کہا جاتا ہے۔ جو باعتدال بڑی ہو۔ اور جس کی سفیدی میں سُرخ ڈورے ایسے پائے جائیں کہ سرخی سپیدی باہم آمیز پائی جائے۔ لیکن سفیدی زیادہ ہو۔ اور پُتلی نہایت سیاہ اور یہی تعریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی پائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ نزدیک و دُور سب کو برابر بلاحظہ فرماتے تھے۔

مژگان مبارک یعنے پلکیں دراز گھنی اور سیاہ تھیں اور ہمیشہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا ہوا ہے۔

بینی مبارک یعنے ناک آپ کی پتلی دراز و بلند اور مستوی باعتدال تھی اور ناک کے اندر بال نہ تھے۔

رُخسارِ مبارک آپ کے نہایت شفاف نہ زیادہ نرم نہ سخت نہ پچکے اور نہ اُبھرے ہوئے تھے۔ بلکہ ہر صورت میں معتدل نظر آتے تھے۔

گوشِ مبارک نہ تنگ نہ پھیلے ہوئے نہ چھوٹے نہ بڑے شل گلاب کے معلوم ہوتے تھے اور سماعت اسقدر تیز تھی کہ خواہ کتنے آہستہ سے کوئی بات کی جاتی مگر آپ بخوبی سماعت فرما لیتے تھے۔

دہانِ مبارک تنگ تو مطلق نہ تھا۔ مگر اسقدر کشادہ بھی نہ تھا جو اعتدال سے گذر جائے بلکہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ مدوّر و کشادہ تھا۔

لب مبارک نہ موٹے نہ پتلے سُرخ رنگ کے تھے۔ بات کرنے میں پھول جھڑنے کی تشبیہ یا تو ایجاد ہی تب سے ہوئی ہے یا اُس کا موضوع آپ ہی کے لب

مبارک تھے۔ کہ ایک کہتے ہیں ایک خوشبو تھی۔ جو دہان مبارک سے آتی تھی
دندان مبارک نہایت سفید اور مجلّٰی تھے۔ اور سب برابر برابر ایک ہی
مدوّر خط میں جڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نہ کوئی آگے تھا نہ پیچھے۔ نہ
ایک دوسرے سے فاصلہ رکھتے تھے اور نہ اسقدر گنجان کہ ایک ہی معلوم ہوں
یا ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نظر آئیں۔

زبان مبارک نہ موٹی نہ پتلی معتدل الجسم تھی۔ اور غذا کی زیادتی یا معدہ کے
خرابی کے باعث کوئی داغ اس پر نظر نہ آتا تھا۔

زنخدان مبارک گول اور سڈول تھا جسکے وسط میں ایک چھوٹا سا گڑھا بھی
معلوم ہوتا تھا جو باعث حسن ہوا کرتا ہے۔

ریش مبارک گھنی اور نہایت سیاہ و مدوّر تھی اور نیچے زنخدان سے داڑھی
کی مقدار ایک مشت دو انگشت سے زیادہ نہ تھی مگر آپ نے کبھی داڑھی کتروائی
نہیں۔ بلکہ اسکا یہ اندازہ قدرت نے ہی رکھدیا تھا۔

بروت مبارک یعنی مونچھیں بھی آپ کی گھنی تھیں۔ مگر ان کو آپ بقدر
مناسب کتروا بھی دیتے تھے۔ اور گاہ گاہ منڈوا بھی ڈالتے تھے۔

گردن مبارک معتدل صراحی دار بلندی کے ساتھ دراز تھی مگر صاف ایسی کہ
چاندی کی طرح سفید اور دھوپ میں سونے کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔

دوش مبارک پُر گوشت اور بزرگ و سڈول تھے۔ اور ان پر کسیقدر
نرم نرم روئیں یا بال بھی پائے جاتے تھے۔

سینہ مبارک چوڑا پُر گوشت سطح یعنی نشیب و فراز سے بالکل مبرّا۔
اور سفید و سرخ رنگ کا تھا۔ اور سینہ مبارک سے ابتدا کرکے ناف تک ایک
نرم اور باریک بالوں کی لکیر کھنچی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جس کو بعض لوگ شق
صدر کا نشان بتاتے ہیں۔ اسکے سوا اِدھر اُدھر بال نہ تھے۔

شکم مبارک سینہ کے برابر برابر تھا یعنی نہ بڑھا ہوا نہ پچکا ہوا اور نرم اسقدر

کہ جسقدر ممکن ہو اور اس میں تین شکن بھی پڑے ہوئے تھے - ایک تو بالعموم ازار
(تہ بند) کے نیچے آجاتا تھا - اور باقی دونوں شکنیں تہ بند سے اوپر رہتی تہیں -
ناف مبارک بھی بالکل برابر سرا بھی - کیونکہ آپؐ قدرتی طور پر ناف بریدہ
پیدا ہوئے تھے -
بند اعضاء بھی آپؐ کے تمام سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے - کسی کے
سڈول پن میں فرق نہ تھا - اور سب اعضاء پر گوشت تھے - باوصف پرلے درجہ
کی کم خوراکی کے کسی عضو کی ہڈی ظاہر نہ ہوتی تہی -
مہر نبوت - آنحضرت صلعم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان گردن سے نیچے
ایک بیضہ مرغ کی مقدار کے موافق گوشت اس طرح اٹھا ہوا تھا کہ جسکی ہیئت
مجموعی کسی نگین سے مشابہ تھی - یہ گوشت سیاہی و زردی اور سرخی لئے ہوئے
تھا - اور اسپر نہایت چھوٹے چھوٹے بال اور روئیں کچھ اس طرح پیدا ہوئے
تھے کہ جن سے کلمہ طیب کی صورت ظاہر ہوتی تہی مگر چونکہ آنحضرت صلعم نے
شہرت کی غرض سے اسکو عام نہیں پھیلایا - اور نہ آپ کی عادت ننگے بدن
رہنے کی تھی اس لئے لوگوں کو اسکے دیکھنے کا موقع بہت کم ملتا تھا - لیکن بہرکیف
اصحابؓ نے اسکو گاہ بگاہ دیکھ ضرور لیا تھا - اور اسی وجہ سے اس کو مہر نبوت
کے ساتھ موسوم بھی کیا گیا -
انگلیاں لمبی اور صاف تھیں اور ہاتھ بھی معتدل مائل بدرازی تھے کف دست
نہایت نرم نرم تھے - علےٰ ہذا پاؤں کی انگلیاں بھی سب قوی و خوشنما تھیں - اور کف
پائیں تو پر گوشت تھیں - مگر درمیان میں سے خالی تھیں -
بغلیں بھی آپ کی صاف اور سڈول تھیں یعنے کوئی گڑھا نہ تھا - اور ان کے نزدیک
انہیں بھی بال نہ تھے -
قد مبارک آپؐ کا نہ لمبا تھا نہ ٹھنگنا - بلکہ متوسط مائل بدرازی تھا - اور بسبب
اپنی شانداری کے ہر محفل میں آپ ہی قد آور دجیہ معلوم ہوتے تھے - حضرت عمر نے

قد لمبا تھا مگر آپؐ کے روبرو جب کبھی بیٹھنے یا چلنے کا اتفاق ہوتا۔ آنحضرت صلعم کا ہی قد بلند معلوم ہوتا تھا۔

موئے مبارک آپؐ کے سیاہ باریک اور مڑے ہوئے تھے۔ مگر نہ تو گھنگریالے تھے اور نہ بالکل لٹکے ہوئے۔ سر مبارک کے بالوں کی لمبائی عموماً نرمۂ گوش تک ہوتی تھی۔ اور جب کبھی آپؐ انہیں کنگھی فرماتے تو لطیف شکنیں برابر معلوم ہوتیں صرف سترہ بال عمر بھر میں سفید ہوئے۔ اور ماسوائے اسکے کوئی دوسرا رنگ بالوں کا نہ تھا۔

رنگ جسمانی آپؐ کا ازہر یعنے سفیدی و زردی و سُرخی لئے ہوئے تھا۔ اور جو اعضاء کھلے رہتے تھے اُن میں زردی نہ پائی جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ آپؐ بالکل گورے چٹے نہ تھے۔ بلکہ صباحت و ملاحت آمیز تھی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا بھی ہے۔ انا املح واخی یوسفؑ اصبح۔ یعنے میں ملیح ہوں اور بھائی یوسفؑ گورے تھے۔

عرق مبارک آپؐ کا ایسا خوشبودار تھا کہ جس کو عطر و عنبر کوئی نہ پہنچ سکتا تھا

صفائی و پاکیزگی طبع معلّے کو بہت پسند تھی گو سادہ طور پر رہتے تھے۔ مگر میلے کچیلے رہنے یا میلے کپڑے پہننے سے پرہیز فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ غلیظ آدمی کو شیطان فرمایا ہے۔ آپؐ کے کپڑوں میں جوئیں کبھی نہیں پڑیں۔ مگر تواضع کا یہ عالم تھا کہ دوسروں کی جوئیں بھی آپ دیکھ دیا کرتے تھے۔

بوقت خواب آنکھیں بند فرما لیتے تھے اور خراٹے کبھی نہ بھرتے تھے

چلنے میں نہایت وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ مگر متکبرانہ چال نہ تھی۔

دیکھنے میں جب کسی کو دیکھتے پوری نظروں سے دیکھتے کن انکھیوں سے نہ دیکھتے۔

عام طور جسمانی حالت بہت اچھی تھی نہ لاغر نہ فربہ اور گوشت جسم کا سب کسا ہوا سخت معلوم ہوتا تھا یعنے ڈھیلا اور لچکدار نہ تھا۔

فصل دوم

عادات و اطوار

طرزِ ماند و بود آپ کی بالکل سادہ۔ بے تصنع۔ اور بے ریا تھی۔ صفائی کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ بدبو اور غلاظت کو مطلق پسند نہ فرماتے تھے۔ مکان صاف ہوتا تھا۔ مگر فرش فروش کا کوئی سامان نہ تھا۔ صرف بکرے کی کھالوں سے آپ دری یا قالین کا کام لیتے تھے اور کھجور کی چٹائی یا اسی کے ریشوں کی چارپائی آپ کے ہاں پائی جاتی تھی۔ آپ کے بستر کے لئے ایک دو گز لمبے اور سوا گز عریض چمڑے میں کھجور کا پوست بھرا ہوا تھا جس سے آپ توشک کا کام لیتے تھے۔

پوشاک بالکل سادہ اور ٹھیٹھ اہل عرب کی سی زیب تن فرماتے تھے۔ سر پر عموماً عمامہ۔ گلے میں کرتہ۔ اور حصہ زیرین جسم پر ازار یعنی تہ بند باندھا کرتے تھے۔ کرتہ پر عبا اور اوپر سے ایک چادر بھی اوڑھا کرتے تھے۔ پاؤں میں موزہ اور جوتہ۔ لیکن سادہ۔ ابتدا میں تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ شائد آپ کو عمدہ کپڑوں کے پہننے کی مقدرت نہ تھی۔ مگر بعد میں تو کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر آپ چاہتے تو اطلس و دیبا اور کمخواب و حریر ہی پہنا کرتے۔ کیونکہ ایسے پارچات تحائف میں یا غنیمت میں آتے بھی بہت تھے۔ مگر آپ نے کبھی ان کا استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ ایسی چیزیں دوسروں کو عطا فرما دیتے تھے۔ آپ کے لباس کی اوسطاً قیمت صرف دس درہم یا کم و بیش تین روپے ہوتی تھی اور وہ بھی اس لئے کہ کلوں کے ذریعہ اسوقت کپڑا اسقدر ارزاں نہ تھا۔ کبھی کبھی مُفتوحت اور حلہ

بھی اوڑھتے اور کپڑا کہیں سے پھٹ جاتا تو خود پیوند لگا لیتے اور بلا کراہ پہنا کرتے تھے۔ عمامہ بہت بڑا نہ باندھتے تھے بلکہ اسقدر کہ جس سے سردی و گرمی سے حفاظت ہو سکے۔ شملہ لمبا نہ رکھتے تھے اور کبھی کبھی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کبھی ٹوپی پر عمامہ بھی باندھ لیتے تھے۔ ازار یعنے تہ بند اُس زمانہ میں امرا اسطرح پہنا کرتے تھے کہ زمین پر اسکے پچھلے پلّے لٹکتے رہتے تھے۔ اور اسکو وہ لوگ داخل فخر سمجھتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ ٹخنوں تک ازار (تہ بند) باندھتے تھے جو نیچے زمین پر مطلق نہ لٹکنے پاتا تھا۔ یمن کی چادریں جو عموماً سفید اور صاف ہوتی تھیں۔ آپؐ پسند فرماتے تھے۔ اور سبز و سیاہ رنگوں کا بھی استعمال رکھتے تھے۔ ایک کپڑا (بجائے آجکل کے تولیہ یا ڈوال کے) ہاتھ منہ پونچھنے کے لئے اور ایک رومال پاؤں جھاڑنے کے لئے بھی آپ رکھا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ ہر ایک نیا کپڑا عموماً جمعہ سے پہننا شروع کرتے تھے۔ اور قریباً جمعہ کو ہی کپڑے بھی بدلتے تھے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ آپؐ اپنے کپڑوں کے کئی کئی جوڑے بنا رکھے تھے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک پوشاک پہن لی۔ تو دوسری بھی از سر تا پا مکمل پاس نہ رکھتے تھے۔ کرتہ ہے تو جبہ نہیں۔ چادر ہے تو تہ بند نہیں۔ اور وہ بھی سائلین کو عطا فرما دیتے تھے۔ غرضکہ آپؐ کپڑوں کا کچھ اہتمام نہ فرمایا کرتے تھے جو مل گیا۔ اور جیسا بھی موٹا جھوٹا ہوا پہن لیا۔ البتہ اگر کسی غیر ملک کا کوئی ایلچی یا سردار آستانہ بوسی کو آتا۔ تو آپؐ کسی قدر اچھے کپڑے پہن لیتے اور فرماتے کہ یہ کپڑے ایسے وقت اسلام کا کام دیتے ہیں۔

سلاح ۔ آپؐ کے پاس کئی ایک تلواریں تھیں۔ کیونکہ مردانہ آلات حرب کا رکھنا۔ عرب میں ہر ایک کے لئے ضروری تھا۔ اور آنحضور صلعم کے لئے تو ان کی بہت ہی ضرورت تھی۔ کیا باعتبار شجاعت ذاتی کے اور کیا باعتبار احتیاط اور حفاظت کے۔

آپؐ کی تلواروں کے یہ نام تھے۔ ۱۔ ماثور۔ یہ آپؐ کو اپنے والد کے ورثہ میں پہنچی

تھی۔ ۲۔ قضب۔ ۳۔ قلعی۔ ۴۔ مخذم۔ ۵۔ رسوب۔ ۶۔ صمصامہ۔ ۷۔ لحیفہ۔ عبداور ۸۔ ذوالفقار
ان میں سے کسی کسی کو آپؐ کوئی تلوار عطا بھی فرما دیتے تھے۔ جیسے کہ ذوالفقار حضرت
علیؑ کرم اللہ وجہہ کو یا ایک تلوار عبداللہ بن جبیر کو وغیرہ وغیرہ۔

جھنڈا اور نشان لشکر آپؐ کا سفید اور سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ زرہیں سات
تھیں جن میں سے سغدیہ نام وہ زرہ تھی کہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے
جالوت کے مقابلہ کے وقت پہنی تھی۔ اسکے سوا ایک اور زرہ بہت لمبی تھی جس کا
نام ذات الفضول تھا۔ باقی پانچ زرہوں کے نام یہ ہیں۔ فضہ۔ ذات الوشاح
ذات الحواشی۔ خرنق۔ تبرا۔

خوراک ۔ عام طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سال بھر یا ششماہی کیلئے
اپنے ازواج مطہرات میں غلہ بھجوایا کرتے تھے (مگر غالباً یہ واقعات قیام مدینہ
کے ہیں) لیکن پھر بھی سخاوت و ایثار کی وجہ سے وہ غلہ کبھی جمع نہ رہتا تھا۔ اور
بلیشتر یہی کیفیت رہا کرتی تہی کہ صبح ہے تو شام کا ذکر نہیں اور شام کو ہے تو
صبح کا اندیشہ نہیں۔ اسبابت سے دونوں باتیں متشرح ہوتی ہیں یعنے آنحضرؐ
کا انتظام خانہ داری کے لحاظ سے سال یا ششماہی کے لئے غلہ لے لینا تو
اس امر کی دلیل ہے کہ انتظامی طور پر آپ اس طریق کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ
اکثر صاحبان وسعت صحابہ رضؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ کا
ذاتی جود وسخا اور خلقی توکل اس عادت اور انتظام پر بھی غالب آجاتا تھا اور اکثر ایسا
ہی اتفاق ہوتا تھا کہ مل گئی تو روزی ورنہ روزہ۔ اکثر احادیث میں (جنکے راوی
ثقہ بھی ہیں اور مستند بھی اور حدیثیں بھی ایسی کہ جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں) یہ
مرقوم ہے کہ آپؐ اکثر بھوکے رہا کرتے تھے اور اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ
رکھا کرتے تھے تاکہ فاقہ کے اثر سے گڑھا نظر نہ آئے۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے
کہ آنحضرتؐ خورونوش کے چنداں شائق نہ تھے۔ اور صرف اسیقدر کھانا کھاتے
تھے کہ جس سے زندگی میں نقصان نہ آئے۔ لذائذ دنیوی اور پرخوری کیطرف مطلق

خیال نہ تھا - اسلئے کبھی کبھی دن بغیر کھانے کے گذر جاتے تھے اور اس بات
کو آپ اپنے لئے مطلق شاق نہ سمجھتے تھے - اور آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ
پیٹ کا برتن جسقدر بھرتے ہیں ابن آدم نے بہت ہی ظلم کیا ہے - آجکل کے
پرخوروں کو جو دن بھر میں تین چار دفعہ کھانے کے عادی ہیں - اس بات پر یقین
کرنا کسیقدر مشکل ہوگا - کہ بعض انسان واقعی طور پر بہت ہی کم مقدار میں کھاتے
ہیں اور انہیں بھوک بھی بہت ہی کم لگتی ہے لیکن جو لوگ روحانی غذا اور
کی قوت سے واقف ہیں وہ اسکو ماننے میں غور کرنے کے لئے ایک منٹ
بھی صرف نہیں کر سکتے - خود مؤلف کتاب نے کئی ایک ایسے آدمی دیکھے
ہیں کہ جو دن رات میں شاید آدھی روٹی سے زیادہ نہ کھاتے تھے - اور اچھی طرح
امتحان کر لیا ہے - کہ انکی غذا اس سے زیادہ نہ تھی - مؤلف کے ایک ملاقاتی اب بھی ایسے
ہیں کہ جو کھانے کو کچھ بطوع و رغبت نہیں کھاتے - بلکہ جب بھوک نے زیادہ ستایا
تب کچھ کھا لیا - وہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ یہ بار بار کھانے اور نکالنے کی ڈیوٹی ہم
خواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لازم کر رکھی ہے اور پچھلے بزرگ بھی یہی کہتے چلے
آئے ہیں کہ ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یہ بات بھی آنحضرت صلعم کی کم خوری ہی کی دلیل ہے کہ آپ کو بول و براز
کی حاجت بہت کم ہوتی تھی اور چونکہ جب کبھی آپ قضائے حاجت کو تشریف لے
جاتے تھے - نہایت احتیاط کے ساتھ ایسی محفوظ جگہ بیٹھتے تھے کہ جو مقام
گذرگاہ خاص و عام نہ ہو اسلئے آپکا براز کسی کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکتا تھا - بنا
ایسی بریں بعض بُرا سلئے خوش اعتقاد مسلمان سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا براز
زمین نگل جاتی تھی - غرضکہ آپ کی خوراک نہایت کم تھی - اور ازواج مطہرات بھی
اسی انداز سے کم خور تھے جس انداز سے آنحضرت صلعم کا روحانی اثر اُن پر پڑا تھا اور

اسلئے کھانا پکانے کا اہتمام بہت کم ہوتا تھا۔ کبھی دو دو مہینے چولہے تک روشن نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کوئی چیز پک بھی جاتی تھی۔ ورنہ عموماً بعض اوقات مہینا مہینہ بھر یوں خشک چھوہاروں یا جَو کے خالی ستوؤں اور پانی پر گذارہ فرما لیتے تھے۔ لیکن مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ مہمانوں کے لئے گوشت روٹی سبھی کچھ حاضر ہوتا تھا اور کبھی ضرورت ہوتی تو آنحضرتؐ خود بھی ان کے ساتھ شریکِ طعام ہو جاتے تھے جسکے یہ معنے تھے کہ آپ اچھے کھانے کو بُرا کبھی نہ سمجھتے تھے۔

سرکہ، شہد، دودھ، گوشت، حلوا۔ یہ چیزیں آپکو پسند تھیں۔ مگر اس پسندیدگی کیلئے آپ تو کوئی اہتمام کرتے تھے اور نہ کوئی روزانہ التزام تھا۔ بس یہی معمول تھا کہ جب کبھی مل گیا خوش ہو کے تناول یا نوش فرما لیا۔ اونچے دسترخوان پر یعنی میز لگا کر کھانا نہ کھاتے تھے بلکہ چمڑے کا ایک گول دسترخوان تھا۔ اسی پر ایک گھٹنا اُٹھا کر اور ایک جھکا کر کھانا کھایا کرتے تھے کیونکہ اس طرح اور بھی کم کھایا جاتا ہے۔ لقمہ دستِ راست سے کھاتے تھے اور پانی بھی اسی ہاتھ سے پیتے تھے۔ البتہ اگر داہنا ہاتھ کچھ رکا ہوا یا کسی چیز سے بھرا ہوا ہوتا تو بائیں سے پانی اٹھا کر دائیں کا سہارا دے لیتے۔ پانی بھی بہت تھوڑا پیتے تھے اور ایک ہی دفعہ پانی کا گلاس یا کٹورہ خالی نہ کر دیتے تھے۔ بلکہ پانی پینے میں دو دفعہ وقفہ فرما لیتے۔ یعنی تین دفعہ دم لے کر پانی پیتے تھے۔ کھانے وقت بسم اللہ ضرور پڑھتے اور خاتمہ پر شکر ادا کرتے۔ اور چونکہ چھلنیاں اُسوقت موجود نہ تھیں اسلئے یوں ہی جیسا آٹا ہوتا صاف کر کے کھا لیتے کچھ زیادہ اہتمام اسکی خوبی و صفائی پر نہ کیا کرتے۔

یہ روایت کہ آنحضرت صلعم چاہتے تو ان کے لئے مکّہ کے پہاڑ بھی خدا تعالےٰ سونے کے بنا دیتا۔ مگر آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ آپؐ کی نفس کشی اور دنیوی لذائذ سے تنفّر ظاہر کرتی ہے۔ ورنہ اس مسئلہ کو تو آجکل کا سائنس بھی رد نہیں کر سکتا کہ اگر آپؐ چاہتے۔ تو بے انتہا دولت کے مالک ہو جاتے۔

فصل سوم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب

جسقدر دینی یا دنیوی کتابیں کسی بھی مذہب ملت کی دیکھی جائینگی۔ ان کا مدعا تہذیب اخلاق ہی نظر آئے گا۔ اخلاق ہی درست ہوجائیں تو عقائد درست ہو سکتے ہیں۔ اور عقائد درست ہوں تو نجات اُخروی اور حیات ابدی کا انعام عطا ہوتا ہے اور اخلاق ہی درست نہ ہوں تو نہ مذہب وغیرہ درست ہوتا ہے اور نہ دنیوی اعزاز نصیب ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خَلْقِی وَخُلُقِی[1]۔ یعنے الٰہی میرا ظاہر و باطن اچھا کر۔ اور یہ بھی فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِی مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ۔ الٰہی مجھے خلاف اخلاق باتوں سے محفوظ رکھ۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نہ تو خواندہ تھے کہ دانشمندوں یا آسمانی کتابوں میں سے دیکھ کر آپ نے اپنے اخلاق درست کئے ہوں۔ نہ آپ عالموں اور بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے کہ ان کی کردار و گفتار سے آپ نے فایدہ اٹھایا ہو۔ نبوت اکتالیسویں سال شروع ہوئی تھی۔ اور جب تک ہجرت عمل میں آئی تب تک لائق اور خواندہ اشخاص آپ کی صحبت میں کبھی داخل نہیں ہوئے۔ ایک قوم و ملک کیطرف سے برابر مخالفت عمل میں آئی تھی

---

[1] ایک حدیث میں اس دعا کے الفاظ یہ بیان ہوئے ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِی فَاَحْسِنْ خُلُقِی۔ الٰہی تو نے مجھے صورت اچھی دی ہے تو سیرت بھی اچھی عطا فرما ۱۲

اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص ہر طرف سے مخالفوں کا نشانہ بن جاتے تو اسے خواہ
مخواہ بھی جادۂ اعتدال سے قدم بڑھانا ہی پڑتا ہے اور کسی ایک مکر یا اور فریب
سے مخالفین کو زیر کرنے کی یا کم سے کم اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے
کی کوشش کی جاتی ہے لیکن آنحضرت صلعم نے کبھی اسکی پرواہ تک نہ کی۔ بلکہ ہمیشہ
اسی استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے۔ اور مخالفوں کو خیال میں بھی نہیں لائے
قطع نظر اسکے ابتدائے پیدائش سے آپ نہایت معمولی حالت میں رہے ہیں۔
اول تو بچپن سے آپ یتیم ہو گئے۔ دوسرا کوئی وراثت و دولت بھی آپ کو
نہیں ملی۔ تیسرا جسقدر بھی لوگ آپکے گرد و پیش تھے سب کے سب ان پڑھ
اور آپ کی تربیت کے لئے جو کچھ تھا وہ عرب کے رسم و رواج اور اخلاق و آداب
ہی تھے جن کی حالت ایسی بری تھی کہ پناہ بخدا۔

عرب کے تمدن و معاشرت اور وہاں کے باشندوں کے عادات و مذاق کو آنحضرت
کی ذات مبارک سے مقابل کیا جائے تو بلا مبالغہ زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے
جن کا کسیقدر تذکرہ مقدمہ کتاب میں ہو چکا ہے۔ جن لوگوں میں زنا۔ شراب۔ جوا
ضدیت۔ شیخی۔ بے حیائی۔ اور قتل و غارت۔ چوری و دغابازی کا بازار گرم ہو
اُن سے کوئی شخص اخلاق نیک کیا حاصل کر سکتا ہے۔ عام طور پر آجکل
کے لوگ اول تو بہت سی کتابیں دیکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کتابیں نہ بھی
دیکھیں تو ملک کے ہر کونے میں تعلیم و تعلم کی حس و تحریک کے جاری ہونے
کے باعث لیکچر اور نظمیں ہی سُن سُن کر ہر شخص کے دماغ میں معلومات کا
کچھ نہ کچھ مواد جمع ہو جاتا ہے۔ پس یہ لوگ اگر اکتساب فضائل میں کچھ
کوشش کرنا چاہیں تو ان کے لئے بہت سے اسباب مہیا ہیں۔ لیکن جہاں
آنحضرت صلعم کی پیدائش ہوئی۔ وہاں تو اسوقت ان باتوں کی ہوا تک بھی
کسی کو نہ لگی تھی۔ پس آنحضرت صلعم کے کمال اخلاق کے متعلق زیادہ سے زیادہ
کوئی کہے تو یہ کہے کہ لقمان حکیم کی طرح آپنے بھی اخلاق و ادب بے ادبوں

اور بد اخلاقوں سے ہی سیکھا ہوگا - کہ جو جو بات اُنکی بُری معلوم ہوئی - آپؐ
اسکو بُرا جانتے گئے - اور اگرچہ یہ بھی ایک بڑی ہی سلیم الفطرتی اور صحت مزاج
روحانی طاقت اور قوائے اخلاقی کی دلیل ہے - لیکن یہاں تو یہ لطف تھا
کہ ابتداء سے ہی آپؐ کے اخلاق و آداب بڑے اعلےٰ پیمانہ پر رہے ہیں
حتے کہ لغو کھیلوں اور فضول عادتوں تک سے بھی (جن سے غالباً کوئی بچہ بچ نہیں
سکتا) آپ ابتداء سے متنفر تھے - اور آپؐ کے اخلاق فطرتی طور پر ہی ایسے
اعلےٰ تھے - کہ ان کو بد اخلاقی کی باد صرصر باد صفت دن رات چلتے رہنے کی
بھی کوئی گزند نہ پہنچا سکتی تھی - اور پھر یہ کہ آنحضرت صلعم کی خوش اخلاقی نہ صرف
اپنی ذات ہی تک محدود تھی - بلکہ آپؐ کے اخلاق عمیم ایسے تھے کہ جن سے زمانہ بھر
کے لیے ایک قانون اخلاق مرتب ہو گیا اور آپؐ ہی کے سحاب خصائل نے دنیا
بھر میں اخلاقی سیلاب بہا دیا -

اسکے ساتھ ہی یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ آپؐ پر دو تین حالتیں گزری
ہیں - پہلے یتیمی اور اسکے ساتھ معمولی غریبانہ زندگی - اسکے بعد رسالت اور
دنیا بھر کی مخالفت - اور بعد ازاں مقبولیت و قوت جسمیں کیا باعتبار تقدس کے ہی
یعنے پیغمبری کے اور کیا بلحاظ بادشاہت عرب کے آپ کو وہ قوت حاصل ہو گئی تھی
کہ پھر دوسرے کو کبھی نہ ہوگی - لیکن آپؐ کے اخلاق ابتداء سے اخیر تک برابر
ویسے کے ویسے ہی رہے ہیں - نہ کبھی خوشامد نہ لجاجت ابتدائی وقت میں آپؐ نے
کی تھی - اور نہ کبھی عجب و نخوت بادشاہ عرب ہوکے آپؐ کے پاس پھٹکنے پائی - جسکے
اصلی معنے یہ ہیں کہ آپؐ کے اخلاق و آداب کی معلم خود قدرت ہی تھی - جس نے فطرتی
طور پر آپؐ کے ضمیر و تدبیر کو مجموعہ محاسن اور آپؐ کے وجود مسعود کو نمونہ مکارم
بنا دیا تھا -

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ قرآن شریف میں آنحضرت صلعم کے اخلاق کے متعلق اللہ تعالےٰ یوں ذکر فرماتا ہے۔ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم" تو پیدا ہوا ہے خلق عظیم پر۔ یعنے تیری فطرت ہی اعلےٰ درجہ کی رکھی گئی ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلعم کے اخلاق و آداب کا مضمون اسقدر وسیع ہے کہ اگر اسپر کوئی شخص بسط کے ساتھ لکھنا چاہے تو واقعی دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر بھی ختم نہ ہو۔ کیونکہ اس صیغہ میں آپ کے افعال و اقوال اور تمدن و معاشرت سبھی کچھ آجاتا ہے جسکی تفصیل و تشریح گو طویل ہو مگر نتیجہ خیز اور نفع مند ضرور ہوگی۔ لیکن اس تاریخی کتاب میں ان کا اس تفصیل کے ساتھ جمع کرنا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اوّل تو اتنی بڑی ضخیم سوانح عمری اس زمانہ میں کوئی دیکھتا نہیں اور دوسرا اس صیغہ کے متعلق اتنی کتابیں موجود ہیں کہ ان کے مضامین پر بحث کرنا مواعظ میں داخل ہے۔ جو تاریخ سے ایک دوسری چیز ہے۔ اس لئے اس فصل میں مختصر طور پر آپ کی طریق ماند و بود اور اخلاقی کیفیت دکھائی جائے گی۔ تاکہ لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب کے متعلق ضروری واقفیت بھی ہو جائے اور کتاب کی ضخامت بڑھنے اور اپنے حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے کے بغیر اس مضمون پر کچھ لکھا بھی جائے۔

دینداری - یہ ایک مشہور مثل ہے کہ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کنند

اور موجودہ زمانہ میں بھی تمام دنیا کی سلطنتوں میں خواہ وہ کتنی ہی مہذب کیوں نہ ہوں یہی حال ہے کہ خود سلطنت انگلستان کو ہی دیکھ لیجئے کہ بادشاہ کی ذات پر قانون کو موثر نہیں سمجھا جاتا وہ جو کچھ بھی چاہیں کرلیں کوئی گناہ نہیں اسکے علاوہ پہلے پیغمبروں کے بھی جسقدر حالات دیکھے جاتے ہیں۔ ان سے بھی گو ان کی صداقت تو صاف صاف عیاں ہے۔ مگر کسی صاحب کے حالات میں

پتہ پایا جائے گا کہ وُہ اسقدر استغراق عبادت میں کیا کرتے تھے جسقدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پہ اس کا التزام کر رکھا تھا یعنی گو یہ کہ پانچوں نمازیں آپؐ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے اور اکثر اوقات ہر ایک نماز کے بعد تسبیح و تہلیل کو لازمی سمجھتے۔ اسکے سوا تلاوت قرآن اس کثرت کے ساتھ فرماتے کہ ملوا تیسرے دن قرآن شریف کو ختم فرماتے راتوں کو بالعموم شب بیداری کرتے اور بالخصوص سوائے کسی باعث خاص کے نصف شب کے بعد جاگتے۔ تو صبح تک معروف عبادت رہتے نماز و دعا میں اسقدر وقت صرف فرماتے کہ آپؐ کے پائے مبارک پر ورم ہو گیا۔ اور آخر الامر یہ آیت شریف نازل ہوئی یاایہا المزمل ۰ قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا یعنے اے پرخود پیچیدہ (اس نزول آیت کے وقت آنحضرتؐ صرف ایک کملی اوڑھ کر معروف عبادت تھے۔ اسلئے آنحضرتؐ کو کملی پوش اور کملی والا بھی کہتے ہیں) رات کو (عبادت کے لئے) اُٹھو تو سہی مگر تھوڑے سے بقدر ایک پہر کے یا کسیقدر زیادہ اور قرآن کو ترتیل (آہستگی اور آرام) کے ساتھ پڑھو۔ چنانچہ آپؐ اسقدر آہستگی اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے لگے کہ لفظ لفظ گنا حرف حرف گنا جا سکتا تھا۔ تلاوت قرآن ایسی سوز و گداز سے فرماتے کہ سبحان اللہ حق تلاوت ادا ہوتا۔ جہاں نعمائے الٰہی کا ذکر آتا۔ آپؐ کے چہرہ سے بشاشت ظاہر ہوتی۔ اور جہاں عذاب و عقاب کا ذکر ہوتا۔ چہرہ مبارک غمناک اور متاثر ہو جاتا۔ ہر ایک آیت کے ساتھ حسب حال اگر کچھ ضرورت دیکھتے تو خود بھی فرما دیتے مثلاً اہل دوزخ کا ذکر ہوتا تو فرماتے۔ ویل لاھل النار و اعوذ باللہ من النار یا جب الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتیٰ کی آیت پڑھتے تو فرما دیتے بلیٰ وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں آپ اکثر اعتکاف بھی فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ

کامل چھ ماہ تک آپ نے اعتکاف فرمایا تھا۔ اور بعد نبوت بھی بالتبہ اسی کا زہد رہے۔ رمضان شریف کے عشرہ آخر میں تو بالعموم آپ معتکف ہو جایا کرتے تھے۔ قبرستان میں بھی معمولاً ہفتہ میں دو بار ضرور تشریف لے جاتے اور دیر تک بیٹھکر خدا کی ثنا اور مردوں کے حق میں دعا فرماتے رہتے۔ نماز باجماعت میں تو آپ مقتدیوں کی سہولت کے لئے اکثر چھوٹی چھوٹی آیات اور سورتیں پڑھتے تھے۔ لیکن جو نماز تنہا پڑھتے اسے بہت طول دیتے۔ چنانچہ حذیفہ بن یمان تعبہ کی زبانی راوی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صرف چار رکعتوں میں چھ سات پارہ کے قرآن شریف پڑھے۔ یعنی رکعت اول میں سورۂ بقر۔ رکعت دوم میں سورۂ آل عمران۔ سوم میں سورۂ نساء۔ اور چہارم میں انعام۔ نماز نوافل اگرچہ بیٹھکے پڑھتے تھے۔ مگر فرضوں کو باقاعدہ کھڑے ہوکر ہی ادا کرتے تھے حتیٰ کہ ایام بیماری میں بھی اسی کا التزام آپ نے فرما رکھا تھا۔ مسجد اور گھر کوئی جگہ نماز سے خالی نہ تھی۔ بالعموم فرائض مسجد میں اور نوافل وغیرہ گھر پر پڑھتے تھے اور فرمایا بھی کرتے تھے کہ مسلمانو! اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ یعنی یہی نہیں کہ پڑے سویا ہو بلکہ یاد الٰہی اور نماز دعا کی برکات سے اسکو بھی بابرکت کیا کرو۔ چنانچہ ختم قرآن کے وقت تمام اہل وعیال کو آپ بھی جمع فرما لیتے تھے۔

روزہ داری کا یہ حال تھا کہ یوں فرض تو رمضان کے روزے ہیں مگر آپ عشرہ محرم کے دن اور ہر مہینے کی ۱۳- ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو بھی روزہ رکھتے اور جمعہ کے دن بھی روزے سے ہوتے۔ اسکے سوا قریباً ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو بھی آپ روزہ رکھتے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ ان دونوں حق تعالےٰ کے حضور بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جو وقت میرا ذکر آئے میں روزہ دار ہوں

ایامِ بیض (روشن دن) یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخ کے روزے بھی آپ ایسے
التزام سے رکھتے کہ سفر میں بھی نہ چھوڑتے تھے۔

تلاوت اور تسبیح و تہلیل وغیرہ جو کچھ بھی ایک دفعہ حضور اختیار فرما لیتے
اُسکی مداومت کا بھی التزام رکھتے اور دوسروں کو بھی تمام اعمالِ حسنہ کی
مداومت کا حکم دیتے بلکہ آپ نے مثالی طور پر فرمایا ہے کہ مجھے چند ایسے
محل دکھائے گئے ہیں کہ جن کی بناء میں اینٹیں نکلی ہوئی ہوں اور جا بجا چھید
پڑے ہوں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ اُن لوگوں کے مکانات ہیں
جو کوئی عمل کرتے ہوئے کبھی ناغہ کر جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جسقدر حضورِ مسعودؐ دوسروں کو عبادت و نیکی کی تلقین فرماتے
تھے۔ اُس سے بدرجہا زیادہ خود کر کے دکھا دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ صرف
دوسروں کو کہیں اور خود نہ کریں۔ اور یہی وہ سب سے بڑا گُر تھا۔ جسنے تمام اُمت
اور بالخصوص تمام اہلِ صحبت کو نہ صرف مسلمان بلکہ ولی اللہ بنا دیا۔ کیونکہ کوئی
چیز نمونۂ عمل سے زیادہ مفید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا
بھی ہے کہ الٰہی میں اُس علم سے جسکا عمل نہ ہو تیری پناہ مانگتا ہوں۔

راستبازی کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپؐ نے کسی کی لگی لپٹی نہیں رکھی
اور نہ کبھی اپنی ضرورت کے لئے کسی کی خوشامد یا دباؤ سے کوئی بات چھپائی
نہ کسی سے کبھی جھوٹ کہا۔ اصحاب جاں نثار اور یارانِ صداقت شعار
سے تو جھوٹ کہنے کی بنا بنا ضرورت ہی نہ تھی مگر مخالفین سے بھی کبھی
آپؐ نے جھوٹ نہیں بولا۔ ناظرین باب اوّل میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ ابو
طالب کی وفات کے بعد جب ایک دفعہ ابولہب نے آپؐ کو اپنی حمایت
میں لینا چاہا۔ تو ابو جہل نے ابولہب کے کنبہ والے کو کہا کہ تم آنحضرتؐ
سے پوچھو تو سہی کہ وہ تمہارے آبا و اجداد کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ اُس نے
آنحضرتؐ سے پوچھا کہ عبدالمطلب دوزخ میں ہیں یا بہشت میں

تو آپ نے صاف فرما دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہیں۔ اور یہ بات کوئی
اسی ایک واقعہ سے مختص نہیں ہے۔ بلکہ ابتدا شروع عمر سے ہی آپ کو جھوٹ
کی طرف سے سخت نفرت تھی۔ اور تمام عرب اس بات کا قائل تھا جسکا ثبوت
یہ ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل نے بھی باوصف اس قدر بغض و عناد کے آنحضرت صلعم سے
کہدیا کہ ہم تمہیں جھوٹا تو اب بھی نہیں سمجھتے۔ مگر اس چیز کو جھوٹا ضرور جانتے ہیں
جو تم لائے ہوئے ہو یعنی قرآن مجید کو۔ ایسا ہی ایک دفعہ جنگ بدر کے دن جب اخنس
بن شریق اور ابوجہل باہم اکٹھے ہوئے تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا
کہ اب تو صرف میں اور تم ہی اکیلے ہیں۔ مجھے سچ سچ بتاؤ تو سہی کہ کیا واقعی آنحضرت
جھوٹے ہیں جسکے جواب میں ابوجہل نے یہی کہا کہ جھوٹا کس طرح کہدوں۔ آج
تک کوئی جھوٹ تو اس نے کبھی بولا نہیں۔ آخر ابن حارث نے کہا کہ اے گروہ قریش
کہ سخت افسوس ہے کہ جس شخص کی کمال سچائی ثابت ہو چکی ہو۔ اور جسکی امانت
و دیانت کی تم اب بھی قسم کھا سکتے ہو۔ اسکو جادوگر بتاتے تمہیں شرم
نہیں آتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی متفق علیہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ قبل نبوت بھی قوم نے
آپ کو امین کا خطاب دے رکھا تھا۔ اور حضرت علیؓ تو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم
سے اصدق الناس یعنی سب سے بڑے راستگو تھے۔ اور صداقت کا یہانتک
آپکو خیال تھا کہ مزاح و ظرافت میں بھی آپ کبھی اسکو جائز نہ سمجھتے تھے اور
گھر والوں تک کے خوش کرنے کو کوئی جھوٹا وعدہ نہ فرماتے تھے۔ حالانکہ اپنی
بچیوں کی خوشی خاطر کے لئے ہر شخص کہہ دیتا ہے کہ ہم تمہیں یہ بنوا دیں گے
اور ہم تمہیں وہ لا دیں گے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطلق ان باتوں
کو اپنے پاس تک نہ آنے دیتے تھے۔

انکسار۔ باوصف اس اعلا درجہ کی تقدیس و عزت کے جو آپ کو تمام عرب میں بلکہ
کیا دنیا بھر میں حاصل تھی۔ آپ اپنے ملنے والوں سے نہایت تواضع اور انکسار
کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے اور فخر و ناز کو پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے۔ جب

کبھی کوئی آپؐ کی تعریف کرتا۔ تو آپؐ فرماتے کہ جسطرح عیسٰےؑ ابن مریم کو لوگوں نے بڑھا بڑھا کے خدا کا بیٹا بنا دیا ہے۔ ویسے مجھے بھی نہ کر دینا۔ میں تو اُس کا ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح ہی رہنا چاہتا ہوں۔ غرضکہ اپنی تعریف سُنکے آپؐ خوش نہ ہوتے تھے۔ لیکن ازراہِ تواضع اگر کوئی سائل یا شاعر یا خطیب بخیال صلہ آپؐ کی تعریف میں کچھ کہتا تو اس کے پاس خاطر سے آپؐ سُن لیتے تھے اور صلہ کافی مرحمت فرما دیتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اپنی عبدیت کا اظہار بھی فرما جاتے تھے۔ احباب کے ساتھ نہایت بے تکلفانہ برابر ہو کر رہنا اور کام کرنا پسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں آپؐ نے اصحاب کے لئے ایک بکری ذبح کر کے پکانے کا حکم دیا۔ تو حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ اس بکری کو ذبح کرنے کی خدمت میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں اسکے صاف کرنے کو مستعد ہوں تیسرے بولے کہ میں پکا دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں ایندھن چُن لاتا ہوں۔ اسپر سب نے عرض کیا کہ ہم خدّام کیسے حاضر ہوتے حضور کو تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ تم لوگ مجھے عزیز رکھتے ہو مگر میں اپنا دستور اس قسم کا نہیں رکھنا چاہتا کہ تم میں بیٹھکر اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھوں اور ممتاز ہستی بنا کروں۔ جو خدا کو ناپسند ہے۔ میں تو دوستوں میں بیٹھکر ان کے برابر کام کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

ویسا ہی نجاشی شاہ حبشہ کا قاصد آپؐ کے حضور میں حاضر ہوا۔ تو آپؐ نے اُسے بھی تعظیم دی۔ اصحاب نے عرض کیا کہ ان لوگوں کی خدمت ہمارے سپرد رکھئے اور ہمیں سے تعظیم بھی دلوائیے۔ آپؐ کو کیا ضرورت ہے۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ میں بڑائی سے حاصل کیا؟ نجاشی نے جب میرے غریب اصحاب کی خود تعظیم کی تھی۔ تو میں اسکے سفیر کی تعظیم کیوں نہ کروں۔

بازار سے کوئی سودا خریدتے تو خود ہی اُٹھا لاتے۔ ایک دفعہ آپؐ نے بازار سے پائجامہ خرید لیا تو ابوہریرہؓ ساتھ تھے۔ ہر چند وہ کہتے رہے۔ اور کوئی اتنا

بارہ بھی نہ تھا جسکے اٹھانے سے کسی کو تکلیف ہو۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ اس کی وجہ کیا
یہ ہے کہ کام میرا ہے۔ میں اپنے آپ کو معزز سمجھ کر تم کو اسکے کرنے کا حکم دوں۔
ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کے پاس حاضر ہوا تو مارے ہیبت کے تھر تھر کانپنے
لگا مگر آپؐ نے فرمایا کہ ڈرو مت میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ قریش
میں سے ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو خشک گوشت کھا کر گذارہ کرتی تھی کسی
مجلس میں صدر بن کر بیٹھنے کا آپؐ کو شوق نہ تھا۔ بلکہ اپنے ہاں بھی اسکی پابندی
نہ تھی۔ آخر بڑی دقتوں کے ساتھ صحابہؓ نے آپؐ کو راضی کیا کہ آپؐ ایک
چبوترہ پر بیٹھا کیجے۔ صدہا نئے لوگ آتے ہیں اور اُن کو اس طرح تلاش میں
جو دقت ہوتی ہے وہ رفع ہو جائے گی۔ پس محض اس غرض سے آپؐ نے اس
چبوترہ پہ بیٹھنا منظور فرمایا۔ ورنہ ہرگز آپؐ اس کے روادار نہ تھے۔ کہ
کوئی امتیازی وضع اختیار فرمادیں۔

بذل و بخشش کا یہ حال تھا کہ باوصف اسقدر حکومت کے وقت انتقال آپؐ
کی زرہ رہن تھی۔ ہر سال لاکھوں درہم و دینار آتے تھے اور آپؐ ان کو
مسلمانوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود بھی جسقدر حصہ پاتے
تھے۔ جب تک وہ راہِ خدا میں خرچ نہ ہو جاتے آپؐ چین نہ لیتے تھے
جو کچھ دن میں آگیا۔ وہ شام تک ضرور سائلوں پر تقسیم بھی ہو گیا۔ حتٰے کہ
ہدیہ وغیرہ میں بھی جو کچھ آپؐ کے پاس آتا تھا۔ اُسے بھی غریبوں اور مسکینوں
پر بانٹ دینے میں تامل نہ فرمایا جاتا تھا۔ کسی سائل کو جواب خشک آپؐ کبھی
نہ دیا کرتے تھے۔ بلکہ اگر کسی وقت پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ اسوقت تمہیں
دینے کے لئے کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر تم پھر آؤ جس وقت بھی کچھ آگیا۔ فوراً
تمہارا سوال پورا کر دیا جائے گا۔ چونکہ ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے تھے
حتی کہ ایک دفعہ کسی سائل نے آپؐ سے وہ کرتا طلب کیا جو پہنے ہوتے تھے
اور آپؐ نے دے بھی دیا تو اپنا یہ حال ہے کہ ننگے بدن بیٹھے ہیں۔ نماز کی

اذان ہوئی تو حجرہ میں کوئی کپڑا ڈھونڈھنے لگے تاکہ اُسے اوڑھ کر نماز پڑھانے
جائیں۔ اس میں جو کچھ دیر لگی تو صحابہؓ دروازۂ حجرہ پر پہنچ کر کیفیت سے
مطلع ہوئے اور آنحضرت کو ساتھ لوالائے۔ غرضکہ ایسی ایسی باتوں سے
چونکہ آپؐ کو تکلیف بھی ہو جاتی تھی۔ اسلئے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ اسقدر داد و دہش نہ کیا کیجئے کہ جس سے
خود تکلیف اٹھانی پڑے۔ مگر آپؐ نے فرمایا یہ تو مجھ سے ہو نہیں سکتا
ایک انصاریؓ بھی جو اسوقت حاضر تھے انہوں نے آپؐ کی موافقت کی
تو آپؐ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ مجھے ایسا ہی حکم ہے کہ کسی سائل
کو محروم نہ رکھوں۔

ایک دن آپؐ کے حصہ میں نوّے ہزار درہم یا پچیس ہزار روپیہ آیا۔ جو
آپؐ کے سامنے ڈھیر کر دیا گیا تھا۔ مگر آپؐ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جب
تک ان سب کو غربا و مساکین پر تقسیم نہیں کر دیا اُٹھے تک نہیں اور اپنی
یہ کیفیت تھی کہ رات کو گھر میں فاقہ تھا۔

ایک بار آپؐ ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوئے تھے کہ جسکے دونوں طرف
پہاڑیاں تھیں اور درمیانی میدان میں آپؐ کی بکریوں کا گلہ چر رہا تھا کسی
اعرابی نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس کوئی بکری نہیں ہے۔ خدا نے آپؐ
کو صاحب توفیق کیا ہے تو کچھ مجھے بھی اس کے راہ پر دلوائیے۔ آپؐ نے
فرمایا کہ یہ سب گلہ جو چر رہا ہے تم ہی لے جاؤ۔ یہ ایسی فیاضی تھی کہ جس نے
سائل کو بھی متعجب کر دیا۔ بہر حال وہ سب بکریاں لے گیا۔ اور ساتھ ہی
مسلمان بھی ہو گیا۔ سچ ہے دین و دنیا دونوں پا گیا۔

ایک دفعہ کہیں سے ایک سونے کا تار آگیا اور اگرچہ ایسی چیزیں آپؐ کے
ازواج مطہرات کے کام آسکتی تھیں اور وہ اسکے لئے احق بھی تھیں۔ مگر
آپؐ نے ازراہ فیاضی اسکو توڑ تاڑ کے تقسیم فرما دیا۔ اور ایسی پر کیا موقوف ہے

ایسے صد ہا واقعات ہیں۔ کہ آپؐ نے تنگی سے گذران کر لی مگر سائلوں کو مالا مال کر دیا۔ جنگ حنین کے دن پانچ لاکھ درہم آپؐ کے حصے میں آگئے۔ اور وہ سب آپؐ نے غربا پر تقسیم کر دیئے۔ اور ایک دفعہ حضرت عباسؓ کو اسقدر سونا عطا فرمایا کہ وہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پاس چادر نہ تھی کسی نے ایک چادر لا دی اور آپؐ اوڑھ کر بیٹھے تو ایک صحابی نے کہا کہ حضور یہ چادر بہت عمدہ ہے۔ مجھے مرحمت ہو تو بڑی بات تھی۔ آپؐ نے فی الفور اتار دی۔ غرضکہ سخاوت کے لئے خوشحالی اور فارغ البالی کی ضرورت ہی آپؐ نے رفع کر دی تھی۔ بس جس نے یہ عرض کیا۔ دیئے کے بغیر آپ خوش نہ ہوتے تھے۔

حیاوحلم۔ آنحضرت صلعم کے مزاج مقدس میں حیا وحلم اسقدر تھا کہ کبھی آپؐ کسی عورت کی طرف آنکھیں چار کر کے نہ دیکھتے تھے۔ اور قضائے حاجت کے لئے اسقدر دور جاتے تھے کہ جہاں کسی کے آنے جانے کا اتفاق نہ ہوتا ہو۔ اور پھر بھی ادھر ادھر کپڑے کو پھیلا کر اتنا لٹکا دیا کرتے تھے کہ جس سے کچھ نظر نہ آسکے۔ اور جسم اطہر پر اکثر کپڑا پہنے رہتے تھے ننگے جسم کبھی آپؐ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ فحش وہزل تو آپؐ کو چھو کبھی نہ گیا تھا۔ لیکن اگر کہیں مسائل شرعی کے لئے کسی ایسی بات کے بیان کی ضرورت بھی پڑتی۔ تو آپؐ کنایتاً ذکر فرماتے معتبر آدمیوں کے ساتھ کافر ہوں یا مومن ہمیشہ ادب سے پیش آتے۔

مزاح۔ فحش وہزل تو عقلا کے نزدیک بری بات ہے۔ مگر ظرافت کچھ معیوب نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن آپؐ کے مزاج میں ظرافت بھی نہایت ہی اعتدال کے ساتھ تھی۔ جسکو خوش طبعی سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس میں بھی کبھی کوئی بیہودہ بات یا جھوٹ آپؐ کے منہ سے نہ نکلتا تھا۔ مثلاً آپؐ کی خوش طبعی یہ تھی کہ حضرت انسؓ جو آپؐ کے خدام میں سے تھے۔ ان کو آپؐ کبھی مزاحاً اسقدر فرماتے تھے کہ "ذوالاذنین" اے دو کانوں والے۔ یا یہ کہ حضرت انسؓ کے

بھائی کی ایک خوبصورت چڑیا پالی ہوئی مرگئی تو وہ بچہ اس سے بہت دکھی ہوا
آنحضرت صلعم کو بھی خبر ہوئی۔ تو آپ ایسے مزاحاً فرمایا کرتے تھے۔
"یا ابا عمیر ما فعل النغیر" اے ابا عمیر تمہاری چڑیا نے کیا کام کیا؟ یا ایک دفعہ
ایک شخص نے آپ سے سواری کے لئے اونٹ کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔
بہت اچھا۔ تمہیں ایک اونٹنی کا بچہ دیدیا جائے گا۔ بیچارہ سادہ مزاج اس
بات کو نہ سمجھ سکا اور آپ سے عرض کیا کہ حضور میں بچہ کو کیا کروں گا۔ آپ نے
ہنس کر فرمایا کہ بھلے آدمی ہر ایک اونٹ آخر اونٹنی کے ہی پیٹ سے
تو ہوتا ہے۔ گھبراتے کیوں ہو۔ اونٹ ہی ملے گا۔ یا ایک دفعہ ایک بڑھیا
نے آپ سے دعا چاہی کہ حق تعالے اسے جنت عطا فرمائے تو آپ نے فرمایا
کہ جنت میں کوئی بڑھیا تو نہ جائیگی۔ اس پر وہ بیچاری سخت سٹپٹائی۔ تو
آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جنت میں ہر ایک مرد و عورت
جوان کر کے بھیجا جائیگا۔ اور تم بھی جوان ہی بنا کر بھیجی جاؤ گی۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ کھانے پینے کی قسم سے جو کوئی ہدیہ لاتا تو سب حاضرین
کے سب کو ورنہ کم از کم ہدیہ لانے والے کو تو ضرور ہی اسکے کھانے میں
شریک فرما لیتے خواہ کتنی ہی قلیل المقدار کیوں نہ ہو۔ پس آنحضرت صلعم
کی اس عادت سے فائدہ اٹھانے کو ایک شخص نے معمول باندھ رکھا تھا
بازار میں جو کوئی عمدہ چیز یا نیا پھل آتا وہ آپ کے پاس بطور ہدیہ لے آتا۔ اور
جب آپ لانے والے کو شریک فرما کر آپ کھا لیتے تو وہ شخص اس کے مالک
کو دام مانگنے کے لئے آنحضرت ہی کے پاس بھیج دیتا۔ آپ اس کی اس
حرکت سے متبسم ہو کر قیمت ادا کر دیتے۔ اور اس سے فرماتے کہ لو بھئی تمہارے
ہدیہ کی قیمت دلا دی گئی۔

شجاعت بھی آنحضرت کو واہب النعم حقیقی نے اسقدر
عطا فرمائی تھی کہ جو ایک بڑے سے بڑے شجاع اور دلیر میں ہوتی

چاہیے۔ کسی خطرہ کا آپ کے دل پر کبھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ ناظرین دیکھ چکے ہیں
کہ جب آنحضرت صلعم غارِ ثور میں تشریف رکھتے تھے۔ اور کفار آپ کا تعاقب کرتے
ہوئے عین دروازہ غار تک پہنچ گئے ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے مضطربانہ
عرض کیا۔ کہ حضور صلعم! اب تو وہ ہمارے سر پر پہنچ گئے ہیں۔ تو آپ بدستور
ویسے ہی مطمئن رہے۔ اور فرمایا لاتحزن ان اللّٰہ معنا۔ علےٰ ہذا جب سراقہ
وغیرہ آپ کے تعاقب میں پہنچ گئے۔ تو پھر بھی آپ مطلق ہراساں نہ ہوئے
اور یہی کلمہ اُس موقع پر بھی فرمایا۔ اس کے سوا انیس یا بائیس غزوات میں
بطور کمانڈر انچیف آپ خود بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور یہی نہیں کہ ایک جگہ کہیں
بیٹھے رہتے ہوں۔ بلکہ برابر غازیوں کے ساتھ مل کر کام کرتے رہتے۔ اور دادِ
شجاعت دیتے رہتے۔ جنگ بدر و اُحد میں خاص آپ کی ذات پر کفار
نے متفقہ حملے کئے۔ اور آخر الامر وہ آپ تک سر پر پہنچ ہی گئے بلکہ زخم بھی
لگا گئے۔ مگر کیا مجال کہ آپ بھاگے ہوں۔ یا اپنی جگہ سے ایک قدم بھی سرکے
ہوں۔ جنگ اُحد میں جبکہ آپ کا جسمِ اطہر زخمی ہو رہا تھا اور دو دندانِ مبارک
بھی ٹوٹ گئے تھے۔ آپ بدستور مصروفِ پیکار تھے۔ کئی ایک مسلمان بھاگ
بھی کھڑے ہوئے۔ مگر آپ ویسے ہی ہشاش بشاش تھے۔ اور پہاڑ پر
چڑھ کے ادائے نماز میں مصروف تھے۔ یورپین مورخ باوجود انتہائی
تعصب کے اس اطمینان و دلجمعی پر عش عش کر اٹھے ہیں
جو باوصف ہزیمتِ ظاہری کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
وسلم نے اُس موقع پر ظاہر فرمائی تھی۔ اس کے سوا جنگ حنین
میں بھی جبکہ اکثر مسلمان متفرق طور پر دانستہ یا نادانستہ بھاگ
کھڑے ہوئے تھے۔ آپ بدستور اڑے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ پھر
گیا ہوا میدان مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ جنگ بدر میں آپ نے بطور خود
یہ بھی پڑھا ہے۔

انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبد المطلب[1]

اِسکے سوا ہر ایک موقع پر آپؐ کی تدابیر ایسی اعلیٰ درجہ کی مفید ثابت ہوتی رہیں۔ کہ قریباً ہر ایک معرکہ میں مسلمانوں کو اپنے سے دو گنے اور تگنے گروہ مخالفین تک پر کامیابی ہو جاتی تھی۔

رعب و داب - باوصفِ انکسار اور تحمل و تواضع کے آنحضرتؐ ایسے باوقار تھے کہ بڑے بڑے اشجع اور بڑے بڑے شیر دل لوگ آپؐ کا لوہا مانتے ہیں۔ اور یہ ایک خطرناک جوہر تھا۔ ابتدا میں جبکہ آنحضرت صلعم یتیم و بیسر تھے۔ اور اظہارِ نبوت کے ساتھ ہی تمام قریش حضورؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے کسی کو اتنا یارا نہ ہوا کہ آنحضرتؐ پر دوبدو وار کرے۔ اگرچہ آپؐ اپنے تحمل سے کفار کی مغلظات کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ مگر ناظرین پہلے باب میں دیکھ چکے ہیں۔ جس دن بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ابوجہل نے معہ اپنی بزدل پارٹی آپؐ پر آوازے کسنے شروع کئے اور آپؐ نے بھی جلال میں آکر فرما دیا۔ کہ بخدا لوگوں کو ذبح کرنے آیا ہوں۔ تو باوجودیکہ آنحضرتؐ تنہا تھے۔ مگر کسی کو آپؐ کے آپ مقابلہ نہ ہو سکا۔ اسکے علاوہ جبدن آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اور کفار کو بھی اسکی خبر لگ گئی۔ تو ایک روایت میں سو آدمیوں نے اور ایک روایت کے مطابق چالیس آدمیوں نے آپؐ پر حملہ کرنے کی نیت سے ہتھیار سج کر آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا مگر ان سے تو آپؐ بطریق اعجاز نکل کر چلے گئے۔ مگر ظاہر ہے۔ کہ صرف ایک اکیلے

---

[1] میں سچا نبی ہوں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ اِس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باوجود ایسے مواقع کے جن میں انسان اعتدال سے گذر جاتا ہے۔ کوئی مبالغہ وغیرہ ہرگز روا نہ رکھتے تھے جو پہلے درجہ کی صداقت شعاری ہے۔ ۱۲

آدمی پر حملہ کے لئے سو یا چالیس آدمیوں کا مسلح ہو کر آنا سوائے اس کے ناممکن
تھا کہ وہ سب آپؐ کے رعب و داب کو مانے ہوئے تھے۔ اور سوائے
جتھا باندھ کر حملہ کرنے کے وہ اپنی کامیابی محال سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ
دیکھئے کسریٰ فارس کے حکم کے مطابق باذان گورنر یمن نے (جو بعد میں سعادت
اسلام سے مشرف ہو کر درجات عالیہ کا سزاوار ہو گیا) آپؐ کی گرفتاری کے لئے
آدمی بھیجے تو آپؐ کا مطلق متاثر نہ ہونا تو امر دیگر ہے۔ ان سپاہیوں کو بھی
اسقدر جرأت نہ ہو سکی کہ آپؐ کے روبرو گرفتاری کا لفظ صرف زبان پر تو لے آتے
علاوہ بڑے بڑے اکھڑ لوگ (کوئی تو بارادہ بحث اور کوئی بارادہ قتل وغیرہ)
آپؐ کے حضور میں حاضر ہوتے رہے۔ اور ہمیشہ آپؐ کے رعب نے ان کو ادب
سکھا کر خاموش بٹھا دیا۔ حالانکہ آپؐ پرلے درجہ کے متواضع اور حلیم
تھے۔ صحابہؓ کے ساتھ بھی اگرچہ آپؐ اس مہربانی سے پیش آتے تھے۔
جیسے کسی کا مہربان باپ پیش آسکتا ہے۔ اور اس بے تکلفی سے اٹھتے بیٹھتے
اور گفتگو فرماتے تھے کہ جیسے کسی کا بے تکلف یار کر سکتا ہے۔ مگر اس پر بھی لوگوں
کے ادب کا یہ حال تھا کہ سب لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں اس طرح نیچی نظریں کئے
خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ جیسے ان کے سروں پر کوئی پرندہ بیٹھا ہے۔ اور
وہ جانتے ہیں کہ سر نے ذرا سی بھی جنبش کی اور وہ اڑ گیا۔ اس کے ساتھ
ہی یہ بھی سننے کے لائق ہے کہ آنحضرتؐ خود تمام صحابہؓ اور دیگر سامعین
کو ہرگز اس طرح کرنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کے
حضور میں حاضر ہوا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ڈرتے کیوں
ہو اور لوگ تو بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں نہ کہ پیغمبروں سے اور پھر فرمایا کہ صرف
خدا سے ڈرنا چاہیئے۔

گھریلو زندگی آپؐ کی نہایت بے تکلفانہ اور سادہ تھی۔ ازواج مطہرات
اگرچہ تمام مسلمانوں میں ایسا اعلیٰ درجہ رکھتی تھیں کہ کوئی دنیوی شہزادی انکی

ریس نہیں کر سکتی۔ اور اس کے علاوہ گھر میں خادم اور خادمائیں بھی موجود تھیں مگر یہ نہیں کہ کوئی خیال تھا غران کو یا آپؐ کو آجکل کے امرا کی جاستر فارکی بھی رسم کے مطابق کام کاج کرنے سے فارغ ہو۔ گھر کا سارا ضروری کام سب خود کرتی تھیں۔ بلکہ آنحضرتؐ بھی ان کو مدد دیتے تھے۔ کبھی بار آپؐ نے ازواج مطہرات کے ساتھ ملکے خود گوشت چیرا ہے۔ اور عام طور پر سب کے ساتھ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ پیش آتے۔ ازواج مطہرات تو ایک طرف رہیں لونڈیوں غلاموں کے ساتھ ملکر کھانا کھانے سے کبھی عار نہ فرماتے۔ اور گھر کا جھاڑو بہارو ان کے ساتھ خود دیتے۔ کپڑا پھٹا ہوا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے سی لیتے۔ اور اگر جوتا کہیں سے پھٹ جاتا تو اسے بھی بلا کسی اکراہ کے خود ہی سی لیتے۔ اونٹوں کو چارہ ڈالتے۔ پانی بھرتے بازار سے سودا سلف لاتے اور حتےٰ کہ آٹا گوندھنے سے بھی کبھی اکراہ نہ فرماتے۔

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ محبت اور خاطر داری سے پیش آتے تھے۔ رعونت یا نخوت ظاہر نہ کرتے اور سب کے ساتھ کھانے کپڑے وغیرہ میں مساوات برتتے حتیٰ کہ شب باشی بھی باری باری سے ہوتی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اگرچہ انتقال کر گئی تھیں مگر آپؐ نے کبھی ان کو فراموش نہ فرمایا بلکہ ان کی تمام ملنے والیوں کی بھی ہمیشہ خاطر و مدارات کرتے رہے۔ اور اگر کبھی کوئی اونٹ یا بکری وغیرہ ذبح کرتے تو سب کو برابر حصہ بھیج دیتے۔

خاندان ہاشم اور قرابتداروں کے ساتھ ہمیشہ محبت اور رفاقت سے پیش آتے اور سب کی عزت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہم کی بہت خاطر داری کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بیسیوں حدیثیں موجود ہیں علاوہ ازیں حضرت عباسؓ کی نسبت بھی بہت کچھ فرمایا ہے۔ آپؐ ان کو ہمیشہ "آبا عمی" کہا کرتے تھے یعنی یہ میرے آبا کا بقیہ ہیں۔ حالانکہ

آپ کی شان بلند کے مطابق اسقدر الطاف و کرم بہت ہی بڑھے ہوئے تھے۔ مؤلف کو ایک اپنی آنکھوں کا قصہ یاد ہے کہ ایک دیوان صاحب کسی ریاست کے مدار المہام تھے۔ اور اُن کے معمر چچا تھے گورنر۔ جو گو بہت بڑے عہدہ دار تھے مگر پھر بھی مدار المہام کے ماتحت تھے۔ چچا صاحب نے کسی سرکاری روبکار لکھواتے ہوئے دیوان صاحب کو برخوردار بلند اقبال کا القاب لکھوا دیا تو بھتیجے صاحب نے دیکھ کر سو روپیہ جرمانہ کا حکم دیدیا۔ کہ اس رشتہ داری کے اظہار کی کیا ضرورت تھی آخرش جرمانہ تو معاف ہو گیا مگر چچا صاحب کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور پھر کبھی ایسی جرأت نہ کر سکے۔ یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ مدار المہام صاحب انگریزوں کے بہت بڑے صحبت یافتہ تھے۔ اب ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ آنحضرت کا صلہ رحم و اخلاق کتنا بڑا عالی قدر تھا۔

آل و اولاد کے ساتھ بھی حضورؐ کا برتاؤ نہایت لطف و شفقت کا تھا اور بڑے درجہ کا پرمحبت تھا۔ عرب میں لڑکیوں کا مار ڈالنا ایک معمولی بات تھی۔ مگر آنحضرتؐ ابتدا سے اس کے مخالف تھے۔ اور لڑکی ہو یا لڑکا نہایت محبت کے ساتھ اسکو اٹھائے پھرتے تھے حسنین رضی اللہ عنہم کے ساتھ تو آنحضرت صلعم کو اسقدر الفت تھی کہ جسکا مقابلہ کوئی دنیاوی محبت نہیں کر سکتی۔ آپ اُن کو اپنے دوش مبارک پر سوار کراتے تھے اور بعض اوقات اپنی پیٹھ پر بٹھلا کر ایک رسی اُن کے ہاتھ میں دیدیتے اور خود اُسکا سرا اپنے دہن مبارک میں تھام لیتے انہیں باتوں سے حسنین رضی اللہ عنہم کا حوصلہ بھی اسقدر بڑھ گیا ہوا تھا کہ ایک دفعہ جبکہ امام حسینؓ نہایت خوردسال تھے۔ آنحضرتؐ کو نماز میں سجدہ کرتے دیکھ کر آپؐ کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ اور آنحضرت صلعم کا بھی یہ حال تھا کہ جب تک وہ اپنی خوشی سے اُتر نہ آئے۔ آپؐ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا۔

اگر ناظرین آجکل کے امرا اور بالخصوص اس زمانہ کے امراء کے حالات

نگاہ ڈالیں گے۔ تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ صرف اپنا ذاتی تقدس و تعزز دکھانے کے لئے یہ لوگ اولاد سے نہایت سرد مہری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ مگر آنحضرتؐ بالکل عامیانہ طریق سے بال بچوں کی پرورش اور ناز برداری فرماتے تھے۔ اور ہرگز کوئی عجب و رعونت ان کے پاس گذرنے نہ پاتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ باوصف اس الفت کے آپؐ دینی معاملات اور تربیت میں ہرگز اغماض نہ فرماتے تھے۔ جس کا ایک معمولی ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ جبکہ آپؐ بیت المال میں تشریف رکھتے تھے اور کہیں سے صدقات میں کچھ کھجوریں بھی جمع ہو گئی تھیں تو جناب امام حسینؓ نے خورد سالی کے باعث آپؐ کے روبرو انہیں سے دو ایک کھجوریں منہ میں ڈال لیں۔ مگر آپؐ نے فی الفور ایک طمانچہ مار کے وہ کھجوریں انکے منہ سے نکلوا دیں۔ اور فرمایا کہ صدقات ہم پر حرام ہیں۔ ایسی کئی مثالیں اور ہیں جن کا لکھنا باعثِ تطویل ہے۔

ملاقات میں حضورؐ کا برتاؤ سب کے ساتھ نہایت بلا تصنع اور پرلے درجہ کا متواضع تھا۔ جو کوئی آپؐ کے حضور حاضر ہوتا۔ یا بازار میں ملجاتا نہایت اخلاق کے ساتھ اُسے سلام علیکم فرماتے۔ اور ہمیشہ سلام کہنے میں خود ہی سبقت فرماتے۔ اور مصافحہ میں کبھی ابا نہ فرماتے۔ بلکہ نہایت فراخدلی سے دوسرے شخص کے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں ڈال دیتے۔ اور جب تک دوسرا ہی کسی اپنی ضرورت کے لئے رخصت نہ لیتا۔ آپؐ اُس سے باتیں کرتے رہتے کبھی آپؐ نے نہیں فرمایا کہ میں اسوقت یہ بات نہیں سن سکتا۔ یا مجھے فرصت نہیں۔ جو لوگ شریف اور سرداران قوم ہوتے اُن کا بھی آپ برابر اعزاز فرماتے اور غریب کو بھی ویسی ہی محبت سے مشرف فرماتے۔ حتے کہ تعظیم دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ حالانکہ آپؐ سب کے نزدیک مقدس و مکرم تھے۔ جو شخص شرفِ نیاز کو حاضر ہوتا۔ آپؐ ازراہ تواضع اپنی نشست پر اُسے جگہ دیدیتے اور بسا اوقات ایسا ہو جاتا کہ اگر بستر خالی نہ ہوتا تو خود خالی زمین پر بیٹھ

جاتے اور بستر دوسروں کے نیچے بچھا دیتے۔ اور اگر خود کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو صدر میں بیٹھنے کی مطلق خواہش نہ فرماتے جہاں جگہ خالی دیکھتے وہیں بیٹھ جاتے۔ آپؐ نے صحابہؓ کو تاکیداً فرما دیا تھا کہ میرے بٹھانے کے لئے خاص افراتفری نہ ڈالا کرو۔ جو شخص جہاں بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ جگہ اس کا حق ہو جاتی ہے۔ گھر میں بیٹھے یا راہ چلتے اگر کوئی شخص اپنی حاجت بیان کرتا تو فوراً متوجہ ہو کر سنتے۔ راہ چلتے میں کوئی کچھ کہنا چاہتا تو کھڑے ہو کر سن لیتے۔ اور حتی المقدور اسی وقت اسکی امداد فرماتے۔ بلکہ آپؐ کا ارشاد تھا کہ جو شخص کوئی حاجت رکھتا ہو اسے بے تکلف مجھ سے بیان کرنا چاہیئے اور اگر کوئی ایسا شخص حاجتمند ہو جو یہاں آتا جاتا نہ ہو تو یہاں کے آنے جانے والوں کو اسکی حاجت مجھ تک پہنچانی چاہیئے۔ اسی ضمن میں آپؐ نے فرمایا کہ بڑے لوگوں کے مقربین اگر اجنبی لوگوں کی حاجات اپنے آقاؤں سے بیان کر کے انکی حاجت روائی کرائیں گے۔ تو حق تعالےٰ قیامت کو اُنہیں گرنے نہیں دیگا روزانہ آنے والوں میں سے اگر کوئی نہ آتا تو دوسروں سے فرداً فرداً اسکی خیریت پوچھتے۔ اگر معلوم ہوتا کہ وہ کہیں سفر کو گیا ہے تو اسکی کامیابی کی دعا فرماتے اور اگر بیمار سنتے تو عیادت کو جاتے اور تسلی و تشفی کی باتیں کر کے دعائے صحت فرماتے۔ اور اگر کسی امر اتفاقی کے باعث نہ آسکا ہوتا تو تین دن تک انتظار کر کے خود تشریف لے جاتے۔ اور پوچھتے کہ بھائی تمہیں میری صحبت کچھ بری تو نہیں لگی؟ اللہ اکبر! اگر کسی شخص سے کوئی بات آپؐ کو ناپسند آتی تو آپؐ یا تو نہایت نرمی کے ساتھ اُسے خود متنبہ فرما دیتے کہ ایسا نہیں کیا کرتے یا اپنے ہمنشینوں کو فرماتے کہ اسے کہدو کہ ایسی باتیں اچھی نہیں بڈھوں کا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ہر حالت میں لحاظ فرماتے تھے کوئی سفید ریش اگر رستہ میں آپؐ سے آگے جا رہا ہوتا تو اس سے بڑھ جانے کی کوشش نہ فرماتے۔

بچوں کے ساتھ بھی آپؐ کا برتاؤ نہایت مشفقانہ و بزرگانہ ہوتا تھا۔ جو بچہ آپؐ کے ہاں حاضر ہوتا یا آپؐ کسی صحابیؓ کے جاتے اور وہاں کوئی حاضر ہوتا تو چھوہارہ چبا کے اسکے مُنہ میں دے دیتے۔ سر پہ ہاتھ پھیرتے اور محبت سے گود میں لے لیتے اور دُعا فرماتے۔ اس میں کوئی تخصیص ہی نہ تھی مسلمانوں کا کوئی بھی لڑکا ہو۔ خواہ بنی ہاشم میں سے ہو یا مہاجرین میں سے اور خواہ انصار میں سے سب کے ساتھ ایسی ہی محبت و شفقت ظاہر فرماتے۔

زیردستوں کے ساتھ نہایت نرمی سے پیش آتے۔ نوکروں کو جھڑکنا اور مارنا تو درکنار کبھی زبان سے بھی بُرا نہ کہتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں دس برس آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہا۔ مگر آپؐ نے کبھی مجھ پر خفگی کا اظہار نہ کیا۔ حالانکہ بیسوں دفعہ مجھ سے ایسی باتیں ہو جاتی تھیں کہ جن کو دیکھ باقی لوگ مجھے جھڑک دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے مجھے کسی کام کو بھیجا۔ مگر میں لڑکا تو تھا ہی رستے میں کھیل کود میں مصروف ہو گیا۔ دیر ہوئی۔ تو آنحضرتؐ خود اُٹھے اور میں کھیل رہا تھا کہ میری گردن پہ آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھدیا۔ میں دیکھ کر شرمندہ ہو گیا۔ مگر آپؐ نے بجز اس کچھ نہ فرمایا کہ ابھی تک تم اس طرف نہیں گئے جہاں بھیجے گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اب جاتا ہوں۔ آپؐ متبسم ہو گئے۔ اور یہ بات آئی گئی ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ کھانے پینے میں نوکروں۔ غلاموں اور اصحاب صُفہؓ کو آپؐ اپنے برابر رکھتے تھے۔ اور نوکروں کے ساتھ ملکر کام کاج کرنے سودا سلف خرید لانے اور حتے کہ جھاڑو بہار دینے تک سے بھی آپؐ کو عذر نہ تھا۔

مہمانی۔ ہر ایک مہمان کی واقف ہو یا ناواقف آپؐ بڑے شوق سے مہمانی فرماتے تھے اور حتی الامکان مہمان کے خوش کرنے کو خود بھی اُس کے ساتھ شامل طعام ہو جاتے تھے۔ اور اگرچہ خود تو کچھ اس کے پابند نہ تھے کہ

ضرور اچھا ہی کھانا پکایا اور کھایا جاتے ۔ مگر مہمان کے لئے بقدرِ ممکن اچھا کھانا پکواتے تھے ۔ اور صرف کھانا کھلا دینے پر ہی مہمانی ختم نہ ہو جاتی تھی ۔ بلکہ مہمان کا اصل مقصد بھی حل فرما دیتے تھے اور طرح طرح کی خوش آیند باتوں سے اُسے خوش بھی کر دیتے تھے ۔

آدابِ گفتگو آپؐ کے نہایت پاکیزہ تھے ۔ بلکہ کبھی کوئی فحش بلکہ فضول بات کبھی آپؐ کے مُنہ سے نہ نکلتی تھی اور نہ آپؐ ہزلیات سُننا پسند کرتے تھے ۔ بلکہ آپؐ کہا کرتے تھے کہ میں ہر ایک شخص کے پاس سے سلیم الصدر ہو کر نکلنا چاہتا ہوں ۔ اسلئے کوئی فحش و ہزل بات مجھ سے نہ کہا جائے ۔ سرگوشی آپؐ پسند نہ فرماتے تھے ۔ لیکن اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ کان میں کہنا چاہتا تو فوراً گوشِ مبارک اُس کے مُنہ کے قریب کر دیتے ۔ اکثر خاموشی اور سکوت پسند خاطر تھا ۔ مگر یہ نہیں کہ بات ہی نہ کریں متکلم یا سائل کی تسلی میں دیر دیر تک گفتگو فرماتے تھے ۔

خبرگیری ۔ بیماروں کی خبرگیری اور شادی غمی کی شرکت کا خاص اہتمام تھا ۔ روزانہ نمازِ صبح کے بعد آپؐ حاضرین سے دریافت فرما لیتے تھے کہ کوئی شخص بیمار تو نہیں اگر معلوم ہو جاتا تو اُسکی عیادت کو تشریف لے جاتے ۔ علیٰ ہذا یہ بھی روزانہ دریافت فرما لیتے کہ کسی کی موت تو نہیں ہوئی ۔ جسکے معلوم ہونے پر فوراً نمازِ جنازہ کے لئے تشریف لے جاتے ۔ علیٰ ہذا ولیموں کی دعوتوں میں بھی آپؐ بے تکلف شریک ہو جایا کرتے تھے ۔

تعبیرِ خواب ۔ بیماری و موت کے پوچھنے کے بعد آپؐ تیسری بات یہ فرمایا کرتے تھے کہ اچھا کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرکے تعبیر پوچھ لے ۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ بعض لوگ پُرانی داستانوں کے مطابق خواب کے معانی کچھ کے کچھ لے لیا کرتے تھے ۔ اور طرح طرح کے

وساوس میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپؐ خود خواب کی تعبیر دیدیا
کرتے تھے۔ آپؐ نے خواب کی نسبت مثال طور پر فرمایا ہے کہ خواب کیصورت
طائر کی سی سمجھو جسکے دو پر ہوتے ہیں۔ ایک خیر کا اور دوسرا شر کا۔ پس
جب تک خواب دیکھنے والا اسکی بابت کسی سے کچھ پوچھتا نہیں وہ ساکت
رہتا ہے۔ اور معبّر جیسی کچھ تعبیر دیتا ہے اُسی کے مطابق وہ خیر یا شر کا
پر ہلا دیتا ہے۔ اور ویسے ہی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ مثال ایسی اعلےٰ درجہ
کی ہے کہ فلسفہ اور سائنس کوئی بھی اسکی تردید نہیں کرسکتا۔

صبر و تحمل تو آنحضرت صلعم کی ذات پر ختم سمجھنا چاہیئے۔ کفار بد نہاد
جو اذیتیں آپؐ کو پہنچاتے تھے۔ ان کا قدرے حال ناظرین باب اول میں
پڑھ چکے ہیں۔ مگر اللہ رے صبر کہ کہیں اُف تک نہ کی اور مقابلہ و مجادلہ
تو ایک طرف رہا۔ کبھی بد دعا تک بھی نہ فرمائی۔ روایت ہے کہ قیام مکہ میں
ایک کافرہ عورت اسقدر کینہ ور تھی کہ وہ روز گھر کا کوڑا کرکٹ جمع کر رکھتی۔ اور
جب کبھی ادھر سے آپؐ گذرتے تو نعوذ باللہ آپؐ کے اوپر ڈال دیتی۔ مگر آپؐ
مطلق خبر نہ ہوتے۔ ایک دن آپؐ کا جو اتفاقاً گذر ہوا تو اُسعورت کبھی
نے کوڑا نہیں پھینکا۔ آپؐ نے محلہ والوں سے پوچھا تو انہوں نے عرض
کیا کہ وہ تو بیمار ہوگئی ہے۔ آپؐ کا تحمل تو دیکھنا چاہیئے کہ باوصف
اُسکے ایسے ذلیل سلوک کے آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے۔ جس کے
بعد تو پھر اُسے سوائے آپکا کلمہ پڑھ لینے کے چارہ ہی کیا تھا۔ ایسا ہی
ایک شب کوئی غیر مسلم اعرابی آپؐ کا مہمان ہوا۔ آپؐ نے کھانا کھلایا
تو مارے طمع و لالچ کے اُسنے بہت سا کھا لیا۔ رات کو ہوئی بدہضمی
موسم تھا سرد۔ کچھ تو بیہوشی اور کچھ عناد ہی تھا اُس نے تنگ آکر
تمام حجرہ ناپاک کر دیا۔ اور قبل صبح مکان کی کنڈی وغیرہ کھول کہیں بھاگ
گیا۔ آپؐ نے دروازہ کھلوایا۔ تو تمام بستر اور گٹھری کو نجاست سے

بھرا ہوا دیکھا - لیکن مطلق ماتھے پر بل تک نہیں ڈالا - اور بلا تکلف اس کو دہونے
لگ گئے - اتفاق سے مقرور مہمان کی کوئی انگوٹھی رہ گئی تھی - وہ اسے یاد آئی تو
پھر بھاگا آیا - اور جب آنحضرت صلعم کو اپنے ہاتھ سے نجاست دہوتے
ہوئے دیکھا تو عرق ندامت میں غرقاب ہوگیا اور شرمندگی کے مارے بجائے
سلام وکلام کے حجرہ کیطرف دیکھنے لگا - کہ کہیں وہ انگوٹھی ملجائے تو لیکے
بھاگ جاؤں - وہ انگوٹھی بستر دھوتے ہوئے آنحضرت ؐ نے بار رکھی تھی
پس آپؐ نے اسکی متجسانہ نگاہیں دیکھکر ارشاد فرمایا کہ بھائی تمہاری چیز فلاں
طاقچہ پر دھری ہے - لے لو - اور اب تو دن بہت نکل گیا ہے آج کی مہمانی کھا کر
کل چلے جانا - جسکے بعد وہ مسلمان ہوگیا - علےٰ ہذا مدینہ منورہ میں جبکہ تمام
لوگ آپؐ کے فدائی اور گردیدہ تھے - عبداللہ بن ابی منافق مخالف تھا -
وقتاً فوقتاً لوگوں کو بہکاتا اور بددلی پھیلاتا رہتا - بلکہ بعض مواقعات پر تو
اس نے ایسا دغا دیا کہ مسلمانوں کے ہزیمت یاب ہونے میں کوئی کسر ہی
باقی نہ رہی - اصحابؓ بھی اسکی سخت جہالتے تھے اور حکم قتل چاہتے تھے -
چنانچہ خود اسی کے لڑکے نے یہ حکم لینا چاہا تھا مگر آپؐ نے کبھی یہ روا نہ رکھا
کہ کلمہ گو پر تلوار اٹھائی جاسکے - اس کے علاوہ ابوسفیان رضؓ کے قتل کے
لئے بھی حضرت عمرؓ تلوار لیکر آن ہی پہنچے تھے - مگر آپؐ سے اجازت
نہ ملی - اگرچہ اسکے افعال ایسے سخت وحشت تھے کہ یقیناً کوئی دوسرا
ہوتا تو ایک سیکنڈ بھی تامل کرنا گوارا نہ کرتا - اور یہ تو مخالفوں کا حال تھا - جو لوگ
مسلمان ہوچکے تھے - اگر ان میں سے بھی کوئی ناواقف یا جاہل کبھی اونچی
نیچی بات کہہ دیتا تو آپؐ درگذر فرماتے - غرضکہ ذاتی انتقام کے لئے تو آپؐ
کبھی بھی طیار نہ ہوتے تھے - ہمیشہ صبر سے کام لیتے اور نہ صرف صبر سے
بلکہ شکر سے -

قوتِ تقریر آپؐ میں ایسی بدرجہ کمال تھی کہ جب کبھی آپؐ تقریر و وعظ

فرماتے۔ سامعین کو سوائے خاموش سننے اور متاثر ہو لینے کے چارہ نہ رہتا تھا۔ چنانچہ ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ اسی مناسبت سے مخالفین نے آپؐ کو ساحر مشہور کر دیا تھا۔ اور کوششیں یہ ہوتی تھیں کہ کوئی آنحضرت صلعم کے پاس جانے نہ پائے۔ کیونکہ جا کر متاثر نہ ہونا تو انسان کے اختیار میں نہ رہتا تھا۔ چنانچہ خود قریش کے قاصد جو بڑے بڑے ہٹیلے اور لائق منتخب کر کے آنحضرت صلعم کے حضور میں بھیجے جاتے تھے وہ بھی آ کر گفتگو سنتے ہی موم ہو جاتے تھے اور اپنی قوم کو بھی جا سناتے تھے کہ تم بے فائدہ ان سے پرخاش کرتے ہو۔ آپؐ کی آواز میں یہ خصوصیت تھی کہ سب کو یکساں پہنچا ہوا سنائی دیتی تھی۔ حالانکہ آپؐ کا حلقہ وعظ بہت وسیع ہو گیا تھا اور بعض اوقات حاضرین کو بہت بڑی دور جگہ ملتی تھی مگر آواز سب کو ایسی پہنچتی تھی کہ گویا وہ پاس بیٹھے ہیں۔ الفاظ جو منہ سے نکلتے تھے۔ خدائے بنے ہوئے تھے۔ کہ سامعین کے گلے سے نیچے اترتے جاتے تھے یا تیر تفنگ تھے کہ معاً اثر کرتے جاتے تھے۔ غرضکہ ایسا بڑا خطیب نہ عرب میں ہوا نہ عجم میں کہ جو بغیر لاؤڈ سپیکر کے محض غریبانہ بلکہ بیکسانہ زندگی میں بھی کوئی تقریر کر ڈالے تو سینکڑوں ہزاروں کیا لاکھوں آدمی اس کے ساتھ لڑ مرنے کو طیار ہو جائیں۔ ایسی تقریر کے حق میں تو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِنّ من الشعر لحکمۃً واِنّ من البیان لسحرا

بے تعصبی کا یہ عالم تھا۔ کہ آپؐ اگرچہ ایک ایسی شریعت برحق کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے جو تمام شرائع سابقہ کی ناسخ بھی تھی اور مکمل بھی۔ اور ان سابقہ شرائع کو بگاڑ بگاڑ کے ان کے متبعین نے کچھ سے کچھ بنا رکھا تھا۔ مگر کبھی کسی پیغمبر یا بزرگ کی نسبت پر آپؐ نے برا نہ کہا بلکہ ان کی تعریف ہی کرتے رہے اور فرمایا تو یہی فرمایا۔ کہ وہ تو سب سچے اور خالص بندے حق نما بنے تھے۔ ان بعض گمراہ مقلدوں نے تحریف کر کے ان نورانی کتابوں

کو منسوخ کر ڈالا ہے جو انپر نازل ہوئی تہیں چنانچہ ایک دفعہ آپؐ نے زنا کی سزا ایک
یہود پر جاری فرمائی تو یہود نے کہا کہ ہم میں تو زنا کوئی قابل سزا بات نہیں۔ مگر
آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے مذہب کی خبر نہیں۔ جسکے بعد تعلیم توریت کے لئے آپؐ
نے زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ اسکے سوا جو کوئی عالم کسی غیر مذہب کا آپؐ کے پاس حاضر ہوتا
آپ اسکی پوری تعظیم وتکریم فرماتے تھے کہ اگر کوئی سردار بعد جنگ گرفتار
ہو کر آتا۔ یا کسی طرح کوئی معزز شخص بحالت بینوائی حاضر حضور ہوتا تو آپ اسکی دلجوئی
اور مدارات فرماتے۔ خواہ مسلمان نہیں بلکہ آپ عام طور پر فرمایا کرتے تھے اکرموا عزیز قوم ذل
یعنے عزت کرو ہر ذلیل شدہ قوم کے سردار کی۔ اسکے علاوہ معاملات دنیا
میں مسلمان وغیر مسلمان کے ساتھ برابر انصاف فرماتے۔ چنانچہ کسی یہود کا کسی
مسلمان پر قرضہ ہوا اور مسلمان آپؐ کے پاس حمایت کے لئے آیا تو آپؐ نے یہود کے
حق میں ڈگری صادر فرمائی۔ حالانکہ آپؐ بادشاہی حیثیت رکھتے تھے کسی قرضہ
ساقط بھی کر دیتے تو پوچھتا کون۔ مگر کیا ممکن ہے کہ تعصب کیوجہ سے انصاف
میں ذرا بھر بھی فرق آجاتے۔

تجارت وزراعت سے بھی آپؐ کو خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ ابتداء میں جب
تک آپؐ تجارت فرماتے رہے۔ نہایت عمدگی و منفعت کیساتھ سودا ہوتا رہا۔ پھر
زراعت کا خیال ہوا۔ تو اسمیں بھی بے تکلف کام کرتے تھے اور بفضل الٰہی جو
درخت آپؐ نے لگا دیئے۔ اُن میں خدا نے نشو دیا اور پھل اسقدر دیا کہ کوئی دوسرا
درخت نہ دے سکتا تھا۔

فن شعر سے بھی آپؐ کو دلچسپی تھی خود تو شعر نہ فرماتے تھے مگر اچھے شعروں کو
پسند کرتے اور کبھی دفعہ اپنی سیاہ لطف مجلس میں اشعار پڑھتے بھی تھے۔ اور ایک کو
دوسرے پر ترجیح دیتے تھے جو اچھی تو کیا ایک عالم کے لئے بھی مشکل کام ہے
غرضکہ جود وسخا۔ حلم وحیا۔ زہد و ورع۔ پاکیزگی و نفاست۔ مردانگی و شجاعت
اور تمام دیگر عمدہ مذاق جنکی ایک با اثر انسان میں ضرورت ہوتی ہے آپ میں

موجود تھے - اور خالی ایک ہمارے جیسی شکل انسانی ہی کے مالک نہ تھے - بلکہ انسانیت کے اصلی جوہر آپ کی ذات ستودہ صفات میں بھرے پڑے تھے - سچ ہے ؎

آدمیت نہ بریش و نہ بہ نطق و نہ بجاں | طوطیاں نطق بزاں ریش خراں جاں دارند
ہمت و گرمی دلی و پختہ مزاجی اخلاق | شیوۂ عین کمال است کہ مرداں دارند

فصل چہارم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات

تمہید - زمانہ حال کی تاریخی کتابوں میں جن کی بنا زیادہ تر درایت پر رکھی گئی ہے اور جن میں استناد و تنقید کا ڈھنگ زمانہ گذشتہ سے بالکل نرالا اختیار کیا جاتا ہے معجزات کے تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی - چنانچہ مولوی حسان اللہ صاحب گورکھپوری اور مولینا شبلی صاحب نعمانی ایسے پکے مشہور مؤرخوں نے بھی اپنی کتب تاریخ اسلام اور الفاروق میں کہیں معجزات و کرامت کا ذکر نہیں کیا - اور گو اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام حالات زندگی اور اخلاق و آداب ہی بجائے خود ایسے عدیم النظیر اور فقید المثال ہیں کہ جن کی موجودگی میں کسی زائد بیان معجزات وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی - لیکن چونکہ واقعی طور پر معجزات کے ذریعہ اشاعت اسلام اسقدر ہوئی ہے - کہ جسے وعظ یا جہاد سے کم نہیں کہہ سکتے - اسلئے ان کا چھوڑنا بھی ایک تاریخی نقصان سے کم نہیں - اور کوئی ضرورت بھی نہیں کہ آجکل کے فلسفی بے دلیل کہنا اور ہم اپنے معتقدات کو چھپاتے پھریں - ان کے علاوہ ان کے لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آیندہ نسلیں

اور موجودہ زمانہ کے یہ لوگ جن کو سوائے اردو نوشت وخواند کے کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے وہ اپنے ہی ہمقوم اور ہم مذہب مصنفوں کی کتابوں کو جب ایسے تذکرات سے معرا دیکھیں گے۔ تو ان کو خواہ مخواہ ہی ان کے ضعیف ہونے کا خیال پیدا ہوجائیگا اور وہ بھی مثل فلسفیوں کے معجزات وکرامت سے انکار کرجائینگے اسکے سوا جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے۔ توریت۔ زبور۔ انجیل۔ دساتیر۔ رگ وید وغیرہ وغیرہ جملہ مذاہب کے ماننے والے اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں ایسے عجیب وغریب یا فوق العادت افسانے پائینگے کہ وہ مسلمانوں کے ہاں کے بالکل مطابق عقل معجزات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ تعصب کے باعث اگر کوئی کچھ کہا کرے۔ تو اس کا علاج محال ہے۔ رہا فلسفیوں کا اعتراض جو ہمارے ہاں کے چند معجزات کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ پس انہیں پہلے تو دوسرے مذاہب کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ جنکی ہر ایک بات اور ہر ایک روایت ان کے لیئے باعث اعتراض ہے۔ دوسرا انہیں اپنے آپ میں ذرا خود بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ کس چیز پر اسقدر مغرور ہے ہیں۔ ابتدا سے اسوقت تک لوگ اس عالم کون وفساد کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے ایک جماعت حکماء کی (جن کا سرگروہ بطلیموس تھا) اسپر متفق ہوئی کہ سات آسمان ہیں۔ جنپر آٹھواں عرش اور نواں کرسی ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور سبع سیارہ متحرک اور زمین ساکن ہے چنانچہ اس خیال پر انہوں نے بیسوں مشاہدات اور سینکڑوں تجارب بیان کئے پھر ایک جماعت حکماء کی بسر کردگی فیثا غورث پیدا ہوئی جس نے آسمان و زمین کے سب جھگڑے الگ کردیئے۔ انہوں نے قرار دیا کہ صرف خلا میں یہ ستارے قائم ہیں جو آفتاب کے گرد اپنے اپنے محور پر گردش کرتے ہیں لیکن یہ لوگ بھی قائل ہیں کہ بعض ستاروں کی روشنی بسبب دوری کے ابھی تک ہمیں نہیں پہنچی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ جس طرح یہ آفتاب قائم ہے ایسے ہی بہت سے آفتاب اور بھی ہیں جن کے گرد اسی طرح ستارے اپنے اپنے

محور پر گردش کر رہے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کوئی اور ایسا شمس الشموس بھی ہو جس کے
گرد ان آفتابوں کی طرح اور بھی کئی ایک آفتاب مع اپنے اپنے اقمار وغیرہ کے
گردش کر رہے ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ ابھی تک یہ علم بھی ناکمل و ناتمام ہے۔ چنانچہ
وقتاً فوقتاً نئے ستاروں کا معلوم ہونا اسکی صریح شہادت دے رہا ہے۔ ایسا کوئی
ہیئت دان یا فلسفی نہیں گذرا اور نہ موجود ہے۔ جو خود جا کر انتہا کی خبر لے آیا ہو
فلسفہ نے جو کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے ہیں۔ وہ صرف موجودہ علم ہیئت سے یعنے
نظام فیثا غورثی کو مان کر نکالے ہیں۔ حالانکہ باریک بین اور بے تعصب
رائے قائم کرنے والوں کے نزدیک وہ بھی قابل وثوق اور تسلی بخش ہونا تو مسلم
نہیں۔ فلسفہ والے بہشت دوزخ کے قائل نہیں۔ حالانکہ تحقیقات جدیدہ
میں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ زمین کے تیس میل نیچے ایک ایسا سخت آتش خیز
مادہ جوش زن ہے کہ انسان تو کیا پتھر بھی جسکی بھاپ سے فنا ہو جاتے ہیں اور
ایسا ہی یہ بھی ثابت ہے کہ تیس میل اوپر جانے کے بعد ہوا اس قدر سرد ہے جس میں انسان
زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر اگر ہم اسی مادہ زیر زمین کو اسفل السافلین یعنی جہنم کہہ دیں
اور اس اوپر والے ٹھنڈے کرہ یا فضا کو زمہریر قرار دیدیں۔ تو ان کا فلسفہ کیا
کہیگا۔ علیٰ ہذا کئی ایک باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو توڑ مروڑ کر موجودہ فلسفہ
سے مطابق کر لیا جائے تو ہو سکتی ہیں۔ تحقیقات جدیدہ کے عالم اس بات
کے قائل ہو گئے ہیں کہ ریاضات کے باعث انسان میں ایک ایسی طاقت پیدا
ہو جاتی ہے جس سے وہ ہزاروں میل دور مقامات کی کیفیت دریافت کر سکتا
ہے بیماروں پر توجہ اور تصرف کرنے سے ان کو اچھا کر سکتا ہے۔ چنانچہ تھیاسوفکل
سوسائٹی اور مسمریزم کی بنیاد انہیں اصولوں پر ہے۔ جب یہ کیفیت اور تحقیقات
ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دنیاوی عقل سے بلا کسی مذہبی رنگت قبول کرنے
کے یہ باتیں دریافت کی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم خدا کے رسولوں کے اقوال کو
جنہیں روحانی طاقتوں سے بہت زیادہ حصہ ملا تھا غلط قرار دیدیں۔ فلسفیوں اور لامذہبوں

کے نزدیک مذہب کوئی چیز نہیں۔ صرف چند روشن خیال فلاسفروں کی ایجاد و
اختراع ہے۔ مگر آپ کے بھی یہ ثابت قائل ہوں گے کہ جیسے فلاسفر دینی
چلے آئے نہیں کر سکی۔ جن کے پیچھے اسقدر لاتعداد مخلوق الہی نسلاً بعد نسلاً
آ رہی ہے۔ جب یہ کیفیت ہے تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان فلاسفروں
کی قوت عقل ان موجودہ لامذہب فلاسفروں سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور
جب یہ حالت ہو تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان لامذہب فلاسفروں کی تحقیقات
تو صحیح ہے اور ان کے اقوال و مشاہدات غلط۔ موجودہ ہیئت دانوں نے زمین
آسمان سے بوڑھے کو نشاکر دیا ہے کہ سینکڑوں برس اگر اوپر چلتے رہیں تو
پھر بھی خلا ہی خلا ہے۔ لیکن کیا ان میں کوئی شخص سینکڑوں برس کا سفر کر کے اوپر
جا کر واپس آیا۔ اسکے علاوہ جیسا یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی اور شمس الشموس ہے جس سے
یہ سب آفتاب ہمارے سورج کی روشنی لیتے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا دائرہ
امکان تو بہت بڑا اور وسیع ہے۔ لیکن معلومات کامل نہیں۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ
حضرت آسمان اول اس آیتہ شمس الشموس کے پردادا سے بھی کچھ پرے ہے۔ تو
جسطرح ہم ناظر ہو کر ان کی تشفی نہیں کرا سکتے اسی طرح یہ بھی ساتھ لیجا کر اور دکھا کر
ہمارا اطمینان نہیں کر سکتے کہ واقعی کوئی آسمان نہیں۔ چونکہ ظنیات سے کل ظنیات
سے تسلی نہیں ہو سکتی۔ لہذا بنظر اعتبار دینی حضرت علیؓ والا مسئلہ لائق
عمل ہے۔ جو آپ نے ایک فلسفی کو فرمایا تھا کہ جس طرح تم مجھ سے بلا دالیقین عالم
آخرت دیکھنے کی درخواست کرتے ہو۔ اور اسکے نہ دیکھنے پر سزا جزا کے
مسئلہ کو لغو ٹھہراتے ہو۔ ویسا ہی ہم تم سے اسکے نہ ہونے کو بذریعہ عین
دیکھنے کی خواہش کرتے اور بشرط عدم ثبوت اسی مسئلہ پر قائم رہتے ہیں۔
لیکن ہمارے اس مسئلہ کے صحیح ماننے کی حالت میں بھی اگر تمہارا قیاس بفرض محال
صحیح نکل آئے۔ تو ہمارا کوئی نقصان نہیں جسطرح دنیا میں آپ ہی تعلقات کو
زندگی بسر کرتی ہے۔ ہم بھی بخوبی کرتے ہیں۔ اگر فرض تمہاری ہی سہی۔ لیکن اگر

میرا مفروضہ علم سچا نکلا جو واقعی سچا ہے۔ تو بتاؤ تمہارا کیا خاک رہ گیا۔ بس یہی جواب ہمارا ابھی موجودہ فلسفیوں کے لیئے کافی ہے۔ اور کوئی ضرورت اپنے معتقدات کی تاویل ہائے رکیک کرنے کی نہیں۔

معجزہ مافوق العادت فعل کا نام ہے۔ جو کسی نبی سے اپنے اظہار صدق کے لیئے ظاہر ہو۔ چنانچہ مسلمان قائل ہیں کہ اکثر انبیا علیٰ نبینا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرماتے تھے۔ اور عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے کہ عرب کے جاہل اور شدید متعصب باشندوں میں جو پیغمبر صلعم پیدا ہوتا اُسے بھی ایسکی سخت ضرورت تھی۔ جملہ انبیا علیہم السلام کو معجزات ہمیشہ زمانہ کے مطابق عطا ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت موسےٰ کے وقت میں کاہنوں اور ساحروں کی کثرت تھی۔ پس اِن کے عصا میں ایسے خواص دیئے گئے کہ وُہ سب جادوؤں کو ہضم کر کے موسےٰ علیہ السلام کی سچائی اور موسےٰ کے خدا کی بڑائی ثابت کر دیتا تھا۔ عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں عمل الطرب یعنے مسمریزم کا رواج تھا۔ پس انہیں بیماروں کو چنگا کرنے کا معجزہ دیا گیا۔ اور نیز ایسی چڑیاں بنانے کا رواج تھا جو اصلی چڑیوں کی طرح چُوں چُوں کرتی تھیں۔ اسلئے اُنہیں اُس سے بھی بہتر معجزہ دیا گیا کہ وُہ مٹی کی چڑیاں بناتے تو خدا ان میں روح پھونک دیتا۔ دانیال ؑ کے وقت میں نجوں کی کثرت تھی۔ لہٰذا انہیں رمل عطا فرمایا گیا۔ غرضکہ جیسے زمانہ کی حالت دیکھی ویسے ہی معجزات بھی دیئے جاتے رہے۔

معجزہ قرآن

آنحضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اگرچہ عرب میں تمام قسم کے مفاسد موجود تھے۔ مثلاً ستارہ پرستی بھی ہوتی تھی ساحروں کا بھی زور تھا۔ اور پیشین گوئیوں پر بھی لوگ بہت کچھ لٹو ہوتے تھے۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے عامتہً آپ ؐ کو علمی و عقلی ہر قسم کے معجزات

عطا فرمائے تھے۔ لیکن عرب میں ایک بہت بڑی چیز اسوقت تھی فصاحت و بلاغت۔ چنانچہ عرب کے لوگ سوائے اپنے ملک کے باقی تمام ممالک کو عجم یعنے گونگا کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں پس سب سے بڑا معجزہ آپ کو کلام اللہ دیا گیا۔ جسکی فصاحت و بلاغت اور سلاست و دل آویزی لطافت اور خوش ادائی کو تمام بڑے بڑے شاعر اور فصیح و بلیغ نہ پا سکتے تھے۔ حالانکہ اُن کو اس کے مقابلے کے لیے طلب بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود قرآن کریم میں کئی جگہ انہیں للکارا گیا ہے۔ مثلاً

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علےٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔ اعدت للکافرین

(اور اگر تم شک میں ہو اس (کلام) میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو لے آؤ ایسی ایک سورت۔ اور بلاؤ سوائے خدا کے گواہوں کو (فیصلہ کرنیوالوں کو) اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نہ کر سکے ایسا اور (یقیناً) نہ کر سکو گے۔ تو بچو اُس آگ سے جسکا ایندھن ہیں آدمی اور پتھر اور مہیا ہے منکروں کے لئے

وما کان ھذا القراٰن ان یفترےٰ من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتٰب لاریب فیہ من رب العالمین۔ ام یقولون افترٰہ فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین

اور یہ وہ قرآن نہیں کہ جسے کوئی سوائے خدا کے بنا لے اور لیکن یہ تصدیق کرتا ہے اگلے کلاموں کی (توریت انجیل وغیرہ) اور بیان کرتا ہے کتاب کا جسمیں کچھ شبہ نہیں اللہ کیطرف سے کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو۔ تو انہیں کہہ تم بھی لے آؤ ایک ایسی سورت۔ اور پکارو خدا کے سوا جسے چاہتے ہو (فیصلہ کے لئے) اگر تم سچے ہو۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا	کہہ اگر جمع ہو جاتیں انسان اور جن اسپر کہ لاویں ایسا قرآن تو نہ لا سکینگے ویسا قرآن اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک ۔

اُس زمانہ میں قاعدہ تھا کہ بڑے بڑے فصحا و شعرا اپنے اپنے کلام کو کعبۃ اللہ میں لٹکا دیا کرتے تھے کہ کسی میں طاقت ہے تو ایسا لکھ دے ۔ چنانچہ سبع معلقہ کا نام بھی اسی کی شہادت دیتا ہے لیکن جب ان لوگوں نے قرآن شریف کو دیکھا اور سُنا تو تمام شعرا و فصحا کا غرور بالکل جاتا رہا اور ذکر ہے کہ جب صرف آیۃ انا اعطیناك الکوثر آپ کی طرف سے پیش ہوئی تو فصحائے عرب نے ماھذا کلام البشر (یہ بندے کا کلام نہیں) کہہ کر اپنی درماندگی کا اقرار کر لیا ۔ اور اُس زمانہ سے لیکر اب تک بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت کا وہی حال ہے ۔ یہ ایسے ایسے عالیقدر مضامین صرف چند حروف میں بیان کر دیتا ہے جنہیں کوئی دوسرا جلدوں میں بھی بیان نہ کر سکے ۔ مثل قد افلح من زکٰھا وقد خاب من دسّٰھا ۔ وغیرہ وغیرہ آیات ۔

اسپر یہ اور بھی حکمت خداوندی تھی کہ آنحضرت صلعم امی محض تھے ۔ جنہیں کسی ادیب یا فلاسفر نے پڑھایا نہیں جس سے صاف صاف اس کلام کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہو رہا ہے اور پھر آنحضرت صلعم کے اپنے اقوال و افعال ایسے برگزیدہ اور لائق تعریف تھے کہ اگر کوئی حکمائے دینی و دنیوی کی مجلس بھی بٹھا دی جائے تو ویسے عالیقدر مسائل پیدا نہیں کر سکتی ۔ یعنی یہ معجزہ وہ ہے جو قیام قیامت تک برابر رہیگا ۔

دوسرا اُس زمانہ میں نجومیوں کا بھی بہت بڑا زور تھا اور آنحضرت صلعم بھی احکام کی تکذیب فرماتے تھے نہ و سلاطین پڑھے لکھے نہ تھے کہ کسی زائچہ یا تقویم سے کہتے ہوں ۔ پس نجومی احکام کو جھٹلانے کے ساتھ حسب منجومانہ

قرآن میں کوئی پیشین گوئی آئی ہے تو وہ بھی پوری ہو کے رہی ہے۔ جن کی تفصیل بوجہ تطویل کے ناظرین قرآن شریف میں دیکھ سکتے ہیں اور فہرست قرآن سے بھی کچھ پتا لگ سکتا ہے۔

قصص بھی قرآن میں جسقدر وارد ہوئے ہیں۔ انکی نسبت اسقدر لکھدینا غیر واجب نہ ہوگا کہ جسقدر قصے بیان ہوئے ہیں۔ ان کا ماخذ کوئی پہلی کتاب نہیں معلوم ہوتی۔ اور بالفرض اگر وہ کسی پہلی کتاب میں بیان بھی ہوئے ہوتے تو آنحضرت صلعم کا امی محض ہونا آپکو ان سے کچھ مستفید نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ علم تاریخ عام و تام تو کجا موجود ہی تھا تو نہایت مختصر سا وہ۔ چہ جائیکہ عام طور پر کچھ معلوم ہو۔ مگر باوصف ایسی ناواقفی کے بھی وہ قصص حکایات غلط ثابت نہیں ہوئیں۔ بلکہ دن بدن ثابت ہی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اسکو معجزہ قرآن کہنا چاہیے۔

تعلیم معاد کے متعلق قرآن نے جو مفصل۔ پُر اثر۔ مضبوط اور مستحکم تعلیم دی ہے اسکا مختصر تذکرہ مقدمہ کتاب ہذا میں آچکا ہے۔ مگر اس موقع پر اسکی نسبت غیر مذاہب کے مصنفین کی رائے کا مختصر تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا۔

یہ تو ہمیں سے کوئی اسقدر اہل علم ہوا نہیں کہ وہ دوسرے مذاہب کی تحقیق پر کوئی کتاب لکھتا۔ اور وہ مقبول و مشہور بھی ہوتی۔ اور نہ سوائے ابتدائی معرکوں کے یہود کے ساتھ کچھ زیادہ مڈبھیڑ ہوئی ہے۔ اور چونکہ آنحضرت سے پہلے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم السلام ہو بھی گذرے ہیں۔ اسلئے عیسائیوں کو اسلام سے زیادہ تر مناقشہ بھی رہا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر عیسائی ہی مسلمانوں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔ اور انہیں کی لڑائیوں کو اسقدر طوالت ہوئی ہے کہ وہ قریباً اسوقت تک ختم نہیں ہوئیں۔ لیکن پھر بھی جو بلند نظر مصنف ان میں گذرے ہیں۔ باوصف ایسی مخالفت کے انہوں نے بھی قرآن کی نسبت اپنی رائے چنداں بری نہیں ظاہر کی۔ حالانکہ ان کی رائیں ایک منصف مزاج شخص کے روبرو اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں کہ جس طرح کسی فریق مخالف کے گواہ سے طوعاً وکرھاً

حجج میں کوئی بات دوسرے فریق کے حق میں بھی بے اختیارانہ نکل جاتی ہے۔ جسکے کہنے کو نہ تو وہ خود طیار ہوتا ہے اور نہ اُس کا جی چاہتا ہے مگر "حق بر زبان جاری" کی مثل کے مطابق آخر انا ہی پڑتا ہے۔ پس وہی کیفیت اِن مصنفین کی بھی ہے۔

سیل صاحب مشہور مترجم قرآن جنہوں نے قرآن کے بگاڑنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"قرآن کا وہ حصہ جو ضروری قوانین و ہدایات کے بیان اور خصائل پاکیزہ کی تحریص و ترغیب و تنبیہ کی ترہیب و تنبیہ اور بالخصوص ایک سچے خدا کی تعظیم و تکریم اور اسکے احکام کے مطابق عمل کرنے میں صرف ہوا ہے اس میں واقعی بہت عمدہ باتیں شامل ہیں جو عیسائیوں کے مطالعہ کے لئے بھی نکمی نہیں"

جرمن مترجم قرآن مسٹر گوئتی صاحب لکھتے ہیں کہ

"جسقدر ہم اس کتاب کے نزدیک جاتے اور اسپر زیادہ غور کرتے ہیں۔ اسیقدر وہ بلندی پر پہنچی نظر آتی ہے۔ اور زیادہ تر ارفع و اعلےٰ معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب (قرآن) بتدریج انسان کو پہلے تو فریفتہ اور پھر متعجب کر دیتی ہے اور آخر ش ایک تحیّر آمیز دلفریبی میں ڈال دیتی ہے۔ واقعی محمدؐ کی ایسی تلقین[1] نے عرب کو ایک نئے سٹیج پر کھڑا کر دیا۔ اور اسمیں ایک ایسا روپ بھر دیا جسنے سکندر اعظم اور رومۃ الکبرےٰ کی وسیع سلطنت کو تہ و بالا کر ڈالا"

ریورنیڈ راڈویل صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ

"عرب کے سیدھے سادھے بھیڑیں چرانے والے خانہ بدوش لوگ اس تلقین سے ایسے بدل گئے کہ جیسے کسی نے سحر یا جادو کر دیا ہو۔ یعنے یہی لوگ سلطنتوں کے

---

[1] ہم قرآن کو خدائی الفاظ اور خدائی تلقین سمجھتے ہیں۔ غیر خواہ کچھ کہا کریں اس کا جواب کئی دفعہ پہلے ہو چکا ہے۔ ۱۲

بانی، نہروں کے کھودنے والے اور کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہو گئے اور فسطاط۔ بغداد۔ قرطبہ وغیرہ کے شہروں کو وہ قوت و سطوت حاصل ہوئی کہ جس نے عیسائی یورپ کو اپنی ہیبت و شوکت سے کپکپا دیا۔"

ڈاکٹر گستاو۔ لی بان صاحب مصنفِ تمدن عرب نے قرآن اور اسکی تعلیم کو الگ الگ بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب (قرآن) باعتبار اپنی طرزِ ادا کے کسی مذہب کی آسمانی کتاب سے کم نہیں ہے اور باعتبار اپنی تلقین کے ایسی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے کہ کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس مطلب کو انہوں نے لمبے مضمون میں ادا کیا ہے۔ جس کا نقل کرنا یہاں طوالت پیدا کر دے گا۔ اس مضمون کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ

"کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اسمیں فلسفی خیالات کیسے ہیں (کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اس کتاب میں کی گئی ہے انہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا۔ پس جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے ان مذاہب میں جنہوں نے قلوب پر حکومت کی ہے۔ اسلام ایک نہایت عالیشان مذہب ہے۔ گو اسلام میں نیکی۔ انصاف اور عبادت وغیرہ وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسے کل ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آجاتی ہے اور اسلام قلوب میں ایک اس قسم کا زندہ اور پُرجوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی۔

اسلام کی وضاحتِ اعتقادات اور اس کے ساتھ دوسروں کے مقابل میں نیکی اور انصاف جس کی مہر اس مذہب پر کی گئی ہے۔ اس کی عالمگیر اشاعت کا بہت بڑا باعث ہوا۔ یہی خاصیت اسلام کی تھی۔ جس نے ان تمام قوموں کو جو مصریوں کی طرح شاہنشاہانِ قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی چلی آتی تہیں۔ وحدت خدا کی ہو سلنے

کے ساتھ ہی مسلمان ہو جانے پر آمادہ کردیا۔ حالانکہ ایسی کوئی مثال کسی قوم مسلم کی خواہ وہ فاتح ہو یا مفتوح موجود نہیں ہے جس نے کبھی دین عیسوی قبول کیا ہو۔

اور بھی کئی ایک اقوال ایسے مل سکتے ہیں جنہیں یہاں نقل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں پر سائنس اور فلسفہ اپنی مدد کے ساتھ جو حملے کرتے ہیں صرف قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے ایک صف تک ان کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ گو کوئی ضرورت ہم کو فلسفہ کے توافق کی نہیں۔ مگر اس سے قرآن کی پختگی کا بخوبی پتہ مل جاتا ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے اب تک اور ابھی دورِ قیامت تک ہر وقت بلکہ ہر لحظہ صداقتِ اسلام اور آنحضرت صلعم کے زندہ معجزات کا ثبوت دیتا رہے گا۔ اور یہ معجزہ بھی ایسا کہ عام و خاص اور جاہل و عالم جس کے کسی کو انکار نہیں۔

معجزہ قرآن کے بعد جو معجزات آنحضرت صلعم کے مشہور ہیں ان میں سے معراج اور شق القمر کے معجزے بڑے پایہ کے ہیں جن پر موافق و مخالف بہت سی تقریریں ہوچکی ہیں۔ جن کے متعلق بحث کے لئے تو علم کلام کی کتابیں دیکھنی چاہیئیں۔ لہٰذا یہاں صرف انکی اسقدر اصلیت لکھی جاتی ہے جس پر اجماع امت ہے۔ کیونکہ بعض باتیں خواہ مخواہ غلط مشہور ہو کر باعثِ اعتراض ہو جاتی ہیں۔

ذکر معراج شریف

نبوت کے بارھویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا ہے۔ قرآن شریف کے پندرھویں پارہ کے ابتداء میں یہ آیہ شریف معراج کی صداقت کر رہی ہے۔

ف بعض روایتوں میں کچھ تاخیر و تقدیم بھی بیان ہوئی ہے مگر اجماع اسی پر ہے۔۱۲

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من ایاتنا انہٗ ھو السمیع البصیر	پاک ہے وہ (خدا) جسنے سیر کرائی اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام (بیت اللہ واقع مکہ) سے مسجد اقصےٰ تک (بیت المقدس واقع دمشق) تک برکت دی ہوئی ہے اسکے ارگرد (یعنے رسول اللہ صلعم کو ہماری نزدیکی نصیب ہوا تھا) تاکہ دکھائیں ہم اسی کچھ اپنی نشانیاں بیشک وہی (خدا) سننے اور جاننے والا ہے۔

قرآن میں تو اس واقعہ کی نسبت اسیقدر مرقوم ہے۔ جسکی تفصیل کے لئے حدیثوں کے دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ حدیثیں بھی جسقدر اس واقعہ کی نسبت بخاری ومسلم وغیرہ میں لکھی ہیں۔ بڑے پایہ کی ہیں جنمیں گو کسیقدر اختلاف ضرور ہے (جس کا ہونا کچھ بعید نہیں بلکہ نہایت قریب الفہم ہے۔ کیونکہ حدیثیں آنحضور سرور عالم صلعم سے بہت عرصہ بعد جمع ہوئی ہیں اور کسی طرح ان کے بلفظہٖ یاد رکھنے کا نہ تو التزام کیا گیا تھا۔ اور نہ ہو ہی سکتا تھا) مگر سب کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ

ایک شب سرور عالم حالت نیم خوابی میں تھے۔ کہ جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوشیار کر کے پیغام کیا۔ کہ حضور آج رب العزت نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ وضو کر کے ساتھ ہو لئے۔ اور براق (ایک ایسا بہشتی جانور جو اونٹ سے چھوٹا اور خچر سے بڑا اور ایسا تیزگام تھا کہ اپنے منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا) آپ کی سواری کے لئے پیش کیا۔ آنحضرت صلعم سوار ہونے لگے تو براق نے شوخیاں شروع کیں۔ اور جب جبریل امین علیہ السلام نے ڈانٹا کہ اے براق سب شوخیاں چھوڑ دے آج تجھ پر بہترین خلق سوار ہوتا ہے۔ تو وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور آنحضرت صلعم کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے (جس پر زین بھی کسی ہوئی تھی) چشم زدن میں بیت المقدس تک لے گیا۔ جبریل امین علیہ السلام

تھے۔ وہاں پہنچکر آپؐ نے براق کو تو باہر باندھ دیا۔ اور خود اداء نماز کے لیے بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ جہاں ارواح انبیاء کے گروہ نے آپؐ کی اقتدا کی اور آپؐ نے امام ہوکے نماز گذاری۔ جسکے بعد بدستور اسی براق پر سوار ہوکے آپؐ بلند ہوئے (اور ایک میں یوں ہے کہ ایک سیڑھی نظر آئی اور اس رستے سے براق آپؐ کو آسمان اوّل پر لے گیا) اور آسمان اوّل پر پہنچے۔ تو ایک بزرگ آدمی کو دیکھا۔ جسکے دائیں بائیں دو دروازے تھے اور وہ ایک طرف دیکھتا تو خوش ہوجاتا تھا۔ اور دوسری طرف دیکھتا تو ملول و محزون ہوجاتا۔ آپؐ نے جبریلؑ سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور اسکے دائیں بائیں دو دروازے بہشت و دوزخ کے ہیں جن میں ان کی اولاد ہے یہ جنتیوں کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوجاتے ہیں اور دوزخیوں کو دیکھتے ہیں تو رنج والم سے رو دیتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے بھی پورے اشتیاق سے خوش آمدید اے فرزند صالح و مرحبا اے نبی صالح کہہ کر جواب دیا۔ جسکے بعد آپؐ جبریلؑ کے ساتھ آسمان دوم پر گئے۔ تو وہاں یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو دیکھ کر سلام کیا جس پر انہوں نے بھی ویسا ہی خوش آمدید اے برادر صالح و نبی صالح کہہ کر جواب دیا۔ پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے سلام و کلام ہوا۔ چوتھے پر ادریس علیہ السلام سے۔ پانچویں پر ہارون علیہ السلام۔ چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے جو ایک آسمانی مسجد ہے اور جہاں ستر ہزار فرشتے ہر روز نئے نئے داخل ہوکر عبادت کرتے ہیں لیکن نکل کر پھر نہیں آنے پاتے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا۔ جو ایک عجیب و غریب وسیع و منبع اور سرسبز و شاداب درخت ہے۔ اور اسکی جڑ سے چار نہریں جاری تھیں جبریلؑ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ دو تو ان میں جنت میں جاتی ہیں اور دو نیل و فرات کی اصل ہیں۔ پھر ایک فرشتہ آپؐ کی سواری کے لئے آیا۔ جو آپؐ کو حجاب

کہہ بالاتک لے گیا اور آپ اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ قلموں کے لکھنے کی آواز آپ کو آتی تھی۔ وہاں پہنچکر آپ کو پچاس نمازوں کے لئے حکم ہوا۔ اور حضرت کردگار سے فرمان ہوا کہ ہم اپنے بندوں کے رزق کے کفیل ہیں۔ مگر میں جب ایک کی روزی دوسرے کو نہیں دیتا تو پھر وہ میرے سوا دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہیں نیز ارشاد ہوا کہ ہم نے تو دوزخ شریروں کے لئے بنایا ہے جو بہت بُری جگہ ہے مگر عام لوگ خود بخود اسمیں گر پڑنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جب عزت و ذلت کا دینے والا میں ہوں۔ تو پھر لوگ میرے سوا دوسروں سے کیوں ڈرتے ہیں۔ اور جب میں روز کی روزی روز دے دیتا ہوں تو وہ آج کا کام (عبادت) کل پر کیوں رکھدیتے ہیں۔ علیٰ ہذا کچھ اور بھی اسی قسم کے روحانی لطائف کا بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد آپ کو وہاں سے واپسی کا خیال ناگوار معلوم ہونے لگا۔ تو ارشاد ہوا کہ ابھی تمھیں بہت کام کرنے ہیں تکمیل دین تک دنیا میں رہو۔ پھر ہمیشہ یہیں آکر رہنا پس آپ رخصت ہو کر واپس ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کے استفسار پر پچاس نمازوں کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے بنی اسرائیل کی اصلاح میں جو کوششیں کی ہیں اور انمیں جسقدر ناکامیاں اُٹھائی ہیں۔ اُن کے دیکھتے میرے نزدیک یہ بہت بڑی محنت آپ لئے جاتے ہیں جسکی متحمل آپ کی ضعیف اُمّت نہ ہو سکے گی۔ پس پھر جائیے اور انمیں تخفیف کرائیے۔ چنانچہ آنحضرت دربار کردگار میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ اور تخفیف کے لئے گذارش کیا تو دس دس کی کمی سے آخر الامر پانچ نمازوں تک نوبت آئی اور آپ ادائے شکریہ کے بعد واپس ہو کر حضرت موسیٰ سے ملے تو انہوں نے کہا اب بھی بہت ہیں۔ پھر جائیے مگر آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے۔ اسپر غیب سے ایک ندا آئی کہ یہ پانچ نمازیں ہم نے فرض کردیں۔ ایک کے بدلے دس کا ثواب عطا فرمائینگے مگر از راہِ رحمت ایک برائی کے بدلے صرف ایک ہی برائی پہنچائیں گے اس کے

بعد آپ رعبِ جلالِ الٰہی کے ڈر سے مرعوب ہوئے تو ایک قطرہ آپ کے دہان مبارک میں ڈالا گیا جسسے آپ کو علم اوّلین و آخرین حاصل ہو گیا۔ اور بہشت و دوزخ کے معائنہ کے بعد آپ واپس ہوئے۔

یہ حدیثیں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ سے مروی ہیں۔ مگر اسمیں اختلاف ہے کہ یہ معراج جسمانی ہوا یا روحانی۔ اجماعِ امت اسپر ہے کہ معراج جسمانی تھا۔ مگر ایک قلیل گروہ علمائے سلف کا اس کا بھی قائل ہے کہ یہ حالت خواب میں ہوئی ہے۔ چنانچہ اب سید احمد خان و مرزا ئے قادیانی و سید امیر علی وغیرہ کی جماعت اسی کی قائل ہے۔ اور ہر دو فریق اپنے اپنے ثبوت میں بہت سی دلیلیں رکھتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک مذہبی علمی اور زیادہ تر اعتقادی معاملہ ہے۔ جسپر مبسوط تحریرات فریقین کی موجود ہیں۔ شائقین کو زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو انہیں دیکھ لیں۔

مورخانہ حیثیت سے اسقدر لکھنا ضروری ہے۔ کہ اس واقعہ کا اثر کیا ہوا۔ جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب صبح کو اس کا اظہار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو قریش نے سخت تکذیب کی۔ بلکہ ہنسی اڑانے لگے کہ واہ کیا کہنے ہیں مکہ میں بھی رہنا اور آسمان پر بھی ہو آنا آپ ہی کا کام ہے۔ بلکہ ابوجہل نے اس کو غنیمت سمجھ کر یہاں تک آنحضرت صلعم سے کہدیا کہ کیا اگر میں اور لوگوں کو بلا لاؤں تو ان کے سامنے بھی تم یہ واقعہ اسیطرح بیان کر دو گے۔ جسپر آپ نے فرمایا بیشک۔ اور اسکے سنتے ہی وہ اکثر قریش کو بلا لایا۔ چنانچہ آپ نے بے تکلف ان کے روبرو بھی بدستور واقعہ مذکور بیان فرما دیا۔ یہ باتیں چونکہ ظاہر بینی میں آدمیوں کو خلاف قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ اسلیئے انہوں نے جا کے صدیق اکبر رضہ کے گھر دستک دی اور انکو کہا کہ او صاحب اب تو آپ کے پیغمبر عالم بالا کی سیر بھی منٹوں اور گھنٹوں میں ہی کر کے چلے آتے ہیں۔ حضرت صدیق رضہ کو اسکی پہلے سے خبر نہ تھی۔ کیونکہ اس دن صبح سے وہ آنحضرت صلعم کی قدمبوسی نہ کر سکے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صدق پر یقین کر کے انہوں نے بے تامل کہدیا کہ بے شک خدا کی قدرت میں کیا

کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کا لقب شریف صدیقؓ انہیں وجوہ سے ہوا کہ بالغ آزاد مردوں میں تصدیق اسلام بھی پہلے اُنہوں نے ہی کی اور پھر تصدیق معراج بھی انہیں نے سب سے پہلے فرمائی۔

بہرحال کفارِ قریش نے یہ سمجھکر کہ آپؐ نے بیت المقدس دیکھا نہیں ہوا آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوالات کرنے شروع کئے کہ اچھا بتائیے آپؐ نے کیا کیا دیکھا جسپر آنحضرت صلعم سخت گھبرائے۔ کیونکہ روا روی کے عالم میں تمام چیزوں کے مواقعات اور محل کوئی کس طرح یا دریکہ سکتا ہے مگر رحمت کردگار نے بیت المقدس کی صورت آپؐ کے روبرو فرمادی۔ اغیار نے پوچھنا شروع کیا۔ آپؐ دیکھ دیکھ کے ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے۔ حتے کہ کوئی بات پوچھنے سے باقی نہ رہ گئی تو اُنہوں نے کہا۔ کہ اچھا کوئی رستہ کا واقعہ بھی بتاؤ۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا ایک قافلہ جو ملک شام سے مکہ کو واپس آرہا ہے۔ رات فلاں جگہ تھا اور ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا۔ اسکے علاوہ میری سواری کی تجلی سے بھی ان کا ایک اونٹ بدک گیا تھا۔ اور اب تیسرے دن وہ لوگ یہاں پہنچ جائینگے۔ چنانچہ تیسرے دن وہ قافلہ آگیا۔ اور اُس نے ایک اونٹ کے کھوئے جانے اور دوسرے کے بدکنے اور اُس دن اُس وادی میں سفر کرنے کی (جہاں آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا) تصدیق بھی کی۔ جسپر سعادتمند تو قائل ہو کر مسلمان ہو گئے۔ لیکن ابُوجہل اور اسکے ہم خیال ویسے ہی تپنۂ رہے۔

یہ بھی دیکھنے کے لایق ہے کہ اس واقعہ کا ہونا تکمیل تعلیم اسلام کے لئے سخت ضروری تھا۔ نماز کا پنجوقتہ فرض ہونا اور اسکی ترتیب سب اسی ذریعہ سے آنحضرت صلعم کو سکھائی گئی تھی۔ جسکے لئے اِس امر کی سخت ضرورت تھی۔ کہ براہِ راست یہ احکام سمجھائے جاتے۔ علاوہ اسکے عرب کے جہلا کا یہ خیال تھا کہ خدانخواستہ آنحضرت ساحر ہیں۔ اسکی تکذیب بھی اسکے ذریعہ بخوبی ہو گئی کیونکہ جسقدر سحر ہیں وہ سفلی ہیں اور عالم بالا کے حالات دکھانے میں قطعہ دو دلند

اور اسی واقعہ کے بعد دین مبین کا ترقی کر جانا بھی اسکی صداقت کی دلیل ہے ورنہ اگر کوئی من گھڑت قصہ ہوتا۔ تو تازہ مسلمان بھی دل برداشتہ ہو جاتے بیعت عقبہ اور ہجرت اسی کے بعد ہوئی ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کے بعد کفار کچھ گزند بھی نہیں پہنچا سکے۔

معجزہ شق القمر

اُن راویوں سے جو قواعد کے مطابق پورے ثقہ اور قابل اعتبار مانے گئے ہیں اس واقعہ کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شب مکہ معظمہ میں جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل نے معہ چند ہمراہیوں کے آکر آپ سے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو کوئی ایسا مافوق العادۃ معجزہ دکھاؤ کہ جو سحر وغیرہ کی دسترد سے بالا تر ہو۔ اور وہ یہ کہ اسوقت چاند جو سامنے چمک رہا ہے۔ اسکے دو ٹکڑے کر دو۔ اسپر آنحضرت صلعم نے انگشت شہادت کا اشارہ فرمایا۔ تو چاند دو ٹکڑے ہو گئے جو سب حاضرین نے دیکھ لئے۔ اور اس کے بعد چاند ویسے کا ویسا ہو گیا۔ اسپر بعض تو ایمان لے آئے اور ابوجہل مع اپنے شدید جہلا کے بدستور اڑا رہا۔ کہ اب آسمان بھی تمہارے جادو سے نہیں بچا۔[1]

قرآن شریف میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (ترجمہ) یعنے قریب آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ اور وہ (کفار) کوئی نشان دیکھتے

---

[1] امام احمد نے مسند میں اور بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں یوں بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا تھا کہ اس طرح سے ملے ہوئے بعد دیگرے ہیں۔ اور اسی لئے آپکا نام حاشر بھی ہے۔ (تفسیر حقانی)

ہیں اور مثال کرتے یوں کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو مدت سے چلا آتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انشق گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹے گا قیامت میں چاند۔ نیز انشق القمر لسان عرب میں کسی ایسی چیز پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے جو بالکل صریح اور چاند کی طرح روشن ہو۔ یعنے یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہوگئی کہ قیامت قریب آلگی ہے عقلمندوں کے نزدیک۔ مگر جمہور مفسرین وعلماء نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔ اور ان کے نزدیک یہ ایک سچے واقعہ کا تذکرہ ہے جو اکثر راویوں نے بیان کیا ہے اور اسی پر اجماع امت بھی ہے۔

عیسائی اور دہریہ اس پر معترض ہیں کہ اول تو یہ باتیں ناممکن الوقوع ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی دوسرے ملک کے مورخ نے ذکر نہیں کیا۔ اول تو عیسائی۔ یہود اور ہنود وغیرہ کو کوئی حق اعتراض نہیں معلوم ہوتا۔ جن کے ہاں خود اس سے بہت زیادہ باتیں ایسی درج ہیں کہ جو کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتیں مثلاً کتاب یشوع میں لکھا ہے کہ "اس روز آفتاب ٹھہرا رہا" علیٰ ہذا انجیل میں لکھا ہے کہ "مسیح کو صلیب دیتے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے۔ اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھاگئی۔ اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیئے" اب فرمایئے کہ یہ واقعہ کچھ ان سے زیادہ عجیب ہے، اور دوسرا ان واقعات کا بھی جو انجیل میں بیان ہوئے ہیں کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہوا۔ تو اب وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ شق القمر کے واقعہ کا کسی تاریخ میں بیان نہ ہونا اسکو پایۂ اعتبار سے گرا دیتا ہے حالانکہ ہر جگہ کا طلوع وغروب متفاوت ہے، اگر مکہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے ہوا ہو تو ہندوستان میں اسوقت آدھی رات کا وقت تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جب نہ کوئی پہلے سے خبر دی گئی ہو۔ اور نہ کوئی آثار ایسے معلوم ہوں تو آدھی رات کو کون سا مورخ اسکو دیکھ سکتا تھا۔ اور چونکہ یہ معاملہ بھی صرف چند سیکنڈوں کا

ہی تھا۔ اسلئے کچھ بھی عجیب نہیں کہ آفاق بعیدہ کے رہنے والوں کو یہ محسوس تک نہ
ہوا ہو۔ سوائے اسکے ممکن تھا اگر کوئی اسوقت کھلے آسمان کے نیچے جاگتا ہوگا۔ تو
اس نے دیکھ لیا ہوگا چنانچہ ایک مشہور روایت ہے کہ راجہ بھوج نے جو اتفاقاً
اسوقت اپنے کوٹھے کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسکو دیکھ لیا اور ایمان بھی لے آیا
اسکے سوا عرب کے شعرا نے بھی جو اسوقت تک آنحضرت صلعم کے سخت مخالف
تھے۔ اس واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اسوقت تک یہی لوگ
عرب کے مورخ تھے۔ رہا یہ اعتراض کہ چاند جیسے بڑے جسم کا کیونکر دو ٹکڑے ہونا ممکن
ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ معترضین کی عقل نارسا کو قدرت الٰہی پر کوئی ذی شعور
ترجیح نہیں دے سکتا۔ اور اسکے علاوہ بعض علما نے علم کلام سے ان کے کئی ایک
معقول جواب دیے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع چونکہ مباحثہ نہیں بلکہ سادہ طور پر
تاریخ نویسی ہے۔ اسلئے اسکے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ جسکو
ضرورت ہو۔ علم کلام کی کتابوں میں دیکھ کر تشفی کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے مؤید من اللہ ہونے کے معجزات

ہر شخص اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جب دین محمدی جلوہ گر ہوا ہے۔ سوائے
غریب اور بے نوا لوگوں کے امرا و حکام کو ابتدا میں اسکی طرف رجوع نہیں ہوا
اور ان مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ بیچارے گھروں سے نکلے ہوئے تھے خانہ بدوشوں
کی طرح جان چھپاتے پھرتے تھے۔ کوئی دولت و ثروت نہ تھی کہ اپنا بچاؤ کر سکیں
سو بھی بعض اوقات بہت کم تھی مگر باوجود اسکے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ ان میں
مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہی تھی [illegible] اور مشرکوں کی جمعیتیں
اور بڑے بڑے ساز و سامان [illegible] مگر قریباً ہر جگہ اللہ
تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ چنانچہ جنگ [illegible]
فرشتوں کے ذریعہ امداد غیبی کا آنا قرآن [illegible]

جس سائینس نے وجود باری تعالیٰ کا عقیدہ بھی اُٹھا کے الگ رکھ دیا ہے۔ وہ وجود فرشتگان سے بھی انکار کرتا ہے حالانکہ دراصل یہ ان لوگوں کی اپنی کم نظری ہے۔ نظر یا محسوسات کی صدہا غلطیاں معلوم ہوتی ہیں پس اوّل تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے محسوسات اور وہ بھی جو صرف قیاسات اور آلات سے بہم پہنچی ہوں صحیح مان لئے جائیں اور اگر بفرض محال انہیں ایسی ہی سمجھ ہو تو اس میں تو ان کو انکار کی مطلق گنجائش نہیں کہ آنحضرتؐ ضرور مؤید من اللہ تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ہزار بے سامان آدمیوں کا چار ہزار باسامان اور مستعد اشخاص کے مقابلہ میں کامیاب ہو جانا کیسے ہو سکتا تھا۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ فرشتوں کے نام سے چڑ ہو تو وہ یوں سمجھ لیں کہ جنگ بدر کے موقع پر لشکر اسلام کو خدا تعالیٰ نے ایسی امداد دی جیسے کہ ایک ہزار سواروں کی ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ توجیہات صرف انہیں لوگوں کے لئے ہو سکتی ہیں۔ مسلمان کیا بلکہ تمام اہل کتاب فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ جنہیں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تواریخ میں جب واقعی امداد کا پتہ مل رہا ہے تو پھر اعتراض کرنا سوائے ہٹ دھرمی کے اور کس طرح ممکن ہے۔ اس کے سوا آنحضرت صلعم کا مؤید من اللہ ہونا آپ کی ہر ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیا معجزات۔ کیا تقریر۔ کیا اخلاق سب میں آپ کی جو کچھ حالت تھی وہ سوائے تائید غیبی کے ناممکن ہے۔ چنانچہ اعراب کے خطیب اور شاعر مان چکے ہیں کہ ھذا الرجل ھو مؤید من اللّٰہ۔ کہ آنحضرت واقعی تائید بھی رکھتے ہیں۔

معجزات تصدیق نبوت

یہ تمام دنیا پر سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ۔ دادا۔ پڑدادا۔ نکڑ دادا وغیرہ وغیرہ تک میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور نہ آنحضرت صلعم خواندہ تھے کہ قدیم کتب آسمانی سے کسی آنے والے نبی کی بشارت کو آپ نے سمجھا

منسوب کرنے کی جسارت کر گذرتے۔ اس کے علاوہ ابتدا سے ہی ایسے یتیم و بیسیر رہے اور ایسے لوگوں کی صحبت میں ابتدائی عمر بسر کی کہ کوئی توقع ایسے بلند کام کی نہ ہوسکتی تھی۔ اور ابتدا سے جو تکالیف آپ کو پہنچیں وہ بھی ان سب پر مستزاد تھیں۔ مگر آپ جب منصب رسالت پر مامور فرمائے گئے تو آپ کو اپنی نبوت برحق اور خدائی حفاظت کا ایسا یقین ہو گیا جیسے کہ دو اور دو کے ملنے سے چار کا یقین ہوتا ہے اور اس یقین کے ساتھ ہی آپ نے عمر گذاری دنیا بھر میں مخالفت ہوئی۔ قریش جان کے لیوا اور خون کے تشنہ ہو گئے۔ مگر آپ کے یقین نے سر مو بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ فرمائی۔ ابوطالب کے پاس آکر تمام سرداران قریش نے جب یہ کہا کہ یا تو آپ انہیں سمجھا کر روک دیں اور یا ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم خود ان سے نمٹ لیں۔ اور اس پر ابوطالب نے آپ کو ایسے معاملے سے منع کرنا چاہا جو جمہور کے نہ صرف مخالف ہی ہوں بلکہ ان کو تشنہ خون کر دیں تو آپ نے بے ساختہ یہی فرمایا کہ میں مامور ہوں لہذا مجبور۔ پھر قریش نے جب یہ پیغام دیا کہ ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس دعوئے نبوت سے باز آجاؤ تو پھر بھی آپ نے یہی کہا کہ مجھے خدائی مشن کی کامیابی منظور ہے نہ کہ بادشاہی جنگ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ کئی ایک بھاگ گئے کئی مارے گئے بلکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی زخم آئے۔ تو ایسے وقت میں بھی آپ ذرا بھر نہ ڈگمگائے اور فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے بلکہ جب ابوسفیان نے خوش ہو کر کہا اعل ھبل اعل ھبل (بلند ہو جا اے ہبل) تو آپ سے نہ رہا گیا اور فرمایا اللہ اعلےٰ و اجل (خدا ہی بزرگ و بلند ہے) یا جیسا کہ ہجرت مدینہ کے وقت۔ باوصفیکہ کفار نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا) مگر آپ نے بعض الجمع ویولون الدبر پڑھ کر ایک مٹھی ریت کی ان کی طرف پھینک دی۔ اور دلیرانہ نکلتے ہوئے چلے گئے۔ خوف و ہراس مطلق نہیں کیا۔ غرضیکہ ان باتوں کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ یقین جو آپ کو اپنی نبوت برحق کی نسبت حاصل تھا۔ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے

کیونکہ بشریت کا تقاضا یہ ہوا کرتا ہے کہ جس شخص کی ایک دنیا بھر مخالف ہو جاتی ہے -
انسان کو اسکی بابت خود شبہ ہو جاتا ہے کہ آیا میں ہی تو برسرِ غلط نہیں
اور یہ خیال منٹ تو کیا ایک سیکنڈ کے لئے کبھی آنحضرت صلعم کو نہیں گذرا - اور یہ
بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ کی امت کے سنکڑوں مسلمان جو ابتدائے نبوت سے
اب تک ہوئے ہیں - نیچری - وہابی - خارجی - شیعہ - سُنی - حنفی وغیرہ وغیرہ -
کئی کئی فرقے ہو گئے - مگر سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت
کا ویسا ہی یقین ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلعم کو تھا - یہ بات شاید عام طور پر
محسوس نہ ہو - لیکن اگر آجکل کے دوسرے اہل مذاہب عیسائیوں وغیرہ کے
سینوں کو کھول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے دلوں کے اندر جو دل ہے
وہ اپنے نبی اور مذہب کی کیا وقعت کر رہا ہے اور پھر اگر مسلمانوں کے دلوں
کو ٹٹولئے تو ہر ایک صفحۂ خاطر پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کے الفاظ نہ صرف لکھے ہوئے بلکہ کندہ کئے ہوئے پائے جائیں گے -

نعم من قال ع

امت میں ترے نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن | دلدادہ ترے نام کا اک اک ہے سوا اس
ہر چند پھنسیں دہر مخالف میں ترا نام | ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا وظیفہ

یہ ایسے معجزات ہیں کہ ان سے بہتر کسی مذہب و ملت میں نہیں مل سکتے - مگر
آنحضرت صلعم سے اسکے علاوہ ایسے بھی معجزات صادر ہوئے ہیں جو دوسروں
کو آپ کی نبوت کا یقین دلاتے رہے ہیں - مثلاً کبھی دفعہ لوگوں کو جنگل اور بیابانوں میں
ایسی آوازیں سنائی دیں کہ ایک نبی برحق مبعوث ہوئے ہیں - جن کی نسبت
ہیں منجانب ہے - کبھی دفعہ حیوانوں نے بزبان قال و حال آپ کی نبوت پر گواہی
دی - کبھی دفعہ آپ کے ہاتھ میں سنگریزے لئے تو انہیں سے کلمۂ حق جاری ہو گیا
کئی بار آپ نے کسی درخت کو بلایا تو حسب الحکم محسوس ہو کر واپس چلا گیا - وغیرہ وغیرہ -
اب ظاہر ہے کہ ایسے معجزات کی کہاں تک ضرورت تھی - کیونکہ گو کتب آسمانی

میں آپ کے واسطے مفصل بشارات موجود تھیں اور نجوم و رمل کی بھی جہاں تک دسترس تھی۔ وہ بھی آپ کی تصدیق کرتا تھا مگر وہ لوگ جو ان نشانوں کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ بہرحال ایسے ہی معجزات کے محتاج تھے۔ لہٰذا حق تعالےٰ نے آپ کو ہر طرح کے معجزات عطا فرمائے تھے۔ کیونکہ اگرچہ آپ کی نبوت کسی زائد معجزہ کی محتاج نہ تھی۔ لیکن عام لوگ تو ضرور اسکے محتاج تھے۔ اور چونکہ آپ رمل یا نجوم یا سحر یا کہانت کے نہ عامل تھے نہ قائل بلکہ مخالف۔ اس لئے آپ کی تصدیق نبوت کو ایسے معجزات باہرہ کی ضرورت تھی کہ جو ان سب سفلیات کے ناسخ بھی ہوں اور ایسے عجیب تر بھی۔ اب رہی یہ بات کہ جو معجزات آپ سے شجر و حجر یا درند و پرند وغیرہ کی زبانی ظہور میں آئے۔ وہ ممکن ہیں یا غیر ممکن۔ تو اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ زبانِ حال سے ان کا آپ کی گواہی دے دینا تو سائنس کا باپ بھی تسلیم کر لے گا۔ رہی زبانِ قال جسکے متعلق یہ عرض ہے کہ جو لوگ اس روحانی کوچہ سے ناواقف ہیں۔ انہیں کو اعتراض ہو سکتا ہے اور یہ وہ راز ہے کہ سوائے آشنا کے ناآشنا پر کھولا نہیں جاتا۔ پس ان کا یہی جواب ہے کہ ؎

تو بادہ نہ خوردئی چہ دانی قدرش
تریست دریں بادہ کہ مستاں دانند

معجزات سیف اللسانی

سیف زبان اصطلاحی طور پر اسکو کہا جاتا ہے جسکی زبان سے جو کچھ نکل جائے وہ ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح ٹالے نہ ٹلے اور عموماً جو لوگ برگزیدہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی زبان سے جو کچھ بھی کہلوا دے جوں کا توں ہو کر رہتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وما ینطق عن الھوےٰ

اِن هُوَ اِلّا وَحیٌ یُّوحیٰ۔ (ترجمہ) وہ (حضرت رسول اللہ) اپنی خواہش سے
نہیں بولتا جب تک وحی اسے وحی نہ کرے۔ پس پھر آنحضرت صلعم کی زبان
درخشاں کا کیا کہنا۔ جو کچھ بھی فرما دیا۔ پتھر کی لکیر ہو گیا۔ اسی مضمون کو دوسرے
پیرایہ میں مولینا روم فرماتے ہیں۔ کہ ؎

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آنحضرت صلعم نے جو کچھ مختلف مواقعات پر فرمایا ہے۔ بالضرور ان کا جستہ جستہ
ذکر کتابوں میں آ جاتا ہے۔ مگر اصلیت یوں ہے کہ ان سب اقوال وافعال کا
احصاء قریباً ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے وقت میں فن کتابت
بہت کم جاری تھا۔ اور تھا بھی تو علم و عمل نے اسقدر ترقی نہ کی تھی۔ کہ چند آدمی
صرف آنحضرت صلعم کے اقوال وافعال کے لکھنے کو ہی اپنی ڈیوٹی مقرر کر لیتے۔ پس
اب جو کچھ بھی ہے۔ وہ صرف بعض فدائیوں کی یادداشت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ
یہ آسانی کے ساتھ ثابت ہو جاتا کہ جس شخص سے جس حالت اور جس معاملہ کی
نسبت کوئی کلمہ آپ کی زبان سے نکل گیا وہ بالکل ویسا کا ویسا ہی ہو کر رہا
جیسے کہ عبداللہ بن عباس جبکہ خوردسال تھے تو آپ نے ان کے سر پر
از راہِ محبت دست شفقت پھیر کر فرمایا کہ یہ تو ابوالخلفا (خلیفوں کا باپ)
ہے تو خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ خلفائے عباسیہ کا دور دورہ اور شان
و شکوہ کس کو یاد نہیں۔ یا جیسا کہ ایک منافق قزمان نام جو ظاہر طور پر مسلمان
تھا۔ اسکی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ تو دوزخی ہے۔ گو وہ پھر بھی ظاہری مسلمان
بنا رہا۔ اور جنگ احد میں شریک ہو کر زخمی بھی ہو گیا۔ جب قریب المرگ ہوا تو
لوگ اسکی عیادت کو گئے۔ اور کہا کہ غمگین نہ ہو تا وہاں بھی تمہارے واسطے
درجات عالیات کشادہ ہیں تو اس نے کہا کہ میں اسلام کے لئے تو لڑا ہی نہیں بلکہ
غنیمت کے لالچ پر لڑا ہوں اور آنحضرت صلعم سے مجھکو کچھ محبت بھی نہیں ہے

اسی حال میں اس نے خودکشی بھی کر لی اور وہ واقعی دوزخی ہو گیا۔ یا جیسا کہ سراقہ نے جب بوقت ہجرت آپؐ کا تعاقب کیا اور نزدیک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ الٰہی اسکا گھوڑا زمین میں دھنس جائے جتنی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا۔ اور پھر جب اس نے ایمان قبول کیا۔ تو آپؐ نے دعا فرمائی اور گھوڑا نکل آیا یا جیسے کہ ابی بن خلف کی بابت آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس مردود کی موت میرے ہاتھ سے ہوگی چنانچہ جنگ اُحد میں آپؐ ہی کے ایک ذرا سے کوچے سے اسکا کام تمام ہوا یا جیسے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس جو عرب کے مشہور شہوار تھے اور آپؐ کے قتل کے ارادے سے آئے تھے۔ آپؐ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ یہ اپنے گھر زندہ نہ پہنچیں گے۔ تو دنیا نے دیکھا کہ ایک تو رستے میں ہی طاعون سے مر گیا اور دوسرا بھی راہ میں ہی بجلی کی نذر ہو گیا۔ یا جیسے کہ حکم بن ابی العاص نے ایک دفعہ لٹک لٹک کر چلنے سے بطور تمسخر آپؐ کی نقل اتاری تو آپؐ نے فرمایا۔ بیشک تمہاری یہی حال ہے۔ جسپر وہ تاحیات ویسے ہی لٹک لٹک کر چلتا رہا۔ یا جیسا کسی عورت نے اپنی لڑکی کی بابت محض شرارت آنحضرتؐ سے کہدیا کہ اسکو برص ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہوگی۔ تو واقعی اُسکو برص ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ

یمن و برکت کے معجزات

گو ہر ایک نبی بلکہ ولی بھی برکت رکھتا ہے۔ مگر اصلیت یہی ہے کہ آنحضرتؐ سے جسقدر یمن و برکت کے معجزات صادر ہوئے ہیں۔ اور کسی سے نہیں ہوئے جن کو بالتفصیل لکھنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصراً کہ تھوڑے سے کھانے کا آپؐ کی برکت سے ایک جم غفیر کی شکم سیری کر دینا کئی جگہ دیکھا گیا۔ مثلاً جنگ خندق کے روز صرف ایک صاع جو کے آٹے میں آپؐ نے بہت سے آدمیوں کو ایسی طرح کھانا کھلایا۔ یا حضرت طلحہؓ کے مکان پر جنہوں نے آپؐ کی دعوت کی تھی۔ صرف ایک دو آدمی کی خوراک سے اپنے تمام ساتھیوں کو

بھی بخوبی سیر فرما دیا۔ یا جیسے ایک دفعہ ایک صاع جو یعنی ساڑھے تین سیر
اور ایک بکری کے بچے کے گوشت سے آپؐ نے اسی آدمیوں کا شکم سیر کر دیا۔
یا جیسے کہ حضرت انسؓ کے ہاں صرف اتنی ہی روٹیوں سے جو ان کے ہاتھ میں
پکڑی ہوئی تھیں آپؐ نے اسی آدمیوں کو کھانا کھلا دیا۔ یا جیسے کہ ایک بار ابن
بشیر کچھ تھوڑے سے چھوہارے لائے۔ تو آپؐ نے انہیں سے تمام حاضرین
اور اہل لشکر کا پیٹ بھروا دیا۔ اور پھر بھی وہ ویسے کے ویسے ہی رہے۔ یا جیسا
ایک دفعہ بہت تھوڑے سے چھوہاروں سے آپؐ نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ چار سو
سواروں کی زادِ راہ کر دلوا دیئے اور وہ ان کے لئے تمام سفر میں کافی ہو گئے۔ وغیرہ
وغیرہ۔ علیٰ ہذا تھوڑے سے پانی کے ساتھ ایک لشکر کا لشکر بھی آپؐ کے
یمن و برکت سے سیراب ہو ہو گیا ہے۔ جیسے کہ ایک دفعہ ایک چھوٹے سے پیالہ
سے (جس میں ہاتھ بھی اچھی طرح نہ پھیل سکتا تھا) اپنا دستِ مبارک ڈالکر باری باری
سب کو پانی پینے کا حکم دیا۔ تو ہر ایک نے پانی بھی پی لیا اور وضو بھی کر لیا۔ یا جیسے کہ
ایک دفعہ آپؐ کا بقیہ وضو چشمہ تبوک میں ڈالا گیا۔ تو باوصفیکہ چشمہ مذکور نہایت ہی
کم پانی دیتا تھا۔ مگر پھر وہی چشمہ ہزارہا مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرتا رہا۔ یا جیسا کہ
حدیبیہ کے کنوئیں میں آپؐ کا بقیہ وضو ڈال لینے سے باوصف کنوئیں کے خشک
ہونے کے ایک ہی وقت میں پندرہ سو آدمیوں نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔ یا جیسا
ایک دفعہ ایک دودھ کے پیالے سے آپؐ نے دس دس کر کے تمام آدمیوں کو
بُلا بُلا کر سیر کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح شفائے امراض کے لئے بھی آپؐ کا
دستِ مبارک ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ مثلاً ایک دفعہ جنگِ خیبر میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کی آنکھیں دُکھتی تھیں۔ تو صرف آپؐ کے لعابِ دہن کو لگتے ہی وہ اچھی ہو گئیں۔
یا جیسا کہ غار میں حضرت صدیقؓ کو سانپ ڈس گیا تھا۔ تو آپؐ کے لعابِ دہن سے
ہی بالکل شفا ہو گئی۔ یا جیسے کہ قتادہ بن نعمان کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا۔ اور آپؐ نے
اُٹھا کر موقع مناسب پر رکھ دیا۔ تو سوائے اس کے کہ اس کی شناخت باقی نہ رہی کہ وہ

بہ نسبت دوسری کے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا۔ یا جیسا کہ عبداللہ بن عتیک کی
ٹانگ جو ٹوٹ گئی تھی۔ صرف آپ کے ہاتھ پھیر دینے سے ہی اچھی ہو گئی۔ وغیرہ
وغیرہ۔ غرضکہ شفائے امراض میں تو اسقدر آپ کے معجزات ہوئے ہیں کہ جن کی
انتہا نہیں یعنے جسپر بھی آپ نے دم کر دیا یا ہاتھ پھیر دیا وہ اچھا ہو گیا۔ ایسے ہی ازدیاد
برکات و سرسبزی میں بھی آپ کا ہاتھ یُمن و برکت ظاہر ہوتا رہا ہے۔ مثلاً
جس سوکھے درخت کے ساتھ آپ نے پیٹھ لگا کر سہارا لیا۔ وہ ہرا ہو گیا (جیسا کہ
قبل از نبوت سفر شام میں دو بار ہوا تھا) یا جیسا کہ ام معبد کی بانجھ بکری کو آپ نے
دوہنا شروع کیا۔ تو وہ دودھ اتار لائی اور پھر دم آخر تک برابر دودھ دیتی رہی
یا جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی بانجھ بکری کو آپ نے دوہا تو ہمیشہ دودھ دیتی رہی۔
یا جیسے کہ سلمان فارسی کی خاطر آپ نے درخت لگائے تو وہ اسی سال پھل لائے بار آور
ہو گئے۔ یا ایک تھوڑی سی مقدار سونے کو آپ نے اپنے لعاب دہن سے تر فرما کر
فرما دیا کہ یہ اسقدر بھاری ہے تو وہ بھاری ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے سوا جس
کسی کے واسطے آنحضرت نے برکت چاہی وہ با برکت ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت
انسؓ کے لئے دعا فرمائی۔ تو وہ ایک مفلس شخص سے کافی دولتمند ہو گئے۔ یا جریر
بن عبداللہ جو گھوڑے پر سے گر پڑتے تھے جب آپ نے سوار کرا دیا۔ تو ان سے
بہتر کوئی شہسواری نہ تھا۔ یا جیسے کہ عبدالرحمن بن عوف پہلے نہایت مفلس
ہوتے تھے۔ اور آپ کی دعا سے اسقدر مالدار ہو گئے کہ کروڑوں کے مالک
سمجھنا چاہیئے یا جیسا کہ ابو قتادہ کو آپ نے خوش ہو کے دعا دی کہ افلح
وجھک اللھم بارک لہ فی شعرہ وبشرہ۔ (یعنے یا الٰہی اس کا چہرہ
بارونق رکھ اور برکت دے اسکے بالوں اور جلد میں) تو ابو قتادہ عمر بھر جیسے
کے ویسے ہی ہشاش بشاش رہے۔ کوئی بال سفید نہیں ہوا اور چہرہ یا جسم پر کوئی جھری نہیں
پڑی۔ یا جیسا کہ عبداللہ بن جعفر اور عروہ بن ابی الجعد کے لئے آپ نے نفع
تجارت کی دعا فرمائی تو اسکے بعد انہیں ہر تجارت میں نفع ہی نفع ہوتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ

مختصر یہ کہ آپ کی ذات مبارک پر گو با خیر و برکت عاشق تھی۔ اور یہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت تھی۔ اگر ایسی باتیں نہ ہوتیں تو اُس طوفان مخالفت میں اور حالت بیکسی میں جو ہجرت کے ابتداء رونما ہوئی تھی۔ آپ کو بھی سخت تکلیفات پہنچتیں اور نتیجہ اُن کا یہ ہوتا کہ اسلام کو سخت ضعف ضرر پہنچ جاتا ماسوائے اس کے یہ بہت ہی بڑی فضیلت ہے کہ باوصف مستجاب الدعوات ہونے کے کبھی آپ نے خود دولتمندی کی آرزو نہیں کی۔ ورنہ آجکل کے پیروں کی طرح اگر چاہتے تو کروڑوں روپیہ صرف نذرانے میں سالانہ وصول ہو جاتا۔ اسکے علاوہ ان معجزات کی اس واسطے بھی ضرورت تھی۔ کہ آپ کو غریبوں کے حال پر بھی یکساں نظر التفات تھی۔ اگر یہ برکت نہ ہوتی۔ تو وہ آپ کی دعوت کی عزت کیسے حاصل کر سکتے۔ دوسرا خود آپ بھی کچھ جمع جتھا پاس نہ رکھتے تھے۔ اسپر اہل و عیال اور اصحاب صفہ کا نان نفقہ سب آپ کے ذمے تھا۔ پس یقین ہے برکت نہ ہوتی تو ان کو سخت تکلیف پہنچتی۔ تیسرا یہ کہ فوجی نقل و حرکت سوائے روپے اور انتظام کے ناممکن تھی۔ اگر خیر و برکت بھی نہ ہوتی تو تبلیغ اسلام کیسی ہو سکتی تھی۔

معجزات متعلق اخبار آئندہ

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے۔ کہ عرب میں اُس وقت نجومیوں اور کاہنوں کا سخت زور تھا۔ اور وہ لوگ اکثر جھوٹی سچی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے۔ جناب رسول مقبول صلعم تو ایسی پیشین گوئیوں کے سخت مخالف تھے۔ مگر بعض اہم حوادث کی خود قرآن شریف میں بشارات دی گئی ہیں۔ جن سے یا تو بعض ارشادات دل شکستہ مسلمانوں کی خاطر بھی مقصود تھی۔ یا کسی فتنہ آئندہ سے خبرداری۔ پس بعض ایسی ہی باتوں کی نسبت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی گاہ گاہ کچھ فرمایا ہے۔ مگر یہ خبریں کسی شخص واحد کے متعلق نہ تھیں۔

کہ یہ فلاں وقت بیمار ہوگا اور فلاں وقت اچھا ہو جائے گا - یا مر جائے گا - بلکہ ایسے حالات یا تو دین کے متعلق تھے یا اُمت کے - اور چونکہ آنحضرت صلعم کا سینہ مثل آئینہ سب حالات آئندہ و گذشتہ کو دیکھ رہا تھا - اسلئے اگر کبھی کسی معاملہ کا ذکر آ گیا تو آپؐ نے کچھ ایسے الفاظ فرما دیئے جو بطور نتیجہ معلوم ہو رہے ہوں - مثلاً **خلافت راشدہ** کی بابت کئی دفعہ آپؐ سے ایسے اشارات ظاہر ہوئے - جس سے ترتیب خلافت کا پتہ لگ جاتا تھا - یا یہ کہ ایک دفعہ آپؐ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے - حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عثمان و عمر رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے - ایک بڑے پتھر پر پاؤں پڑا تو وہ کانپنے لگا - اسپر آپؐ نے فرمایا کہ اے پتھر کیوں کانپتا ہے - تجھپر سوائے ایک نبیؐ ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ کے کوئی نہیں ہے - چنانچہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اپنے اپنے وقتوں میں شہید ہو گئے - یا یہ کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد تیس برس تک تو خلافت رہیگی اور اس کے بعد جبر والی بادشاہت چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے وقت تک تو خلافت رہی اور اسکے بعد بادشاہت کا رنگ چڑھ گیا اور چڑھا بھی تو یہاں تک کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل تک سے اس سیہ اسطے جسے لیح نہ کیا - یا یہ کہ آپؐ نے امام حسن علیہ السلام کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے - اور اس کے ہاتھ پر دو قوموں میں خدا صلح کرائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہؓ کے درمیان جدال و قتال کی نوبت پہنچ گئی بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں جو عداوت قایم ہو گئی تھی - حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے وقت میں خلیفہ ہو کر اس نزاع کا اس طرح فیصلہ کر دیا کہ خلافت چھوڑ دی اور معاویہ کو ہی بادشاہ تسلیم کر لیا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اُس وقت جو دونوں فوجیں جنگ پر تُلی ہوئی تھیں باہم مل گئیں اور خونریزی نہ ہونے پائی - یا جیسا کہ ایک دن حضرت امام حسینؓ

کو دیکھ کر پیار کرتے ہوئے فرمایا کہ میری اُمّت ہی تمہیں قتل کرے گی۔ یا جیسا ایک دفعہ سفر صفین میں جبکہ امام حسین علیہ السلام بھی ہمسفر تھے آپؐ نے فرمایا کہ یا ابا عبداللہ کنارہ فرات پر تمہیں لوگ قتل کریں گے۔ بلکہ آنحضرت صلعم سے خبر پاکر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک دفعہ اصبغ بن نباتہ کو امام حسین علیہ السلام کی جائے شہادت وغیرہ تک سب دکھا دی تھی۔ یا یہ کہ حضرت علیؓ اور زبیرؓ باہم رشتہ دار بھی تھے۔ اور محبت بھی رکھتے تھے۔ ایک دن آپؐ نے فرداً فرداً دونوں سے ایک دوسرے کی بابت پوچھا۔ تو دونوں نے کمال الفت کا اظہار کیا لیکن آپؐ نے فرمایا۔ کہ تم دونوں میں ایک دن قتال ہوگی۔ اور اسمیں زبیر ظالم کی طرف ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زبیرؓ عائشہؓ کے شریک ہو کر حضرت علیؓ سے لڑنے چڑھ آئے۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے جب آنحضرت صلعم کی پیشینگوئی یاد دلائی۔ تو زبیر شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اور ابن جرموز نے انہیں رستے ہی میں قتل کر دیا۔ یا جیسا کہ عمارؓ بن یاسر کو آپؐ نے فرمایا تھا۔ کہ تمہیں ایک گروہ باغیوں کا قتل کرے گا۔ اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ یا یہ حضرت علیؓ سے آپؐ نے فرمایا۔ کہ تمہارا حال حضرت عیسےٰ سے ملتا ہے۔ جن کے یہود تو اسقدر مخالف ہوئے۔ کہ ان کی ماں کو بھی تہمت لگائی اور بزعم خود انہیں بھی سولی پر چڑھا دیا۔ اور نصاریٰ یہاں تک شیفتہ و گرویدہ ہوئے۔ کہ انہوں نے انہیں رسالت سے الوہیت تک پہنچا دیا۔ پس تمہارے بھی ایسے ہی دوست اور دشمن ہوں گے۔ کہ افراط و تفریط میں حد سے گذر جائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ کہ روافض و خوارج دونوں خوب زور لگا لگا کر اپنی دوستی و دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ یا یہ کہ حضرت عمرؓ کے حق میں آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے۔ یعنے جب تک یہ رہے گا۔ فتنہ بھی مقفل رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت عمرؓ کے وقت تک تو کوئی فتنہ و فساد مسلمانوں میں باہم نہیں ہوا۔ اور جب وہ گذر گئے تو فتنہ و فساد بھی برپا ہوگیا۔ یا یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو آپؐ نے

صاف صاف فرمادیا تھا کہ ایک بدترین امت قاتل تمہارے سر پر اپنی تلوار مارے گا
کہ جس سے تمہاری ڈاڑھی رنگین ہوجائیگی۔ یا جیسا کہ فتوحات اسلام کی بابت
آپ نے فرمایا تھا کہ حق تعالےٰ نے تمام روئے زمین مجھپر آئینہ کرکے دکھلادی
ہے۔ اور عنقریب تمام میری امت کی بادشاہت پہنچ جائیگی چنانچہ
اسکو سب دیکھ رہے ہیں کہ بفضل خدا سب جگہ دنیا میں مسلمان موجود ہیں اور دور
دور تک حکومت بھی کرچکے ہیں۔ یا جیسا کہ جنگ عظیم کی بھی آپ نے پیشین گوئی فرمائی
تھی کہ ایک دفعہ جبکہ مسلمانوں کے ساتھ نصاریٰ صلح باندھینگے مگر پھر اسپر
قایم نہ رہ کر اسی نشانوں کے تلے مقابلہ ومقاتلہ کو چڑھ آئیں گے جنمیں سے
ہر ایک نشان کے نیچے ان کے بارہ ہزار آدمی ہوں گے۔ پس یا تو یہ صلیبی
جنگ تھا جو گذر گیا اور یا آیندہ ہونے والا ہے۔ یا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔
کہ میری امت کے لوگ جہازوں میں بیٹھکر جہاد کرینگے۔ اور ویسا ہی ہوا کہ حضرت
عثمان رضی کے وقت بحری لڑائیوں کا سلسلہ مسلمانوں میں جاری ہوگیا۔
یا جیسے کہ فتح روم کی پیشین گوئی آپ نے فرمائی۔ اور ویسا ہی ہوا اب تک
بفضل الٰہی قسطنطنیہ سلطان اسلام کے زیر نگین ہے۔ یا جیسا کہ جنگ بدر
میں قبل از قتال آپ نے فرمادیا تھا کہ کل فلاں شخص یہاں مارا جائیگا اور
فلاں اس جگہ۔ اور ویسا ہی ہوا۔ یا جیسا کہ جنگ خندق کے بعد آپ نے
ارشاد فرمایا تھا۔ کہ آج کے بعد قریش ہمپر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرینگے
بلکہ ہم ہی انپر چڑھائی کرینگے اور ویسا ہی ہوا۔ یا جس طرح غزوہ حنین میں ایک
شخص نے آپ کو خبر دی کہ قبیلہ ہوازن بہت سا لاؤ لشکر لے کر مقابلہ کو آرہے ہیں
تو آپ نے فرمایا کہ وہ سب مسلمانوں کی غنیمت میں آئینگے۔ اور دوسرے ہی دن ایسا
ہوگیا۔ یا جیسا کہ آپ نے ایک عظیم الشان آگ کی خبر دی تھی۔ جو ۳ جمادی الآخر ۶۵۴ھ
میں ایسی آگ لگی۔ کہ دیر تک شعلہ زن رہی اور اسکی روشنی کئی کئی میلوں تک
پہنچی تھی۔ چنانچہ اسکے بیان میں قسطلانی نے ایک مستقل کتاب بھی ہے۔ یا

جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ قوم ثقیف میں سے ایک سخت خونریز ظالم پیدا ہوگا۔ اور حجاج بن یوسف اس کا مصداق ہوا۔ یا جیسا کہ آپؐ نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کے نمودار ہونے اور آخرالامر مستاصل ہو جانے کی خبر دی بلکہ حلیہ تک بھی بیان فرما دیا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کہ مسیلمہ اور اسود عنسی اور سجاح نے دعوے نبوت کیا۔ اور آخرالامر مسیلمہ تو مارا گیا۔ اور باقی دونوں مسلمان ہوکر مطیع و گمنام ہوگئے۔ یا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری اُمت میں تہتّر فرقے ہونگے مگر ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ چنانچہ بعد آنحضرت صلعم کے برابر فرقے ہوتے گئے تا بحدیکہ تہتر تک پہنچ گئے۔ یا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں انتظام اسلام میں جو شخص رخنہ انداز ہوگا وہ بنی اُمیہ سے یزید نام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ معاویہ کی امارت تو پھر بھی پابند شریعت تھی۔ لیکن یزید نے شراب نوشی و فسق و فجور میں مبتلا ہوکر ایک ایسا فتنہ عظیم اُٹھایا۔ کہ قیامت تک نہ بھولے گا۔ علٰے ہذا آپؐ نے اکثر فتنہ و فساد کی جو بعد آپؐ کے ہونے والے تھے۔ وقتاً فوقتاً اطلاع دیدی۔ حتےٰ کہ نزول مسیح اور ظہور مہدی اور قیامت کے حالات تک بیان فرما دیئے۔ جو سچے ہوتے رہتے ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہینگے۔ ایسی پیشین گوئیاں صدہا آپؐ نے فرمائی ہیں۔ جن کا احصا مشکل ہے۔

اسکے سوا آنحضرت صلعم کے علم لدنی اور صفائی ضمیر کے متعلق بھی کئی واقعات دیکھے گئے ہیں یعنے دور دراز مقامات کی خبریں آپؐ نے اس طرح دیدی ہیں کہ گویا سامنے دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً سریہ موتہ میں آپؐ نے جو مجاہدین بھیجے تھے۔ حالانکہ وہ مدینہ سے ایک مہینے کی راہ پر شام میں واقع تھا۔ مگر آپؐ نے عین بروقت فرمادیا کہ اب زید نے علم لشکر سنبھالا۔ اور وہ شہید ہوگئے اور اب جعفرؓ نے علم لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ اور اب رواحہ نے نشان لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ لیکن اب علم لشکر سیف اللہ نے لیا ہے اور انہی کے ہاتھ

یہ فتح مقدّر ہے - چنانچہ بعد ازاں جب خبر آئی تو یہی معلوم ہؤا کہ تینوں کی شہادت کے بعد خالد بن الولید کے ہاتھ پر موتہ فتح ہؤا - جس پر ان کا لقب سیف اللہ قرار ہو گیا - یا جیسا کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کا جس دن انتقال ہؤا آپؐ نے جماعت اصحاب کے ساتھ مدینہ میں اسکی نماز جنازہ پڑھائی اور اُسکے انتقال کی مفصّل خبر دیدی یا جیسا کہ ایک دن مدینے میں ایک ہوا چل رہی تھی - تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک بڑے منافق کی موت کی خبر لا رہی ہے - چنانچہ اسیوقت معلوم معلوم ہؤا کہ رفاعہ بن زید جو سرگروہ منافقین تھا مر گیا ہے - یا جیسا کہ حضرت عباسؓ جب اسلام لانے سے پہلے اسیر جنگ ہو کے آئے اور اُن سے فدیہ طلب کیا گیا - اور انہوں نے کہا کہ میں ادائے فدیہ کی طاقت نہیں رکھتا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم ام الفضل کے پاس جو مال رکھ آئے ہو - اسکو دے کر آزاد ہو جاؤ - حالانکہ اسکی کسی کو خبر تک نہ تھی - یا جیسا کہ ایک دفعہ سفر مکّہ میں حضرت ابو بکرؓ کا وہ اونٹ گم ہو گیا - جس پر اُن کا اور جناب رسول خداؐ کا زادراہ بار تھا - حضرت ابو بکرؓ نے اسکی گمشدگی پر غلام کو ڈانٹا تو بعض منافقین نے کہا کہ آنحضرت صلعم جو آسمان کی خبریں دیتے ہیں کیا اونٹ کی خبر نہیں دے سکتے - یہ بات آپ تک بھی پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں علم غیب کا مدعی نہیں ہوں سوائے اسکے کہ جسکی خدا مجھے خبر دیدے - اور وہ اونٹ نہ تو کہیں چوری گیا ہے نہ بھاگا ہے - بلکہ صرف ایک درخت سے اسکی نکیل اڑ گئی ہے اور وہ وہیں کھڑا ہے - اور وہ درخت فلاں جگہ واقع ہے - چنانچہ لوگ وہاں سے جا کے دیکھے ہی اسکو ہانک لائے - یا جیسا کہ قریش نے شعب ابو طالب کے رہنے والوں سے علیحدگی کا جو عہد نامہ لکھکر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا تھا - ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ اس میں سے سوائے خدا تعالےٰ کے نام کے باقی سب کاغذ کو دیمک کھا گئی ہے اور اسکے کاتب کا ہاتھ بھی بیکار ہو گیا ہے تو ایسا ہی ہؤا اور اسی پر ابو طالب کے حامیوں نے قائل ہو کر اس عہد نامہ

کر توڑ دیا۔ جیسا کہ شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مرنے کی خبر آپؐ نے دی اور ویسا ہی ظاہر بھی ہوا۔ غرضکہ یہ امور بھی اسقدر آپؐ نے بیان فرماتے ہیں۔ اور ایسے بے ساختہ فرماتے ہیں کہ کسی دوسری طرح اُن کا معلوم کرنا بالکل ناممکن ہے۔ یہاں چند باتیں صرف بطور ذکر لکھدی گئی ہیں۔

فصل پنجم

آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات

قبل اسکے کہ ازواج مطہراتؓ کے متعلق مختصر طور پہ فرداً فرداً ذکر کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قبل اسلام کے رسم و رواج و حالات اور شریعت اسلام نے جو کچھ احکام ازدواج کے متعلق جاری کیئے ہوں۔ اِن کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے۔

اسلام سے پہلے ازدواج کے دستور۔ تمام مؤرخین اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام سے پہلے نہ صرف عرب میں بلکہ تمام ایشیاء اور اس سے بھی بڑھ کر تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنے نکاح میں لے آیا کرتا تھا۔ چنانچہ پیغمبر بھی اس دستور سے مستثنےٰ نہ تھے۔ حضرت سلیمانؑ کی کوڑیاں بیویاں تھیں۔ حضرت داؤدؑ کی تو پوری سو بیویاں تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی بھی دو بیویاں تھیں۔ حضرت موسےٰؑ کی بھی کئی بیویاں تھیں۔ البتہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو کسی ایک بھی شادی کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر انہوں نے جہاں اور سینکڑوں قبائح اسوقت کے دور دنیا نکالے۔ کہیں بھی اس بات کو بیان نہیں فرمایا کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا بھی

بڑی بات ہے زنا نہایت فراخی کے ساتھ جاری تھا۔ اور اکثر امراء کے یہاں تیس تیس چالیس چالیس بلکہ اس سے بھی زیادہ عورتیں رکھا کرتے تھے۔ اور عرب میں بھی یہ دستور برابر جاری تھا۔ کہ ایک ایک شخص کئی کئی بیویوں کا خاوند ہوتا تھا۔ چنانچہ کئی ایک شخص جب مسلمان ہوئے۔ تو انکی متعدد بیویاں تھیں جیسے کہ قیس ابن الحرث جب مسلمان ہوئے تو انکی آٹھ عورتیں تھیں اور اگرچہ وہ بھی انکے ساتھ ہی ایمان لے آئیں۔ مگر چونکہ اسوقت تعدد ازدواج کا حکم قرآن میں نازل ہو چکا تھا۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم ان میں سے صرف چار کو اپنے لئے منتخب کر سکتے ہو۔ ایسا ہی غیلان الثقفی بھی جب ایمان لائے تو ان کی دس عورتیں تھیں اور وہ بھی سب کی سب مسلمان ہو گئی تھیں۔ مگر ان کے لئے بھی ایسا ہی حکم دیا گیا۔ ایسے ہی کئی نام اور بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ غرضکہ یہ بات کسی زیادہ تشریح کی محتاج نہیں۔ کہ اسلام سے پہلے تعدد ازدواج کا رواج عام تھا۔ اور کوئی وجہ بھی نہیں ہے کہ اسکی تحقیق میں کچھ زیادہ تدقیق سے کام لیا جائے۔ کیونکہ توریت۔ زبور۔ انجیل اور دیگر صحائف انبیاء میں کہیں اسکی مخالفت مندرج نہیں پائی جاتی۔ صرف حضرت عیسےٰؑ کا ایک یہ فعل کہ انہوں نے خود کوئی شادی نہیں کی۔ کوئی استدلال ایک شادی کرنے یا بالکل نہ کرنے کا پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس وقت یہودی موجود تھے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ نطفۂ ناجائز سمجھتے تھے۔ اور اس کے سوا انکی مواعظ سے بھی ایک عام مخالفت ان کی نسبت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے بعد کسی کو انہیں لڑکی دے دینا گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عیسےٰؑ کی عمر صرف ۳۳ برس کی ہوئی ہے۔ جس میں پہلے تو تخالف کیوجہ سے اور پھر سرگردانی کیوجہ سے وہ کوئی نکاح نہیں کر سکے۔ لیکن چونکہ انہوں نے کہیں بھی اپنے اس شادی نہ کرنے کے فعل کو مستحسن جتا کر عام لوگوں کو اسکی پیروی کے لئے ارشاد نہیں کیا۔ اسلئے ان کی مجبوری کوئی خصوصیت اس حکم و رواج عام کے

متعلق پیدا نہیں کر سکتی۔

اس دستور ازدواج کے متعلق ان نقلی یا الزامی جوابات کے بعد جو بات
تحقیق طلب ہے وہ یہ ہے کہ آیا فی الواقع یہ فعل کیسا تھا۔ جبکہ ایک شخص
ایک معمولی تامل کے بعد کہہ سکتا ہے کہ صرف ایک ہی عورت سے شادی
کرنے کا اگر حکم دیا جاتا تو لامحالہ بنی نوع انسان کا ایک بہت بڑا گروہ جو ایک
عورت پر کفایت نہیں کرتا۔ ضرور کسی دوسرے ذریعہ سے اپنی خواہشات نفسانی
پوری کرتا۔ اور وہ ذریعہ سوائے زنا کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ پس تعداد ازدواج
کو لامحدود وسعت دینا اور ایک ہی بیوی تک اس کا محدود کر دینا دونوں باتیں عقل
سلیم کے نزدیک ضرور قابل اعتراض معلوم ہوتی ہیں۔ اور انسانی طرز معاشرت دیکھتے
ہوئے کسی ایسے قانون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو ان دونوں صورتوں کے
بین بین ہو۔ اور وہ سوائے اسکے کہ ازدواج کی کوئی خاص حد مقرر کر دی جائے اور
کچھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تمام آسمانی مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے
جسنے تحدید ازدواج کا حکم جاری کیا ہے۔ متعصب مخالفین جو اسلام پر یہ الزام
لگاتے ہیں کہ اس نے تعدد ازدواج کا حکم جاری کر کے انسان کو شہوت رانی
کی کھلی اجازت دیدی ہے۔ وہ انصاف کا بالکل خون کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے برخلاف
اسلام ہی نے تو تحدید ازدواج کا حکم جاری کر کے انسان کو شہوت رانی سے عمداً
روک دیا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو جسطرح وہ خرابیاں جو مطلق العنانی کے وقت سے
چلی آتی تھیں۔ دن بدن زیادہ ہوتی جاتیں ویسے ہی ایک شادی کی پابندی کر دینے
سے اُن لوگوں کو جو ایک عورت پر قناعت نہیں کرتے۔ زنا کی طرف رہنمائی ہوتی
شاید عیسائی اس کے جواب میں اپنا قومی رواج پیش کرینگے کہ ہم ایک ہی شادی
کرتے ہیں۔ مگر وہ خدا اور یسوع کو سچا مان کر اگر اپنے دل میں سوچیں گے کہ آیا فی الواقع
بھی وہ ایک ہی عورت پر قناعت کرتے ہیں؟ اور کرتے ہیں تو وہ کتنے لوگ ہیں؟
تو شاید اس کے بعد ان کا جواب مسلمانوں پر کچھ اعتراض نہ رہنے دیگا۔ اسکے

سوا یہ بھی دیکھنا ہے کہ اُن لوگوں نے زنا کو ایک معمولی کمزوری سمجھ لیا ہے لیکن اسلام نے برخلاف عیسائیوں کے اسکو گناہ کبیرہ قرار دے کر زانی کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کرکے بڑے بھاری وعید اخروی بھی دئے ہیں۔ اور زنا کو ایک ایسا مذموم فعل قرار دیا ہے کہ جسکے مرتکب ہونے کے بعد پھر کسی قبولیت کی توقع نہیں رہجاتی۔ پس جس مذہب میں زنا کا یہ حال ہو۔ اگر وہ اُس احتیاط کے ساتھ جیسا کہ اُنہوں نے کی ہے۔ ایک سے زیادہ چار تک بیویاں کرنے کی اجازت نہ دیتا۔ تو کیا ایک ناقابل عمل قانون کے سوا اُسے کچھ اور بھی کہہ سکتے تھے؟

چنانچہ انجیل یوحنا کے باب ۸ کے شروع میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک زانیہ عورت زنا کی حالت میں گرفتار ہوکر فتوے کے لئے مسیح کے سامنے لائی گئی تھی۔ تو مسیح نے الزام دینے والوں کو حکم دیا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہ اس کے پہلے پتھر مارے۔ چونکہ بے گناہ تو وہ لوگ نہیں تھے۔ اسلئے سب اس عورت کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر مسیح نے اس عورت سے کہا کہ بیٹی چلی جا پھر گناہ نہ کیجیو۔ اس سے خودبخود معلوم ہوجائے گا۔ کہ عیسائیوں میں زنا کتنا معمولی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ گویا یہ ایک سنتی بات ہوگئی ہے۔ چنانچہ اب بھی اگر کسی کی عورت مرتکب زنا کی ہوتی ہے تو شوہر اُسکے مغوی پر اپنے خرچہ کا دعوےٰ کرتا ہے۔

قول المتین کے مصنف نے والٹر کی ڈکشنری کے حوالہ سے ایک قصہ لکھا ہے اور اس کا پورا واقعہ اس طرح قلمبند کیا ہے کہ ایک پرتگال کے امیر نے اپنی عورت پر زنا کا الزام لگاکر اُسے سزا دلوانی چاہی تو اُس عورت نے انجیل کی یہ آیت اپنے ڈیفنس میں پیش کی تھی۔ جسپر مدعی کے وکلاء نے اس آیت کو الحاقی ثابت کرنا چاہا۔ مگر عورت نے کہا کہ فاضل امبروزیس اور مقدس جیروم نے اپنی اپنی تحریرات میں اسکو مقبول کیا ہے۔ بہرحال خواہ کچھ بھی ہو۔ مگر اس کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ الحاقی ہو یا آسمانی۔ یہ دوسری بات ہے۔

اب یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اسلام نے جو چار بیویوں کی اجازت دی ہے تو کن شرائط کے ساتھ۔ جسکے ثبوت میں قرآن کی وہی آیت اکیلی کافی ہے جسمیں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنی الا تعولوا۔

ترجمہ:۔ "اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے۔ تو پھر جو اور عورتیں تمہیں پسند آئیں۔ اُن سے نکاح کرلو۔ خواہ دو سے۔ خواہ تین سے خواہ چار سے۔ اور ہاں اگر تم کو خوف ہو کہ تم کئی بیویوں سے برابری (انصاف) نہ کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا اُن پر جو داہنے ہاتھ کا مال (یعنے لونڈیاں) ہوں۔"

اِس سے پہلی آیتوں میں یتیموں کے حقوق کی محافظت اور ان کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ اُسی ضمن میں یہ حکم بھی اس غرض سے دیا گیا ہے کہ عرب میں لوگ یتیم لڑکیوں کو جو کسی ذریعہ سے اُن کے زیرِ دست ہوا کرتی تھیں چار دنا چار نکاح میں تو لے آتے تھے۔ مگر اُن کے ساتھ انصاف نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اُن کے ذکر کے ساتھ ہی تعدد ازدواج کا بھی حکم دیا گیا کہ یتیم لڑکیوں سے خواہ مخواہ نکاح کر کے ان کی عمر نہ گنواؤ۔ بلکہ اگر جی چاہے تو دوسری عورتوں سے شادی کرلو مگر چار سے زیادہ نہ کرو۔ اور اگر اس میں بھی خوف ہو کہ چار عورتوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر کفایت کرو۔ اور پھر اور آیات کے بعد اسی سورۂ نساء میں ایک جگہ طبیعت انسانی اور خیالات دنیاوی پر بطور قول فیصل ارشاد فرمایا۔ کہ

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ۔

اور تم (عورتوں کے حقوق میں) ہرگز برابری نہ کر سکو گے۔ خواہ ہے حرص کیا کرو
پھر بالکل ہی پھر نہ جاؤ کہ انہیں (عورتوں کو) ادھر میں لٹکتی چھوڑ دو"

عورتوں کا قانون جسقدر اسلام میں مکمل ہے کسی مذہب میں اس کا نصف بھی موجود نہیں جسکی تشریح کے لئے ایک اتنی سی کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ گو نتیجہ ان احکام کا جو اوپر بیان ہوئے ہیں یہ نکلتا ہے کہ عام طور پر ایک ہی عورت کرنی چاہیئے لیکن اگر کسی کی قوت وشہوت ایک پر بس نہ کرے۔ تو وہ چار تک بھی رکھ سکتا ہے مگر ایسی حالت میں کہ سب میں عدل برابر ہو اور اگر عدل میں کچھ بھی فرق پڑا تو مرد گنہگار ہوگا۔ اور قیامت کو ایسا اٹھایا جائے گا جیسا ادھرنگ والا اٹھتا ہے کہ ایک حصہ جسم تو اچھا خاصہ ہو۔ اور دوسرا بیکار و مُردہ۔ اسی قانون میں طلاق وخلع کے مسائل بھی واضح طور پر بیان کر دئے گئے۔ اور گو عورت کو اگر خواہ نخواہ بھی طلاق دیدیجائے۔ تو وہ واقعہ تو ضرور ہو جاتی ہے۔ مگر سوائے اسکے کہ عورت کی زناکاری ثابت ہو یا وہ ایسی بدمزاج ہو کہ اس کے ساتھ عمدگی سے عمر بسر ہو سکے۔ یا کوئی ایسی صورت ہو کہ انسان اس کے ساتھ حقوق زناشوئی کی ادائگی نہ کر سکے یا ایسی ہی کوئی اور وجہ موجہ ہو۔ عام طور پر صرف شہوت رانی کے لئے ایک سے نکاح اور دوسری کو طلاق دینا جائز نہیں۔ اور تین طلاقوں کے قاعدہ کا اصول بھی یہی ہے کہ فراق سے پہلے دونوں فریق بخوبی اپنے آیندہ طریق عمل کی نسبت غور کر لیا کریں۔ اور صرف کسی فوری جوش پر الگ نہ ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ہی وجہ ہو کہ وہ کسی طرح سوائے استفراق کے آرام نہ پا سکتے ہوں۔ تو پھر بچوں کی طرح دوبارہ عقد مواصلت باندھ لینا بھی کار بے دارد کا مضمون ہے اور اسکی وجہ یہ کہ اسلام سے قبل کے لوگ عورتوں کی جوانی کو اسیطرح کسی ادنے بات پر برباد کر دیا کرتے تھے کہ کبھی تو طلاق دیدی اور کبھی رجوع کر لیا۔ اور آخر میں اس وقت اس کو چھوڑا کہ پھر اس کا کوئی طلبگار نہ رہے۔ پس اسلام نے اس رسم بد کو بھی اس طرح رفع کیا کہ عورت کو مہینے مہینے کے وقفہ سے تین

طلاقیں دیجائیں پہلی دو طلاقوں تک تو اس سے اسکی مرضی اور خواہش کے مطابق (نہ کہ جبراً) رجوع کر سکتے ہیں۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد پھر دونوں کا اتصال سخت دشوار ہو جاتا ہے یعنے جب تک وہ کسی دوسرے سے شادی نہ کرے اور وہ اسکو طلاق نہ دیدے۔ چنانچہ اسی قانون کا یہ اثر ہے۔ کہ اسوقت مسلمانوں میں فی لاکھ بھی کوئی ایسا جوڑا نظر نہ آئیگا جو طلاق والفراق یعنی پھر دوسری جگہ شادی کرنے اور طلاق لینے کے بعد دوبارہ بدستور قائم ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی اسی قانون کا عمل درآمد ہے۔ کہ حتی الوسع کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

علٰے ہذا یہ بات بھی نہایت آسانی کے ساتھ ہر شخص اسلام سے پہلے اور اسلام کے قوانین عورات کو دیکھ کر تسلیم کرے گا۔ کہ اسلام نے ہی عورتوں کو جنس انسانی میں داخل کرنے کی عزت دی ہے۔ ورنہ پہلے مذاہب تو ان کو حیوان سے زیادہ نہ سمجھتے تھے

تعدد ازدواج پر یورپین عالموں کی رائے ۔ اگرچہ اسلام نے تعدد ازدواج اور حقوق النساء کے متعلق جو بیش بہا عطیات کئے ہیں۔ کوئی دوسرا آسمانی مذہب اسمیں کچھ بھی حصہ نہیں پا سکتا۔ اور مندرجہ صدر بیانات ہی اسکے لئے کافی ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ یورپ کے عالی خیال مصنفین کا استدلال اس معاملہ میں بفحوائے

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

زیادہ مفید اور دلچسپ ہوگا۔ ڈاکٹر گستاولی بان صاحب مصنف تمدن عرب وغیرہ کے وہ مضامین و خیالات جو انہوں نے اس معاملہ پر ظاہر کئے ہیں اور جسمیں کئی ایک دوسرے مشہور مصنفین یورپ کا بھی انہوں نے حوالہ دیا ہے۔ نقل کئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ان جملہ اقتباسات میں کوئی لفظ بدلا نہیں گیا۔ اور نہ اپنی طرف سے کچھ ایزاد کیا گیا ہے۔ اسلئے جو صاحب چاہیں تمدن عرب مترجمہ سید علی صاحب بلگرامی میں اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

اگر ہم کسی غیر قوم کے خیالات کو بخوبی سمجھنا چاہیں تو ہمیں ضرور ہے کہ تھوڑی سی

دیر کے لئے خود اپنے مرز و بوم سے قطع نظر کر کے اپنے کو اس قوم کی خاص حالت
میں لے جائیں۔ اور اس عمل کی اور بھی زیادہ ضرورت اُس وقت ہے جب ہم رسم
تعدد ازدواج کی رسم پر جس کی نسبت اسقدر غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں۔
نظر ڈالنی چاہیں۔ کیونکہ کوئی مشرقی رسم یورپ میں اسقدر مذموم نہیں سمجھی جاتی
نہ کسی رسم کی بابت اہل یورپ کے خیالات اس قدر غلط ہیں۔

مؤرخین یورپ کی نظروں میں تعدد ازدواج گویا عادات اسلامی کی بنیاد کا
پتھر اور اشاعت دین اسلام اور نیز مشرقیوں کے تنزل کا بڑا سبب ہے۔ اس رسم
کی مذمت کے ساتھ ہی ان بیچاری بدنصیب عورتوں کی نسبت بھی بہت کچھ واویلا
مچایا جاتا ہے جو حرم کی دیواروں میں بند اور مہیب خواجہ سراؤں کے
پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو اپنے مالکوں کی ادنےٰ ناراضی پر بے رحمی کے ساتھ
مار ڈالی جاتی ہیں۔ یہ تصویر بالکل خلاف واقع ہے اور ہمیں امید ہے کہ پڑھنے والے
جو تھوڑی دیر کے لئے اپنے یورپ کے تعصبات کو ایک طرف رکھیں گے قائل
ہو جائیں گے کہ مشرقی تعدد ازدواج کی رسم ایک نہایت ہی عمدہ نظام معاشرت ہے
جس نے اُن اقوام کو جن میں یہ جاری ہے۔ اعلےٰ درجہ کی ترقی اخلاق تک پہنچایا
ہے اور ان کے تعلقات خانگی کو مستحکم کیا ہے۔ اور اس رسم کا نتیجہ یہ ہے کہ بمقابل
یورپ کے مشرق میں عورتوں کا اعزاز بھی زیادہ ہے۔

اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنے سے پہلے ہمیں یہ کہنا ضرور ہے کہ تعدد
ازدواج کی رسم اسلام سے بالکل علیحدہ ہے۔ کیونکہ یہ قبل آنحضرت صلعم کے
کل اقوام مشرق۔ یہود۔ ایرانی۔ عربوں وغیرہ میں موجود تھی اور اس وقت تک کوئی
مذہب دنیا میں ایسا قوی نہیں ہوا ہے جو اس قسم کی رسومات کو ایجاد یا موقوف
کر سکے۔ یہ رسم محض نتیجہ ہے مشرقی آب و ہوا اور قومی خصائص کا اور ان مختلف
اسباب کا جن سے مشرقی طرز معیشت وابستہ ہے۔

آب و ہوا اور خصائص قومی کا اثر ایسے ظاہری اسباب ہیں۔ جن پر اصرار

کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عورتوں کی خاص فطرت۔ امومت کی ضروریات اور ان کے
امراض وغیرہ انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اکثر اپنے شوہروں سے علیحدہ رہیں
اور یہ چند روزہ علیحدگی بھی آب و ہوائے مشرقی اور جبلت قومی کی وجہ سے
ناممکن تھی۔ پس تعدد ازدواج لازمات سے ہو گیا تھا۔

مغرب میں بھی جہاں آب و ہوا اور فطرت دونوں کا تقاضا اس رسم کی طرف
اسقدر نہیں ہے۔ ایک ہی شادی کی رسم کا وجود صرف کتابوں ہی میں ہے اور
میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے کوئی شخص انکار نہ کرے گا کہ یہ رسم ہماری واقعی
معاشرت میں نہیں پائی جاتی۔ پس مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ مشرقیوں کا جائز تعدد ازدواج کیوں
کسی امر میں مغربیوں کے ناجائز تعدد ازدواج سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا
کہ اوّل کو ہر طرح دوسرے پر ترجیح ہے۔ پس بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ مشرقی جب ہمارے
بڑے شہروں کی حالت دیکھتے ہیں تو انہیں ہمارے اعتراضات پر سخت حیرت ہوتی ہے
اور غصہ آتا ہے۔

نہایت آسانی سے خیال میں آ سکتا ہے کہ یہ رسم جو پہلے اُن فطرتی اسباب سے جن کا
ذکر اوپر ہوا پیدا ہوئی۔ بہت جلد قانون معاشرت میں شامل ہو گئی۔ مشرقیوں کی
کثرت اولاد کی آرزو ان کی خانگی زندگی کا مذاق۔ ان کا زائد انصاف جو برخلاف
اہل یورپ کے انہیں عورتوں سے تعلق ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دینے کا مانع تھا۔
اور نیز اور اسباب جن کا ذکر بھی آگے کروں گا۔ اس امر کے باعث ہوئے کہ اس
رسم کو قانون نے مستحکم کر دیا۔ اگر یہ مسئلہ مان لیا جائے کہ بتدریج قانون [illegible]
رسوم ہو جاتا ہے تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یورپ کا ناجائز تعدد ازدواج
جو ہماری معاشرت کا ایک جزو ہے کسی روز "قانوناً" بھی جائز کر دیا جائیگا۔

منجملہ ان اسباب تعدد ازدواج کے جن کا ذکر اس وقت تک نہیں کیا ہے
بعض ایسے ہیں جو خاص طبقہ کے انتظام سے متعلق ہیں۔ اور ان کے بیان سے
معلوم ہوگا کہ بعض ممالک میں ضرورت نے کس درجہ اس رسم کو قائم کر دیا

ہے۔ یوروپ کے نہایت ذی فہم لوگوں نے بھی اس تعدد ازدواج کے اسباب کو دیکھ کر اس کی ضرورت کو قبول کیا ہے۔ مثلاً ذی علم مصنف موسیو لیبلے اپنی کتاب مشرقی اقوام مذہبی پیشوا میں پرانے کتابوں کے تعدد ازدواج کی ضرورت کو دکھاتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں۔ کہ نہ فقط یہ رسم ضرورت کی وجہ سے قائم ہوئی ہے۔ بلکہ خود عورتیں بعوض ناراض ہونے کے اپنے شوہروں کو باصرار دوسری شادی پہ آمادہ کرتی ہیں۔

موسیو لیبلے لکھتے ہیں کہ اس مشرقی تعدد ازدواج کی رسم کے متعلق ہمیں اپنے خیالات کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ علی الخصوص جب ہم اس قدیم زمانہ پر نظر ڈالیں جبکہ ایک ہی عورت کل خاندان کی بی بی ہوتی تھی۔ یا اسی زمانہ کی بعض اقوام ہندوستان کو دیکھیں جن میں آج بھی ایک عورت کئی بھائیوں کی بی بی ہوتی ہے۔

پھر ڈاکٹر گشتاولی بان لکھتے ہیں کہ

اسلام نے محض اس رسم تعدد ازدواج کو جو پہلے سے چلی آتی تھی قبول کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اس نے مشرقی عورتوں کی حالت پر بہت کچھ مفید اثر ڈالا۔ بعوض انہیں ذلیل کرنے کے جیسا کہ آجکل بے سمجھے بوجھے کہا جاتا ہے اس نے عورتوں کی تمدنی حالت اور ان کے درجہ کو بہت کچھ ترقی دی۔ مثلاً قرآن کے احکام وراثت بمقابل قانون یوروپ کے عورتوں کے حق میں بہت زیادہ مفید ہیں۔ قرآن نے بے شک مثل کل قوانین یوروپ کے جن میں طلاق جائز کی گئی ہے انہیں علیحدہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن ان احکام طلاق میں صریحاً اصرار کیا گیا ہے کہ مطلقہ عورتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جاسکے۔

زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسانات اور حیوانات کے درمیان میں ایک قسم کی مخلوق سمجھی جاتی ہیں۔ جن کا مصرف محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک بدنصیبی خیال کیجاتی تھی۔ اور ان کو زندہ دفن کر دینے کی رسم بہت عام تھی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اہل یورپ میں سپاہیانہ اخلاق جس کا ایک بڑا جزو عورتوں کا برتاؤ تھا۔ عربوں سے آیا اور وہ مذہب عیسوی نہ تھا۔ جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے۔ بلکہ اسلام تھا جسنے عورتوں کو اُن کی اسوقت کی گری حالت سے ترقی دی۔ اوائل ازمنہ متوسطہ کے سردار اگرچہ وہ عیسائی تھے عورتوں کا مطلق پاس نہیں کرتے تھے اور ہماری پرانی تاریخوں کے پڑھنے سے اس میں مطلق شک وشبہ نہیں رہتا۔ قبل اس سے کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کو عورتوں کا لحاظ سکھایا ہمارے زمانہ قدیم کے امرا اور جنگجو اُن سے بہت ہی بری طرح سے پیش آتے تھے۔

عربوں کے جانشینوں علی الخصوص ترکوں کے وقت میں خلفا کے گھرانے تمدن میں کسی قدر انحطاط آیا اور عورتوں کا درجہ بھی گھٹ گیا۔ لیکن پھر بھی ترکوں میں ان کی (عورتوں کی) حالت یورپ کی عورتوں سے بہتر ہے اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر ان کی (عورتوں کی) قدر گھٹی تو دین اسلام کی وجہ سے نہیں بلکہ دین اسلام کے انحطاط کی وجہ سے۔ مسیو بارتھالیمی سینٹ ہیلیر لکھتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کی حالت کی بہت اصلاح کی ہے۔ بہت آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کل اور مذاہب میں اور کل ان اقوام میں جو عربوں سے پہلے تھیں۔ عورتوں کی حالت ابتر تھی۔

پھر وہی ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں۔

احکام قرآنی کے رو سے ہر ایک مسلمان کو چار بیویاں تک کرنے کی اور اسکے علاوہ لونڈیوں کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن ان لونڈیوں کی اولاد بھی ویسے ہی ولد الحلال سمجھی جاتی ہے جیسے بیبیوں کی اولاد اور شوہر بی بی کو طلاق تو دے سکتا ہے۔ لیکن مطلقہ کے نان ونفقہ کی کفالت کرنی پڑتی ہے۔

بخر وجو غریب میں اسقدر عام ہے اور از روئے حساب روز بروز بڑھتا جاتا ہے عربوں میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ عموماً مرد بیس سال کی عمر میں اور عورت دس سے بارہ سال کی عمر میں شادی کر لیتی ہے۔ جیسا مشہور عالم ایمرسن لکھتا ہے "ہم انکار نہیں کر سکتے کہ عربوں کی خانگی زندگی کا مذاق بہت ہی مفید اور اعلےٰ درجہ کا ہے"

ظاہراً تعدد ازدواج کی نسبت اسقدر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ رسم عورتوں کی زندگی کو مصیبت میں ڈالتی ہے۔ لیکن فی الواقع یہ بالکل غلط ہے اور جن اہل یورپ نے مشرقیوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ وہ اپنی اس غلط رائے کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہ سب بیانات یوروپین مصنفوں کے دست و قلم سے نکلے ہیں۔ اس لئے غالباً اب اس مضمون پر بحث کو زیادہ طول دینا کچھ ضرور نہیں۔ اگرچہ اس سے بہت زیادہ لکھا اور لیا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی ازدواجی خصوصیات

قبل اس کے کہ آنحضرت صلعم کے ازدواج کے متعلق کچھ تفصیل بیان کی جائیں ایک بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طریق روایات پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے جس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نوشت و خواند کا رواج نہایت کم تھا۔ چنانچہ کاتبان وحی میں مروان ایسے مشتبہ شخص کا داخل ہونا اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اگر لکھے پڑھے آدمی کثرت کے ساتھ مل سکتے تو غالباً ایسے کچے دل اور مفسد طبیعت کے آدمی کو اس کام کے لئے پہلے کبھی منتخب نہ کیا جاتا۔ اور اس کے سوا آنحضرت صلعم نے خود بھی کسی ایسے تاریخی مجموعہ کے قلمبند کرانے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ جو ایسے واقعات روزمرہ پر حاوی ہو۔ البتہ قرآن شریف کی کتابت کا رواج تھا جو بفضل الٰہی اس وقت تک بے کم و کاست

جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم کے افعال و اقوال کی نسبت اب جو کچھ بھی مصالحہ موجود ہے۔ وُہ صرف اُن لوگوں کے بیانات ہیں جو آنحضرتؐ سے ہمعصر اور ملنے والے تھے۔ اور اگرچہ کوئی شک نہیں کہ وُہ لوگ ثقہ اور قابل اعتبار بھی گذرے ہیں۔ لیکن غالباً اگر ان کو پہلے سے یہ خیال ہوتا کہ ہمیں آنحضرت صلعم کے افعال و اقوال کی بابت ایک عرصہ بعد اپنے بیانات دینے ہونگے تو ضرور وُہ ان کے قلمبند یا حفظ کرنے کا التزام رکھتے۔ مگر ایسا خیال نہیں کیا گیا اور اور اب سوائے ایسی روایتوں کے جن کے رہنما خود راویوں کے حافظے ہی کہے جا سکتے ہیں اور کوئی ذریعہ تحفظ الفاظ و واقعات کا نہیں پایا جاتا۔ اور اس پر یہ اور بھی مُصیبت ہے کہ یہ حدیثیں اور روائیتیں بھی بہت دیر کے بعد جمع ہوئی ہیں۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں یہی دیکھا جائے گا۔ اخبرنا۔ انبانا۔ اور عن یعنے فلاں شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایسا سُنا اور اُس نے فلاں شخص سے اور اُس نے فلاں شخص سے تا بحدیکہ آٹھ دس واسطوں تک جناب رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک نوبت پہنچتی ہے۔ پس جن بزرگ ائمہ نے کتب حدیث بھیں جمع کی ہیں اُن کو بڑی دقتیں اِن روایات کی تفتیش میں اُٹھانی پڑی ہیں۔ اور اسی واسطے اُنہوں نے دقیق غیر فہمی۔ غریب۔ صحیح۔ ضعیف۔ متصل۔ مرسل۔ موضوع۔ مستفیض۔ حسن اور مقبول وغیرہ کئی ایک مدارج قرار دے کر ان کو جمع کیا ہے۔ اور ہر ایک حدیث یا روایت کے ساتھ اسکی اسناد لکھ کے ان کی بابت رائے قائم کرنے کا فیصلہ پڑھنے والے کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ اور واقعی وُہ بزرگ ائمہ مجتہدین و علمائے حدیث مجبور بھی تھے۔ کیونکہ جس زمانہ میں یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسوقت اگرچہ روایات حدیث کی وقعت آج کل سے بہت زیادہ تسلیم کیجاتی تھی۔ پس کسی ایسے شخص کی روایت کو جو ثقہ و متین ہو۔ سوائے کسی سخت تخالف عقلی و نقلی کے وُہ کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ اور یوں بھی کسی مؤلف کو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ

وہ ایسے تمام روایات مخبران کی سندات کے درج کتاب کر کے ان کی صحت وغیرہ
کی نسبت رائے قایم کرنے کا اختیار پڑھنے والے پر چھوڑ دے۔ بس
اب ناظرین خود خیال کر سکتے ہیں کہ جب حدیثوں کا بھی یہ حال ہو۔ تو عام واقعات
جو صرف لوگوں کی ہی روایت پر مبنی ہیں۔ کس طرح ان پر سوائے کسی کامل ثبوت
کے یونہی یقین کیا جا سکتا ہے۔ مفسرین اور دیگر مصنفین نے جو آجکل کی طرز
سے مختلف طرز کی تصانیف کے عادی تھے۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق بعض
نہایت مشکوک اقوال و احادیث سے بھی کام لیا ہے۔ جیسا کہ ہر شخص اس زمانہ
میں بھی جب کبھی کوئی مضمون لکھتا ہے تو اُس کی تائید میں خواہ کوئی کیسی ہی
ضعیف سند کیوں نہ ملجائے۔ اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اور یہ بات کچھ بد ظنی
بر دیانتی بھی نہیں بلکہ نیک نیتی سے تھی کسی معاملہ پر صرف مصنف کی ذاتی رائے
اس سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مخالفین مذہب ان باتوں پر
ہرگز توجہ نہیں کرتے اور وہ اگر کسی ضعیف روایت کو بھی پاتے ہیں تو نہایت
زور و شور سے اس پر اعتراض جڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ دیانتدار
ہوں تو انہیں کم سے کم اتنا ضرور دیکھ لینا چاہیئے کہ ائمہ مجتہدین اور علمائے
محدثین نے ایسی روایات پر خود کہاں تک اعتبار کیا ہے۔ اور کیا جو اعتراضات
بخیال خود وہ تلاش کر کے نکال رہے ہیں۔ جمہور محققین اسلام کے روبرو
بھی اسکی کوئی اصلیت و وقعت ہے یا نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے اندرونی
تعصب میں اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ شلت مثلاً ایسی بات کر لیا
جائے۔ کہ جب محققین اسلام اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم
کے گیارہ ازواج مطہرات اور ایک کنیزک تھیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ چودہ
ازواج اور چار لونڈیوں کا ہونا تسلیم نہ کریں۔ بجز اسکے کہ خود ان کو بھی
ثبوت نہیں مل سکا۔ ورنہ عیسائیوں وغیرہ کے نزدیک تو جس طرح چودہ ازواج
سے ازدواج قابل اعتراض ہے ویسا ہی گیارہ سے بھی ہے۔ ان تینوں کی

کمی سے ان کا اعتراض کچھ کم تو نہیں ہو سکتا۔ پس جن لوگوں نے ضعیف اور نامعتبر روایات پر اعتراض کر کے عمداً ایسا دہوکہ دینا چاہا ہے انہوں نے انہیں روایات کو چھانٹ چھانٹ کر اپنی کتابیں بھری ہیں۔ جو ثقات مسلمین اور علمائے دین کے نزدیک غیر ضروری اور ناقابل استناد قرار پاکر فضول ہو چکی ہیں۔ کیونکہ بعض کیا بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کے راویوں کو خود انکی بابت پوری پوری واقفیت نہیں۔ بلکہ صرف سُنی سُنائی ادھوری اور ناتمام باتوں پر ہی ان کا دارومدار ہے۔ جن کے لکھنے کی یہاں کچھ حاجت نہیں۔ پس یہاں وہ حالات لکھے جائینگے جو اسلامی محققین کے نزدیک مسلّم و مقبول ہو چکے ہیں۔

تعدد ازواج کے معاملہ میں آنحضرت صلعم کی پوزیشن عام مسلمانوں سے کسیقدر علیحدہ ہے۔ کیونکہ آپ کے گیارہ ازواج مطہرات تھے۔ جنہیں سے نو تو بوقت وفات بھی موجود تھے۔ اور تعدد ازواج کے حکم کے نزول کے بعد بھی جبکہ تمام مسلمانوں پر آپ نے یہ حکم لازم کردیا تھا کہ جو شخص چار سے زیادہ بیویاں رکھتا ہو انہیں چھوڑ دے۔ آنحضرت صلعم نے اپنے ازواج مطہرات میں سے کسی کو جدا نہیں فرمایا۔ اسپر غیر مذہب کے لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ان کے اعتراضات بلادلیل ہیں۔ اور غالباً کوئی واقف حال اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ آپ تعدد ازواج کی وجوہات رکھتے تھے۔

مختصر وجوہات یہ ہیں۔ کہ جسقدر بیویاں آپ کے عقد نکاح میں آچکی تھیں انکو بموجب قرآن شریف کے امہات المومنین قرار دیدیا گیا ہے۔ جنسے مسلمانوں میں سے کسی شخص کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہ رہ گیا تھا اور وہ مثل اپنی ماؤں کے مسلمانوں پر حرام ہو گئی تھیں۔ جو ایک عین حکمت خداوندی تھی کیونکہ اگر ان کو محرمات میں شامل نہ کردیا جاتا تو ایک فتنۂ عظیم اسلام میں برپا ہو جاتا اور جو بیوی آنحضرت صلعم سے جُدا ہوکر کسی دوسرے کے ازدواج میں جاتی مسند خلافت کا بھی ہزار بلا حیثیتیں اس خاندان سے منسوب ہو جاتیں۔ کیونکہ ہر ایک بیوی

فطرتی طور پر اپنے خاوند کی عزت و توقیر کی حریص ہوتی ہے۔ پس اس کا نتیجہ
یہ ہوتا کہ ان میں سے کسی ایک سے فتنے اسلامی مسائل میں بھی پیدا ہو جاتے۔ اور
اس کے علاوہ توریث وخلافت کے متعلق صدہا نئی باتیں اور پیدا ہو جاتیں۔
جن سب کا سدباب صرف اسی شکل سے ہو سکتا تھا اور ہو گیا۔ اس کے
سوا خود آنحضرت صلعم بھی اس بات میں پابند تھے کہ وہ
اپنی ازواج میں سے کسی کو طلاق نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ محققین نے
اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ آنحضرت صلعم کو اپنی ازواج کے طلاق دینے
کا اختیار نہ تھا۔ اور نہ آپ نے کسی کو طلاق دیا۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت
اس پر دلیل کہی جاتی ہے۔

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بہن من ازواج
ولو اعجبک حسنہن

ترجمہ: یعنی اے محمد صلعم آپ کو حلال نہیں بعد میں ان ازواج مطہرات
کے سوا جو آپ نہایت عقد میں داخل ہو چکی ہیں۔ یا ان کو اور عورتوں سے
بدل دینا آپ پر حرام ہے خواہ اور عورتوں کا حسن بھی کیسا ہی اچھا معلوم ہو۔

اس تذکرہ میں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم اپنی
ازواج مطہرات سے اسی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے کہ وہ آپ سے دنیوی
مال و اسباب آرائش زیور وغیرہ کی فرمائشیں کرتی تھیں اور چونکہ آپ ان
دنیوی دھندوں میں بہت ہی کم توجہ دیتے تھے۔ پس ہر ایک کی فرمائش سے
تنگ آکر آپ نے ایک دفعہ عہد کیا کہ ان سے ایک مہینہ تک کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ اور
یہ وہ باتیں ہیں کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اپنی ازواج سے علیحدگی کا نتیجہ ہے
انہیں دنوں میں جب اتفاق سے عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دیا تھا
اور اتفاق سے اتفاق یہ کہ جب آنحضرت صلعم نے بطور تنبیہ قطع تعلق رکھا تھا ازواج
مطہرات سے اور ان سے مہینہ بھر علیحدگی کا ارادہ فرمایا۔ اور اس کی خبر بھی باہر

اگر یہ مشہور ہوتی۔ تو حضرت عمرؓ نے ہی اسباب اس کے کہ ان کو آنحضرت صلعم کے حضور میں بے تکلفی بھی حاصل تھی اور جرأت بھی رکھتے تھے۔ سب سے پہلے آنحضرت صلعم کے حضور میں پہنچ کر اس معاملہ کی نسبت استفسار کیا۔ کہ کیا حضور نے اپنی ازواج کو طلاق دے دیا ہے۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بالکل نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جواب کو ظاہر بھی کر دیا۔ اور اس سے بعض راویوں کو یہ غلطی ہو گئی کہ انہوں نے جو ان باتوں میں ان باپ بیٹا (عبداللہ بن عمرؓ) کے نام پہلو بہ پہلو دیکھے تو بعض نے ایسا خیال کیا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دیدیا تھا۔ جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے کسی کو بھی طلاق نہ دیا تھا۔ اور واقعہ صرف اسیقدر ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

مختصر یہ کہ آنحضرت صلعم حکم الہی سے اس امر کے پابند ہو چکے تھے کہ نہ تو اب اور عورتیں اپنے نکاح میں لائیں اور نہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو طلاق دے کر انکی جگہ کسی نئی عورت کو اپنی بیوی بنائیں۔ کیونکہ اگر آپ کسی کو طلاق دیدیں تو وہ بیچاری کرے کیا۔ جبکہ کوئی مسلمان اس سے بوجہ امہات المومنین سمجھنے کے نکاح بھی نہ کر سکتا ہو۔ پس اس سے یہ حکم اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلعم ان امور میں حکم الہی کے موافق مقید تھے۔

اس کے بعد یہ سوال حل طلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے گیارہ ازواج جو فرمائے۔ تو کیا اسقدر ازواج کا کرنا ضروری تھا؟ اور کیا بقول مخالفین اسلام کے اس سے آنحضرت صلعم کی نفس پرستی تو ظاہر نہیں ہوتی۔ جس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ ازدواج ضروری تھے اور اس سے ذرہ بھر بھی آنحضرت کی نفسانی خواہش کا اظہار نہیں ہوتا جو نہایت معمولی تامل کے بعد سمجھ میں آسکتا ہے۔

اس سوال کے جانچنے کے لئے ان باتوں کی طرف دیکھنا ضروری ہے۔ کہ اوّل تو یہ کہ آنحضرت صلعم نے کس عمر میں متعدد نکاح فرمائے جس کا جواب یہ ہے

پہلا نکاح آپؐ کا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ بعمر پچیس سال ہوا تھا۔ اور حضرت خدیجہؓ بھی بیوہ تھیں اور ان کے حین حیات بلکہ معقول عرصہ بعد تک بھی آپؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ البتہ جب آپؐ کی عمر شریف پچاس سال سے بھی متجاوز ہوگئی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے نکاح شروع فرمائے

دوم یہ کہ جن بیویوں سے آپؐ نے نکاح کیا کیا باعتبار عمر و حسن اور مال و دولت کے انکی طرف آنحضرتؐ کو ترغیب ہوئی تھی۔ جس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ کے تمام ازواج مطہرات میں سے باستثناء حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب کی سب بیویاں بیوہ تھیں۔ اور اکثر کی عمریں تیس سے بھی متجاوز تھیں۔ اور جس وقت وہ آپؐ کے نکاح میں آتی رہی ہیں کوئی مال و دولت نہ رکھتی تھیں۔

اب ہر ایک دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جب تعدد ازدواج کے واقعات یہ ہیں تو آنحضرت صلعم پر نفسانیت کا کوئی الزام سوائے اور بے تعصبوں کے کون لگا سکتا ہے۔ ہر ایک شخص کے قوائے شہوانی عموماً چالیس برس تک اچھی حالت میں ہوتے ہیں اور بعد ازاں ہر ایک شخص کو ان باتوں کی خواہش کم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے عمر کے جدا جدا مراتب بموجب حکمت طبابت کے لکھے ہیں۔ جو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ قوائے شہوانی کی نسبت ایشیائی قوموں کے خیالات کیسے ہیں وہ لکھتا ہے

چو عمر از دہ گذشت و یا خود از بیست　　نشاید دیگر چوں کودکاں زیست
نشاط عمر باشد تا بہ سی سال　　چو چہل آمد فرو ریزد پر و بال
پس از پنجاہ نباشد تندرستی　　بصر کند شود پدید آید طبع سستی
چو شصت آمد نشست آمد بدیوار　　چو ہفتاد آمد افتاد آلت از کار
بہ ہشتاد و نود چوں در رسیدی　　بسے سختی کہ از گیتی کشیدی

وز آنجا گر بصد منزل رسانی
بود مرگے بصورت زندگانی

غرضکہ اس قول سے معلوم ہوگا کہ ایشیائی اقوام میں چالیس برس سے زائد
عمر میں پھر ایسی خواہشات انسان کو بہت کم باقی رہ جاتی ہیں جو اُسے تعددِ ازواج
کی طرف مائل کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے جب تک ایسی عمر رہی کہ جسمیں ان خیالات
کا کچھ اثر پایا جاسکے۔ سوائے حضرت خدیجہؓ کے کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا
حالانکہ آپ کا مردانہ حسنِ صورت اور اسپر اعلےٰ درجہ کا حسنِ سیرت عرب بھر
میں ممتاز تھا۔ خاندانیت اعلےٰ درجہ کی رکھتے تھے۔ اگر چاہتے تو بیسیوں نکاح
کر لیتے۔ چنانچہ کئی پیغام آتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی خیال نہیں فرمایا۔ اور
حضرت خدیجہؓ نے بھی خود ہی درخواست کی تھی۔ بہرحال پچاس برس کی
عمر تک شادیاں کا نہ کرنا اس امر کی بہترین دلیل ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو نفسانی
خواہشات تعددِ ازدواج کی محرک نہ تھیں۔ بلکہ قوم کچھ اور ہی ضروریات
تھیں۔ جن کا مختصر الفاظ میں خلاصہ یہ ہے۔ کہ

۱۔ حیض و نفاس کے متعلق جسقدر مسائل تھے۔ چونکہ ان سے بھی ایک اپنے
آدھی حصہ کو قرآن سے مستفید ہونا تھا جتنا کہ مردوں کے فرقہ کا تھا۔ اور ایسے مسائل
بسبب شرم و لحاظ ظاہری کے مردوں کے درمیان کھلم کھلا طور ان کی باریکیوں
کے بیان نہ ہو سکتے تھے۔ اسلئے ضروری تھا کہ جہاں اسقدر بے انتہا مرد آپکے
فیض صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ چند عورتیں بھی ہوتیں اور چونکہ نامحرم عورتوں
سے ایسی باتوں کا ذکر مذکور مناسب نہ تھا۔ اسلئے یہ بھی ضرور تھا کہ ایسی عورات آنحضرت
کی زوجیت سے بھی مشرف ہوتیں۔

۲۔ امور خانہ داری میں حقوق زناشوئی جسقدر ایک دوسرے سے متعلق ہوتے
ہیں چونکہ مسلمانوں کو اسکے نمونے کی بھی ازحد ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ شریعت
مکمل ہے۔ اور اگر ایک ہی عورت سے آپ کا نکاح رہتا۔ تو سوائے ان لوگوں
کے جن کو اس عورت سے تعلق رشتہ داری ہوتا۔ اور لوگ اس نمونہ سے فایدہ
نہ اٹھا سکتے تھے۔ اسلئے ضروری تھا۔ کہ آپ متعدد بیبیاں کرتے تاکہ ہر ایک اپنے

رشتہ داروں کے لئے اس طرز تمدّن و معاشرت کا اعلان کرتی جو آنحضرت صلعم برتتے تھے۔

۳۔ تعدد ازدواج کی حالت میں جو عدل کا حکم ہے۔ اگر آنحضرت صلعم نے ایک ہی بیوی کی ہوتی۔ تو اس عدل کا نمونہ مسلمان کہاں سے دیکھتے۔ جسکے لئے انکو پابند کیا گیا تھا۔ اور جس میں کوتاہی کے باعث بڑے بڑے وعید اُخروی دئے گئے تھے۔

۴۔ یہ کہ آنحضرت صلعم کو ترقی اسلام کے لئے تالیف قلوب بھی منظور تھی۔ اور یہ بھی اُس کا ایک ذریعہ تھا۔ کہ ہر ایک با اثر قبیلہ یا سردار سے کوئی تعلق خویشیت پیدا کیا جائے۔

۵۔ یہ کہ آنحضرت صلعم کے مزاج مقدس میں حلم و مروت بدرجہ کمال تھی۔ پس اگر کوئی غریب اور ستم رسیدہ عورت اپنی عزت اور گذران کے لئے یہ پیغام کرتی۔ تو آنحضرت صلعم بوجوہات مندرجہ صدر اسکو منظور فرما لیتے تھے۔

۶۔ یہ کہ آپ کے ازواج میں بعض وُہ عورتیں بھی داخل ہیں۔ جن کو قاعدہ کے موافق آپ لونڈیاں بھی رکھ سکتے تھے۔ مگر آپ نے اِن کے مراتب سابقہ پر لحاظ فرما ان کو اپنی زوجیت سے مشرف فرما دیا۔ جو انکے ساتھ پرلے درجہ کی نیکی کہی جا سکتی ہے۔ ایسی ہی کئی ایک وجوہات اور بھی ہیں۔ اور ہو سکتی ہیں۔ پس اب دیکھنا چاہیئے کہ جب آنحضرت صلعم سے پہلی شرائع نے بھی تعدد ازدواج کے رواج کو بدستور قایم رکھا تھا۔ بلکہ کئی ایک جلیل القدر پیغمبروں نے بھی ایک سے زیادہ بیویاں کی تھیں۔ اور اس بات کے انپر کوئی الزام بھی نہیں لگایا جاتا۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ صرف آنحضرت صلعم کی ذات پر اس کے لئے اعتراض کیا جائے۔ حالانکہ جو ضرورتیں آنحضرت صلعم کو تعدد ازدواج کے لئے لاحق تھیں وُہ دوسروں کو بہت کم تھیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں۔ کہ

"یہ تعداد ہم اہل یورپ کے خیال میں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مشرقی رواج کے مطابق ہرگز زیادہ نہیں ہے۔ اور اگر پیغمبر اسلام نے اس عاقل ترین سلاطین دنیا یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی تقلید کی ہوتی۔ (جن کا ذکر عہد عتیق میں ہے) تو اس سے بہت زیادہ ازواج کے ساتھ نکاح کر سکتے تھے۔"

اس قدر بیان کے بعد اب نام بنام سب ازواج مطہرات کی نسبت مختصر طور پر تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ بعض کی نسبت جو جھوٹے سچے بیانات پائے جاتے ہیں ان کی بھی تحقیق ہو جائے۔

آنحضرت صلعم کے تمام ازواج مطہرات کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد (۲) حضرت سودہؓ بنت زمعہ (۳) حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اوّل (۴) حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم (۵) حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ملقب بام المساکین (۶) حضرت زینبؓ بنت جحش (۷) حضرت رملہ المعروف بام حبیبہ بنت ابوسفیان (۸) حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ (۹) حضرت میمونہ بنت الحرث (۱۰) حضرت صفیہ بنت الحیی ابن اخطب (۱۱) حضرت جویریہ بنت الحرث۔

بعض علماء نے نام تو دو اور بیبیوں کے لکھے ہیں یعنی ایک ماریہ قبطیہ جو مقوقس بادشاہ مصر نے آپ کے لئے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ اور دوسری ریحانہؓ بنت شمعون۔ مگر دوسری کے ساتھ آپ کی مباشرت کا ثبوت نہیں ملتا۔

بعض لوگوں نے (۱) اسماء بنت النعمان کندیہ بنت ابی الجون [illegible] اور (۲) عمرہ بنت یزید کو بھی آپ کی ازواج مطہرات میں شامل کر دیا ہے حالانکہ اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا بعض اور صاحبوں نے (۱) جمیلہ [illegible] اور (۲) زینب بنت جحش کو آپ کی حرم میں بھی داخل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ روایات نہایت ضعیف اور ناقابل استناد ہیں۔ اسلئے جمہور محققین نے وہی نام آپ کی ازواج میں ثابت پائے ہیں۔

جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اور اسلئے اس کا ذکر بھی الگ الگ کیا جائے گا۔
یہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ کہ اس سے خدانخواستہ کوئی اخفائے حق منظور نہیں
ہے۔ بلکہ صرف یہ کہ ابتدائی بحث میں حدیثوں اور روایتوں کی جو کیفیت بیان کی
جا چکی ہے۔ ان کے تنقید و تنقیح کا جو ڈھنگ علمائے حدیث نے قرار دیا ہے اسی
کے مطابق مندرجہ صدر ناموں سے زیادہ کسی عورت کا آپ کے ازواج مطہرات
میں داخل ہونا پایا نہیں جاتا۔ اور یوں متعصب اگر کسی بات کو بھی مانیں یا نہ مانیں۔
تو انہیں مجبور کون کر سکتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

یہی وہ برگزیدہ خاتون ہیں جن سے پہلے پہل آنحضرت صلعم کا نکاح ہوا تھا اور
جسکی کسیقدر کیفیت باب اول میں آ چکی ہے۔

خدیجہ خاتون قبیلہ قریش سے تھیں۔ جن کے والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ
بنت زائدہ تھا۔ ان کا شجرہ نسب قریش تک اس طرح ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد
بن عبد العزے بن قصی بن کلاب بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر ملقب بہ قریش
ان کے چچا کا نام نوفل تھا۔ جن کے بیٹے ورقہ بن نوفل تھے جو اس زمانہ کے عالم
شمار ہوتے تھے۔ ان کے خاندان کے سب لوگ اعراب جاہلیت کے سے
عقائد رکھتے تھے۔ البتہ ورقہ بن نوفل کی بابت روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ شام
میں جا کے دین عیسوی کے معتقد ہو گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کے مبعوث
ہوئے پر انہوں نے بھی آپ کی صدق دل سے تصدیق کی تھی۔ بہرحال خدیجہ
خاتون عرب کے ایسے ممتاز خاندان سے تھیں جو شرافت خاندانی
کے باعث اور تاجرانہ حیثیت سے ایک اچھا معزز اور پسندیدہ سفر یا تعلیم و تعلم کی بدولت
کسیقدر دوسروں سے زیادہ مشہور بھی تھا۔

حضرت خدیجہ کی پیدائش سن ہجری سے اٹھاون سال پیشتر کی بتائی جاتی ہے۔

ان کا پہلا نکاح ابوہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا۔ جس سے ہالہ اور ہند نام دو بیٹے پیدا ہوئے مگر تھوڑے زمانہ میں ہی ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور پھر ان کا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا۔ جس سے ایک لڑکی ہند نام پیدا ہوئی مگر تھوڑے عرصہ بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور خدیجہؓ بدستور بیوہ و تنہا رہ گئیں۔

آنحضرت صلعم کا سن شریف پچیس سال کے قریب تھا۔ جب خدیجہؓ نے آپؐ کی دیانتداری اور عبادت کے افسانے سنکے اپنا مال تجارت دے کے شام بھیجا۔ مگر آنحضرت بصرہ میں ہی پہنچے تھے کہ ایک عیسائی پادری نے آپؐ کے شمائل و خصائل دیکھ کر آپؐ کے ہمراہیوں کو صلاح دی کہ آنحضرت پیغمبر آخرالزمان ہونے والے ہیں۔ اس لئے آپ کو یہیں سے واپس لے جاؤ کہ مبادا یہودیان شام ازراہ عداوت قتل کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے بصلاح و صوابدید ہمراہیان ویسا ہی کیا۔ اور اچھی منفعت دہی مال لے کر واپس ہوئے۔ خدیجہ خاتون نے کئی ایک خواب ایسے دیکھے تھے۔ جن کی تعبیر میں اب وہ اپنے نکاح کے لئے پیغمبر آخرالزمان کی منتظر بیٹھی تھیں۔ سفر شام سے آنحضرتؐ واپس ہوئے۔ اور آپؐ کے یمن و برکت کے افسانے اور عیسائی پادری کے خیال کو جب خدیجہ خاتونؓ نے سنا تو انہوں نے آپؐ کو اپنے نکاح کے لئے پیام بھیجا۔ کیونکہ آپ صلعم نہایت ہی اعلےٰ خاندان قریش میں تھے اور اس وقت تک کہیں آپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے بھی اپنے شفیق چچا ابوطالب کے مشورہ سے قبولیت فرمائی اور تمام اعیان برادری کی شرکت سے نکاح ہو گیا نکاح کے وقت آپؐ کی عمر پچیس سال کی اور خدیجہ خاتونؓ کی چالیس سال کی تھی۔

شادی کے بعد قریباً پچیس سال آپؐ کو خدیجہ خاتونؓ کے ساتھ باہم رہنے کا اتفاق ہوا اور اس تمام عرصہ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ خدیجہ خاتونؓ آپؐ کا کمال ادب کرتی تھیں اور آپ بھی ان کی خاطر عزیز رکھتے تھے۔ ان کے پیٹ سے آپؐ کو چار لڑکیاں زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ۔ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ لڑکوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مگر وہ بھی صغر سنی میں فوت ہو گئے۔ جب تک خدیجہ خاتونؓ زندہ رہیں

آنحضرت صلعم نے کبھی دوسرے نکاح کا خیال تک نہیں کیا۔ حالانکہ خدیجہ خاتون رضی
ہی سب سے پہلے آپ پر ایمان لائی تھیں اور ایمان لانے کے بعد بھی دس برس
تک زندہ رہیں۔ جس عرصہ میں ہمہ تن آپ کے جاں نثار ہو گئے تھے۔ اور اگر
آپ چاہتے تو کئی نکاح فرما سکتے تھے۔ خدیجہ خاتون رضی کی شان میں آپ نے فرمایا
ہے کہ یہ بہترین عورات سے ہیں۔ چنانچہ عالم آخرت میں آپ نے خبر دی ہے کہ
چار عورتیں عورات بہشت کی سردار ہونگی۔ ایک تو حضرت آسیہ زوجہ فرعون
دوم حضرت مریم والدہ حضرت عیسیٰ سوم حضرت خدیجہ چہارم حضرت فاطمہ بنت
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ اور مکہ میں ہی دفن کی
گئیں۔ اسی سال ابو طالب کا بھی انتقال ہوا تھا۔ اور دونوں موتوں سے آنحضرت
کو بہت بڑا رنج پہنچا تھا۔ اسلئے اس سال کا نام عام الحزن یعنے سال غم ہے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ کے انتقال کے چند عرصہ بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ
رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا۔ یہ خاندان قریش سے تھیں اور شروع ہی میں مسلمان
ہو چکی تھیں۔ ان کا پہلا شوہر سکران بن عمرو تھا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا
حبشہ کی طرف جن لوگوں نے ہجرت کی تھی ان میں یہ دونوں بھی شریک تھے لیکن
جب یہ واپس آئے تو مکہ میں ہی ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت سودہ
بیوہ رہ گئیں۔ ان کی عمر تو کسی نے لکھی نہیں۔ مگر سب نے یہ لکھا ہے کہ آپ ضعیفہ
تھیں اور [illegible] انتہائی [illegible] ضعیف [illegible] آنحضرت صلعم
نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ چنانچہ اس وقت تو حضرت سودہ بہت ہی خوش [illegible]
کہ بعد میں [illegible] سے ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں [illegible]
ان کو طلاق نہ دیدیں۔ [illegible] میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ

ترجمہ " یعنے اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی علیحدگی یا بے پرواہی کا خوف ہو تو کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہت اچھی چیز ہے "

چنانچہ اس آیت سے حضرت سودہؓ نے یوں فائدہ اٹھایا کہ انھوں نے اپنی حقوق زوجیت حضرت عائشہؓ کو منتقل کر دیئے۔ اور اپنے نام کا شمار بھی آنحضرت کے ازواج مطہرات میں نہ صرف غنیمت بلکہ باعث فخر سمجھا۔ آپ نے ۵۴ھ ہجری میں آنحضرت صلعم سے دس سال بعد وفات پائی ہے۔ ان کا مہر چار سو درہم تھا اور اتنا ہی مہر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بالعموم دوسری بیویوں کا بھی مقرر ہوا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی عزت بخشی کے خیال نے آپ کو ان کے ساتھ شادی کی تحریک کی تھی۔ اور ان کی غمگساری آپ کے مدنظر تھی۔ نہ کوئی اور بات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکر صدیق کی دختر نیک اختر تھیں اور حضرت سودہ کے بعد بلا فصل آپ نے ان سے نکاح فرمایا تھا۔ اور اس وقت آپ کی عمر سات اور آٹھ برس کے درمیان تھی۔ یہ نکاح اس خیال پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جو مرد یا عورت ابتدائی عمر سے کسی علم کو حاصل کرنے لگتا ہے۔ اس کے معلومات اور خیالات نہایت وسیع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو ابتدائے عمر سے ہی ایمان لائے تھے۔ ان کا علم و فضل تمام صحابہؓ سے بڑھا ہوا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث گواہی دے رہی ہے۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ ترجمہ " میں شہر علم ہوں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہے "

اسی خیال کی تائید یہ واقعہ بھی کر رہا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ... بی بی ...

بعد تک حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مقاربت نہیں فرمائی - جسکے صاف یہ معنے ہیں
کہ محض بنظر تربیت آپ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرما لیا تھا - خدانخواستہ
کوئی خواہش نفسانی نہ تھی - اور یہ امر واقعہ بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم اکثر سفروں میں بھی عائشہؓ کو ہی اپنے ہمرکاب رکھتے تھے - کیونکہ
مدنظر یہی تھا کہ ایک عالمہ عورت اسلام میں پیدا ہو جائے - چنانچہ حضرت عائشہ رضہ
جیسی عالمہ اور فقیہہ ہوئی ہیں - کسی کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا -

حضرت عائشہ رضہ چونکہ باکرہ تھیں اسلئے بعض منہ پھٹ اور گستاخ معترضوں نے
اعتراض کیا ہے کہ ان کی کم عمری ہی نے آنحضرت صلعم کو ان سے نکاح کی تحریص کی
تھی - حالانکہ اگر واقعات ماقبل و مابعد پر نگاہ ڈالی جائے - تو یہ اعتراض بالکل بیہودہ
پوچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی آنحضرت صلعم نے دو بیواؤں سے ہی شادی
کی تھی - اور بعد ازاں بھی بیواؤں سے نکاح فرماتے رہے - حالانکہ اگر دوسری
صورت ہوتی تو ضرور آئندہ بھی باکرہ عورتوں سے ہی سلسلہ نکاح جاری رکھا
جاتا - اور مطلق کسی بیوہ کو قبول نہ کیا جاتا - اور اس کے ساتھ ہی جب یہ دیکھا جاتا
ہے کہ آنحضرت صلعم کو دم اخیر تک حضرت عائشہ صدیقہ رضہ پر سے درجہ کی محبت
و موانست بھی رہی تھی - تو اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو ان خواتین
سے کوئی خواہش نفسانی مطلوب نہ تھی - بلکہ صرف مصالحت اسلامی کیوجہ سے
آپ نکاح کرتے تھے ورنہ قاعدہ کے موافق یا تو ضروری تھا کہ ایک نو عمر عورت
سے شادی کرنے کے بعد آپ پھر کوئی نکاح ہی نہ کرتے اور کرتے تو لابد تھا کہ
پہلی عورت سے سردمہری اور بے توجہی برتی جاتی اور جو عورتیں ان کے بعد بیاہی
جاتیں وہ سب کی سب باکرہ ہوتیں - اور عمر میں بھی ان سے زیادہ چھوٹی ہوتیں - حالانکہ آپ نے
بعد میں آٹھ نکاح اور کئے جن میں نہ تو کوئی کم عمر تھی نہ باکرہ - اور نہ عائشہ صدیقہ رضہ
سے عزیز و محترم - پس ان واقعات کے بعد اگر کوئی شخص از خود کچھ بکے تو اسے
منصفین کے نزدیک اسکی بکواس کچھ وقعت نہیں رکھتی -

قصۂ افک بعض منافقین نے جن کا سرگردہ عبداللہ بن ابی سلول تھا حضرت عائشہؓ کو اپنی طبعی افترا پردازی سے بدنام کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے قرآن شریف سے عائشہؓ کی برأت کر دی۔

اصل واقعہ یوں ہے کہ جب آیۂ حجاب نازل ہوئی تھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے سفر میں ایک پردہ دار ہودج بنا دیا گیا تھا جسمیں سوار ہو کے آپؓ سفر کیا کرتی تھیں۔ غزوہ مریسیع سے واپسی کے وقت آپؓ ایک منزل پر بوقت روانگی قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ سو اتفاق سے آپؓ کی ہیکل جس میں الماس کا جڑا ہوا تھا کہیں اتر گئی۔ آپؓ فارغ ہو کر جب ہودج میں آ بیٹھیں اور اس کا پردہ بھی چھوڑ دیا۔ تو معاً خیال آیا کہ زیور رہ گیا ہے۔ پس آپؓ یہ سمجھ کے کہ میں ابھی اس مقام سے اسے ڈھونڈھ لاتی ہوں۔ ہودج میں سے اس زیور کی تلاش کے لئے نکل گئیں۔ پاس ادب سے چونکہ لوگ آپؓ کے اونٹ کے پاس نہ ٹھہرا کرتے تھے۔ اسلئے کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ قافلہ تھا لیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کے کہ آپؓ کے ہودج کے پردے چھوٹے ہوئے ہیں۔ کچھ انتظار کیا۔ اور آپؓ ابھی زیور کی تلاش میں دور تک نکل گئیں۔ کیونکہ خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام متعلقین قضائے حاجت کے لئے ہمیشہ اتنی دور جا کے بیٹھا کرتے تھے کہ جدھر لوگوں کا آنا جانا بالکل نہ ہو۔ الغرض آپؓ زیور پا کے واپس آئیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لاچار منہ سر لپیٹ کر وہیں بیٹھ گئیں۔

مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ ہر منزل میں ایک آدھ آدمی اس واسطے پیچھے رہ جاتا تھا کہ روانگی قافلہ کے بعد کوئی بھولی چوکی چیز رہ گئی ہو تو لیتا آئے کیونکہ قافلہ عموماً اندھیرے منہ چلا کرتا تھا۔ چنانچہ اس منزل پر صفوان بن معطل اسلمی اس کام پر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ صبح کو ادھر ادھر دیکھتا بھالتا پھرتا تھا کہ حضرت عائشہؓ منہ لپیٹے نظر پڑیں پر اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کے آپؓ سے کہا کہ آپ اس میرے اونٹ پر سوار ہو لیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اس کے اونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ مہار

تھا سے ہوتے ہوئے آپ کو اگلی منزل تک لے آیا۔ آنحضرت صلعم اور تمام ہمراہیوں کو چونکہ وہاں پہنچے قریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اور اترتے ہی سب کو معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہیں رہ گئی ہیں۔ لہذا عبداللہ ابن ابی سلول نے جو ہمیشہ سے آنحضرت صلعم سے جلا کرتا تھا۔ کچھ سے کچھ بکنا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ بات بالکل ایک اتفاقی تھی اور کوئی عجیب بھی نہ تھی۔ مگر چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اعمال و افعال سے ایک ایسا نمونہ قائم فرمانا چاہتے تھے کہ جس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ اسلئے آپ نے چند قریبی صحابہ سے جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شامل تھے مشورہ فرمایا۔ اس بارہ تمہاری کیا رائے ہے۔ چنانچہ سب نے بالاتفاق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت پر گواہی دی جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آنحضرت صلعم نے کچھ فیصلہ نہ فرمایا۔ بلکہ مدینے پہنچکر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں تو آنحضرت صلعم ان کی بیمار پرسی کو بھی تشریف نہ لے گئے۔ کیونکہ آپ اس قضیۂ نامرضیہ سے رنج میں تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پہلے تو اس کی خبر نہ ہوئی۔ اور جب خبر ہوئی تو انہوں نے خدا کے روبرو رو رو کر اپنی بیگناہی جتانا شروع کیا۔ چنانچہ درگاہ ایزدی میں ان کی مخلصانہ گریہ و زاری مقبول ہوئی اور حضرت جبرئیل نے دو رکوع اس قصہ کے متعلق قرآن میں نازل کئے گئے وہ آیات یہ ہیں۔

(ترجمہ) "وہ جو یہ طوفان بنا لائے تمہارے ہی میں ایک گروہ ہے۔ اسکو اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے انہیں سے ہر ایک کو بقدر عمل گناہ ہے اور جس نے ان میں سے اس کا بڑا اٹھایا اسکے لئے تو بڑا عذاب ہے۔ جب تم نے سنا تھا تو کیوں نہ ایمان دار مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمان کیا اور کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے	ان الذین جاءو بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ لہ عذاب عظیم ۔ لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنت بانفسھم خیرا وقالوا ھذا افک مبین

لولا جاءو علیه باربعة شهداء ج فاذ لم یاتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الکاذبون ۰ ولولا فضل الله علیکم ورحمته فی الدنیا والاخرة لمسکم فی ما افضتم فیه عذاب عظیم ۰ اذ تلقونه بالسنتکم وتقولون بافواهکم ما لیس لکم به علم وتحسبونه هینا وهو عند الله عظیم ۰ ولولا اذ سمعتموه قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بهذا ۰ سبحنک هذا بهتان عظیم ۰ یعظکم الله ان تعودوا لمثله ابدا ان کنتم مؤمنین ۰ ویبین الله لکم الایات والله علیم حکیم ۰ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة ۰ والله یعلم وانتم لا تعلمون ۰ ولولا فضل الله علیکم ورحمته وان الله رؤف رحیم

وہ کیوں نہ لائے اس پر چار گواہ۔ پھر جب نہ لائے گواہ تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں اور اگر اللہ کا تم پر فضل اور اسکی رحمت دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو تم پر اس معاملہ میں کہ جس کا تم چرچا کرتے کوئی بڑی مار پڑتی۔ جبکہ تم اسکو اپنی زبانوں پر لانے لگے اور کہنے لگے اپنے مونہوں سے وہ بات کہ جس کا تمکو علم نہیں اور سمجھے تم نے ہلکی بات سمجھ لیا۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور جب تم نے اسکو سنا تھا تو کیوں نہ کہدیا کہ ہمیں لائق نہیں کہ اسکو منہ سے نکالیں سبحان اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور تمہارے لئے اللہ آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ایمان والوں میں پھیلے تو ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب الیم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بڑا نرمی کرنے والا مہربان ہے

ان آیات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عصمت و صداقت جس بسط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس سے زیادہ کوئی کیا کہہ سکتا تھا۔ اس لئے اتہام طاعنوں کی زبانیں بند ہوگئیں۔ ان میں مسطح ابن اثاثہ بھی شریک ہوکے ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاص نمک پروردہ تھے

اور برابر اتنی ہی مدد دیا کرتے تھے۔ جب ابتدائی آیات جہاں تک پہلا رکوع ختم ہوتا ہے برأت عائشہ صدیقہؓ میں نازل ہو چکیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ اب میں مسطح کی خبرگیری نہ کروں گا کہ بڑا احسان کش شخص ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ ولا یاتل الخ یعنے یہ بات مناسب نہیں ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بدستور ان کا وظیفہ جاری کر دیا۔

آخر میں یہ بھی معلوم ہوا کہ صفوان بیچارہ خود عنین ہے۔ اور انہیں ابتداء سے ہی رجولیت کی طاقت نہیں۔ چنانچہ دم آخر تک کبھی اسکی بدچلنی ثابت نہ ہوئی۔ الغرض اس نزول برأت کے بعد رسول خدا صلعم بدستور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے التفات و الفت فرمانے لگے اور آخر تک یکساں محبت و رفاقت قائم رہی۔

مخالفین تو جو جی میں آئے کہہ دیا کرتے ہیں لیکن سلیم العقل آدمی دیکھ سکتا ہے کہ اگر نزول قرآن میں کچھ بھی آنحضرت صلعم کا ذاتی دخل ہوتا تو وہ یہ قصہ قرآن میں سے ضرور نکال ڈالتے جیسے کہ برأت تو ہے مگر ایک ایسے واقعہ کا ذکر ہے جو کوئی شخص اپنی زوجہ کے متعلق سننا نہیں چاہتا۔

حضرت عائشہؓ کا مہر چار سو درہم باندھا گیا تھا۔ پندرہ برس تک آپؓ صحبت نبوی میں رہیں اور ۱۷ رمضان ۵۸ ہجری کو آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی دختر نیک اختر تھیں اور یہ بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی آنحضرتؐ پر معہ اپنے سابقہ شوہر خنیس بن حذافہ نامی کے ساتھ ایمان لا چکی تھیں۔ لیکن غزوہ بدر کے بعد خنیس کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکیس سال کی تھی۔ آنحضرت کی عمر شریف اس وقت چھپن سال کی تھی۔ جب ۳ھ میں آپؐ نے نکاح فرمایا۔

اب ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رض اور سودہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ اور عائشہ صدیقہ رض سے آپ کو محبت واخلاص بھی بدرجہ کمال تھا۔ اور حضرت حفصہ رض بیوہ تھیں۔ مگر صرف تالیف قلوب اور انکی جوانی کی بربادی پر خیال فرما کے آپ نے ان سے نکاح فرمالیا۔ اور پھر انکی سلیقہ شعاری زہد وتقدس۔ اور صایبت رائے سے جو نتائج پیدا کیے۔ ان سے اسلام کبھی گردن نہیں اٹھا سکتا۔ یعنے ترتیب نزول کے ساتھ قرآن حضرت حفصہ رض نے محفوظ رکھا تھا۔ اور آنحضرت صلعم بھی عائشہ رض کے بعد آپ رض کو بڑا عزیز جانتے تھے۔

ابتدا میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ آپکی نسبت بعض لوگوں نے غلطی سے یہ بھی لکھدیا ہے۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے آپکو طلاق بھی دیدیا تھا۔ اور پھر رجوع فرمالیا۔ حالانکہ یہ قصہ بالکل غلط ہے اور اسکا راوی بھی صرف ایک شیعہ مذہب شخص ہے۔ جسکی روایت حضرت حفصہ رض کی نسبت جو حضرت عمر رض کی لڑکی ہوتی ہیں۔ کسی طرح قابل التفات نہیں ہو سکتی۔

آپ کی وفات شعبان ۴۵ھ میں ہوئی ہے۔ جسکے مطابق آپ دس سال تک صحبت نبوی سے مستفیض رہی ہیں۔

حضرت رملہ معروف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت رملہ رض کے باپ کا نام ابوسفیان اور ماں کا نام صفیہ تھا۔ یعنے آپ بنی امیہ کے اس مشہور خاندان سے ہوتی ہیں جس نے اسلام لانے سے پہلے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت تکالیف دی تھیں اور بعد وفات آنحضرت کے حضرت علی و اہل بیت معصومین کے ساتھ بھی سخت ناگوار سلوک کیے تھے۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ حضرت رملہ رض ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں اور انکا پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان تھا۔ چنانچہ

ان دونوں نے بھی حبشہ کیطرف ہجرت کی تھی۔ اسی شوہر سے ان کو ایک لڑکی حبیبہ نام ہوئی تھی۔ جس پر ان کا نام ام حبیبہ مشہور ہوا۔ حبشہ میں پہنچ کر ان کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر ام حبیبہ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ تھوڑے عرصہ میں عبید اللہ کا انتقال ہو گیا۔ تو جناب رسول اللہ صلعم نے نجاشی کو کہلا بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کے ان کو بھیج دو۔ نجاشی نے ام حبیبہ سے استفسار کیا۔ تو انہوں نے اس بات کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ چنانچہ حسب الارشاد عالی نجاشی نے حبشہ میں وکیل ہو کے نکاح پڑھوا دیا۔ اور چار سو دینار مہر بھی اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ اسوقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر سینتیس سال کی تھی۔ اور آنحضرت کی عمر ساٹھ سال۔

ان کے ساتھ نکاح کی مصلحت صاف ظاہر ہے۔ کہ اول تو ایک غریب الوطن عورت کی دلجوئی اور دوسرا ایک بااثر سردار قریش سے بذریعہ رشتہ سلسلہ آشتی کا ہلانا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حبشہ میں ہی نکاح کروانے کی کوئی ضرورت نہ پڑتی۔ حبشہ میں نکاح پڑھا جانا خاص اسبات کی دلیل ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کی دلجوئی اور تسکین مسلمانوں میں ان کے خاوند کے مرتد ہو جانے اور پھر فوت ہو جانے سے انکی جو کم وقعتی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا دفعیہ منظور تھا۔ اور نیز امید تھی کہ اس سے ابوسفیان کی عداوت میں بھی کچھ کمی آ جائے گی۔ چنانچہ پہلے کسی موقع پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ تجدید عہد نامہ کے لئے جب ابوسفیان مدینہ آیا تھا۔ تو اس نے حضرت ام حبیبہؓ کے ذریعہ بھی قیام صلح کی کوشش کی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہؓ کے باپ کا نام حذیفہ ابو امیہ اور ماں کا نام عاتکہ تھا۔ اور

آپ قبیلہ بنو کنانہ سے تھیں۔ آپ کا اصلی نام ہند تھا۔ مگر عرب میں کنیت ہی پر
اکثر بلایا کرتے ہیں۔ اسلئے جب ان کی پہلی شادی ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی
سے ہوئی۔ اور ان سے سلمہ نام ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تو اُن کو ام سلمہ کہنے لگے۔ اسکے
سوا اور بھی ایک لڑکا اور لڑکیاں اس شوہر سے آپ کو ہوئیں۔ دونوں صاحب
ابتداء سے ہی ایمان لا چکے تھے۔ اور برابر مسلمانوں کے شریک حال تھے۔ چنانچہ
جنگ بدر میں ابو سلمہ بھی شامل تھے۔ جسکے بعد ۴ھ ہجری میں ان کا انتقال
ہوگیا۔ اور اسکے بعد ام سلمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔
آنحضرت صلعم سے نکاح کے وقت انکی عمر ۲۶ سال کی تھی اور آنحضرت صلعم کی
۵۷ سال کی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے بعد ۶۲ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔
جبکہ انکی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینبؓ کے باپ کا نام خزیمہ بن حرث اور ماں کا نام ہند بنت عوف
تھا۔ آپؓ بڑے درجہ کی فیاض اور سخی تھیں۔ اسلئے ایام جاہلیت ہی میں آپکو
لوگ ام المساکین کہا کرتے تھے۔ پہلے ان کی شادی جہم بن عمرو ہلالی سے اور
اس کے انتقال پر عبیدہ بن الحرث سے ہوئی تھی۔ اور جب وہ بھی مرگئے ۳ھ ہجری
میں آنحضرت صلعم سے نکاح ہوا۔ اسوقت ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ مگر یہ صرف
آٹھ مہینے ہی اسکے بعد زندہ رہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنا نفس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو ہبہ کردیا تھا۔ مگر یہ روایات اسلئے غلط ہیں کہ مثل دیگر امہات المومنین
کے آپکا بھی مہر آنحضرتؐ نے ادا فرمایا تھا۔ اور اُسی طرح نکاح بھی ہوا۔
جیسا اور سب کا ہوتا رہا ہے۔ جسکے بعد وہ روایتیں خود بخود غلط ہو جاتی
ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینبؓ کے باپ کا نام جحش اور ماں کا نام امیمہ تھا۔ یہ عبدالمطلب کے
خاندان سے تھیں۔ جو عرب بھر میں ایک ممتاز خاندان تھا۔ کیونکہ تولیت کعبہ اسی
خاندان میں چلی آتی تھی۔ مگر جب یہ مسلمان ہوئیں تو آنحضرت صلعم چونکہ امیر و غریب
کو ایک پلیٹ فارم پر لانا چاہتے تھے۔ اسلئے آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن
الحارث سے ان کا نکاح کر دیا۔ کیونکہ زید کو لوگ بسبب غلامی کے حقارت سے
دیکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم جو غلامی کے مخالف تھے۔ اس بات کو اچھا نہ
سمجھتے تھے۔ کہ کسی کو مسلمان ہونے کے بعد بُرا یا حقیر سمجھا جائے۔ چنانچہ آپ نے
گو زید کو آزاد تو پہلے سے ہی کر رکھا تھا۔ مگر پھر بھی اُس پرانی عادت کے مطابق
لوگ ان کو کچھ تعزز کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ پس ان کے وقار بڑھانے کے
لئے آپ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی زینبؓ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ کہ مسلمانوں کو
اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ کہ غلامی کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ اور اسلام میں آ جانے کے
بعد مالک و مملوک سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ وہ ایثار ہے کہ غالباً کوئی شائستہ
سے شائستہ اور مہذب سے مہذب شخص بھی سوائے زبانی کے عملی طور پر کم گوارا
کرتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس خیال میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور حضرت زینبؓ
کی زید سے کچھ موافقت نہ ہو سکی۔ کیونکہ حضرت زینبؓ اپنے آپ کو باعتبار خاندانیت
بھی ایک اعلے درجہ کی شہزادی سمجھتی تھیں اور بسبب رشتہ داری آنحضرت صلعم کے
بھی اب ان کو ایک خاص تعزز تھا۔ اور بمقابلہ اسکے وہ زید کو اپنے سے بہت کم درجہ کا
سمجھا کرتی تھیں۔ اور یہ وہ بات ہے کہ جہاں زوجین میں ظاہر ہو جاتے تو موافقت
نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ زید اس بات سے الگ ملال تھے۔ اور زینبؓ الگ گریاں تھیں
آخرش ایک دو بار تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سمجھا بجھا دیا
مجبور ہو کر زید نے ان کو طلاق دے ہی دیا۔ اس طلاق میں آنحضرت صلعم نے تو کیا

سکتے۔ نہ آپؐ کا ایما رتھا نہ حکم۔ پس ایسی حالت سے آپؐ بہت خائف ہوئے
کیونکہ زینبؓ آپؐ کے خویشوں میں تھیں۔ اگر موافقت ہو جاتی تو ایک بڑی بات
ہوتی۔ مگر اب وہ اسلئے بھی اپنی نگاہوں میں خود ذلیل ہو رہی تھیں کہ ایک غلام نے
بھی ان کو طلاق دے دیا۔ جسکے بعد کسی اور شریف اور خاندانی شخص سے نکاح
ہونا مشکل تھا۔ اسلئے آنحضرتؐ نے ایام عدت کے بعد ان سے خود اپنا نکاح
پڑھوا لیا۔ اور پیشتر اس بات کے جتانے کو کہ زید کوئی کم قیمت آدمی نہیں ہے
زید کا نکاح آپؐ نے ام ایمن سے کر دیا۔ جو آپ کی کھلائی تھیں۔ اور اس
نکاح سے زید کو اسامہ پیدا ہوئے۔

چونکہ آنحضرت صلعم کی اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ رہا تھا۔ اسلئے آپؐ
زید کو از راہ محبت بیٹا کہہ کے پکارا کرتے تھے۔ اور چونکہ ایک نئی مثال آپؐ نے
آقا و غلام میں مساوات کی قائم کر دی تھی۔ اسلئے عام لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ زید
گویا آنحضرت صلعم کے متبنّیٰ ہیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں از راہ محبت و رحم کے
فرماتے تھے۔ پس اس وقت کے منافقین و معاندین نے مشہور کر دیا کہ
محمد صلعم نے تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ جس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

ترجمہ۔ ہرگز محمد صلعم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہیں بلکہ وہ تو خدا کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔
آنحضرت صلعم کی نسبت کسی مرد کے باپ ہونے کا ذکر کرنے کے بعد آپکی صفت میں
رسول اللہ اور خاتم النبیین کی صفات کا بیان کرنا مؤلف کے نزدیک اس امر کی دلیل ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو فعل زید کی نسبت اظہار محبت و رحم
کے متعلق تھا۔ وہ گویا ایک خدمت رسالت کی انجام دہی تھی جس کا مقصد حضور
امیر کا یکساں کر دینا تھا۔ اور اسکے بعد خاتم النبیین کا لفظ میرے خیال میں آنحضرتؐ
کے کمال کی تعریف میں ہے۔ یعنے ایسا رسول جس پر اسکے کمالات کے باعث

مہر لگادی گئی ہے۔ اور اسکو خاتم النبیین کر دیا گیا ہے۔ یعنے اس سے بھی لطف کی راتوں میں اس محبت و الطاف کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرتؐ زید سے برتتے تھے اور جو کوئی آقا اپنے غلام سے نہیں برت سکتا۔ تو مطلب یہ ہے کہ آپ تو رحم بخشش وغیرہ تمام صفات میں کامل و اکمل ہونے کے باعث خاتم النبیین ہو چکے ہیں۔ پھر آپ ہی اسقدر اظہار لطف و کرم اپنے غلاموں سے نہ فرمائیں تو اور کون کریگا۔ مگر یہ سب کچھ میری ذاتی رائے ہے۔ اور مجھے اسکی قبولیت پر کچھ اصرار بھی نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ زید آنحضرت صلعم کا صلبی لڑکا نہ تھا۔ اور اسلئے اسکی مطلقہ بیوی سے آپ کا نکاح کر لینا اخلاقاً و شرعاً و رواجاً کوئی عیب بھی نہ تھا۔ بلکہ قرین قیاس یہ ہے۔ کہ چونکہ آنحضرت صلعم نے ہی زید کے ساتھ حضرت زینب کا نکاح انکی مرضی کے خلاف کیا تھا۔ اور انہوں نے اسوقت بھی باکراہ صرف آنحضرت صلعم کے فرمان کی تعمیل میں اسکو منظور کر لیا تھا۔ اس لئے اگر آپ طلاق کے بعد انکی خبرگیری نہ کرتے اور ان کو اپنے نکاح میں نہ لے آتے تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں سخت حقیر ہو جاتیں۔ عام طور پر تو اس لئے کہ ایک غلام نے بھی ان کو قبول نہ کیا اور خاص لوگوں میں اسلئے کہ انہوں نے اس شوہر کی صاحب اچھی طرح نہ کی۔ جس سے آنحضرت صلعم نے باصرار نکاح کرایا تھا۔ اس لئے ان کے زخم کا اندمال اسی طرح ہو سکتا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم خود ان کو اپنی زوجیت میں لیتے۔

بعض لوگ یہ بھی افترا بندی کرتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک دفعہ حضرت زینبؓ کو بے پردہ دیکھ لیا تھا۔ تو اس سے آپ کو ان سے نکاح کا خیال پیدا ہو گیا۔ حالانکہ یہ بات محض افترا ہے۔ کیونکہ جسوقت حضرت زینبؓ کا آپ سے نکاح ہوا ہے انکی عمر پینتیس سال کی تھی۔ اور آنحضرت کی عمر چھپن سال کی۔ اللہ کے متعصبوں کو کچھ تو سوچنا چاہیئے کہ کیا دونوں کی عمروں میں کسی کی بھی عمر ایسی ہے۔ جس پر عشق بازی زیبا ہو۔ بلکہ اس نکاح میں خاص مصلحت تھی۔ کہ ایک طرف تو آپ نے یہ ثابت کیا۔ کہ مسلمان خواہ غلام ہو یا آقا۔ باہم اپنی رشتہ داریوں تک میں اس کی۔

شادی کو ٹھیک سمجھیں - اور دوسری طرف یہ کہ کوئی عورت مطلقہ ہونے سے حقیر نہیں ہو سکتی - جبکہ میں خود ایک غلام کی مطلقہ سے نکاح کرتا ہوں - چنانچہ یہ اسی نمونہ کی برکت ہے - کہ مسلمانوں میں ذات گوت کا سوال بالکل نہیں ہے - ہندوستان میں جو لوگ ان باتوں کے پابند ہیں وہ یہاں کے رواجات سے متاثر ہوئے ہیں - ورنہ عرب - بخارا - کابل - ایران سب میں بلا اس تخصیص کے آدمی یا ہشتم حال بلا نکاح کرتے ہیں - اور یہ باتیں کبھی میسر نہ ہوتیں اگر آنحضرت صلعم خود ایسی مثالیں قائم نہ فرما دیتے -

حضرت میمونہ بنت الحرث رضی اللہ عنہا

حضرت میمونہ رضؓ کے باپ کا نام حارث ہلالیہ تھا - اور آپ خالد بن الولید کی رشتہ میں پھوپھی ہوتی تھیں - اور اسکے علاوہ حضرت عباسؓ کی بھی باعتبار رشتہ خالہ تھیں - سنہ [illegible] ہجری میں جب مکہ فتح ہوا ہے - تو ان کا پہلا شوہر ابی الدہم بن عبد العزیٰ مر چکا تھا - اور یہ مسلمان تو ہو چکی تھیں - مگر اپنا کوئی وارث نہ رکھتی تھیں - اور عمر ان کی اکاون سال کی تھی - اسلئے انہوں نے اس آخری عمر میں آنحضرت صلعم کے شرف زوجیت حاصل کرنے اور حضور کو اپنا وارث بنانے کے لئے خالد بن الولیدؓ کے ذریعہ آنحضرت صلعم سے پیغام نکاح کیا - اور گو کسی روایت میں یہ درج نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے انکار کیا ہو - مگر چونکہ یہ بات بروایات معتبر ثابت ہے - کہ آنحضرتؐ کی طرف سے انہیں جو مہر دیا جانا چاہئے تھا - وہ حضرت خالد بن الولیدؓ اپنی گرہ سے ادا کر کے ان کو آنحضرت صلعم کی زوجیت میں شامل کیا - تو اس سے پایا جاتا ہے - کہ آنحضرت صلعم کو خود ان کے ساتھ شادی کرنے کا مطلق خیال نہ تھا - اور صرف انکی آرزو پورا کرنے کو آپ نے انکی درخواست منظور فرمائی تھی - حضرت میمونہ نے سنہ ۵۱ ہجری میں انتقال کیا ہے اور چھ سالی آنحضرتؐ

کے ساتھ رہی ہیں۔ اور یہی آنحضرت صلعم کی سب سے آخری بیوی تھیں جن کے بعد کسی اور سے آپ نے نکاح نہیں فرمایا۔

حضرت جویریہؓ بنت الحارث

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام حارث بن ضرار تھا جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ اور جب مریسیع پر اسلام نے فتح پائی تھی اور حضرت جویریہؓ اُسی غنیمت میں گرفتار ہوئی تھیں۔ چنانچہ حضرت جویریہؓ تقسیم میں ثابت بن قیس نامی ایک صحابیؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔ لیکن آنحضرت صلعم کو جویریہؓ کی جوانی اور عزت سابقہ پر رحم آگیا۔ اور آپ نے ان کو ثابتؓ سے خرید کر بجائے لونڈی بنانے کے اپنی زوجیت سے مشرف فرمایا۔

معترضین کو ڈوب مرنا چاہیئے کہ وہ آنحضرت صلعم کے اس حیانہ فعل پر اعتراض کرتے ہیں۔ جو بڑے درجہ کا لطف و احسان ہے۔ کیونکہ اگر صرف ان کا حسن و جمال ہی محرک ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ وہ ان کو لونڈی نہ بناتے۔ درانحالیکہ وہ غنیمت میں بھی آئی تھیں۔ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے انہیں خرید بھی لیا تھا۔ جس سے دو باتیں صاف ظاہر ہو رہی ہیں کہ ایک تو آپ غلامی کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اور دوسرا یہ سبب اس کے کہ وہ ایک سردار کی بیٹی اور ایک سردار قوم مسافع بن صفوان مصطلقی کی بیوہ تھیں قبول اسلام کے بعد آپ نے ان کو خاص اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ جس سے ان کی دلدہی مقصود تھی کہ اگر ایک قبیلہ یا قوم کا سردار خاندان مر گیا ہے تو اسلام میں آکر خدا نے انہیں ایسا شوہر دیا۔ جو باعتبار شرافت خاندانی بھی اور باعتبار وجاہت و شوکت ظاہری بھی عدیم المثال سردار ہے۔ اور یہ بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت صلعم نے بعوض غرباء ہی کے آپ کا مہر بھی ادا فرما دیا تھا۔

سنہ ۵ ہجری میں حضرت جویریہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اور سنہ ۵۶ ہجری میں بعد آنحضرت صلعم کے آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت الحی ابن اخطب

حضرت صفیہؓ حی ابن اخطب سردار یہود خیبر کی بیٹی تھیں۔ اور انکی پہلی شادی کنعانہ نام ایک رئیس قوم سے ہوئی تھی۔ جنگ خیبر میں یہ دونوں گویا سپہ سالار تھے جو مارے گئے۔ اور حضرت صفیہ گرفتار ہو گئیں۔ اس وقت تو جو رنج و الم ان کو اپنے باپ اور خاوند کے مارے جانے سے ہوگا۔ اس کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ مگر مدینہ تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے داب و آداب اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق والطاف دیکھ کر وہ مسلمان ہو گئیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے بھی ان کی عزت سابقہ اور صداقت ایمان ملاحظہ فرما کر انکو اپنے حرم میں داخل فرما لیا۔ اور ان کے مہر میں باختلاف تعداد کچھ قیدی یہود خیبر کے رہا فرما دیئے۔

آپ کا نکاح سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ اور وفات سنہ ۵۰ ہجری میں ہے۔ صحبت نبوی میں آپ صرف چھ برس رہیں اور اڑتیس برس بعد آنحضرتؐ کے آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کنیزیں

ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ لکھا جا چکا ہے کہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مصر کے شاہ مقوقس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بطور نذر بھیجی تھیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو بھی خلوت سے سربلند فرمایا جو ایک نہایت رواجی بات تھی۔

اور انہیں کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے جو صرف اٹھارہ ماہ زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔ ماریہ قبطیہ بڑی لایقہ اور باسلیقہ خاتون تہیں ۷ھ میں یہ آنحضرت صلعم کے حضور حاضر ہوئی اور ۱۶ھ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

ایک غلط روایت میں ہے کہ ماریہ قبطیہ سے جب آپ نے صحبت فرمائی تو حضرت حفصہ اس سے واقف ہوگئیں۔ اور انہوں نے دوسری بیویوں سے بھی کہدیا۔ جس پر آپ سب سے ناراض ہوگئے۔ اور حفصہؓ کو تو طلاق ہی دیدیا۔ جسکے بعد پھر آپ ان سے رجوع ہوئے۔

جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ سوائے اس بات کے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم اپنے ازدواج سے ناراض ہوگئے تھے۔ اور آپ نے تبلیغاً ان سے ایک مہینا الگ رہنے کا عہد کر لیا تھا۔ جس کا ذکر حضرت حفصہؓ کے بیان میں آچکا ہے باقی قصہ محض من گھڑت اور خیالی ہے۔ کیونکہ اوّل تو لونڈیوں سے خلوت جائز ہے پھر چھپانے کے کیا معنے۔ دوسرا آنحضرت صلعم کی اگر ایک ہی بیوی ہوتی۔ تو بھی ممکن تھا۔ کہ اسکے پاس خاطر سے آپ کو اس خلوت کے حال کو پوشیدہ رکھنے کا خیال ہوتا۔ مگر وہاں تو نو موجود تھیں۔ اور سب جانتی تھیں۔ کہ آپ باری باری سب کے پاس جاتے ہیں۔ اور سب کو برابر رکھتے ہیں۔ پھر چھپانے کی وجہ کیا تھی۔ ایسی بیجا اختراع صرف اس واسطے ہوئی ہے کہ ان ایام میں ماریہ قبطیہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھیں اور حضرت عمرؓ نے آپ سے جا کے پوچھا تھا۔ بس ان قرائن سے بعض لوگوں کو خیال ہوا اور ان سے غلط روایتیں بے تحقیق مشہور ہوگئیں۔

ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

یہ خاتون خاندان بنی نضیر یا بنو قریظہ سے تھیں اور بطور کنیز آنحضرت صلعم

کے حضور میں آئی تھیں۔ مگر سنہ ہجری میں آنحضرت صلعم کے روبرو ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے۔ ان سے آنحضرت صلعم کا مقاربت فرمانا صحیح نہیں پایا جاتا۔

آنحضرت صلعم کا برتاؤ۔ یہ بھی جتا دینا ضروری ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی سب ازواج مطہرات کے پاس باری باری جایا کرتے تھے۔ ممکن نہ تھا۔ کہ باری میں کبھی فرق آ جائے۔ باستثنائے حضرت سودہؓ کے کہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے رکھی تھی۔

نان نفقہ سب کو یکساں ملتا تھا۔ یہ کبھی نہ ہوا۔ کہ کوئی چیز صرف ایک ہی بیوی کو آپ نے لا دی ہو اور دوسری اس سے محروم رہ جائے۔ کپڑا، غلہ وغیرہ سب چیزیں بحصہ مساوی سب کو ملتی تھیں۔

تحفے ہدایا جو آیا کرتے تھے۔ ان کے متعلق آپ نے یہ تقسیم کر رکھی تھی کہ جس دن جس بیوی کی باری ہوتی۔ اس دن کے تحائف وغیرہ اگر کچھ ہوتے تو انہیں کو دے دئے جاتے۔ لیکن یہ اتفاق کی بات ہے کہ اکثر اسی دن تحائف زیادہ آتے تھے۔ جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باری ہوتی تھی۔

آپ اپنی تمام ازواج کے ساتھ نہایت محبت والفت سے پیش آتے تھے۔ اور کبھی رنج یا سختی گوارا نہ فرماتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات اگر کوئی بیوی دلیری میں کوئی ایسی بات بھی کہہ جاتیں۔ جو مناسب نہ ہوتی۔ تو بھی آپ تبسم فرما کر ٹال دیتے۔ بلکہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم آپ عورتوں کو اس قدر ڈھیل نہ دیا کیجئے۔ عورت ذات کو جب تک زدوکوب نہ ہو اور اس پر اچھی طرح سے حکومت نہ کی جائے۔ وہ ٹھیک نہیں رہتی۔ مگر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ عورتوں کے ساتھ رحم کرنا چاہیئے کیونکہ نکاح کے بعد پھر ان کا میکہ والوں سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رہتا۔

معاشرت کے قاعدے جس قدر آپ نے مقرر فرمائے ہیں۔ شائد اس تہذیب کے وقت میں بھی کوئی ہی اس کا عامل ہوگا۔ جن کی تفصیل تو باعث تطویل ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی بات بے حیائی اور شہرت پرستی کی آپ نے جائز نہیں رکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام

آنحضرت صلعم کے غلام مندرجہ ذیل تھے۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو حضور نے آزاد فرما دیا تھا۔ اور سب کو اختیار تھا کہ وہ جہاں چاہیں جائیں اور جو کام چاہیں کریں۔ ان کی آمدنی بھی آپ مطلق نہ لیتے تھے۔ کئی ایک کی شادیاں بھی آپ نے کر دی تھیں۔ لیکن باوصف ان تمام باتوں کے کوئی شخص آپ کی صحبت اکسیر خاصیت چھوڑ کے اپنے گھر واپس نہیں ہوا۔

۱۔ زید بن حارثہ۔

۲۔ ثوبان ساکن سراۃ جو اعقاب اپنی کنیت کے ابو عبداللہ کے نام سے مشہور ہیں

۳۔ صالح المعروف بہ شقران ساکن حبشہ۔

۴۔ ابو رافع ابراہیم جو حضرت عباس کے غلام تھے اور انہوں نے انکو آپ کے نام ہبہ کر دیا تھا مگر آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔

۵۔ ابو کبشہ سلیم
۶۔ رویفع ابو مویہبہ۔
۷۔ ابو عبداللہ سلمان فارسی

} ان تینوں کو صرف آزاد کرنے کے لئے ہی ان کے سابقہ آقاؤں سے آپ نے خرید لیا تھا۔

۸۔ سفینہ یہ حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے۔ اور انہوں نے انہیں آنحضرتؐ کی خدمت کے لئے آپ کو دے ڈالا تھا۔ مگر آپ نے آزاد فرما دیا۔

۹۔ رباح اسود
۱۰۔ فضالہ
۱۱۔ مدعم

} یہ تینوں بھی آزاد ہو چکے تھے جنکے بعد وادی القریٰ میں شہید ہو گئے۔

۱۲- ابوضمیرہ
۱۳- یسار

بعض نے اسامہ ابن زید کو بھی آپؐ کے غلاموں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اصل یوں ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے ان کے باپ کو آزاد فرمایا تھا۔ تو اب انپر غلامی صادق نہ آتی تھی۔ گو سب لوگوں کو آپؐ کی غلامی بادشاہی سے بھی بڑھکر نعمت تھی۔

غلامی اور اسلام - یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ صرف اعراب جاہلیت میں بلکہ قریباً تمام دنیا میں اسلام سے پہلے غلاموں کا رواج تھا۔ غلام عموماً تو وہ غریب لوگ ہوتے تھے۔ جن کو کسی اپنی ضرورت کے لئے والدین نے بیچ دیا ہو۔ یا وہ لوگ کہ جو کسی لڑائی میں فریق فاتح کے ہاتھ آجاتے تھے اور وہ ان سے خدمتگاری کا کام لیتا تھا اور جب ضرورت ہوتی بیچ بھی ڈالتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں کو کوئی حق الخدمت بجز کھانے اور کپڑے کے دینے کا رواج نہ تھا۔ اور نہ اُن کی عزت و حرمت کیجاتی تھی۔ اسلئے بالعموم تمام دنیا میں اور بالخصوص عرب میں ان کو ایک بے بس مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ غلام نہایت بدحال رکھے جاتے تھے۔ ان کے کپڑوں کی اجلاہٹ ہرگز کسی کو مدنظر نہ تھی۔ بلکہ بُرے سے بُرا کپڑا اور بُرے سے بُرا کھانا اُنکی قسمت میں سمجھ لیا گیا تھا۔ ذرا ذرا سے قصور پر بے انتہا سختی ان کے ساتھ کیجاتی تھی۔ ذرا چوک ہوئی اور مار مار کے فرش کردیا۔ ذرا غصہ آیا۔ تو دو دو دن فاقہ دیدیا۔ عمر بھر یہ لوگ بغیر شادی کے رہ سکتے تھے۔ اور اگر شادی ہوتی بھی تو غلاموں میں ہو سکتی تھی۔ کسی آزاد کے گھر لینے میں خواہ وہ کیسا ہی غریب ہو غلام کی شادی نہ ہوتی تھی۔

یہ فسانے جسقدر دردناک ہیں۔ ان پر کسی ہاشیہ چڑھانے کی ضرورت نہیں گر چونکہ یہ رسم ابتدا سے لا مستثنا سب کے قریب قریب سب میں پائی جاتی تھی

اور اس سے آقاؤں کا نہ صرف اقتصادی بلکہ دنیوی مفاد بھی تھا - یعنی بلا تنخواہ
یہ لوگ نوکروں سے زیادہ ان کے تمام کام کیا کرتے تھے - اسلئے اس رسم کا قطعاً
موقوف کر دینا سخت مشکل کام تھا - کیونکہ کسی شخص کو یہ کہہ دینا کہ آپ ناجائز سود نہ لیا
کریں - اسمیں یہ قباحتیں ہیں نہ زیادہ تر قبولیت پا سکتا ہے - بمقابلہ اسکے کہ اگر
کہا جائے کہ آپ نے جس شخص کو دام دے کے خرید رکھا ہے - اس کو چھوڑ
دیجیے - مگر باایں ہمہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس طریق عمل کو نہایت
ناپسند فرماتے تھے - جو عام طور پر غلاموں سے برتا جاتا تھا - چنانچہ آپکے
جسقدر بھی غلام تھے سب کو آپ نے آزاد کر دیا تھا - اور جہاں تک بن پڑتا
تھا - آپ دوسروں کو بھی غلاموں کی آزادی کی ترغیبیں دلاتے تھے - بلکہ
آپ نے غلام آزاد کرنے کو ایک بہت بڑا عالیشان کام قرار دیدیا - اور حق
تعالے کی طرف سے ایسے آقاؤں پر بڑی رحمت بخشش کا وعدہ دلا دیا جسکا
یہ اثر ہوا کہ اکثر صحابہؓ نے بھی آپکی تقلید کی اور غلام آزاد ہوتے رہے - لیکن
چونکہ سب لوگ اس خیال کے نہ تھے کہ غلاموں کو آزاد کر دیا کریں - اسلئے آپ نے غلاموں
کے رکھنے کی شرائط بھی بہت ہی کڑی لگا دیں - یعنی یہ قرار دیدیا کہ ہر ایک آقا پر
ضروری ہے کہ وہ جو کھانا خود کھاتا ہے - وہی غلام کو بھی کھلائے - جو کپڑے
خود پہنے وہی غلام کو بھی پہنائے - سفر میں اپنی سواری کا اہتمام ہو - تو غلام کے
لئے بھی ہونا ضروری ہے - غلاموں کو اسے پیٹنا کرنا روا اور انہیں
سمجھنا نہایت نا سزا سمجھا جائے - ان کے شادی بیاہ اور انکی
ہاتھ کے نان نفقہ کے آقا ذمہ دار ہوں - چونکہ یہ شرائط ایسی سخت تھیں
اگر تعصب کی عینک اتار دی جائے تو یقیناً اس تہذیب کی جھلک جسکے بعد
زمانہ میں بھی کوئی آقا اپنے نوکروں کے ساتھ بھی نہیں برت سکتے
چہ جائیکہ غلاموں کے ساتھ اسلئے اس کا اثر اکثر اس صورت میں ظاہر ہوتا
تھا کہ لوگ غلاموں کو آزاد کر دیتے تھے - لیکن جو لوگ اپنی ضروریات سے

غلاموں کے ساتھ ایک عرصہ دراز سے تعلق محبت ہونے کے باعث ان کو
چھوڑنا گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ ایسی ہی مہربانی سے ان کے ساتھ پیش
آتے تھے۔ جیسے کوئی اپنی اولاد کے ساتھ پیش آتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر
یہ بات مشہور ہے کہ حضرت عمر جب کبھی سفر جاتے۔ اور ایک ہی اونٹ سواری
میں ہوتا تو دو کوس اسپر خود چڑھتے اور دو کوس غلام کو چڑھاتے۔ اور خود مہار تھامے
ساتھ ساتھ پیدل چلتے تھے اور ایسی ہی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ کیونکہ یہ تو تعلیم
نبوی کا نتیجہ تھا اور اسپر سب مسلمانوں کو کاربند ہونا ضروری تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا
کہ آگے چلکر غلاموں کی عزت و توقیر اسقدر بڑھ گئی اور ان لوگوں کو اپنے آقاؤں
پر اسقدر قابو ہوگیا۔ کہ رشتہ دار بھی جنکی برابری نہیں کرسکتے۔ خلیفہ
ہارون رشید کا بیٹا امین جب مامون کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ تو اس کا یہ حال
تھا کہ ایک غلام جو اس کا بہت بڑا معتمد علیہ تھا۔ جنگ میں بھی ساتھ تھا۔ اور
وہ اسکے سر کو اپنے زانو پر رکھے بیٹھا تھا۔ ناگاہ ایک تیر غلام کو بھی لگا جس سے
اس کا پیمانہ عمر لبریز ہوگیا۔ تو امین سخت رویا۔ اور اس نے فی البدیہہ چند اشعار
میں اس کا مرثیہ بھی موزوں کیا۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ ایک دفعہ عرصہ دراز
تک غلاموں کی بادشاہت بھی ہوگئی۔ اور وہ سب آزاد ہی تھے۔ جو ان کے
ماتحت تھے۔

اسکے علاوہ ان سے شادی بیاہوں کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے یہ
قید اٹھا دی کہ صرف غلاموں میں ہی ہوا کریں۔ بلکہ عام آزادی دیدی۔ چنانچہ
نظیری مثال قائم کرنے کے لئے اپنے آزاد کردہ غلام کی شادی اپنے
...ان اور کفو میں کر دی۔ اور جب زینب سے موافقت نہ ہوئی تو ام ایمن سے
...سے نکاح پڑھوا دیا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کھلائی ہونے کے
...ت مسلمانوں میں خاص طور پر ممتاز تھیں۔ اس کے سوا زید کو اور ان کے
...ن کے بیٹے اسامہ کو لشکر اسلام کا سردار بھی مقرر کر دیا اور تمام جلیل القدر

صحابیؓ کو ان کے ماتحت قرار دیدیا۔

ان سب پر مستزاد یہ کہ غلامی کی نوعیت کو بھی آپ نے بالکل تبدیل فرما دیا۔ یعنے بازار میں حسب ضرورت ہر کس و ناکس کا اپنی اولاد کا بیچ دینا بند فرما کر بیع و شرا صرف انہیں لوگوں میں روا رکھدیا۔ جو یا تو مدت ہائے دراز سے غلام بن کے اباً عن جدٍ اسی فرقہ میں داخل ہوں۔ اور یا وہ لوگ جو اسیران جنگ میں ہوں۔ اور اسلام قبول نہ کریں۔ اور ظاہر ہے کہ غلامی کو صرف انہیں دو سلسلوں میں محدود کر دینا قریباً اسکے بند کر دینے کے برابر ہے۔

ان سب واقعات کے دیکھنے کے بعد شاید یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غلامی کو ایسا ہی معیوب سمجھتے تھے تو پھر اسکو بند ہی کیوں نہ فرما دیا۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ان لوگوں کو جو پشت ہا پشت سے غلامی کے خوگر ہو گئے تھے۔ اور ان کو اپنا بار پرورش خود اٹھانے کی امنگ بھی نہ رہگئی تھی ان کے لئے سخت مشکل ہوتی اور اسکے علاوہ غلام و آقا میں جو ایک قسم کا خاص تعلق ہو جاتا ہے۔ اُس کے رو سے بھی ایک دوسرے کو ایسی جدائی سخت گراں گذرتی جس کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے گو اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ مگر باایں ہمہ وہ حاضر حضور رہنا ہی اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور بھی کسی صاحبوں نے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا وہ بھی اکثر وہیں رہ گئے۔ پس ایسے حالات میں یہی مناسب تھا کہ غلاموں کے حقوق آزادوں کے قریب قریب ادا کر دیئے جائیں۔ اور غلاموں کی آزادی کو باعث ثواب قرار دیدیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ پس جو لوگ اسلام پر بیجا اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس نے بردہ فروشی کو جائز رکھا ہے۔ وہ یا تو ناواقف ہیں یا بدنیت۔ کیونکہ اسلام نے بردہ فروشی کو جہاں تک ہو سکتا تھا نہایت محدود اور مقید کر دیا ہے نہ کہ بیج اور بے ہر طرح جائز۔ چنانچہ ہم اپنے بیان کی تائید میں کتنی عرصے چند شہادتیں خود انگریزوں کی

بسر ہوتی ہے ۔

میں اس قسم کی بہت سی رایوں کو نقل کر سکتا ہوں۔ اور ذیل میں چند ایسے اشخاص کے خیال درج کیے جاتے ہیں۔ جنہوں نے حال میں مصر کی غلامی کو دیکھا ہے ۔

موسیو شارم کہتے ہیں۔ مصر میں غلامی اسقدر پسندیدہ اور ایسی طبعی اور مفید نتائج ہے کہ اس کا بالکل موقوف ہو جانا نہایت افسوسناک ہوگا۔ جس روز وسط افریقہ کی وحشی اقوام اپنی لڑائی کے قیدیوں کو فروخت نہ کر سکیں گی اسی دن وہ بعوض انہیں مشقت کھلانے کے خود انہیں کھا جائینگے۔ پس اگر غلامی ایک بری چیز اور حمیتِ انسان کے لیے ایک عار ہے تو اسکے مقابل میں مردم خواری اس سے بھی بدتر ہے علی الخصوص ان کے لحاظ سے جو اسکا لقمہ بن جائیں۔ پس گویا خیر خواہانِ نوع انسانی کے نزدیک ان حبشیوں کا لقمہ ہو جانا بمقابلہ شخص غیر کے مطیع بننے کے زیادہ ترحمیت انسان کے مطابق ہے ۔

موسیو دی ووڈرانی قاہرہ کے مدرسۃ الالسنہ کے مدیر کہتے ہیں۔ اسوقت غلاموں کو اسقدر آزادی حاصل ہے۔ کہ بلا مزاحمت کے وہ جس طرح چاہیں بسر کریں۔ لیکن اس قانون سے وہ ہرگز فائدہ نہیں اٹھاتے۔ وہ اپنی اطاعت کی حالت کو جہاں کچھ ظلم نہیں ہے اس آزادی پر ترجیح دیتے ہیں جہاں انہیں انواع تکالیف کا سامنا ہے ۔

مصر کے غلاموں کی حالت بعض تہذیب [illegible] کے اتنی اچھی ہے کہ جس درجہ سے وہ آتے ہیں اُس سے انہیں بہت زیادہ بڑھا دیتی ہے بہت سے ان میں سے اور علی الخصوص وہ جو سفید ہیں۔ اعلیٰ اعلیٰ مراتب پر پہنچے ہیں۔ لونڈی کا بیٹا بالکل بی بی کے بیٹے کے برابر ہے۔ اور اگر وہ خاندان میں اولاد اکبر ہو تو اُسے کل اعزاز خاندانی ملتا ہے۔ وہ مشہور مملوکوں کا رسالہ جس نے اتنے دنوں مصر پر حکومت کی ہمیشہ غلاموں کو بھرتی کرتا تھا۔ علی بے ابراہیم بیگ اور وہ جوان مرد مراد بیگ جس نے اہرام کی لڑائی میں شکست

پالی یہ سب بازاروں میں خریدے جاتے تھے۔ آج بھی بہت سے اعلیٰ درجہ کے افسر اور حکام ایسے موجود ہیں جو اپنے بچپن میں غلام تھے۔ ایسے غلام بھی موجود ہیں جو متبنّیٰ کر لیے گئے ہیں۔ اور تعلیم و تربیت پانے کے بعد انہوں نے اپنے مالک کی بیٹی سے شادی کی ہے۔

غلاموں سے مصر ہی میں ایسی شفقت کا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ کل ممالک اسلام میں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ لیڈی بلنٹ ایک انگریزی بی بی اپنے سفر نجد میں ایک عرب کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کر کے لکھتی ہیں "ایک چیز جو بالکل اسکی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ دولت انگریزیہ کو غلاموں کی تجارت بند کر دینے سے کیا فائدہ ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ محض محبت انسانی کا مقتضا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ سچ ہے۔ لیکن غلاموں کی تجارت میں کسی قسم کی بے رحمی نہیں ہے۔ وہ باصرار کہتا تھا کس نے یہاں غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرتے دیکھا ہے فی الواقع ہم اسے اپنے تجربہ سے کوئی مثال عربستان میں غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کی نہ بتا سکے اور سچ یہ ہے کہ عربوں میں غلام نوکر نہیں ہے۔ بلکہ ایک لاڈلا بچہ ہے"

ان واقعات کے دیکھنے کے بعد بھی اگر اسلام پر غلاموں کے متعلق الزام لگایا جاسکے۔ تو سوا اسکے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ع

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

فصل ششم

آنحضرت صلعم کی چند حدیثیں

آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال میں سے انتخاب کا کام اوّل تو عام طور پر بھی سخت مشکل ہے اور بالخصوص مسلمان کے لئے تو قریباً ناممکن سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے کوئی بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو لغو تو کجا فضول بھی ہو۔ غرضکہ ایسا سرتاپا صحیح کلام واقعی کسی انسانی زبان و خیالات کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ کتابیں اسقدر ضخیم ہیں کہ اختصار ممکن بھی ہو۔ تو ایک ہزار صفحہ سے کم میں کیا ہوگا۔ حقوق العباد و حقوق اللہ۔ بزرگوں۔ کنبہ والوں عزیزوں دوستوں دشمنوں۔ مومنوں۔ کافروں سے ہر قسم کا برتاؤ۔ دنیا میں ہر ایک پیش آنے والے مرحلہ شادی غمی میل ملاقات۔ تعظیم شفقت وغیرہ وغیرہ کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں جو چھوٹ گیا ہو۔ کھاتے۔ پیتے۔ سوار ہوتے۔ بازار جاتے۔ بیمار پڑتے۔ جیتے۔ مرتے۔ روتے ہنستے۔ بیٹھتے اٹھتے چلتے۔ پھرتے سوتے۔ جاگتے۔ نہاتے۔ دھوتے حتے کہ پاخانے تک جانے کے قواعد عدالت و انصاف۔ رحم بخشش عبادت و ریاضت کے ضوابط۔ غرضکہ کوئی بات ایسی نہیں جسکی نسبت قول نبیؐ موجود نہ ہو اور ان میں سے کسی کا بھی چھوڑ دینا گویا ضروریات زندگی کا چھوڑ دینا ہے۔ لیکن چونکہ موجودہ تالیف کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ صاحب حالات کے چند اقوال بھی اس میں درج ہو جائیں اسلئے ہم اُن حدیثوں میں سے جن سے دیکھنے والے کو یہ پتہ چل سکے کہ آپ نے اپنے پیروؤں کو اعمال نیک کی کسطرح تاکید فرمائی ہے۔ اور بطور ایک لازمہ انسانیت کے فرائض میں کیا کیا داخل کیا ہے۔ بلا کسی انتخاب خاص کے

سرسری طور پر چند کی نقل مع ترجمہ کے شاملِ کتاب کر دیتے ہیں۔ ناظرین ایکو
مشتے از خروارے و دانہ از انبارے سمجھکر دادِ انصاف دیں کہ کیا کوئی
ان پڑھ اونٹ چرانے والوں کی صحبت کا تربیت یافتہ باعتبار مضامین
حکمت کے ایسا ایک جملہ بھی کہہ سکتا ہے۔ غالباً اگر تمام جہان کے مستند
حکما و مشاہیر کے اقوال کا ایک خلاصہ طیار کیا جائے تو ابھی اس میں تو
کئی ایک کمیاں نظر بھی آجائیں گی۔ لیکن آنحضرت صلعم کے ارشادات میں کچھ
بھی چھوٹ نہ گیا ہوگا۔ بہرحال اُمید ہے کہ ناظرین ان مختصر حدیثوں سے
بھی بہت سے اعلےٰ فوائد حاصل کرینگے۔ فہو ہذا:-

(۱) انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی (۲) الحیاء شعبة
من الایمان (۳) المسلم من سلم المسلمون من لسانه
ویده والمومن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم (۴)
من احب لله وابغض لله واعطی لله فقد استکمل الایمان
(۵) لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له۔ (۶)
اذا سرتك حسنتك وساءتك سیئاتك فانت مومن۔

(۱) اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر ایک کو اسکی نیت کے موافق پھل ملیگا (۲)
جسمیں ایمان ہے اُس میں شرم ہے (۳) مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے
دوسروں کو رنج نہ پہنچے اور مومن وہ ہے جس سے سب لوگوں کی جان اور مال محفوظ ہوں
(۴) کامل ایمان والا وہی ہے جو خدا واسطے دوستی اور خدا واسطے دشمنی رکھے اور جو کچھ
دے خدا واسطے دے اور جہاں نہ دے وہ نہ دینا بھی خدا واسطے ہو جیسے نیک کام
والوں سے ملے اور بدکار سے الگ ہوجائے اور اچھے کام پر مال دے اور برے کام میں نہ
دے (۵) جو امانتدار نہیں وہ ایماندار نہیں اور جو اپنی بات کا پکا نہیں وہ
دیندار نہیں۔ (۶) جو نیک کام کرکے خوش ہو اور برے کام سے غمگین ہو تو
جان لینا چاہیے کہ وہ ایمان والا ہے۔

(۱۰) اربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اذا اؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر (۱۱) لا تشرك بالله وان قتلت وحرقت ولا تعقن والديك وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك ولا تتركن صلاة مكتوبة متعمداً فان من ترك صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله ولا تشربن خمراً فانه راس كل فاحشة واياك والمعصية فان بالمعصية حل سخط الله واياك والفرار من الزحف وان هلك الناس واذا اصاب الناس موت وانت فيهم فاثبت وانفق على عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك ادباً واخفهم في الله - (۱۲) العينان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطى والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذالك الفرج ويكذبه -

---

(۱۰) وہ شخص پورا منافق ہے جو امانت میں خیانت کرے اور جھوٹ بولے اور کہکر پھر جاوے اور تکرار میں گالی دے اور جو ان چاروں میں سے ایک خصلت رکھے جب بھی ایسا منافق ہے کہ نشانی نفاق کی ہے جبتک اسکو نہ چھوڑے (۱۱) خالق عالم کیساتھ شرک نہ کرے خواہ کوئی مار ڈالے یا جلا دے اور ماں باپ کی نافرمانی کبھی نہ کرے خواہ وہ گھر بار اور مال ہی سے خارج کردیں اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقبول عاجزی اور لاچاری کی (نماز) یعنی عبادت کو ارادہ سے نہ چھوڑے ورنہ اسکی رحمت سے محروم ہے اور نشہ نہ پیئے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور برائیوں سے بچے ورنہ غضب الٰہی پہنچیگا اور حق گروہ کیطرف سے جنگ لڑائی میں جہاں جھٹ پٹ آدمی مرتے ہوں مردوں کی طرح نہ بھاگے اور جب آدمی وبا سے مرتے ہوں [illegible] ثابت قدم رہو اور گھر کا خرچ اٹھاؤ اور [illegible] گھر والوں کو ادب کے قاعدہ کا پابند کرو اور انکو خدا کا ڈر [illegible] (۱۲) بد نظری آنکھوں کا زنا ہے اور حرام باتوں کا سننا کانوں کا زنا ہے اور حرام کلامی کی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے اور [illegible] ہاتھ کا زنا اور بدکاری کو چلنا پاؤں کا زنا اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اسکی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے

(۱۳) ما من مولود الا یولد علے الفطرة الاسلام فابواہ یهودانه او ینصرانه او یمجسانه۔ (۱۴) کفے بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (۱۵) یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یومرون فمن جاهدهم بیده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن ولیس وراء ذالك من الایمان حبة خردل۔ (۱۶) اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له (۱۷) لا حسد الا فی اثنین رجل آتاه الله مالا فسلطه علے هلکته فی الحق ورجل آتاه الله الحکمة فهو یقضی بها ویعلمها۔

(۱۳) تمام بچے قدرتی طریقہ پہ اسلام کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان کے ماں باپ ان کو یہودی بنا دیں یا نصرانی یا مجوسی۔ (۱۴) وہ آدمی جھوٹا ہے جو سنی ہوئی باتیں (جن کا سچ جھوٹ نہ معلوم ہو) کہتا پھرے۔ (۱۵) جو لوگ کہتے پھریں کہ ہم ایسا اچھا کرینگے پھر ویسا نہ کرینگے جو کریں تو برعکس اس کے ایسے خراب کام کریں جن کا حکم نہ ہو ایسے لوگوں کو ہاتھ سے سزا دیکر سمجھانا یا سمجھانے (یہ کام حاکم کا ہے) یا زبانی ہدایت کرنا چاہئے (یہ کام مذہبی پیشواؤں کا ہے) یا دل سے نفرت کرنا چاہئے (یہ کام تمام لوگوں کا ہے) اور یہ بھی نہ ہو سکے تو اس میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان نہیں (۱۶) موت بجز تین چیزوں کے تمام کاموں سے تعلق توڑ دیتی ہے۔ ایک وہ خیرات جس کا اثر ہمیشہ جاری رہے۔ دوسرا علم جس سے مرنے کے بعد فائدہ پہونچے۔ تیسرا اولاد نیک جو مغفرت چاہے (۱۷) حسد نہیں کرنا چاہئے اگر وہ جائز ہوتا تو سخی کو دیکھکر اس کی سخاوت اختیار کرنے میں اور عالم کو دیکھکر اس کے علم سے ادب حاصل کرنے میں ہوتا۔

(۱۸) من دل علیٰ خیراً فله مثل اجر فاعله (۱۹) طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلمٍ (۲۰) من طلب العلم لیجاری به العلماء او لیماری به السفهاء او لیصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار۔ (۲۱) من اشار علیٰ اخیه بامرٍ یعلم ان الرشد فی غیره فقد خانه (۲۲) نهیٰ عن الاغلوطات۔ (۲۳) منهومان لا یشبعان منهوم فی العلم لا یشبع منه ومنهوم فی الدنیا لا یشبع منها (۲۴) ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء۔ (۲۵) اِنَّ اشر الناس عند الله منزلة یوم القیامة عالم لا ینتفع بعلمه (۲۶) لا تقبل صلوٰة بغیر طهورٍ ولا صدقة من غلولٍ (۲۷) مروا صبیانکم بالصلوٰة وهم ابناء سبع سنین واضربوهم وهم ابناء عشر سنین وفرقوا بینهم فی المضاجع

---

(۱۸) جو نیک راہ کسی کو بتاوے اور اس پر چلنے والے کے برابر اجر پاتا ہے (۱۹) علم کا ڈھونڈنا ہر ایک اہل اسلام پر نہایت ضروری ہے (۲۰) جو کوئی اس خیال سے علم پڑھے کہ عالموں کی برابر ہو جاؤں گا یا جاہلوں میں فساد ڈالوں گا یا لوگوں کو اپنی طرف پھیر دوں گا اسکو خدا جہنم میں داخل کرے گا (۲۱) جو دہوکہ سے مصلحت کے خلاف کسی کا رستہ بتاوے وہ چور ہے۔ (۲۲) ایسے پیچیدہ مسائل اور چیستان اور پہیلیاں اپنی فوقیت دکھانے کے لئے بیان کرنا جن سے سننے والے مغالطہ میں پڑیں نہ چاہیئے۔ (۲۳) دو آدمیوں کا پیٹ نہیں بھرتا ایک تو علم کے حرص کا تحصیل علم سے دوسرا دنیا کے حرص کا دنیا کمانے اور جمع کرنے سے۔ (۲۴) انتہا درجہ کی برائیاں اور نہایت مرتبہ کی خوبیاں دونوں عالموں سے پھیلتی ہیں۔ (۲۵) خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت برا آدمی آخرت میں وہ ہوگا جسکے علم سے اسکو یا کسی کو کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ (۲۶) ناپاک حالت میں عبادت (نماز) قبول نہیں ہوتی اور حرام کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا (۲۷) اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں عبادت (نماز) کے لئے کہو اور دس برس کی عمر میں اسپر عمل نہ کرنے سے سزا دو اور خوابگاہوں میں علیحدہ سونے دو الگ الگ الصلوٰة

(۲۸) لا تسبّوا الدهر فانّ الدهر هو الله۔ (۲۹) سبعة يظلّهم الله في ظلّه لا ظلّ الّا ظلّه امام عادل وشابّ نشأ في طاعة الله ورجل قلبه معلّق بالمسجد اذا خرج منه حتّى يعود اليه ورجلان تحابّا في الله اجتمعا عليه وتفرّقا عليه ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه ورجل دعته امرأة ذات حسب وجمال فقال انّي اخاف الله ورجل تصدّق بصدقة فاخفاها حتّى لا يعلم شماله ما تنفق يمينه۔ (۳۰) اقتلوا الاسودين في الصلوٰة الحيّة والعقرب۔ (۳۱) كلّ عين زانية وانّ المرأة اذا استعطرت فمرّت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية

(۲۸) زمانہ کو برا نہ کہو اسلئے کہ زمانہ خدا کی شان میں سے ایک شان ہے اگرچہ اسکے واقعات جو خدا کے کام ہیں تم کو ناگوار لگتے ہیں۔ (۲۹) سات آدمیوں کو کسی سایہ نہ ملنے سے سختی کے دن جبکہ اس دن خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا خدا اپنی رحمت کے سایہ میں آرام سے رکھے گا۔ حاکم انصاف پسند اور جوانی میں خدا کی عبادت کرنیوالا اور جس کا دل عبادت سے ایسا لگا ہو کہ مسجد سے نکلنے کے بعد اسی میں جانا چاہے۔ اور جو دو آدمی خدا کے واسطے ملیں اور جدا ہوں اور وہ شخص جو یادِ خدا سے چشم گریاں رہے اور جو خوبصورت مالدار رئیسہ والی عورت سے زنا کی خواہش پر خدا کے خوف سے باز رہے اور جو اس طرح چھپا کر خیرات دے کہ داہنے ہاتھ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہ ہو۔ (۳۰) عبادت و نماز میں بھی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔ (۳۱) بدنظری بدکاری ہے جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں میں پھرے۔ وہ بدکار ہے۔

(۳۲) احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل۔ (۳۳) خذوا من الاعمال ما تطیقون۔ (۳۴) اذا حزنہ امر صلی (۳۵) اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی۔ (۳۶) امرنا بعیادۃ المریض واتباع الجنائز وتشمیت العاطس ورد السلام واجابۃ الداعی وابرار المقسم ونصر المظلوم (۳۷) لا یتمنی احدکم الموت اما محسنا فلعلہ ان یزداد واما مسیئا فلعلہ ان یستعتب۔ (۳۸) کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔ (۳۹) اذا امسیت فلا تنتظر الصباح واذا اصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتک لمرضک ومن حیاتک لموتک۔ (۴۰) اکثروا ذکر ھادم اللذات الموت

(۳۲) خدا تعالےٰ کو وہ نیک کام بہت پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ تھوڑے ہی ہوں۔ (۳۳) اتنے ہی نیک کام کرو جتنے ہو سکیں (۳۴) جب کوئی مصیبت یا رنج پیش آوے۔ خدا کی عبادت کرے

(۳۵) بھوکے کو کھلاؤ اور بیمار کی غمخواری اور خدمت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ جو بے قصور پھنس گیا ہو۔ (۳۶) بیمار کی غمخواری اور جنازہ کی ہمراہی اور چھینکنے کا جواب اور سلام کا بدلہ اور منظور کرنا دعوت کا اور سوگند کھانے والے کی سوگند کو سچا کرنا۔ اور مصیبت والے کی مدد کرنا چاہیے۔ (۳۷) کوئی مرنے کی آرزو نہ کرے اس نے اگر نیکی کی اور جو بدی ہو شاید توبہ کر کے خدا کی رضامندی حاصل کرنے کی سبب بن جائے (۳۸) دنیا میں مسافر اور چلنے والے کی طرح رہو۔ (۳۹) زندگی ایسی ہے جیسا شام کو صبح تک اور صبح کو شام تک کی امید نہیں اور نیک کام تندرستی میں بیماری کے واسطے ضرور چاہیے۔ (۴۰) موت جو لذتوں کی مٹانے والی ہے اسے بہت یاد کرتے رہو۔

(۴۱) من استحیی من اللہ حق الحیاء فلیحفظ الراس وما وعی ولیحفظ البطن وما حوی ولیذکر الموت والبلی ومن اراد الاخرۃ ترک زینۃ الدنیا ومن فعل ذالک فقد استحیی من اللہ حق الحیاء۔ (۴۲) البسوا من ثیابکم البیاض فانہ من خیر ثیابکم (۴۳) اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم (۴۴) لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ (۴۵) انا بری ممن حلق وصلق وخرق۔ (۴۶) من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ۔ (۴۷) الید العلیا خیر من الید السفلی والید العلیا ھی المنفقۃ والسفلی ھی السائلۃ۔ (۴۸) ان الطمع فقر وان الایاس غنی وان المرء اذا یئس عن شیء استغنی عنہ

---

(۴۱) کامل شرم اور حیا اس حالت میں ہے جو بُرے خیالات سے اپنے دماغ کو خالی کرے اور اپنے پیٹ میں حرام کے لقمے نہ بھرے اور موت اور جسم کی خاک ہو جانے کو نہ بھولے اور جب مرکے دوسرے عالم آخرت میں جانا چاہے تو دنیا کو سنگار کو چھوڑ دے انہیں باتوں سے آدمی خدا تعالےٰ کے نزدیک شرم والا ہے۔ (۴۲) سفید کپڑا تمام کپڑوں میں اچھا ہے لئے یہی پہننا چاہئے جس میں سادگی ہو۔ (۴۳) مرے ہوؤں کی نیکیوں کو بیان کرو اور انکی برائیوں سے رُکو۔ (۴۴) جو کسی کے مرنے پر رنج سے اپنا منہ نوچے اور گریبان چاک کرے اور کہنا سنے وہ نیک آدمیوں سے نہیں۔ (۴۵) جو میت کے غم میں سر کے بال نوچے اور چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑے وہ اسلام سے بری ہے۔ (۴۶) مصیبت زدہ کو تسلی دینے والا صبر کرنے والے کی مانند اجر پاتا ہے۔ (۴۷) بخشش کرنے والا اونچا ہاتھ مانگنے والے نیچے سے کہیں اچھا ہے۔ (۴۸) لالچ مفلسی ہے۔ اور ناامیدی تونگری ہے اسلئے کہ جب کوئی کسی سے ناامید ہو جاتا ہے تو وہ اس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور بے پروائی تونگری ہے۔

(۴۹) ما من یوم یصبح العباد فیہ الا ملکان ینزلان فیقول احدھما اللھم اعط منفقا خلفا ویقول الاٰخر اللھم اعط ممسکا تلفا۔ (۵۰) اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ واتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم۔ (۵۱) ای الصدقۃ اعظم اجرا قال ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمھل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان۔ (۵۲) لان یتصدق المرء فی حیوتہ بدرھم خیر لہ ان یتصدق بمائۃ عند موتہ۔ (۵۳) خصلتان لا یجتمعان فی مومن البخل وسوء الخلق۔ (۵۴) لا یدخل الجنۃ خب ولا بخیل ولا منان۔

(۴۹) دو فرشتے ہر روز خدا سے دعا کرتے ہیں ایک کہتا ہے کہ یا اللہ بخشش کرنیوالے کو بخشش کے بدلے اچھا بدلہ دے۔ دوسرا کہتا ہے کنجوس کو بخل کے عوض بربادی اور تباہی پہنچا۔ (۵۰) ظلم سے بچو کہ وہ آخرت کی ڈراؤنی اندھیری ہے اور بخل اور لالچ سے بچو جسکے سبب اگلے لوگ برباد ہوئے ہیں۔ (۵۱) عمدہ خیرات اس حالت کی ہے جب آدمی تندرست ہو بیمار نہ ہو اور مال کو اتنا چاہ سے جمع کیا ہو۔ مفلسی کا ڈر ہو اور مالدار ہونے کی آرزو ہو۔ اور ایسے وقت کی خیرات بہتر نہیں ہے جب موت نزدیک ہونے لگے کہتا ہو کہ اسقدر مال فلانے کا ہے اور اتنا مال فلاں کا حالانکہ اسکے ارادے کے برعکس وہ مال کسی اور کا ہو۔ (۵۲) اپنی تندرستی میں خیرات دینا ایک حصہ بہتر ہے۔ بنسبت اس کے جو بیماری میں موت کے نزدیک سو حصہ دے۔ (۵۳) ایمان والے میں دو باتیں اکٹھی نہ ہوں گی کنجوسی اور بدخوئی (۵۴) آخرت کی جاودانی خوشی مکار اور کنجوس اور احسان جتانے والے کو نہیں ملے گی۔

(۵۵) المسائل كدوح يكدح بها الرجل وجهه۔ (۵۶) ما نقصت صدقة من مال وما زاد عبد بعفو الا عزا وما تواضع احد لله الا رفعه الله (۵۷) لا تحقرن من المعروف شيئا وان تلقى اخاك بوجه طليق (۵۸) على كل مسلم صدقة قالوا فان لم يجد قال فليعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق قالوا فان لم يستطع او لم يفعل قال فيعين ذا الحاجة الملهوف قالوا فان لم يفعله قال فيامر بالخير قالوا فان لم يفعل قال فيمسك عن الشر فانه صدقة۔ (۵۹) افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا بالليل والناس نيام (۶۰) ارشادك الرجل في ارض الضلال لك صدقة ونصرك الرجل الردي البصر لك صدقة واماطتك الحجر والشوك والعظم عن الطريق لك صدقة

---

(۵۵) بھیک مانگنا گھاؤ اور زخم ہے جس سے مانگنے والے کا منہ زخمی ہوتا ہے یعنی بے آبروئی ہوتی ہے۔ (۵۶) خیرات دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور قصور معاف کرنے میں عزت زیادہ ہوتی ہے اور عاجزی کرنے میں بڑائی ملتی ہے۔ (۵۷) تھوڑی سی نیکی کو کم نہ جان یہاں تک کہ خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے (۵۸) ہر مسلمان پر صدقہ ضروری ہے اگر کچھ نہ ہو تو محنت مزدوری سے اپنی گذر کرے اور جو بچے اس سے خیرات کرے اور جو محنت مزدوری نہ کر سکے تو دردمند محتاج کی مدد کرے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو نیک کام کی ہدایت کرے جو یہ بھی نہ ہو تو برائی سے بچے یہی اس کے واسطے صدقہ ہے (۵۹) لوگوں کو سلام کرو اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں سے سلوک کرو اور آدھی رات کو عبادت کرو جب لوگ سوتے ہوں۔ (۶۰) راہ بھولے کو راستہ بتانا اور جس کی بینائی میں خلل ہو اسکو سہارا دینا اور راستہ سے رفع تکلیف کے لئے پتھر اور کانٹے اور ہڈی ہٹا دینا صدقہ کا کام ہے۔

(۶۱) من منح منحة لبن او ورق او هدى زقاقا كان له مثل عتق رقبة - (۶۲) ان امرا شتمك وعيرك مما يعلم فيك فلا تعيره بما تعلم فيه - (۶۳) ثلاثة الذين يبغضهم الله الشيخ الزانى والفقير المختال والغنى الظلوم - (۶۴) من استعاذ منكم بالله فاعيذوه - (۶۵) لا يرد القضا الا الدعا ولا يزيد فى العمر الا البر - (۶۶) مثل الذى يذكر ربه والذى لا يذكر مثل الحى والميت - (۶۷) اللهم انى اعوذ بك من الاربع من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا يسمع - (۶۸) ونعوذ من خمس من الجبن والبخل وسوء العمر وفتنة الصدر وعذاب القبر

---

(۶۱) جو کوئی دودھ والا جانور عاریتاً دے یا روپیہ پیسہ قرض حسنہ دے یا اندھے اور کھوئے کی رہنمائی کرے تو اسکو بردہ آزاد کرنیوالے کی مانند ثواب ملتا ہے (۶۲) اگر کوئی تجھے گالی دے یا تیرا عیب جانتا ہو ظاہر کرے تو اگرچہ تو اُس کا عیب جانتا بھی ہوتا ہم عیب اور سرزنش نہ کر۔ (۶۳) تین شخصوں پر غضب الٰہی ہے ایک بڈھا زناکار دوسرا فقیر مغرور تیسرا مالدار ظالم اپنے سے لئے اور دوسروں کے لئے۔ (۶۴) جو تم سے رفع شر میں پناہ چاہے اُسے پناہ دو۔ (۶۵) اگر یہ ہو سکے تو قضا الٰہی دعا سے ٹلتی ہے اور عمر نیکی سے بڑھتی ہے۔ (۶۶) جو خدا کو یاد کرتا ہے۔ وُہ مانند جیتے جاگتے کے ہے اور جو یاد نہیں کرتا مثل مردہ کے ہے۔ (۶۷) اے اللہ چار باتوں سے بچا اُس علم سے جس میں فائدہ نہ ہو اور اُس دل سے جس میں ڈر نہ ہو اور دل کی خواہش سے جس میں سیری نہ ہو اور اُس فریاد سے جو سُنی نہ جائے۔ (۶۸) پانچ باتوں کا بچاؤ خدا سے چاہیے اول بزدلی دوسری بخیلی تیسری زندگی کی بربادی - چوتھے عقیدہ کی تباہی - پانچویں مرنے کے بعد قبر کی خرابی -

(۶۹) اد الامانة الی من ائتمنك ولا تخن من خانك - (۷۰) اذا بايعت فقل لا خلابة - (۷۱) ان البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة - (۷۲) من اشترى ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالى له صلوة ما دام عليه - (۷۳) ان الله لا يمحو السيئ بالسيئ ولكن يمحو السيئ بالحسن - (۷۴) ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب - (۷۵) مهر البغی خبيث - (۷۶) ان الله طيب لا يقبل الا طيبات - (۷۷) ما اكل احد طعاما قط خيرا من ان ياكل من عمل يديه

(۶۹) جس کی امانت ہو اُسکے پاس پہنچا دے اور جو تیری خیانت کرے تو اُسکی خیانت نہ کر - (۷۰) جب بیوپار کرے سچائی سے کرے - دھوکا نہ دے اور کہہ دے کہ اس بیوپار میں کچھ دھوکا نہیں ہے - (۷۱) بیوپار میں بیفائدہ باتیں اور قسمیں واقع ہوجاتی ہیں اسلئے اُسکے نفع میں سے خیرات دینا چاہیئے - (۷۲) جو کوئی کپڑا دس درم دیکر مول لے جسمیں ایک درم حرام کا ہو تو جبتک وہ کپڑا اُسکے بدن پر ہو عبادت قبول نہ ہوگی - (۷۳) بُرائی سے بُرائی نہیں مٹتی لیکن بھلائی سے بُرائی مٹ جاتی ہے - (۷۴) جسم میں ایک لوتھڑا ہے - جب وہ سنورتا ہے - تمام بدن پاک ہو جاتا ہے - اور جب وہ بگڑتا ہے - سب بدن بگڑ جاتا ہے وہ لوتھڑا دل ہے - (۷۵) حرام کار عورت کی کمائی حرام کی ناپاک ہے - (۷۶) اللہ پاک ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے - (۷۷) کوئی کھانا ہاتھوں کی مزدوری کے کھانے سے بہتر نہیں ہے -

(۷۸) لا صرورة في الاسلام۔ (۷۹) نهى عن النهبة والمثلة (۸۰) لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه (۸۱) اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه۔ (۸۲) من لم يشكر الناس لم يشكر الله (۸۳) اربع من اعطيهن فقد اعطي خير الدنيا والآخرة قلب شاكر ولسان ذاكر وبدن على البلاء صابر وزوجة منكرات الاخلاق والاعمال والاهوى۔ (۸۴) دع ما يريبك الى ما لا يريبك فان الصدق طمانينة وان الكذب ريبة۔ (۸۵) لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع ما لا باس به حذراً لما به باس (۸۶) رحم الله رجلا سمحاً اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى۔

---

(۷۸) مسلمانوں میں خانہ داری نہ کرنا (نکاح سے انکار کرنا) درست نہیں ہے (۷۹) کسی کو لوٹنا اور کان ناک وغیرہ کاٹنا اور چیرنا درست نہیں ہے (۸۰) کسی کی چیز لینا حلال اور درست نہیں ہے جب تک اسکی مالک کی خوشی نہ ہو (۸۱) مزدور کو مزدوری پسینہ سوکھنے کے پہلے دیدو (۸۲) جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرے گا۔ (۸۳) چار چیزیں جسے ملیں اسے دنیا اور آخرت کی خوبی مل گئی۔ دل شکرگذار زبان یاد الٰہی کرنیوالی بدن بلاؤں پر صبر کرنے والا اور عورت بُری عادتوں اور بُرے کاموں اور بُرے ارادوں سے پرہیز والی (۸۴) اس چیز کو چھوڑ جو تجھ کو شک میں ڈالے اور نیت کر اس چیز کی جو شک میں نہ ڈالے اس واسطے کہ حق دل کی تسلی کا سبب ہے اور باطل باعث شک و تردد ہے۔ (۸۵) آدمی تب متقی ہوتا ہے جب ان چیزوں کو بھی چھوڑ دے جن میں گو ظاہراً کچھ قباحت نہ معلوم ہوتی ہو مگر باطناً ان میں قباحت کا خیال ہو۔ (۸۶) رحم کرتا ہے خدا تعالیٰ اسپر جو بیچے اور خریدے اور تقاضا کرے بہ نرمی کرتا ہے۔

(٨٧) لعن رسول الله في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها و
شاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها و
المشتري لها والمشترى له - (٨٨) اياكم وكثرة الحلف
في البيع فانه ينفق ثم يمحق - (٨٩) مطل الغني
ظلم - (٩٠) ثلاث من كن فيه يسر الله
حتفه وادخله جنته رفق بالضعيف وشفقة على الوالدين و
احسان على المملوك - (٩١) اتقوا الله في هذه البهائم المعجمة
فاركبوها صالحة واتركوها صالحة (٩٢) الا انبئكم بشراركم الذي
يأكل وحده ويجلد عبده ويمنع رفده

---

(٨٧) شراب کے سلسلہ میں دس آدمیوں پر لعنت کی گئی ہے نچوڑنے والے پر نچڑوانے
والے پر اور پینے والے پر اور اٹھانے والے پر اور جس کے واسطے اٹھائی گئی اس پر
اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر اور خریدنے والے
پر اور جس کے واسطے خریدی گئی اس پر (٨٨) بیچنے میں قسم کھانے کی کثرت سے بچتے
رہو۔ رواج اور شہرت تو ہو جاتی ہے مگر برکت ختم ہو کر نقصان ہوتا ہے
(٨٩) مالدار کا مزدوری دینے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے (٩٠) جس میں
تین باتیں ہوں اس کی موت اللہ آسان کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا کمزوروں
کے ساتھ نرمی کرنا اور ماں باپ کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور
ماتحتوں کے ساتھ احسان کرنا۔ (٩١) بے زبان
چار پایوں سے کام لینے میں خدا سے ڈرتے رہو جب تک
مضبوط اور قابل سواری ہوں سوار ہوا کرو اور جب
تھک جائیں تو ان کو چھوڑ دو اور ان سے کام نہ لو (٩٢) برے لوگ
تم میں وہ ہیں جو اپنوں کو چھوڑ کر تنہا کھاتے ہیں اور نوکروں کو ستاتے
ہیں اور مارتے ہیں اور بخشش و خیرات مقدور ہونے پر نہیں کرتے ہیں۔

(۹۳) لعن من فرق بين الوالدة وولدها وبين الاخ وبين اخيه - (۹۴) كف لسانك الا من خير (۹۵) صنفان من اهل النار لم ارهما قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات - (۹۶) من قال في مومن ما ليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال (۹۷) ما اسكر كثيره فقليله حرام - (۹۸) سأل النبي عن الخمر فنهاه فقال انما اصنعها للدواء فقال انه ليس بدواء ولكنه داء - (۹۹) لا يدخل الجنة عاق ولا قمار ولا منان ولا مدمن خمر (۱۰۰) كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته - (۱۰۱) لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (۱۰۲) لعن رسول الله الراشي والمرتشي

---

(۹۳) اُس پر لعنت ہے جو جدائی ڈالے ماں اور بیٹے میں اور بھائیوں میں (۹۴) اپنی زبان کو روک سب چیزوں سے بجز بھلائی کے - (۹۵) دو گروہ دوزخی ہیں جن کو دیکھنا نہ چاہیئے ایک وہ جو کوڑوں سے ناحق آدمیوں کو مارتے ہیں دوسرے وہ عورتیں جو ظاہر میں کپڑے پہنے دکھتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں - (۹۶) جو ایمان والے کی نسبت وہ برائی لگاوے جو اُس میں نہ ہو اُسے خدا بٹھا لے دوزخ کے کیچڑ اور دوزخیوں کے پیپ میں - (۹۷) جو چیز بہت لانے سے نشہ کرے تو تھوڑی بھی حرام ہے - (۹۸) ایک نے شراب کے بارہ میں پیغمبر صاحب سے دریافت کیا آپ نے اُسکے پینے سے منع کیا تب اُس نے کہا دوا کے لئے میں اس کا استعمال کرتا ہوں تب آپ نے فرمایا کہ شراب دوا تو نہیں بلکہ بیماری ضرور ہے - (۹۹) ماں باپ کی نافرمانی کرنیوالا اور جواری اور اپنا سلوک کر کے جتانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والے لوگ بہشت میں نہ جاوینگے - (۱۰۰) تم سب نگہبان رعیت کے ہو تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کی سنبھال اور بدسنبھال کو پوچھا جاویگا - (۱۰۱) اُس حالت میں کسی مخلوق کی تابعداری درست نہیں جس میں خالق کا گنہگار بننا پڑے - (۱۰۲) رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت ہے

(١٠٣) من سكن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل ومن اتى السلطان افتتن۔ (١٠٤) قال اتدرون من السابقون الى ظل الله عز وجل يوم القيامة قالوا الله ورسوله اعلم قال الذين اذا اعطوا الحق قبلوه واذا سئلوه بذلوه وحكموا للناس كحكمهم لانفسهم۔ (١٠٥) ان السلطان ظل الله في الارض يأوي اليه كل مظلوم من عباده فاذا عدل كان له الاجر وعلى الرعية الشكر واذا جار كان عليه الاصر وعلى الرعية الصبر۔ (١٠٦) لا يقضين حكما بين اثنين وهو غضبان۔ (١٠٧) عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله (١٠٨) نهى رسول الله عن الضرب في الوجه وعن الوسم في الوجه

(١٠٣) جو جنگل میں رہتا ہے۔ جاہل ہوتا ہے جو اکثر شکار میں رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو امیر کی صحبت میں رہے تو وہ فتنہ میں پڑتا ہے۔ (١٠٤) جو لوگ حق بات کو قبول کرتے ہیں اور مانگنے والے کو مقدور موجب دیتے ہیں اور لوگوں کے لئے وہی باتیں کرتے ہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں سو ایسے لوگ اوّل درجہ کی رحمت میں ہیں اور آخرت میں آرام پانے والے ہیں۔ (١٠٥) بادشاہ بمنزلہ خدا کے سایہ کے زمین پر ہے جو خدا کے بندے مظلوم ہیں اس کی طرف پناہ لئے جاتے ہیں۔ پس جب بادشاہ انصاف کرتا ہے اس کو ثواب ملتا ہے۔ اور رعیت پر اس کا شکر واجب ہے اور جو ظلم کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اور رعیت پر صبر لازم ہے۔ (١٠٦) جب حاکم غصہ میں ہو اس وقت اس کو کچھ حکم نہ دینا چاہئے۔ (١٠٧) جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔ (١٠٨) منع فرمایا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے اور داغ

(۱۰۹) ان اصحاب رسول الله قالوا انا ناکل ولا نشبع قال فلعلکم تفترقون قالوا نعم قال فاجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم الله یبارك لکم فیه۔ (۱۱۰) قال رسول الله الا من ظلم معاهدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیمة۔ (۱۱۱) نهی رسول الله عن التحریش بین البهائم (۱۱۲) اقروا الطیر علی مکناتها (۱۱۳) سم الله وکل بیمینك وکل مما یلیك (۱۱۴) ان البذاذة من الایمان۔ (۱۱۵) من لبس ثوب شهرة فی الدنیا البسه الله ثوب مذلة یوم القیمة۔ (۱۱۶) کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم یخالط اسراف ولا مخیلة (۱۱۷) نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن لبس القسی والمعصفر

(۱۰۹) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابیوں نے کہا کہ ہم کھانا کھاتے ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے انہوں نے کہا ہاں فرمایا کہ اکٹھے ہو کر اور خدا کا نام لیکر کھاؤ اس سے برکت ہوگی۔ (۱۱۰) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جس کسی نے ظلم کیا عہد کرنے والے پر یا اسکو نقصان پہنچایا یا اسکو تکلیف دی یا اسکی مرضی کے خلاف اس سے کوئی چیز لی تو میں آخرت میں اس سے جھگڑوں گا۔ (۱۱۱) جانوروں کو آپس میں لڑانا منع ہے۔ (۱۱۲) جانوروں کو ان کے گھونسلے یا گھر کے اندر سے نہ اڑاؤ۔ (۱۱۳) کھاتے وقت اللہ کا نام لیوے اور دہنے ہاتھ سے اور قبل اپنے سامنے کی شے۔ (۱۱۴) سادہ پن ایمان والوں کی بات ہے۔ (۱۱۵) جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنیگا اسکو آخرت میں ذلت کا کپڑا دیگا (۱۱۶) کھاؤ اور پیو اور خیرات دو اور پہنو جبتک کہ فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ آوے (۱۱۷) منع فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ رنگ کے کپڑے پہننے سے۔

(۱۱۸) نهى النبى عن القزع - (۱۱۹) لعن النبى المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بيوتكم (۱۲۰) لعن الله الواشمات والمستوشمات (۱۲۱) من لعب بالنردشير فكانما صبغ يده فى لحم خنزير - (۱۲۲) راى النبى رجلا يتبع حمامة فقال شيطان يتبع شيطانة - (۱۲۳) العيافة والطرق والطيرة من الجبت (۱۲۴) من افرى الفرى ان يرى الرجل عينيه ما لم تريا - (۱۲۵) تقرئ السلام على من عرفت وعلى من لم تعرف - (۱۲۶) ينصح له اذا غاب او شهد (۱۲۷) لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا

(۱۱۸) رسول خدا صلعم نے منع فرمایا کہ سر کے کچھ بال مونڈھے جاویں اور کچھ چھوڑ دیے جاویں یعنے بیٹے اور گردے نہ رکھیں یا تو سب سر منڈاویں یا سب سر کے بال رکھے جائیں - (۱۱۹) آنحضرت صلعم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے مشابہ ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مانند مشابہ ہوتی ہیں اور فرمایا ان کو گھروں سے نکالدو (۱۲۰) خدا کی لعنت ہو گودنی والیوں اور گدوانے والیوں پر جو بدن سوئی سے گود کر نیل یا سرمہ اسمیں بھرتی ہیں - (۱۲۱) جو چوسر وغیرہ کھیلے اس کے ہاتھ ناپاک ہوتے ہیں بسبب ضایع کرنے اوقات عزیز کے لغو کھیل میں جس سے کچھ فایدہ نہیں - (۱۲۲) رسول خدا صلعم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کبوتر اوڑا رہا تھا فرمایا کہ شیطان شیطانی کام کے پیچھے پڑا ہے - (۱۲۳) جانوروں کی بولی اور ریتہ سے اور لکیروں سے فال لینا اور شگون ماننا دہوکہ دینے والوں کی بات ہے - (۱۲۴) تمام بہتانوں میں بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کرکے دیکھے اور کہے کہ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے - (۱۲۵) ہر ایک سے سلام کرو خواہ شناسا ہو یا ناشناسا - (۱۲۶) خیر نصیحت حاضر و غائب کی برابر کرنی چاہیئے - (۱۲۷) تم بہشت میں نہ جاؤ گے جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور ایمان لانا اسوقت سمجھا جائیگا جب آپس میں محبت اور دوستی رکھو گے -

(۱۲۸) ان رسول اللہ مر بمجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین عبدۃ الاوثان والیہود فسلم علیہم۔ (۱۲۹) قالوا وما حق الطریق یا رسول اللہ قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنہی عن المنکر وارشاد السبیل۔ (۱۳۰) تغیثوا الملہوف (۱۳۱) السلام قبل الکلام۔ (۱۳۲) المعدۃ حوض البدن والعروق الیہا واردۃ فاذا صلحت المعدۃ صدرت العروق بالصحۃ و اذا فسدت المعدۃ صدرت العروق بالسقم۔ (۱۳۳) البادی بالسلام بری من الکبر۔ (۱۳۴) من لا یرحم لا یرحم (۱۳۵) تصافحوا یذہب الغل وتہادوا وتحابوا یذہب الشحناء

---

(۱۲۸) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایسی محفل پر گذرے جہاں مسلمان اور مشرک بت پرست اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے آپ نے سب پر سلام کیا (۱۲۹) رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ راستہ کے حق کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ آنکھوں کا ناجائز دیکھنے سے بند کرنا اور تکلیف دینے سے باز رہنا اور سلام کا جواب دینا اور اچھی بات کے لئے کہنا اور برائی سے روکنا اور راہ کا بتانا۔ (۱۳۰) مظلوم کی فریادرسی کرو اور راستہ بھولے ہوئے کو راستہ پر لگا دو (۱۳۱) بات کرنے کے پہلے سلام کرنا چاہیئے۔ (۱۳۲) آدمی کے جسم میں پیٹ حوض ہے اور رگیں حوض پر پانی لینے والوں کی مانند ہیں۔ اگر پیٹ صاف اور تندرست ہو تو رگیں [illegible] صحت لیکر پھرتی ہیں اور جو فاسد اور خراب ہو تو رگیں بیماری کی لے کر پھرتی ہیں۔ (۱۳۳) سلام کا شروع کرنے والا غرور سے بری ہے۔ (۱۳۴) جو محبت اور مہربانی نہیں کرتا اس پر خدا تعالےٰ رحم نہیں کرتا۔ (۱۳۵) آپس میں ملنے کے وقت ہاتھ ملاؤ اس سے کینہ نہیں رہتا ہے اور آپس میں ہدیہ (تحفہ) دو اس سے محبت ہوتی ہے اور دشمنی جاتی رہتی ہے

(۱۳۶) نہیٰ رسول اللہ ان ینام الرجل علی السطح لیس بمحجوب (۱۳۷) شیٔ ما خلا اللہ باطل۔ (۱۳۸) الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق۔ (۱۳۹) قال رسول اللہ ان احبکم الی واقربکم منی یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقاً وان ابغضکم الیّ وابعدکم منی مساوئکم اخلاقاً الثرثارون المتشدقون المتفیہقون۔ (۱۴۰) ان الجواز ھو خیر۔ (۱۴۱) انّ من البیان سحراً وان من العلم جہلا وان من الشعر حکمۃ و ان من القول عیالاً۔ (۱۴۲) قال رسول اللہ من یضمن لی ما بین لحییہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۔

(۱۳۶) کھلی چھت جس پر پردہ نہ ہو اس پر سونے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (۱۳۷) خدا تعالےٰ کے سوا تمام چیزیں فانی ہیں۔ (۱۳۸) حیا اور خاموشی دو شاخیں ایمان کے درخت کی ہیں اور بیہودہ گوئی اور بے فائدہ بکواس دونوں شاخیں نفاق کی ہیں۔ (۱۳۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت پیارے اور بہت نزدیک مجھے قیامت کے دن تم میں سے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق (بسبب اؤ) بہت اچھے ہیں اور قابل نفرت اور دور رہنے کے مجھ سے تم میں سے وہ لوگ ہیں جو بد اخلاق ہیں بہت سی باتیں جھوٹی طول طویل بناوٹ سے منہ پھٹ ہو کر مغرورے کرتے ہیں۔ (۱۴۰) مختصر تقریر بہتر ہے (۱۴۱) بیشک کوئی بیان اور تذکرہ تو بسبب اپنے اثر کے مانند سحر کے ہوتا ہے اور بعض علم جہل اور نادانی کے برابر ہے ایسا ہی کوئی شعر تو فائدہ مند اور حکمت آمیز ہوتا ہے اور بعض بول وبال ہو (۱۴۲) رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی مجھ کو ضمانت دے اس بات کی کہ وہ خود ان کلوں کو یعنی ان کو بد کلامی اور دروغ اور لقمہ حرام سے بچائے اور دونوں رانوں کے بیچ شرمگاہ کو جو گناہ سے محفوظ رکھو تو اسکے بہشت میں داخل ہونے کا میں ضامن ہوتا ہوں۔

(۱۴۳) سباب المومن فسوق وقتاله کفر۔ (۱۴۴) قوموا لسیدکم (۱۴۵) لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه ولکن تفسحوا وتوسعوا ومن قام من مجلسه ثم رجع الیه فهو احق به۔ (۱۴۶) لا یرمی الرجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک (۱۴۷) شر الناس یوم القیامة ذوالوجهین الذی یاتی هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه (۱۴۸) لا یدخل الجنة قتات (۱۴۹) ان الصدق بر وان البر یهدی الی الجنة وان الکذب فجور وان الفجور یهدی الی النار (۱۵۰) فاذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب۔ (۱۵۱) ان شر الناس عند الله منزلة یوم القیامة من ترکه الناس اتقاء شره۔

---

(۱۴۳) مسلمان کو گالی دینا بے حیائی ہے اور قتل کرنا کفر ہے۔ (۱۴۴) اپنے بزرگوں کی تعظیم کرو۔ (۱۴۵) مجلس میں کسی کو اٹھا کر خود جگہ نہ لینی چاہیے بلکہ کھلے ہو کر بیٹھو اور آنے والوں کو بھی جگہ دو۔ اور جو کسی ضرورت سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دوبارہ آئے تو اپنی جگہ کا مستحق ہے۔ (۱۴۶) کوئی آدمی کسی کو فاسق اور کافر نہ کہے کہ جس کی نسبت کہا گیا اگر وہ ایسا نہ ہو تو کہنے والا بھی فاسق اور کافر ہو جاتا ہے۔ (۱۴۷) نہایت برا آدمی آخرت میں دورویہ منافق صفت ہے جو ایک ہی بات کو کسی ایک سے تو کچھ کہے اور دوسرے سے کچھ۔ (۱۴۸) بہشت میں چغلخور نہ جاوے گا۔ (۱۴۹) سچائی نیکی پر پہنچاتی ہے بہشت کو اور جھوٹ بے حیائی اور بدکاری جو دوزخ کا رستہ بتاتی ہے۔ (۱۵۰) جب خوشامدیوں کو تعریف کرتے دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی دو یعنی فضول سمجھو۔ (۱۵۱) آنحضرت [illegible] اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برا آدمی وہ ہے جس سے لوگ اس کی برائی کے سبب سے بچیں۔

(۱۵۲) ویل لمن یحدث فیکذب لیضحک به القوم۔ (۱۵۳) ان العبد لیزل عن لسانه اشد مما یزل عن قدمه۔ (۱۵۴) الوحدة خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة واملاء الخیر خیر من السکوت والسکوت خیر من املاء الشر (۱۵۵) کبرت خیانة ان تحدث اخاک حدیثا وهو لک به مصدق وانت به کاذب۔ (۱۵۶) لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی (۱۵۷) ما کان الفحش فی شیء الا شانه وما کان الحیاء فی شیء الا زانه۔ (۱۵۸) لا تظهر الشماتة لاخیک فیرحمه الله ویبتلیک۔ (۱۵۹) ایاک وکثرة الضحک فانه یمیت القلب ویذهب بنور الوجه

---

(۱۵۲) خرابی ہے اُس پر جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹ بولے۔ (۱۵۳) آدمی اپنی زبان کے پھسلنے سے ایسا بُری طور سے گرتا ہے جو پاؤں کے پھسلنے سے ویسا نہیں گرتا۔ (۱۵۴) بد آدمی کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور نیک آدمی کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے اور نیکی کا سکھانا چپ رہنے سے بہتر ہے اور بُرائی سکھانے سے چپ رہنا بہتر ہے۔ (۱۵۵) یہ بات بڑی دغا بازی کی ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ سچ جانے اور تو اُسے جھوٹ جانے۔ (۱۵۶) ایمان والا کبھی طعن کرنے والا نہ ہوگا اور نہ لعنت کرنے والا اور نہ بے ہودہ بکنے والا۔ اور نہ زبان درازی کرنے والا۔ (۱۵۷) بے حیائی جس چیز میں ہوگی اُسے بگاڑ دے گی۔ اور حیا جس چیز میں ہوگی اُسے سنوار دے گی۔ (۱۵۸) کسی اپنے بھائی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوشی نہ ظاہر کر ورنہ خدا اُس پر رحم کرے گا اور تجھ کو آفت میں ڈال دے گا۔ (۱۵۹) زیادہ ہنسنے سے دل مرتا ہے۔ اور چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔

(۱۶۰) قل الحق وان کان مراً۔ (۱۶۱) اصدقوا اذا حدثتم و اوفوا اذا وعدتم و ادوا اذا ائتمنتم واحفظوا فروجکم و غضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم۔ (۱۶۲) شرار عباد اللہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ الباغون البراء العنت۔ (۱۶۳) رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد (۱۶۴) ان رجلاً قال یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدھما قال ھما جنتک ونارک۔ (۱۶۵) الساعی علی الارملۃ والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ (۱۶۶) کافل الیتیم لہ ولغیرہ فی الجنۃ (۱۶۷) تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی

---

(۱۶۰) سچ بات کہو خواہ کسی کو کڑوی ہی معلوم ہو۔ (۱۶۱) جب بولو سچ بولو اور جو کہو اُسے پورا کرو اور امانت جن کی ہوں ادا کرو۔ لنگوٹ کے مضبوط رہو بد ارادوں سے نگاہ رکھو اور اپنے ہاتھوں کو مارنے اور ناجائز لینے سے بچاؤ۔ (۱۶۲) تمام آدمیوں میں بُرے آدمی وہ ہیں جو چغلیاں کرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور اچھے لوگوں میں فساد اور عیب بغرض گناہ و خرابی کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ (۱۶۳) خدا تعالےٰ کی رضا مندی باپ کی رضا مندی پر موقوف ہے اور خدا تعالےٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی پر ہے۔ (۱۶۴) ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے ماں باپ کا حق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں تیرے لئے رضا مندی سے بہشت اور ناراضی سے دوزخ ہیں۔ (۱۶۵) بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرنی راہ خدا میں کوشش کرنی ہے۔ (۱۶۶) یتیم کا پرورش کرنے والا جنتی ہے خواہ یتیم اُس کے اپنے قرابتیوں کا ہو یا دوسروں کا۔ (۱۶۷) ایمان والے آدمیوں کی ساتھ رحم کرتے ہیں اور محبت کرتے ہیں اور مدد کرنے میں اندا اعضا جسم کے ہیں جیسا ایک عضو درد کرے تو تمام اعضا جسم کے اُسکی موافقت کرتے ہیں۔ درد بیخوابی تپ وغیرہ میں۔

(١٦٨) انصر اخاك ظالماً او مظلوماً فقال يا رسول الله انصره مظلوماً
فكيف انصره ظالماً قال تمنعه من الظلم (١٦٩) اهل الجنة
ثلثة ذو سلطان مقسط متصدق موفق ورجل رحيم
رقيق القلب لكل ذي قربى ومسلم وعفيف متعفف ذو
عيال واهل النار خمسة الضعيف الذي لا زبر له الذين هم
فيكم تبع لا يبغون اهلاً ولا مالاً والخائن الذي لا يخفى له طمع
وان دق الا خانه ورجل لا يصبح ولا يمسي الا وهو يخادعك عن
اهلك ومالك وذكر البخل والكذب والشنظير الفحاش۔
(١٧٠) لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه

---

(١٦٨) ظالم ہو یا مظلوم دونوں کی مدد کر ایک شخص نے سوال کیا کہ
مظلوم کی مدد تو ہم کریں مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ آپ نے فرمایا اسکو
ظلم سے روک۔ (١٦٩) بہشت والے تین ہیں ایک حاکم عدل کرنے
والا احسان کرنے والا۔ بھلائی اور بہتری پہنچانے والا۔ دوسرا وہ آدمی جو سب
قرابت اور رشتہ داروں اور غریب مسکینوں پر نرم دل ہو تیسرا وہ آدمی
پرہیزگار اور عیالدار ہو سوال سے متوکل ہو۔ اور پانچ دوزخی ہیں
اول وہ آدمی جو سست اور کاہل ہے جسمیں عقل نہ ہو جو مالداروں کی
تابعداری سے لیوے نہ خواہش کرے بوجہ حلال کے عورت کی
اور نہ مال کی۔ دوسرے وہ جو دیانتدار اور امانت دار نہ ہو۔ جو چیز اس سے
چھپی نہ ہو اس میں لالچ کرے اگرچہ تھوڑی ہی ہو اس کا کھوج لگا کر خیانت
کرے تیسرا وہ آدمی جو رات دن تیرے گھر میں اور مال میں تجھکو فریب
دیتا رہے۔ چوتھا بخیل اور جھوٹا۔ پانچواں بد مزاج اور بیہودہ بکنے
والا۔ (١٧٠) وہ کبھی بہشت میں نہ جاوے گا جو اپنے پڑوسی کو
تکلیف دے۔

(۱۷۱) اذا کنتم ثلاثة فلا یتناجی اثنان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس من اجل ان یحزنه - (۱۷۲) لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا - (۱۷۳) ما نحل والد ولده من نحل افضل من ادب حسن - (۱۷۴) ان احدکم مرآة اخیه فان رای به اذی فلیمط - (۱۷۵) انزلوا الناس منازلهم (۱۷۶) لیس المؤمن بالذی یشبع وجاره جائع الی جنبه (۱۷۷) خیرکم من یرجی خیره ویؤمن شره وشرکم من لا یرجی خیره ولا یؤمن شره - (۱۷۸) من اغاث ملهوفاً کتب الله له ثلثاً وسبعین مغفرة واحدة منها صلاح امره کله - (۱۷۹) الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله

(۱۷۱) جب تین آدمی ہوں تو دو کو سرگوشی (کانا پھوسی) کرنا تیسرے کو چھوڑ کر نہ کرنا چاہئے - بہت آدمی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں - اس سبب سے کہ وہ رنجیدہ نہ ہو - (۱۷۲) جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ اہل اسلام سے نہیں - (۱۷۳) کوئی بخشش باپ کی بیٹے کے لئے نیک ادب سکھانے سے افضل نہیں ہے - (۱۷۴) ہر ایک تم سے اپنے بھائیوں کا آئینہ ہے سو جو کوئی کسی میں کچھ برائی دیکھے اسے دور کرے - (۱۷۵) ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے موجب برتاؤ کرو - (۱۷۶) وہ ایمان والا نہیں ہے کہ اپنا پیٹ بھرے اور پڑوسی بھوکا رہے - (۱۷۷) بہت اچھا آدمی تم میں وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی امید رکھیں اور بدی سے بچیں اور بہت برا وہ ہے جس سے امید نیکی کی نہ ہو اور نہ اس کی برائی سے امن ہو - (۱۷۸) جو کوئی مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرے اسکو تہتر بخششیں ملتی ہیں ایک انہیں سے اسکے تمام کاموں کی درستی ہے - (۱۷۹) مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا خلقت میں کنبے کے ساتھ نیکی کرنے والے کو زیادہ دوست رکھتا ہے -

(۱۸۰) مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك اما ان يحذيك واما ان تباع منه واما ان تجد منه ريحاً ونافخ الكير اما ان يحرق ثيابك واما ان تجد منه ريحاً خبيثةً (۱۸۱) اياكم والظن فان الظن اكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخواناً۔ (۱۸۲) اياكم والحسد فان الحسد ياكل الحسنات كما تاكل النار الحطب (۱۸۳) من ضار ضار الله به ومن شاق شاق الله عليه۔ (۱۸۴) حسن الظن من حسن العبادة (۱۸۵) كاد الفقر ان يكون كفراً وكاد الحسد ان يغلب القدر

---

(۱۸۰) اچھے اور بُرے آدمی کی صحبت مانند عطار کے ظبلہ اور لوہار کی بھٹی کے ہے پس عطار سے تجھکو کستوری ملے گی یا تو مول لے گا یا اُس کی خوشبو تجھکو پہنچے گی اور لوہار کی بھٹی تیرے کپڑے جلائے گی یا اُس کے دھوئیں کی بدبو تجھکو پہنچے گی۔ (۱۸۱) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی نہایت جھوٹی بات ہے۔ اور تاکتے جھانکتے نہ پھرو۔ اور نہ جاسوسی اور نہ مخبری کرو۔ اور نہ کسی کو خریداری میں بہکاؤ اور نہ کسی پر حسد کرو۔ نہ آپس میں بغض اور دشمنی رکھو اور نہ غیبت اور چغلی کرو اور خدا تعالےٰ کے بندے بھائی بن جاؤ۔ جیسے آپس میں بھائی ہوتے ہیں۔ (۱۸۲) حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا ڈالتی ہے۔ (۱۸۳) جب کسی کو کوئی نقصان پہنچاوے خدا اسکو نقصان پہنچاویگا اور جسکو کوئی تکلیف دے گا خدا اُسے تکلیف دیگا (۱۸۴) نیک گمان اچھی عبادت ہے۔ (۱۸۵) مفلسی ڈانواں ڈول کر کے کفر کے نزدیک پہنچا دیتی ہے۔ اور حسد بیاد کرنے کو تقدیر پر غالب آتا ہے۔

(۱۸۶) من اعتذر الی اخیہ فلم یعذرہ او لم یقبل عذرہ کان علیہ مثل خطیئۃ صاحب مکس۔ (۱۸۷) خذ الامر بالتدبیر فان رأیت فی عاقبتہ خیراً فامضہ وان خفت غیاً فامسک (۱۸۸) ان المستشار مؤتمن۔ (۱۸۹) الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ۔ (۱۹۰) الحیاء خیر کلہ۔ (۱۹۱) خیارکم اطولکم اعماراً واحسنکم اخلاقاً۔ (۱۹۲) لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب۔ (۱۹۳) من خزن لسانہ ستر اللہ عورتہ (۱۹۴) من شر الناس منزلۃ یوم القیامۃ عبد اذھب آخرتہ بدنیا غیرہ۔ (۱۹۵) ایاک ودعوۃ المظلوم

(۱۸۶) جو کوئی کسی سے معذرت چاہے اور وہ اس کا عذر نہ سنے اور نہ قبول کرے اس پر گناہ مثل ظالم سخت گیر زکاتی اور محصول لینے والے کے ہوتا ہے۔ (۱۸۷) ہر کام میں سوچ بچار کر جو اچھا دیکھے اوسے جاری کر اور جو برائی کا خوف ہو اس سے رک جا۔ (۱۸۸) جس سے مشورہ لیا جاوے وہ امانت دار ہو۔ (۱۸۹) خرچ کرنے میں میانہ روی آدھا عیش ہے (۱۹۰) حیا سب سے بہتر ہے۔ (۱۹۱) تم میں اچھے وہ ہیں جن کی عمریں دراز اور عادتیں اچھی ہیں۔ (۱۹۲) وہ پہلوان نہیں جو لوگوں کو پچھاڑے بلکہ اصل وہ پہلوان ہے کہ اپنے آپ کو غصہ کے وقت دبا سکے۔ (۱۹۳) جو اپنی زبان کو روکتا ہے خدا اس کا پردہ ڈھانکتا ہے (۱۹۴) آخرت میں برا آدمی وہ ہے جو دوسروں کو دنیاوی فائدہ پہنچانے میں اپنی عاقبت کھو دے۔ (۱۹۵) مظلوم کی بد دعا سے بچو۔

(۱۹۶) بئس العبد عبد تخیل واختال ونسی الکبیر المتعال بئس العبد عبد تجبر واعتدی ونسی الجبار الاعلیٰ وبئس العبد عبد سہا ولہا ونسی المقابر والبلیٰ بئس العبد عبد عتی وطغیٰ ونسی المبتدا والمنتہیٰ وبئس العبد عبد یختل الدنیا والدین وبئس العبد عبد یختل الدین بالشبہات وبئس العبد عبد طمع یقودہ وبئس العبد عبد ہوی یضلہ وبئس العبد عبد رغب یذلہ (۱۹۷) من تواضع لله رفعہ الله فہو فی نفسہ صغیر وفی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعہ الله فہو فی اعین الناس صغیر وفی نفسہ کبیر حتی لہو اہون علیہم من کلب او خنزیر

(۱۹۶) وہ آدمی بُرا ہے جو اوروں سے اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھے اور خدا تعالیٰ کو بھول جائے۔ اور وہ بندہ بھی بُرا ہے جو لوگوں پر ظلم اور زیادتی کرے اور خدا تعالیٰ کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے کہ کھیل کود میں مشغول رہے اور قبروں کو اور جسم کی خاک ہونے کو بھول جائے اور وہ بھی بندہ بُرا ہے کہ فسادی ہو اور اندازہ سے بڑھ جائے اور اپنی ابتدائی حال کو اور انجام کار کی حالت کو فراموش کر دے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے جو دنیا کو بدلے دین کے اپنے خیال میں اچھا سمجھے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے کہ جو اپنے دین کو شک شبہ میں خراب کر دے۔ اور وہ بندہ بھی بُرا ہے کہ لالچ اس کو دربدر بھٹکاتا پھرے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے کہ جس کو اس کے دل کی خواہش اور حرص ہوا گمراہ کرے اور وہ بندہ بھی بُرا ہے کہ حصول دنیا کی رغبت میں ذلیل و خوار ہو جاوے۔

(۱۹۷) جو فروتنی اور تواضع کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے بڑھاتا ہے اگرچہ اپنے دل میں وہ اپنے کو چھوٹا جانتا ہے مگر آدمیوں کی آنکھوں میں وہ بڑا دکھائی دیتا ہے اور جو غرور اور تکبر کرتا ہے خدا اسکو نیچا اور پست کرتا ہے وہ آدمیوں کی نظروں میں مثل سگ اور سور کے ذلیل و حقیر ہے اگرچہ اپنے دل میں اپنے کو بڑا جانتا ہے۔

(١٩٨) المنجیات تقوی الله فی السر والعلانیة والقول بالحق
فی الرضی والسخط والقصد فی الغنی والفقر اما المهلکات فهوی
متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه هی اشدهن۔ (١٩٩)
من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان
لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الایمان۔ (٢٠٠) نعمتان
مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ۔ (٢٠١) حجبت
النار بالشهوات وحجبت الجنة بالمکاره (٢٠٢) لیس الغنی
عن کثرة العرض ولکن الغنی غنی النفس۔ (٢٠٣) من طلب الدنیا
حلالا استعفافا من المسئلة وسعیا علی اهله وتعطفا علی جاره
لقی الله تعالی یوم القیمة ووجهه مثل القمر لیلة البدر ومن طلب الدنیا
حلالا مکاثرا مفاخرا مرائیا لقی الله تعالی وهو علیه غضبان

(١٩٨) حاضر اور غائب خدا سے ڈرنا خوشی اور ناراضی میں سچ کہنا اور فراخی و تنگی میں میانہ روی
اختیار کرنا یہی باتیں نجات دینے والی ہیں نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا حرص و بخل کا تابعدار
ہونا اور اپنے کو اچھا جاننا یہ باتیں برباد کرنیوالی ہیں۔ (١٩٩) تم میں سے جو کوئی دیکھے برائی
کو تو چاہیئے کہ اس برائی کو ہاتھ سے مٹا دے اور جو اسکی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹا دے اور
اسکی بھی اگر طاقت نہ ہو تو دل سے مٹاوے اور فقط دل ہی سے مٹانا (برا جاننا) یہ امر
سست ترین ایمان کا ہے۔ (٢٠٠) اکثر آدمی دو نعمتوں میں ٹھگے ہوئے اور ٹوٹا کھائے ہوئے ہیں ایک
تندرستی اور دوسری آسودگی۔ (٢٠١) دوزخ شہوتوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور جنت سختیوں سے (٢٠٢)
مال و متاع سے آدمی تونگر نہیں ہوتا ہے دل کی بے پروائی سے تونگر ہوتا ہے۔ (٢٠٣) جو
شخص حلال مال اس لئے کمائے کہ مانگنا نہ پڑے اور اس سے اپنے گھر بار کی پرورش کرے
اور اپنے پڑوسی سے سلوک کرے سو اس آدمی کا آخرت میں منہ روشن ہوگا اور جو مال
اسلئے کمائے کہ اسکے بڑا بنیکا ارادہ ہے اور اس مال کے سبب غرور اور بڑائی اپنی
کرتا پھرے اور ریاکاری کرے یعنی نمود اور نام کیلئے دے سو آخرت میں خدا اسکا اس پر غصہ ہوگا

(۲۱۵) ثلث لا یغل علیهن قلب مسلم اخلاص العمل لله والنصیحة للمسلمین ولزوم جماعتهم ۔ (۲۱۶) من عقد لحیته او تقلد وترا او استنجی برجیع دابة او عظم فان محمدا منه بریٔ (۲۱۷) لا یبولن احدکم فی جحر (۲۱۸) عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء والمضمضة ۔ (۲۱۹) اذا اغتسل احدکم فلیستتر ۔ (۲۲۰) اغتنم خمسا قبل خمس شبابك قبل هرمك وصحتك قبل سقمك و غناك قبل فقرك وفراغك قبل شغلك وحیاتك قبل موتك ۔ (۲۲۱) المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله والمهاجر من هجر الخطایا والذنوب

(۲۱۵) مسلمان تین چیزوں پر خیانت نہ کرے گا۔ اوّل جسکے کام خالص خدا واسطے ہوں دوئم خیرخواہی سے مسلمانوں کو نصیحت کرے تیسرے مسلمانوں کی جماعت سے حق بات میں ملا رہے۔ (۲۱۶) جسنے ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا گلے میں تانت کا ہار تعویذ کے طور ڈالا یا جانور کی نجاست یا ہڈی سے استنجا کیا تو آنحضرت صلعم اس سے بیزار ہیں۔ (۲۱۷) سوراخ میں پیشاب نہ کرنا چاہیئے۔ (۲۱۸) دس باتیں فطرتی ہیں۔ لبوں کا کم کرنا ڈاڑھی کا بڑھانا۔ مسواک کا کرنا۔ ناک کا پانی سے صاف کرنا۔ ناخنوں کا کترانا باہر اور اندر کے جوڑوں کی گرہوں کو دھونا اور بغل کی اور زیر ناف کے بالوں کو دور کرنا اور استنجا کرنا اور پانی سے منہ صاف کرنا۔ (۲۱۹) جب کوئی نہائے تو پردہ میں نہائے۔ (۲۲۰) پانچ چیزوں کے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو بڑہاپے کے پہلے جوانی کو اور بیماری کے پہلے تندرستی کو اور مفلسی کے پہلے تونگری کو اور شغل میں پھنسنے کے پہلے فرصت کو اور موت کے پہلے زندگی کو۔ (۲۲۱) مجاہد وہ ہے جو خدا کی عبادت میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے ہجرت کرے

(۲۲۲) الامور ثلاثة امر بين رشده فاتبعه وامر بين غيه فاجتنبه وامر اختلف فيه فكله الى الله۔ (۲۲۳) من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔ (۲۲۴) الطهور نصف الايمان۔ (۲۲۵) ليس منا من دعا الى العصبية (۲۲۶) ان الله حرم عليكم عقوق الامهات ووأد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال واضاعة المال (۲۲۷) ان من ابر البر صلة الرجل ود ابيه بعد ان يولي (۲۲۸) من احب ان يبسط له في الرزق وينسأ له في اثره فليصل رحمه۔ (۲۲۹) من السنة تخفيف الجلوس وقلة الصخب في العيادة عند المريض

---

(۲۲۲) کام تین طرح کے ہیں ایک کام تو وُہ ہے جسکی سچائی اور صفائی کھلی ہوئی اسکی تو پیروی کرنا چاہیئے۔ دوسرا وُہ کام ہے جسکی گمراہی اور خرابی ظاہر ہو اُس سے بچنا چاہیئے۔ تیسرا وُہ کام ہے جسکے بھلے اور بُرے ہونے میں اختلاف ہے اُسے خدا کے سپرد کرنا چاہیئے۔ (۲۲۳) جو کوئی مذہب میں نئی بات فساد کی کھڑی کرے اُسنے بمدد دینا اسلام کو ڈھانا ہے (۲۲۴) پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ (۲۲۵) وُہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو ناحق طرفداری کے لیئے بلاوے (۲۲۶) خدا تعالےٰ نے تمپر حرام کیا ہے ماؤں کو تکلیف دینا اور لڑکیوں کو مار ڈالنا اور بخیلی کرنا اور بھیک مانگنا اور برائی رکھی ہے تمپر بیفائدہ اور واہیات باتوں کو اور زیادہ سوال کرنے اور مانگنے کو اور فضول مال برباد کرنے کو۔ (۲۲۷) تمام نیکیوں میں بڑی نیکی یہ ہے کہ اپنے باپ کے دوستوں سے مر جانے کے بعد احسان کرے۔ (۲۲۸) جو چاہے کہ میری روزی میں فراخی اور مرنے میں ڈھیل ہوئے چاہیئے کہ رشتہ داروں سے سلوک کرے۔ (۲۲۹) اچھی یہ بات ہے کہ جب بیمار کے پاس بیمار پرسی کے لیئے جاوے تو تھوڑا بیٹھے اور آہستہ بات کرے۔

(۲۳۰) اذا دخلتم على المريض فنفسوا له فی اجله (۲۳۱) لا يخلون رجل بامرأة الا كان ثالثهما الشيطان۔ (۲۳۲) نهى النبی صلى الله عليه وسلم عن اجابة طعام الفاسقين (۲۳۳) من دخل على غير دعوة دخل سارقاً وخرج مغيراً (۲۳۴) اقصر من جشائك (۲۳۵) ما قل وكفى خير مما كثر والهى۔ (۲۳۶) دب اليكم داء الامم قبلكم الحسد والبغضاء وهی الحالقة۔ (۲۳۷) اذا حدث الرجل الحديث ثم التفت فهی امانة۔ (۲۳۸) التؤدة فی كل شیء خيراً الا فی عمل الآخرة۔ (۲۳۹) لا تغضب

---

(۲۳۰) جب بیمار کے پاس بیمار پرسی کے لئے جاؤ تو اس کو دلاسا دو یہ کہہ کر کہ تم کو آرام ہو جائے گا۔ (۲۳۱) کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے ورنہ ان دونوں کے سوا تیسرا شیطان ہی ان کا شریک ہوگا۔ (۲۳۲) منع فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکاروں کی ضیافت قبول کرنے سے۔ (۲۳۳) جو کوئی ضیافت میں بغیر بلائے گیا وہ چور ہو کر داخل ہوا اور لٹیرا ہو کر نکلا یعنی ضیافت میں کچھ کھایا یا لے گیا۔ (۲۳۴) اس قدر ڈکار نہ لیا کرو کہ [illegible] (۲۳۵) تھوڑی چیز کم ہے اور کفایت کرنے والی ہے وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہے اور غفلت میں ڈالتی ہے۔ (۲۳۶) اگلی امتوں کی بیماری حسد اور دشمنی جب تم میں آ جائے گی تو تم کو برباد کر دے گی۔ (۲۳۷) جب کوئی آدمی کچھ کہہ کر چلا جاوے تو وہ بات امانت ہے۔ اس کا چرچا نہ کرنا چاہئے۔ (۲۳۸) سب کاموں میں آہستگی پسندیدہ ہے مگر آخرت کے کاموں میں نہ چاہئے۔ آخرت کے کام جلدی کئے جائیں۔ (۲۳۹) غصہ اور خفگی نہ کرو۔

(۲۴۰) لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا متزی بالفحش ولا قوال الخنا۔ (۲۴۱) لا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین فیقضی لہ الحاجۃ۔ (۲۴۲) الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ مستکبر۔ (۲۴۳) ثلثۃ لا ینظر اللہ الیھم الشیخ الزانی والملک الکذاب والعائل المستکبر۔ (۲۴۴) اذا غضب احدکم وھو قائم فلیجلس فان ذھب عنہ الغضب والا فلیضطجع۔ (۲۴۵) ما تجرع عبد افضل عند اللہ عزوجل من جرعۃ غیظ (۲۴۶) من مشی مع ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام (۲۴۷) ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین۔ (۲۴۸) من احتکر فھو خاطی۔

(۲۴۰) بد زبانی اور سخت دلی اور بازار میں چلانا اور شور کرنا اور بد آدمیوں کی وضع اور روش اختیار کرنا۔ بیہودہ بکنا اچھے آدمیوں کا کام نہیں ہے۔ (۲۴۱) بیواؤں اور غریبوں کے ساتھ چلنے یا ان کا کام کر دینے میں عار اور نفرت نہ چاہیئے (۲۴۲) سرکش کرنے والے اور مالدار ہو کر بخل کرنے والے اور غرور کرنے والے دوزخ میں جائینگے۔ (۲۴۳) تین آدمیوں پر خدا کی رحمت نہ ہوگی بڈھا زناکار جھوٹا حاکم مفلس مغرور۔ (۲۴۴) جب غصہ آوے تو کھڑا ہو تو بیٹھ جاوے پھر بھی غصہ نہ جاوے تو لیٹ جاوے۔ اس لئے کہ جسقدر سکون زیادہ ہوگا اس سے حرکت کم اور راحت زیادہ ہے۔ (۲۴۵) غصہ کو پینا تمام شربتوں کے گھونٹ پینے سے بڑھکر ہے۔ (۲۴۶) جب ظالم کا ظلم معلوم ہو جائے پھر اسکے ساتھ چلنا اور اس سے موافقت کرنا اسلام سے خارج ہونے کا سبب ہے۔ (۲۴۷) تن آسانی سے بچو اسلئے کہ بندگان خدا تن کو آرام دینے والے نہیں ہوتے۔ (۲۴۸) جو کوئی غلہ کو اس غرض سے روکے کہ جب مہنگا ہوگا تب بیچوں گا پس وہ گنہگار ہے۔

(۲۴۹) اذا رأيت شحاً مطاعاً وهوى متبعاً ودنيا موثرة واعجاب كل ذي رأي برأيه ورأيت امراً لا بد لك منه فعليك نفسك ودع امر العوام۔ (۲۵۰) يقول العبد مالي مالي انما ماله ثلث ما اكل فافنى او لبس فابلى او اعطى فاقنى وما سوى ذلك فهو ذاهب وتاركه للناس (۲۵۱) اربع اذا كن فيك فلا عليك ما فاتك الدنيا حفظ امانة وصدق حديث وحسن خليقة وعفة في طعمة۔ (۲۵۲) تمام تحياتكم بينكم المصافحة (۲۵۳) المستبان ما قالا فعلى البادي ما لم يعتد المظلوم۔ (۲۵۴) ما احب اني حكيت احداً وان لي كذا وكذا۔

---

(۲۴۹) جب یہ دیکھو کہ لوگ بخیلی کے درپے ہیں اور خواہش نفسانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور آخرت کو بھول کر دنیا حاصل کرنے میں پھنسے ہوئے اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ پر خوش ہو رہا ہے تو اس حالت میں لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشینی و خدا کا ذکر لازم ہے۔ (۲۵۰) آدمی میرا مال میرا مال پکارتا ہے۔ حالانکہ اسکو مال کی تین حالتیں ہیں جو کھایا وہ ختم ہوا جو پہنا وہ پھٹا جو راہِ خدا دیا وہ جمع کیا اسکے سوا جو ہے وہ دوسروں کے لئے چھوڑ جائے گا۔ (۲۵۱) مرنے کے وقت جب تجھ سے دنیا چھوٹے اگر تجھ میں چار چیز ہوں تو کچھ ڈر نہیں کسی کی امانت رکھی ہوئی چیز کی نگہبانی کرنا اور سچ بات کہنا اور نیک عادت ہونا اور کھانے میں پرہیزگار رہنا۔ (۲۵۲) پورا پورا اسلام آپس میں ہاتھ ملانا ہے۔ (۲۵۳) دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں تو جس نے پہلے گالی دی وہی گنہگار رہے جب تک کہ وہ مظلوم تجاوز نہ کرے پہلے کی برابر گالیاں دینے میں جب ظلم کرنے لگے اور اسکو گالی زیادہ اور برا کہنے لگے۔ (۲۵۴) کسی کی نقل یا سوانگ لانا اچھا نہیں ہے خواہ اس میں فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۵۵) قال النبی امرنی ربی بتسع خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ وکلمۃ العدل فی الغضب والرضاء والقصد فی الفقر والغناء وان اصل من قطعنی واعطی من حرمنی واعفو عمن ظلمنی وان یکون صمتی فکراً ونطقی ذکراً ونظری عبرۃ۔ (۲۵۶) لا تلاعنوا بلعنۃ اللہ ولا بغضب اللہ ولا بجہنم۔ (۲۵۷) رغم انفہ ادرک والدیہ عند الکبر احدھما ثم لم یدخل الجنۃ (۲۵۸) اذا اقرض احدکم قرضاً فاھدی الیہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبہ ولا یقبلھا۔ (۲۵۹) لا تلقوا السلع حتی یھبط بھا الی السوق۔

(۲۵۵) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھکو خدا نے نو باتوں کا حکم کیا ہے اوّل پوشیدہ اور ظاہر خدا کا ڈر رکھنا دوسرے سچ انصاف کی بات کہنا خواہ خفگی کی حالت ہو یا خوشی کی تیسرے درمیانی چال چلنا تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی چوتھے جو کوئی میل ملاپ توڑے تو بھی اس سے ملے رہنا پانچویں جو کوئی محروم کرے اور کچھ سلوک نہ کرتا ہو اسکو محروم نہ رکھنا اور دینا چھٹے جو کوئی برائی کرے اس سے بدلہ نہ لینا اور درگذر کرنا ساتویں چپ رہنا اور غور و فکر مخلوقات الٰہی میں کرنا آٹھویں ذکر الٰہی کرنا اور نصیحت اور نیکی کا۔ نویں جب نظر مخلوقات میں کیجائے تو عبرت کے ساتھ ہو جہل اور غفلت کے ساتھ نہ ہو۔ (۲۵۶) آپس میں ایسے الفاظ نہ کہو کہ تمپر خدا کی لعنت ہے اور خدا کا غضب اور تو جہنم میں جاویگا۔ (۲۵۷) خوار اور ذلیل وہ ہے جسکے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک ضعیفی میں خدمت کرنے کے لئے ملیں پھر وہ خدمت کرکے جنت میں داخل ہونے کے لائق اپنے کو نہ بناوے۔ (۲۵۸) جو کوئی کسی کو قرض دیوے تو اسکے دباؤ سے اس سے تحفہ نہ لے اور نہ اسکے جانور پر سوار ہو قرض لینے والے خوشامد سے تحفہ بھیجے تو اسے قبول نہ کرے۔ (۲۵۹) جبتک تجارتی بیوپاری کسی جگہ غلہ اسباب تجارت کیغرض سے لاوے اس سے آگے جاکر نہ ملے کہ خود سستا خرید لے یا ارزاں گرادے۔ جب وہ بازار میں آجائے تو مضائقہ نہیں۔

(۲۶۰) لا یبیع الرجل علی بیع اخیہ ولا یخطب علی خطبۃ اخیہ
(۲۶۱) من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادّی اللہ عنہ
ومن اخذ یرید اتلافھا اتلفہ اللہ (۲۶۲) من انتھب نھبۃ
فلیس منّا۔ (۲۶۳) اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضہ سبعۃ
اذرع (۲۶۴) من وجد لقطۃ فلیشہد ذا عدلٍ او
ذوی عدل ولا یکتم ولا یغیّب فان وجد صاحبھا فلیردھا
علیہ (۲۶۵) ما من مسلم ینظر الی محاسن امرأۃ اول
مرۃ ثم یغض بصرہ الّا احدث اللہ لہ عبادۃ۔ (۲۶۶) من
ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوّجہ۔ (۲۶۷)
ایّاکم وطعون اھل العشق۔ (۲۶۸) امسح راس الیتیم واطعم المسکین

(۲۶۰) جو کوئی کچھ خرید رہا ہو اُس پر گر کے خود نہ خریدے اور جو کوئی سگائی اپنی کرتا ہو خود اپنی سگائی کرکے اُسکی سگائی نہ توڑے (۲۶۱) جو کوئی کسی سے قرض لیوے اور ارادہ اُس کا یہ ہے کہ ادا کردوں گا تو خدا اُسپر ادا کرنا آسان کرے گا اور جو اِس ارادہ سے لے کہ خرچ کر ڈالونگا اور ادا نہ کروں گا تو خدا اُسپر تنگی ڈالے گا اور وہ برباد ہوجائیگا۔ (۲۶۲) لوٹنے اور ڈاکہ ڈالنے والا مذہب اسلام سے خارج ہے۔ (۲۶۳) جب رستوں کی تنگی فراخی میں اختلاف ہو تو سات گز تک کشادہ کرنا چاہئے (۲۶۴) جو کوئی چیز پڑی ہوئی ملجائے اُسے ایک دو سمجھدار آدمیوں کو دکھا دے پھر جب اُس کا مالک آئے اُسے سپرد کردے۔ (۲۶۵) جو کوئی مسلمان کسی خوبصورت عورت کو بلا قصد اچانک دیکھ لے تو چاہئے کہ فوراً اپنی نظر پھیر لے پس وہ خدا کے نزدیک عابد اور پارسا ہے۔ (۲۶۶) جسکے لڑکا پیدا ہوا اُسکا نام اچھا رکھے اور اُسکو علم اور ادب سکھا دے اور جب بالغ ہوجائے تو اُس کا نکاح کرے۔ (۲۶۷) عشقیہ غزلیات دیکھا نوں سے پرہیز کرو۔ (۲۶۸) یتیم کے سر پر محبت کا ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

(۲۶۹) اذا تقاضیٰ الیک رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع کلام الآخر۔ (۲۷۰) عینان لا تمسہما النار عین بکت من خشیۃ اللہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللہ۔ (۲۷۱) من کتم غالاً فانہ مثلہ (۲۷۲) حق کبیر الاخوۃ علیٰ صغیرہم کحق الوالد علیٰ ولدہ (۲۷۳) کلوا جمیعاً ولا تفرقوا فان البرکۃ مع الجماعۃ (۲۷۴) یخرج الرجل مع ضیفہ الیٰ باب الدار۔ (۲۷۵) لا ینظر فی قعر بیت لاحد قبل ان یستاذن فان فعل ذالک فقد خانہ (۲۷۶) انما جزاء السلف الحمد والاداء (۲۷۷) العاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والدین مقضی والزعیم غارم

(۲۶۹) جب دعویدار کوئی جھگڑا تیرے سامنے پیش کریں تو جبتک جسپر دعویٰ کیا ہے اسکی کیفیت نہ سن لے کچھ فیصلہ نہ کر اور کچھ حکم نہ دے (۲۷۰) اُن دونوں آنکھوں کو دوزخ کی گرمی نہ پہنچے گی جو ایک تو خدا کے ڈر سے رو پڑتی ہو اور دوسری اُسکے رستے میں جاگتی ہے۔ (۲۷۱) جو کوئی چور کو چھپائے وہ بھی چور ہے (۲۷۲) بڑے بھائی کا حق باپ کے مانند ہے۔ (۲۷۳) الگ الگ نہ کھانا چاہیئے اکٹھے ہو کر کھانا چاہیئے۔ اسلیئے کہ برکت شامل کھانے میں ہے۔ (۲۷۴) مہمان کے ساتھ میزبان کو تعظیم کے لئے رخصت کرنے کے واسطے گھر کے دروازہ تک جانا چاہیئے۔ (۲۷۵) کوئی کسی کے گھر میں اس کے بغیر اذن کے نہ جھانکے جو بلا اذن جس گھر کو جھانکیگا وہ اس گھر کا چور ہے۔ (۲۷۶) قرض کا بدلہ یہ ہے کہ جس نے دیا اُسکی شکرگذاری کرنا اور قرض کو ادا کر دینا۔ (۲۷۷) جو چیز کسی سے مانگ کر لیتا ہے اُسے حفاظت کے ساتھ واپس دیدے اور جو جانور دودھ پینے کے لئے لیا جاوے اُسے الٹا دیدے اور جس کسی سے قرض لیوے اُسے ادا کر دیوے اور جس کسی کا ضامن ہو تو ضمان کو بجبر و یقینی ادا کرے۔

(۲۷۸) المتحلي بما لم يعط كلابس ثوبي زور (۲۷۹) من آوى ضالة فهو ضال ما لم يعرفها - (۲۸۰) رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يبلغ وعن المعتوه حتى يعقل (۲۸۱) المنتزعات والمختلعات هن المنافقات (۲۸۲) من ادعى الى غير ابيه وهو يعلم فالجنة عليه حرام (۲۸۳) اطعم الجائع واسق الظمآن وامر بالمعروف وانه عن المنكر فان لم تطق ذلك فكف لسانك الا من خير - (۲۸۴) من تطبب ولم يعلم منه طب فهو ضامن (۲۸۵) تعافوا الحدود فيما بينكم

---

(۲۷۸) جو کوئی لباس مانگا ہوا یا امانت رکھا ہوا زاہدوں اور صالحوں کی مانند پہنے اور خود ان کے موافق نہ ہو سو ایسا پہننا دھوکا دینا ہے - (۲۷۹) جس کسی کی کھوئی ہوئی چیز کوئی پاوے اور اسے اٹھا کر اپنے گھر لے آوے وہ آدمی گمراہ ہے - جب تک نہ کہے کہ جس کی ہو یہ میرے یہاں رکھی ہے پہچان کر لیجاوے (۲۸۰) آدمی کی تین حالتوں کے گناہ نہیں لکھے جاتے ہیں ایک تو سویا ہوا دوسرا نابالغ لڑکا تیسرے دیوانہ - (۲۸۱) جو عورتیں خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان سے چھوٹنا چاہتی ہیں - وہ منافق ہیں - (۲۸۲) جو کوئی جس کا بیٹا ہو اس کا ظاہر نہ کرے دوسرے کا بیٹا بنے وہ آدمی بہشت میں نہ جائے گا - (۲۸۳) بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا نیک کام کے لئے کہو برائی سے روکو اگر یہ کام نہ کر سکو تو اپنی زبان کو ہی برا کہنے سے بند رکھو اگر کچھ کہو بھی تو نیک بات کہو (۲۸۴) جو کوئی طبابت کو نہ جانے اور کسی کا علاج کرے اور اس کے علاج سے کوئی مر جاوے تو اس پر دیت لازم آتی ہے - دیت اس مال کو کہتے ہیں کہ دیا جاوے بدلہ قتل کرنے کسی نفس کے - (۲۸۵) موجبات حدود کو آپس میں معاف کر دو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ معاف نہیں کر سکتا ہے

(۲۸۶) ملعون من عمل عمل قوم لوط (۲۸۷) ثلاثة قد حرم الله
عليهم الجنة مدمن الخمر والعاق والديوث الذي يقر في
اهله الخبث۔ (۲۸۸) ان المقسطين عند الله على منابر
من نور۔ (۲۸۹) ما من امير عشرة الا ويؤتى به يوم القيامة
مغلولا حتى يفك عنه العدل او يوبقه۔ (۲۹۰) ان الموت
فزع فاذا رأيتم الجنازة فقوموا۔ (۲۹۱) زوروا القبور
فانها تذكر الموت (۲۹۲) اتقوا دعوة المظلوم فانه ليس
بينها وبين الله حجاب۔ (۲۹۳) لا تسبوا الاموات فانهم
قد افضوا الى ما قدموا۔ (۲۹۴) لا تحل
الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي۔

---

(۲۸۶) جو کوئی قوم لوط کا سا کام کرے اس پر خدا کی لعنت ہے (۲۸۷)
تین آدمیوں پر جنت حرام ہے ایک شرابی دوسرا ماں باپ
کا نافرمان تیسرا وہ دیوث جو اپنے گھر میں بدکاری کو روا رکھے۔ (۲۸۸)
منصف حاکموں کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے (۲۸۹)
اگر دس آدمیوں کا بھی کوئی حاکم ہے وہ قیامت کے دن گلے میں طوق
پڑا ہوا آوے گا وہ انصاف کرنے یا نہ کرنے کے سبب سے رہائی
پاوے گا یا ہلاک ہوگا۔ (۲۹۰) موت مقام عبرت اور خوف کا ہے
اسلئے جنازہ کو دیکھکر کھڑے ہو جانا چاہئے۔ (۲۹۱) قبروں کو
دیکھنے سے موت یاد آتی ہے اسلئے انکی زیارت کرنا چاہئے۔ (۲۹۲)
مصیبت زدہ کی فریاد سے بچنا چاہئے اسلئے کہ اس کی فریاد اور خدا تعالے
کے درمیان پردہ نہیں ہے (۲۹۳) جو لوگ مرگئے ان کو گالیاں نہ
دو کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے ساتھ ہے پھر ان کو برا کہنا کیا
(۲۹۴) مالدار کو اور جو کسب کر سکتا ہو اسکو بھیک مانگنا یا صدقہ لینا درست نہیں ہے

(۲۹۵) من نظر الی اخیہ نظرۃ یخیفہ اخافہ اللہ یوم القیامۃ (۲۹۶) بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا۔ (۲۹۷) القضاۃ ثلٰثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار فاما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضی بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فہو فی النار ورجل قضی للناس علی جہل فہو فی النار۔ (۲۹۸) لان یاخذ احدکم حبلہ فیاتی بحزمۃ حطب علی ظہرہ فیبیعہا فیکف اللہ بہا وجہہ خیر لہ من ان یسأل الناس اعطوہ او منعوہ۔ (۲۹۹) لاتدعوا علی انفسکم ولاتدعوا علی اولادکم ولاتدعوا علی اموالکم

(۲۹۵) جو کوئی کسی کو گھور کر ڈراوے وہ حشر کے دن سخت عذاب سے ڈرایا جاوے گا۔ (۲۹۶) خوشی کی بات کہو۔ ڈر لانے کی نہ کہو۔ آسانی کرو۔ مشکل نہ ڈالو۔ (۲۹۷) حاکم تین طرح کے ہیں۔ ان میں ایک جنت میں جاوے گا اور دو دوزخ میں۔ جنتی وہ ہے جو سچ کو پہچانتا ہے اور اسکے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور دوزخی وہ ہے جو سچ کو پہچان کر پھر ظلم کرتا ہے یا بے علم ہے جہالت سے فیصلہ کرتا ہے یہ بھی دوزخ میں جاوے گا۔ (۲۹۸) جو کوئی رسی لے کر جنگل سے لکڑیوں کا بوجھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لاوے اور بستی میں بیچے اور اپنی گذر اوقات کی آبرو رکھ کر کرے وہ اس بات سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے۔ لوگ اس کے مانگنے پر اسے دیویں یا نہ دیویں۔ (۲۹۹) اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے مال کے لئے بد دعا نہ کرو۔

من استعاذ منکم باللہ فاعیذوہ ومن سال باللہ فاعطوہ ومن دعاکم فاجیبوہ ومن صنع الیکم معروفا فکافؤوہ فان لم تجدوا ما تکافؤوہ فادعوا لہ حتی تروا ان قد کافأتموہ (۳۰۱) السواک مطہرۃ للفم مرضاۃ للرب (۳۰۲) لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ (۳۰۳) اللھم انا نعوذ بک من ان نزل او نضل او نظلم او نظلم او نجہل او یجہل علینا۔ (۳۰۴) تمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ

---

(۳۰۰) جو پناہ چاہے اُسے پناہ دو۔ جو خیرات مانگے اُسے خیرات دو۔ جو دعوت دے قبول کرو جو تم پر احسان کرے اُس کا بدلہ نیک دو۔ اگر ایسا بدلہ نہ ملے تو اُس کے لئے خدا سے یہاں تک دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دے کہ ہم نے دعا میں اُس کا بدلہ ادا کر دیا (۳۰۱) مسواک کرنا منہ کے صاف ہونے اور پاک رہنے کا سبب ہے اور صفائی اور پاکی سبب رضامندی پروردگار ہے۔ (۳۰۲) ہر شئے کے لئے صفائی ہے۔ اور دل کی صفائی خدا کا یاد کرنا ہے۔ (۳۰۳) خدایا ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس میں کہ نیک راہ پر جمے رہیں۔ بہک نہ جائیں بے راہ نہ چلیں کسی پر ستم نہ کریں یا کوئی ہم پر ظلم نہ کرے نادانی کے کام نہ کریں اور دوسروں کی جہالت میں نہ پھنسیں (۳۰۴) پورا پورا تحفہ آپس میں ہاتھ ملانا ہے۔